الجواهر الضیائیہ

شرح

الشاطبیہ

حضرت مولانا قاری محمد سلیمان دیوبندی صاحبؒ
شیخ القراء والتجوید مظاہر علوم سہارنپور

قرأت اکیڈمی®
لاہور

الجواھر الضیائیہ

شرح

الشاطبیہ

تالیف

حضرت مولانا قاری محمد سلیمان دیو بندی صاحبؒ
شیخ القراء والتجوید مظاہر علوم سہارنپور

قرأت اکیڈمی
۲۸-الفضل مارکیٹ ۱۷-اُردو بازار-لاھور
Ph: 042-7122423 Cell: 0300-4785910

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نام کتاب	....	الجواھر الضیائیہ شرح الشاطبیہ
مؤلف	....	حضرت مولانا قاری محمد سلیمان دیوبندی صاحبؒ
طابع وناشر	....	قرآءت اکیڈمی (رجسٹرڈ) لاہور
سرورق وڈیزائن	....	محمد جاوید (علی گرافکس، اُردو بازار، لاہور)

فہرست مضامین

پیش لفظ

از محمد صدیق سانسرودی (خادم دار العلوم فلاح دارین ترکیسر)

باسمہ تعالیٰ

قراءات مختلفہ متواترہ منجملہ سنن نبوی ﷺ کے ایک اہم ترین وبابرکت سنت ہے، دور نبوی ﷺ سے لے کر اب تک ہر زمانے اور ہر خطہ میں اس کے احیاء واشاعت کی بے مثال کوششیں ہوتی رہیں، جسکے لئے اوراق تاریخ شاہد عدل ہیں، پھر انمیں بھی بعض خطوں وچند نفوس کو منجانب اللہ غیر معمولی تلقی حاصل ہوئی۔ چنانچہ بلاد اسلامیہ سے ''اندلس'' جس کو علم قراءت میں مرکزیت ومرجعیت حاصل ہے، جسکی بڑی وجہ اندلس کی دو نامور شہرۂ آفاق عبقری شخصیتیں ہیں، جن میں اول علامہ ابوعمرو عثمان دانیؒ ہیں، جب آپنے قراءت سبعہ پر مشتمل کتاب **التیسیر** تصنیف فرمائی، تو لوگوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ اٹھایا اور کتاب کے اسم با مسمّی ہونے کی وجہ سے لوگوں نے قراءات سبعہ کو اسی سے پڑھنا پڑھانا شروع کیا، اور یہ سلسلہ تقریباً چھٹی ہجری صدی کے نصف تک رہا۔ پھر ۵۳۸ھ میں علامہ ابوالقاسم شاطبیؒ پیدا ہوئے، اور آپ نے بھی حصول قراءت کے لئے ابتداءً علامہ دانی کی تیسیر کو حفظ کیا، پھر تکمیل قراءت کے بعد تدریس کے دوران تیسیر کو مزید دلچسپ اور مفید بنانے کی غرض سے اس کو نظم کردیا، علامہ شاطبیؒ کے مثالی اخلاص وللّٰہیت، عبارت کی فصاحت وبلاغت، عربیت کی رفعت اسلوب کی عمدگی، اختصار کی سہولت اشعار کی دلچسپی، جابجا مؤثر نصائح بلیغ کنائے ادبی کمال جیسی خوبیوں نے اس قصیدۂ لامیہ المسمّی **بحرز الامانی** میں وہ مقناطیسی قوت پیدا کردی کہ دیکھتے ہی دیکھتے یہ قصیدہ عالمی شہرت حاصل کرگیا اور اپنے پرائے سب ہی نے قراءات سبعہ کے حصول کے لئے اس قصیدہ کے حفظ کرنے کو اپنے لئے نعمت کبریٰ سمجھا، اور باوجود اسکے کہ دنیا میں اس کے علاوہ اور بھی کتب قراءت اور قصائد مرتب کئے گئے، مگر کوئی اس کے گرد کو بھی نہیں پہنچ سکا، دور شاطبی سے لیکر آج تک طالبان علم قراءت اسی قصیدہ کو پڑھتے اور حفظ کرتے ہیں۔ بایں ہمہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مختلف وجوہات کے تحت اس قصیدہ کیلئے دور شاطبی ہی سے عمدہ تشریح وتوضیح کی ضرورت شدت سے محسوس کی گئی، اور یہی وجہ ہوئی کہ ابتک اسکی تشریح کا نیک سلسلہ جاری ہے، عرب وعجم میں اس قصیدہ کی نوے سے زیادہ شروحات لکھی گئیں، جن میں بعض مختصر تو بعض مفصل، چنانچہ خود ہندستان میں اس کی ایک شرح بزبان فارسی لکھی گئی جو ستر (۷۰) جلدوں پر مشتمل تھی، بہت کم اور خال خال کوئی کتاب ہوگی جسکی طرف اسقدر اعتناء ہوا ہو، ﴿ذلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء﴾

منجملہ ان شروحات کے ایک ''**الجواھر الضیائیہ**'' ہے جسکو حضرت مولانا قاری سلیمان صاحب نور اللہ مرقدہ ''جو صاحب خلاصۃ البیان کے تلمیذ رشید ہیں'' نے مرتب فرمایا، یہ ایک غیر معمولی مقبولیت کی حامل شرح ہے، ہند وپاک کے ماہرین فن نے اس غیر مطبوعہ اور قلمی نسخہ سے استفادہ بھی کیا، لائق صد مبارک باد ہیں شیخ القراء مظاہر العلوم سہارنپور جناب مولانا قاری رضوان نسیم صاحب زید مجدہم العالیہ کہ آپنے اس کی نہ صرف حفاظت فرمائی بلکہ مجلس خیر سورت کی زیر کفالت علم قراءت کے اس قیمتی سرمایہ کو پہلی بار زیور طبع سے آراستہ فرمایا، اور ا بکی بار قاری مفید الاسلام صاحب کو طباعت کی اجازت مرحمت فرمائی، اللہ تعالیٰ ان جملہ محسنین کی مساعی جمیلہ کو شرف قبول بخشے اور اجر جزیل عطا فرمائے، ہم قاری مفید الاسلام صاحب کی خدمت میں دلی مبارکباد پیش کرتے ہیں کہ عزیز مکرم اپنی اکیڈمی سے دیگر کتب قراءت کی طرح الجواھر الضیائیہ جیسی اہم شرح کو بھی شائع کرانے جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ موصوف کی کاوشوں کو شرف قبول عطا فرمائے آمین۔ (**محمد صدیق سانسرودی**)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارُف

علم قراءت کی مقبول ترین کتاب ''حرز الامانی ووجه التهانی'' (شاطبیہ) کی اردو شرح الجواہر الضیائیہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، ربع صدی سے زائد عرصہ ہوا اس کے مؤلف اپنی اس کاوش کو حلیہ طبع سے آراستہ دیکھنے کی تمنا دل میں لیے ہوئے دنیا سے رخصت ہو چکے ہیں۔ انھوں نے کتنی محنت و جانفشانی اور عرق ریزی سے شاطبیہ جیسی چیستاں اور ادق کتاب کی شرح تیار کی اس کا اندازہ ناظرین اور اہل فن کو مطالعہ سے ہوگا۔ حقیقت یہ ہے کہ علامہ شاطبیؒ نے اس قصیدہ میں عام مصنفین ومؤلفین کے طرز سے مختلف ایک بالکل نیا اور انوکھا انداز اختیار کرنے کے ساتھ اتنے اختصار سے کام لیا ہے کہ تھوڑے الفاظ میں بہت سے مطالب ومفاہیم کو سمو دیا ہے۔ الفاظ نہایت فصیح اور بلیغ استعمال کیے ہیں اور تشبیہات واستعارات اور مجازات ورموز نے کلام کو حسین وخوبصورت بنانے کے ساتھ چیستاں بھی بنا دیا ہے۔ اس لیے شاطبیہ کے متن سے اس کے مفہوم کو سمجھنے کے لیے محض عربی زبان سے واقفیت بلکہ اس میں مہارت حاصل کر لینا کافی نہیں بلکہ کسی ماہر فن کی تشریح وتوضیح بھی ضروری ہے۔ اسی لیے اس متن کی پچاسوں شروح لکھی گئیں لیکن وہ اکثر عربی زبان میں ہیں اردو زبان میں یہ خدمت بہت کم ہوئی البتہ شاطبیؒ وقت عارف باللہ حضرت قاری فتح محمد صاحبؒ پانی پتی نے ایک نہایت مفصل اور محققانہ شرح اردو میں تالیف فرمائی۔ جو پاکستان میں طبع ہوئی اس میں فن کی اتنی معلومات جمع کر دی گئی ہیں کہ شاید اس سے زیادہ کاوش موجودہ دور میں ناممکن ہے لیکن یہ شرح ہندوستان میں تو پہلے ہی سے نایاب تھی اب پاکستان میں بھی کمیاب ہے۔

پیش نظر کتاب ''**الجواهر الضيائيه**'' بھی ایک محققانہ اردو شرح ہے جس میں ترجمہ ومطلب کے ساتھ نحوی وصرفی تحقیقات اور فن کی قیمتی معلومات جمع کی گئی ہیں۔ مؤلف نے اس کو بہت سے غیر مرتب مسودات کے اجزاء کی صورت میں چھوڑا تھا راقم الحروف نے اس میں سے انتخاب اور تصحیح وتبییض کے بعد بعض بزرگوں اور احباب کے تعاون سے اس کو طبع کرایا ہے۔

دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت شارحؒ اور معاونین نیز اس بے بضاعت کے لیے ذخیرۂ آخرت کے طور پر قبول اور طلبہ کے لیے نافع فرمائے۔ آمین۔

رضوان نسیم

سبعہ قراءت کیا اور کیوں

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم. نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم

قال النبي صلی اللہ علیہ وسلم ان ھٰذا القرآن انزل علی سبعة احرف فاقرء وا ما تیسر منہ او کما قالؐ (بخاری ومسلم)

قرآن کریم اللہ تعالیٰ کا وہ کلام ہے جو دنیا میں بسنے والے اور قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے نازل فرمایا گیا اس لیے اس میں جو وسعت وہمہ گیری وجامعیت ہے وہ پہلی آسمانی کتابوں میں نہیں تھی۔ اس امت پر بے شمار خصوصی نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس اور قرآن کریم جیسی عظیم اور بے مثل کتاب ہے، یہ کتاب چوں کہ ہر ملک، ہر زمانہ، ہر قوم اور ہر قسم کے انسانوں اور ہر زبان والوں کے لیے نازل فرمائی گئی اور یہ صرف مطالعہ کے لیے نہیں بلکہ اس کی تلاوت بھی مقصود ہے، چناں چہ ارشاد نبوی ﷺ ہے:

﴿عن ابن مسعودؓ عن النبی ﷺ من قرأ حرفا من کتاب اللہ فلہ بہ حسنة والحسنة بعشرة امثالھا لااقول الٓمّٓ حرف لکن الف حرف ولام حرف ومیم حرف﴾ (رواہ الترمذي)

قرآن کریم چوں کہ عربی زبان میں نازل ہوا اور عرب کے قبائل کے مختلف ہونے کے ساتھ زبان کے بہت سے الفاظ اور بولنے کا انداز ولہجہ بھی مختلف تھا۔

اس لیے اللہ تعالیٰ نے امت کی آسانی کے لیے قرآن کریم کو مختلف قراءتوں میں نازل فرمایا تا کہ جس کے لیے جو قراءت آسان ہو وہ اس میں تلاوت کر سکے۔

ابومحمد عبداللہ بن قتیبہ اپنی کتاب ''مشکل'' میں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے آسانی عطا کرنے کے لیے اپنے نبی ﷺ کو حکم دیا کہ اپنی امت کو ان کی زبان اور عادت کے مطابق الفاظ میں قرآن پڑھائیں چناں چہ ہزیل ''حتّٰی'' کے بجائے ''عتّٰی'' بولتے تھے اور اسدی ''تَعْلَمُوْنَ'' اور ''تَعْلَمُ وتَسْوَدُّ'' وجوہ اور ﴿اَلَمْ اَعْھَدْ اِلَیْکُمْ﴾ میں علامت مضارع کو کسرہ سے ادا کرتے تھے اور بنی تمیم ''یَاْلَمُوْنَ'' ''شِئْتَ'' ''یُؤْمِنُوْنَ'' میں ہمزہ بولتے تھے اور قریش ہمزہ کو حرف مدہ سے بدلتے تھے اور بعض ﴿قِیْلَ لَھُمْ﴾ اور ﴿غِیْضَ الْمَاءُ﴾ میں قاف اور غین کے زیر کو زیر اور پیش کے درمیان پڑھتے تھے۔ جس کو اشمام کہتے ہیں

اور ﴿مَالَکَ لَا تَأمَنَّا﴾ میں ادغام کے ساتھ اشمام کرتے تھے، اور بعض "عَلَیْهِمْ" کو "عَلَیْهُمْ" اور بعض "عَلَیْهِمُ" اور بعض ﴿قَدْ اَفْلَحَ﴾ ﴿قُلْ اُوْحِیَ﴾ اور ﴿خَلَوْا اِلٰی﴾ جیسے کلمات میں ہمزہ کی حرکت نقل کر کے ہمزہ کو حذف کرتے تھے اور ﴿قَدَفْلَحَ﴾ ﴿قُلُوْحِیَ﴾ اور ﴿خَلَوِلٰی﴾ پڑھتے، اور بعض "مُوْسٰی" "عِیْسٰی" "دُنْیَا" کو امالہ سے "مُوْسَی" "عِیْسَیْ" "دُنْیَیْ" پڑھتے تھے، اور بعض "اَلطَّلَاقُ" "اَلصَّلٰوةُ" میں لام کو پُر پڑھتے تھے وغیرہ وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان حضرات سے ہر گروہ اگر یہ چاہتا کہ وہ اپنے لغت اور اپنی بچپن اور جوانی کی پڑی ہوئی عادت کو چھوڑ دے تو ان کو بڑی دشواری پیش آتی اور بڑی محنت کرنا پڑتی اور عرصہ تک مشق کرنے، زبان کو مسخر کرنے، اور عادت کو ترک کرنے کے بعد کہیں ممکن ہوتا زبان اور لہجہ کا یہی اختلاف تھا جس کی بناء پر اللہ جل شانہٗ نے متعدد قراءات کی اجازت مرحمت فرمائی اور جس طرح امت کو دین میں آسانی دی تھی اسی طرح اپنے لطف وانعام سے قرآن کے لغات اور حرکات اور طریق ادا میں بھی وسعت عطا فرما دی چناں چہ حضرت جبرئیل علیہ السلام جب نبی اکرم ﷺ کے پاس قرآن کریم کو ایک حرف پر لے کر آئے تو حضرت میکائیل علیہ السلام نے بارگاہِ رسالت میں عرض کیا کہ زیادتی کی درخواست کیجئے اس پر آپ ﷺ نے حق تعالیٰ سے اپنی امت کے لیے آسانی کی درخواست کی تو دو حرفوں پر لے کر آئے۔ حضرت میکائیل علیہ السلام نے پھر کہا کہ زیادتی کی درخواست کیجئے تو آپ نے پھر آسانی کا سوال کیا تو تین حروف پر لائے۔ اسی طرح ہوتا رہا حتی کہ شمار سات حروف تک پہنچ گیا۔ ابو بکرہ کی حدیث میں ہے کہ اس کے بعد میں نے میکائیل علیہ السلام کو دیکھا تو وہ خاموش ہو گئے میں نے اس سے سمجھ لیا کہ شمار ختم ہو گیا۔ (اس پر زیادتی نہیں ہوگی)

حضرت اُبیؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے مسجد میں آکر سورۂ نحل اس کے خلاف پڑھی جس طرح میں پڑھتا تھا۔ میں نے پوچھا کہ تجھے یہ سورۃ کس نے پڑھائی انھوں نے کہا نبی ﷺ نے پھر ایک اور شخص آیا اور اس نے بھی سورۂ نحل پڑھی اور ہم دونوں کے خلاف تیسری طرح پڑھی میں نے اس سے بھی پوچھا، تو اس نے بھی یہی جواب دیا اس سے میرے دل میں شک پیدا ہو گیا اور میں ان دونوں کو نبی ﷺ کی خدمت میں لے گیا آپ نے ایک سے سن کر فرمایا: "اَحْسَنْتَ" (تو نے اچھی طرح پڑھا) دوسرے سے سن کر فرمایا "اَصَبْتَ" (تو نے ٹھیک پڑھا) پھر مجھ سے سن کر فرمایا: "هٰكَذَا اُنْزِلَتْ" (ایسے ہی نازل کی گئی ہے)

حضرت عمرؓ کا ارشاد ہے کہ میں نے ہشام بن حکیمؓ کو سورۃ فرقان دوسری طرح پڑھتے ہوئے سنا تو میں نے پوچھا کہ یہ سورت تم نے کس سے پڑھی انھوں نے کہا نبی کریم ﷺ سے۔ میں ان کو حضور ﷺ کے پاس لے گیا

اور واقعہ عرض کیا تو حضور ﷺ نے ہم دونوں سے سن کر درست بتایا اور فرمایا ﴿اِنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ فَاقْرَءُ وْا مَا تَيَسَّرَ مِنْهُ﴾ (بخاری ومسلم) امام ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث متواتر ہے اور محقق جزریؒ نے اس کے طرق کو علیحدہ ایک رسالہ میں جمع کیا ہے حافظ ابویعلی مسند کبیر میں کہتے ہیں کہ حضرت عثمان غنیؓ نے ایک روز ممبر پر کھڑے ہوکر صحابہ کرام سے فرمایا میں ان حضرات کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں جنھوں نے نبی ﷺ سے یہ الفاظ سنے ہوں۔ ﴿اِنَّ الْقُرْآنَ اُنْزِلَ عَلٰى سَبْعَةِ اَحْرُفٍ كُلُّهَا شَافٍ كَافٍ﴾ وہ کھڑے ہو جائیں۔ اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی اتنی بڑی جماعت مسجد میں کھڑی ہوگئی جس کی گنتی نہیں ہوسکتی تھی اور سب نے اس پر گواہی دی پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا میں بھی اس پر گواہ ہوں۔

محقق فرماتے ہیں کہ قرآن کے سات حروف پر نازل ہونے کی حدیث میں تیس سال سے زیادہ عرصہ تک غور کرتا رہا یہاں تک کہ حق تعالیٰ نے مجھ پر اس کا ایک مطلب ظاہر فرمادیا ممکن ہے کہ وہ صحیح ہو وہ یہ کہ میں نے صحیح وشاذ ومنکر وضعیف قراءتوں کو تلاش کیا تو ان کے تغیر کو ذیل کی سات قسموں سے باہر نہیں پایا۔ انھیں سات قسموں میں سے کسی نہ کسی طرح کا تغیر ہوتا ہے۔

(۱) حرکات میں تغیر ہو لیکن لفظ کی صورت اور معنی میں بالکل نہ ہو جیسے: "بِالْبُخْلِ" "بِالْبَخَلِ" اور "يَحْسِبُ" "يَحْسَبُ".

(۲) حرکات اور معنی میں تغیر ہو جائے صورت میں نہ ہو جیسے: ﴿فَتَلَقّٰى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٍ﴾ اور ﴿اٰدَمَ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمَاتٌ﴾

(۳) حروف اور صورت میں تغیر ہو جائے لیکن معنی میں نہ ہو جیسے: "بَصْطَةً" "بَسْطَةً" اور "اَلسِّرَاطَ" "اَلصِّرَاطَ"

(۴) حروف اور معنی میں تغیر ہو جائے لیکن صورت میں نہ ہو جیسے: "تَبْلُوْ" "تَتْلُوْ"

(۵) حروف ومعنی وصورت میں تغیر ہو جائے جیسے: ﴿اَشَدَّ مِنْكُمْ﴾ ﴿اَشَدَّ مِنْهُمْ﴾

(۶) تقدیم وتاخیر کا تغیر جیسے: "فَيَقْتُلُوْنَ" "وَيُقْتَلُوْنَ" "فَيُقْتَلُوْنَ" "وَيَقْتُلُوْنَ"

(۷) حروف کی کمی وزیادتی کا تغیر جیسے: "وَاَوْصٰى" "وَوَصّٰى" اور رہے اصولی اختلافات جیسے اظہار ادغام، روم، اشمام، تفخیم، ترقیق، مد، قصر، اماله، فتحه، تحقیق، تسهیل، ابدال، نقل۔ ان میں لفظ ومعنی میں تبدیلی نہیں ہوتی بلکہ ادائے گی اور تلفظ میں فرق ہوتا ہے ابوالفضل رازی اور ابن قتیبہ نے بھی یہی فرمایا ہے کہ سات حروف سے لفظی تغیر کی سات قسمیں مراد ہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کی طرح نبی اکرم ﷺ کو صرف کسی ایک قوم کی طرف نہیں بھیجا گیا بلکہ تمام دنیا اور قیامت تک آنے والے تمام انسانوں کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے اور قرآن کریم عربی میں نازل ہوا اور عرب کے لغات جدا جدا اور زبانیں متفرق ہونے کی وجہ سے ایک لغت والوں کو دوسرے کی لغت میں پڑھنا بہت مشکل تھا خصوصاً بوڑھوں عورتوں اور ان پڑھ لوگوں کے لیے زیادہ دشواری تھی۔ اس صورت میں اگر یہ حکم ہوتا کہ سب کو ایک ہی حرف اور ایک ہی لغت میں پڑھنا ہے تو اس پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا اور یہ تکلیف تحمل سے باہر ہوتی اور اس صورت میں یہ بھی ممکن تھا کہ طبیعتیں اس کی تلاوت سے ہٹ جاتیں اس لیے اللہ جل شانہ نے قرآن کریم کو مختلف قراءتوں میں نازل فرما کر اس کی تلاوت سب کے لیے آسان فرمادی۔ (عنایات بتغیر) واللہ اعلم بالصواب۔

رضوان نسیم

خادم تجوید وقراءت مظاہر علوم سہارنپور (یوپی)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شارحؒ کے مختصر حالات

والد ماجد کا نام منشی فضل حق صاحب ہے قاری صاحب موصوف کی پیدائش محلہ قاضی دیوبند میں ۱۳۲۰ھ میں ہوئی عربی تعلیم سے فارغ ہوکر امام فن مولانا قاری ضیاء الدین صاحب الہ آبادیؒ کی خدمت میں پہنچے اور تجوید وقراءت کی مشق کی وہاں سے فراغت کے بعد اپنے اساتذہ کے ارشاد پر کاٹھیاواڑ (گجرات) اور شملہ میں تعلیمی خدمات انجام دیں پھر نگینہ ضلع بجنور میں تقریباً بارہ سال تک درس دیا ۱۳۵۱ھ میں مظاہر علوم سہارنپور تشریف لائے اور دوذی قعدہ سنہ مذکورہ سے بیس روپے مشاہرہ پر یہاں استاذ قراءۃ وتجوید بنائے گئے۔

مسلسل پینتیس سال آپ نے یہاں اس فن کی خدمت کی سکیڑوں طلبہ نے آپ کی محنت اور توجہ کی بناء پر خوش آوازی اور خوش الحانی کے ساتھ قرآن شریف پڑھنا سیکھا اور اس فن میں مہارت حاصل کی۔ چوبیس رمضان المبارک ۱۳۸۵ھ دوشنبہ ۱۷ جنوری ۱۹۶۶ء میں آپ نے وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ نے فن قرأۃ وتجوید پر متعدد کتابیں لکھیں جن کا یہاں تعارف کرایا جاتا ہے۔

(۱) **حاشیہ خلاصۃ البیان**: شیخ القراء حافظ ضیاء الدین صاحبؒ۔ کی عربی تالیف خلاصۃ البیان فی تجوید القرآن پر حاشیہ ہے جو عربی میں لکھا گیا ہے یہ حاشیہ غیر مطبوعہ ہے۔

تذکرۂ قاریانِ ہند کے مصنف اس حاشیہ کے متعلق لکھتے ہیں کہ ---- یہ نہایت مفید اور صحیح حاشیہ ہے جس کو شیخ القراء حافظ ضیاء الدین صاحب نے از اول تا آخر ملاحظہ فرما کر اس قدر پسند فرمایا کہ اپنے قلم سے اس کی نقل کر کے اپنے پاس رکھ لی تھی جو آج کل مقری اظہر حسن صاحب کے پاس ہے۔ (تذکرہ ص: ۸۔ جلد سوم)

(۲) **ضیاء التجوید**: یہ کتاب تجوید کے ضروری قواعد ومسائل کا مجموعہ ہے۔ مصنف نے اپنے استاذ محترم قاری ضیاء الدین صاحب کے نام پر اس کا نام ضیاء التجوید رکھا ہے۔ اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہوئے۔ حال ہی میں مکتبہ تسیمیہ نزد مظاہر علوم سہارنپور سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔ اس کا سائز ۲۲×۱۸: ۸، ہے اور صفحات ستائیس ہیں، جمادی الثانی ۱۳۵۵ھ میں یہ کتاب لکھی گئی۔

(۳) **رھنمائے تجوید المعروف بہ میزان التجوید**: سوالات وجوابات کی شکل میں یہ ایک مفید

اور معلوماتی کتاب ہے۔ نوعمر طلبہ اور مبتدیوں کے لیے اس میں تمام مسائل عام فہم اور آسان زبان میں لکھے گئے ہیں محرم ۱۳۶۶ھ میں یہ کتاب کتب خانہ سلیمانیہ نزد مدرسہ مظاہر علوم سے شائع ہوئی اس کے صفحات بتیس ہیں اور سائز ۳۰×۲۰:۱۶، ہے۔

(۴) **فوائد مرضعیہ شرح المقدمة الجزرية**: فن تجوید کی مشہور اور بنیادی کتاب المقدمة الجزرية کی یہ اردو شرح ہے جو مولانا قاری مفتی محمود صاحب رنگونی، مولانا ادریس صاحب انبھوٹی (پاکستان) کی فرمائش پر لکھی گئی ہے۔ متقدمین کی کتب و شروحات سے مضامین اخذ کر کے آسان اردو زبان میں ترتیب دے کر یہ مجموعہ مرتب کیا گیا ہے اس لیے اس کے صفحات چھیاسٹھ ہیں اور سائز ۲۶+۲۰:۸، ہے حضرت مولانا الحاج الشاہ محمد اسعد اللہ صاحب نے اس کتاب کی تاریخ طبع یہ فرمائی ہے، اور اب مطبوعہ آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ ؎

سامان آخرت ہے حقیقت میں یہ کتاب ✿ تاریخ بھی ہے اس لیے سامان آخرت

۱۳۵۳ھ

(۵) **جواھر ضیائیة شرح اردو متن شاطبیة**: یہ بڑی مفصل اور جامع شرح ہے جو قاری محمد سلیمان صاحبؒ نے تالیف کی ہے قدماء کی کتابوں سے بہترین اور عمدہ طریقہ پر اخذ وانتخاب کر کے اس شرح کو مرتب کیا گیا ہے یہ تالیف غیر مطبوعہ شکل میں مولانا کے صاحب زادگان کے پاس محفوظ تھی۔ اس شرح کو قاری صاحبؒ نے جن خصوصیات سے مزین کیا ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) ترکیب نحوی کو بیان کیا گیا ہے اور تقدیر عبارت کو ظاہر کر کے کافی وضاحت کی گئی ہے۔

(۲) حل لغات کا اہتمام کیا گیا ہے اور مادہ اشتقاق کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

(۳) اوّل سلیس ترجمہ کیا گیا ہے پھر مطلب حل کیا گیا ہے۔

(۴) الفاظ اصطلاحی کی کافی تشریح کی گئی ہے۔ خواہ وہ کسی فن کے ہوں۔

(۵) مثالوں میں موقعہ بموقعہ آیات قرآنی اور احادیث رسول ﷺ کو پیش کیا گیا ہے۔

(۶) فوائد کی شکل میں نکات بیان کئے گئے ہیں اور اگر مصنف کی عبارت پر کوئی اعتراض وارد ہوتا ہے تو اس کا جواب اس انداز سے دیا گیا ہے کہ وہ مصنف علیہ الرحمۃ کے کمالات کا آئینہ اور ایک مستقل نگینہ ہو کر ظاہر ہوتا ہے۔

از'' (علماء مظاہر علوم اور ان کی علمی و تصنیفی خدمات)

مصنفؒ کے مختصر حالات

امام العلامہ ابوالقاسم بن فیرہ بن ابی القاسم خلف ابن احمد رعینی شاطبی ۵۳۸ھ کو جزیرہ اندلس کے قصبہ شاطبہ میں پیدا ہوئے آپ نے علم قراءت ابوالحسن علی بن ہزیل سے اور انھوں نے ابوداؤد سلیمان بن نجاح سے اور انھوں نے علامہ ابوعمرو دانی عثمان بن سعید مصنف کتاب تیسیر سے اور انھوں نے اپنے شیوخ سے کہ جن کی اسانید قراءت کتاب تیسیر میں مذکور ہیں حاصل کیا ہے آپ علم قرأة وتفسیر کے امام اور حافظ حدیث تھے آپ کے حافظہ سے صحیحین (مسلم وبخاری) کی تصحیح کی جاتی تھی اور جہاں کہیں کچھ نکات وغیرہ لکھوانے کی ضرورت ہوتی تھی وہاں بطور حواشی کے لکھوا دیتے تھے آپ علوم عربیہ کے بھی بہت بڑے استاذ تھے اور فن تعبیر میں بھی بہت ماہر تھے آپ بالاتفاق اللہ کے ولی اور بہت بڑے صاحب کشف وکرامات بزرگ تھے باطنی حالات کسی پر ظاہر ہونے نہیں دیتے تھے فضول کلام سے پرہیز فرمایا کرتے تھے بیماری میں العافیہ کے سوا کچھ جواب نہ دیتے تھے۔ آپ نے علامہ ابوعمرو دانی کی کتاب تیسیر کو مع زیادات گیارہ سو تہتر اشعار میں نظم فرمایا ہے اگرچہ نظم میں قراءت بیان کرنے کے موجد علامہ حصری ہیں مگر پوری سبعہ کو نظم کرنے والے آپ پہلے شخص ہیں آپ کے معاصرین اور بعد کے ائمہ نے قراءت میں قصائد لکھے مگر کوئی شاطبی کی گرد کو بھی نہ پہنچ سکا متأخرین کا اتفاق ہے کہ شاطبی پڑھے بغیر سبعہ پر عبور کامل نہیں ہوسکتا۔ علامہ شاطبیؒ نے صرف باون سال کی عمر میں ۲۸ رجمادی الثانی ۵۹۰ھ کو اتوار کے دن بعد عصر مصر کے شہر قاہرہ میں وفات پائی اور پیر کے دن دفن کیے گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

علامہ شاطبیؒ باوجودیکہ مادرزاد نابینا تھے مگر ان سے بوجہ ذکاوت وفطانت ایسی حرکات ظاہر نہیں ہوتی تھیں جیسا کہ نابیناؤں سے ہوا کرتی ہیں۔ قرطبیؒ نے نقل کیا ہے کہ جب علامہ شاطبیؒ اس قصیدہ کی تالیف سے فارغ ہوئے تو کعبہ شریف کے بارہ ہزار طواف کئے جب مقامات دعاء پر پہنچتے تو حسب ذیل دعاء کرتے ﴿اَللّٰهُمَّ فَاطِرَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضِ عَالِمَ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ رَبَّ هٰذَا الْبَيْتِ الْعَظِيْمِ اَنْفَعْ بِهَا كُلَّ مَنْ قَرَأَ هَا﴾ نیز قرطبی سے یہ بھی منقول ہے کہ علامہ شاطبیؒ نے حضور اقدس ﷺ کو خواب

میں دیکھا اور آپ کی خدمت مبارکہ میں اس قصیدہ کو پیش کر کے عرض کیا یا سیدی و یا رسول اللہ ﷺ اس قصیدہ کو ملاحظہ فرمائیے چناں چہ حضور اقدس ﷺ نے اس قصیدہ کو اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: ''هِيَ مُبَارَكَةٌ مَنْ حَفِظَهَا دَخَلَ الْجَنَّةَ '' قرطبی نے اس کے علاوہ یہ الفاظ اور زیادہ کئے ہیں کہ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ ''مَنْ مَّاتَ وَهِيَ فِيْ بَيْتِهٖ دَخَلَ الْجَنَّةَ'' یعنی جو شخص ایسی حالت میں وفات پائے کہ اس کے گھر میں یہ قصیدہ موجود ہو تو وہ بھی جنت میں داخل ہوگا، واللہ اعلم۔

ف: یاد رکھو کہ فن قراءت وہ علم ہے کہ جس سے ناقلین کتاب اللہ کے اتفاقات واختلافات احوال نطق میں من حیث السمع پہنچائے جائیں۔ اس کا موضوع کلمات قرآنیہ ہیں کہ جن کی ادائیگی کے احوال سے بحث کی جاتی ہے اور غایت نقل قرآنی میں خطا سے محفوظ رہنا اور تمام ائمہ کی قراءت معلوم کرنا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خطبة الكتاب ﴿٩٤﴾

بَدَأْتُ بِبِسْمِ اللّٰهِ فِي النَّظْمِ اَوَّلاً
تَبَارَكَ رَحْمَانًا رَحِيْمًا وَمَوْئِلاً

ش: **قوله**: بدأت الخ يقال بدأ الشئ انشاه ومنه قوله تعالى ﴿الله يبدأ الخلق﴾ وبدابه ای ابتدأ به وجعله اولا وهوالمراد هنا. یعنی جب بدأ کا صلہ با ہوتا ہے تو اس کے معنی قدّم کے ہوتے ہیں یقال بدأت بکذا اذاقدمته پس ببسم اللہ میں پہلی با تعدیہ فعل کے لیے ہے ای بدأت بهذا اللفظ اور دوسری با جو ہے وہ بسم اللہ کی ہے۔ **قوله**: في النظم بمعنی المنظوم یا مصدر بحالہ ہے اور اس میں الف لام بلحاظ قرینہ عہد کا ہے جو قائم مقام اضافت عہد کے ہے اے فی نظمی كقوله تعالى في ادنى الارض اى فى ادنى ارض العرب قوله اولا ترکیب میں یا تو موصوف محذوف کی صفت ہونیکی بنا پر منصوب ہے۔ ای نظما اوّلاً اور یا اس بنا پر منصوب ہے کہ یہ بدأت یا نظم کا ظرف زمان ہے پس پہلی صورت میں اس کا الف اطلاق کے لیے ہوگا کیونکہ اس وقت یہ وزن فعل اور صفت ہونے کی بنا پر غیر منصرف ہے اور دوسری صورت میں جبکہ بدأت یا نظم کا ظرف مانا جائے تو اسوقت اس کا الف اطلاق کے لیے نہ ہوگا بلکہ وہ بحالت وقف تنوین سے بدلا جائے گا اس لیے کہ اب یہ بوجہ عدم نیت اضافت معرب ہے خلاصہ یہ ہوا کہ لفظ اولا یا تو اسم بمعنی اسبق یا ظرف بمعنی قبل ہے واللہ اعلم۔ **قوله**: تبارک: بروزن تفاعل ای تکاثر برکته وتواترنعمته ترکیب میں جملہ مستانفہ ہے۔
قوله: رحمانا رحيما وموئلا: تینوں بناء پر حال یا تمیز یا بتقدیر اعنی منصوب ہیں اور موئلا کے معنی ملجاو منجا کے ہیں ومنہ قولہ تعالیٰ ﴿بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلاً﴾.

ترجمہ: ابتداء کی میں نے اولاً بسم اللہ سے (اپنی اس) نظم میں بہت ہی بابرکت ہے اللہ تعالیٰ اس حال میں کہ وہ نہایت ہی مہربان بہت رحم والا ہے اور وہ (سب کا) جائے پناہ (اور ٹھکانا بھی) ہے۔

مطلب: ناظم نے اس بیت میں تکمیل بسملہ کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اس حدیث کا ﴿كُلُّ اَمْرٍ ذِيْ بَالٍ

لَمْ يُبْدَأْ فِيهِ بِبِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ فَهُوَ اَقْطَعُ﴾ پر عمل کرتے ہوئے بسم اللہ کو سب سے پہلے بیان کیا ہے......دوسرے یہ کہ اس میں حق تعالی کا نام ہے جو بہت ہی برکت والا ہے اس لیے مجھے امید ہے کہ وہ میری اس نظم پر بھی اپنی برکتیں نازل فرمائے گا۔ اور اس میں وہ مضامین جن کو میں نظم کرنا چاہتا ہوں اچھے اور عمدہ طریقہ پر نظم کرادے گا اور اس کو قبول فرما کر مقبول خاص و عام کردے گا کیونکہ وہ رحمان اور رحیم بھی ہے اور چونکہ وہ تمام مخلوق کا ماوی وملجا بھی ہے اور سوائے اس کے اور کوئی دوسرا ٹھکانا بھی نہیں ہے اس لیے اس کا نام سب سے پہلے ذکر کرنا اور اس کی طرف ہر حالت میں رجوع کرنا بھی ضروری ہے۔

وَثَنَّيْتُ صَلَّى اللهُ رَبِّىْ عَلَى الرِّضَا
مُحَمَّدِ الْمُهْدٰى اِلَى النَّاسِ مُرْسَلاً

ش قوله: وثنيت اى ثنيت بصلى الله اى بهٰذااللفظ كماقال بدأت ببسم الله اوعلى اضمار القول اى بقول صلى الله اوثنيت باالصلوٰة فقلت صلى الله پس پہلی صورت میں قولہ صلی اللہ بحذف باء تعدیہ محلاً منصوب ہے اور باء حرف جر ضرورةً محذوف ہے یا صلی اللہ بناء بر اضمار قول مفعول مطلق یا مفعول بہ ہے اور یہ لفظاً خبر و معنیً دعاء ہے۔ **قوله:** ربی ای مالکی ترکیب میں صلی اللہ کے فاعل سے بدل ہے۔ **قوله:** علی الرضا متعلق صلی کے ہے اور معنی میں الرضی یا المرضی کے ہے۔ ای الذی ارتضاہ اللہ تعالی ۱۲۔ **قوله:** محمد ترکیب میں الرضی سے بدل ہے یا عطف بیان ہے۔ **قوله:** المهدی اسم مفعول من اهديت الشئ اذا بعثه ہدیہ ترکیب میں محمد کی صفت ہے اور اس سے اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جس کو حاکم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے ﴿انماانا رحمة مهداة﴾ ۱۲ **قوله:** مرسلا: ترکیب میں المہدی کی ضمیر سے حال ہے اور اس سے اللہ تعالی کے قول: ﴿وَمَا اَرْسَلْنَاكَ اِلَّا كَافَّةً لِلنَّاسِ﴾ کی طرف اشارہ ہے قولہ الی الناس یا تو المہدی کے متعلق ہے یا مرسلا کے۔ واللہ اعلم۔

ترجمه: اور دوسرے ابتدا کی میں نے لفظ صلی اللہ سے کہ رحمت کاملہ نازل فرمائے اللہ تعالی جو میرا رب ہے پسندیدہ ذات محمد ﷺ پر جو لوگوں کی طرف ہدیہ کئے گئے ہیں اس حال میں کہ وہ رسول ہیں (یعنی آپ ﷺ کی ذات بابرکات ایسی ہے) جو آپ ﷺ کی امت کو بطور تحفہ اور ہدیہ کے دی گئی ہے اور آپ ﷺ کو لوگوں کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔

وَعِتْرَتِهِ ثُمَّ الصَّحَابَةِ ثُمَّ مَنْ
تَلاهُمْ عَلَى الْاِحْسَانِ بِالْخَيْرِ وُبَّلاً

ش: **قوله**: وَعِتْرَتِہ۔ وردعترتی اهل بیتی ورد تفسیره بازواجه وذریته ترکیب میں یہ اوراس کا مابعد مجرور بالعطف ہے اوراس کا عطف علی الرضا پر ہے۔ **قوله**: الصحابة صحابی کی اسم جمع ہے صحابی اس کو کہتے ہیں جس نے حضور ﷺ کی بحالت ایمان زیارت کی ہو اور بغیر تخلل ردّت انتقال فرمایا ہو یہاں صحابی سے مراد غیر عترة ہے تا کہ عطف قوی ہوجائے یا تعمیم بعد تخصیص یا اس کا عکس ہے۔ **قوله**: ثم من تلا هم ای تبعهم موصول وصلہ ہے اور تلاہم کی ضمیر مفرد مرفوع مستتر کا مرجع لفظ مَن ہے اور ثم محض عطف کے لیے ہے۔ **قوله**: علی الاحسان ای علی طلب الاحسان اور علی طریقة الاحسان متعلق تلاہم کے ہے وکذا۔ **قوله**: بالخیر ای باالطاعة والایمان یا قوله بالخیر متعلق قول وُبّلا کے ہے اور وبّل جمع ہے وابل کی ہے بمعنی المطر الغزیر یعنی تیز بارش اور یہ ترکیب میں تلاہم کی ضمیر فاعل یا مفعول یا دونوں سے حال ہے۔ ای مشبهین بالوابل فی کثرة خیرهم ورفعة قدرهم ودلالةامرهم بالنسبة الی غیر هم (قاری)

ترجمه: اور (حق تعالی رحمت کاملہ نازل فرمائے) آپ ﷺ کی آل واہل بیت پر اور اصحاب پر اور ان لوگوں پر جنھوں نے ان کا اتباع کیا ہے اچھے اور عمدہ طریقہ پر اس حال میں کہ وہ کثرت خیر میں موسلا دھار اور تیز بارش کے مشابہ ہیں۔

مطلب: ناظمؒ نے اس بیت میں اس امر کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ جب تم حضور ﷺ پر درود بھیجو تو آپ کے ساتھ آپ کے آل واصحاب وغیرہم پر بھی درود سلام بھیجو کیونکہ جب حضور ﷺ سے کیفیت صلوٰة کے متعلق سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿قولو اللّٰهم صل علیٰ محمد وعلی آل محمد وفی روایة علی 'محمد وعلی ازواجه وذریته﴾ پس گویا کہ آل کی تفسیر حدیث آخر کی بنا پر ازواجہ وذریتہ سے کی گئی ہے اور یہی معنیٰ عترتہ کے ہیں جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اگر چہ بعض نے کہا ہے کہ آپ کے آل آپ کے اتباع ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ مقام دعاء میں آپ کی امت اور مقام زکوٰة میں بنی ہاشم اور بنی مطلب ہیں۔ واللہ اعلم۔

وَثَلَّثْتُ اَنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ دَائِمًا
وَمَا لَيْسَ مَبْدُوْءًا بِهٖ اَجْزَمُ الْعَلَا

ش: **قوله**: وثلثت الخ یہ بھی مثل ثنیت کے متعدی بحرف جر ہے اور حرف جر ضرورة محذوف ہے ای ثلثت بان الحمد اور انَّ کو بہمزہ مفتوحہ ومکسورہ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں مفتوحہ تو اس لیے کہ یہ مفعول کی جگہ واقع ہے اور مکسورہ اس لیے کہ یہاں لفظ قول محذوف ہے ای فقلت ان الحمد،۱۲ **قوله**: لله ترکیب

میں ان کی خبر ہے ای حاصل اور حصل للہ اور۔ **قولہ**: دائماً مصدر محذوف کی صفت ہے ای حمداً مستمراً یا یہ حال ہے اور اس کا ذوالحال ضمیر ہے جس کا مرجع حمد ہے اور حاصل یا حصل متعلق للہ مستتر ہے۔

قولہ: وما لیس میں ما موصولہ مبتدا اور لیس مبدوٗا یہ اس کا صلہ ہے اور لیس کا اسم ضمیر جس کا مرجع ما ہے اور مبدوءاً یہ اس کی خبر ہے اور ضمیر بہ کا مرجع حمد ہے۔ **قولہ**: اجزم العلا ترکیب میں ما مبتداء کی خبر ہے الجزم بمعنی القطع اور العلا بفتح العین والمد کے معنی شرف ورفعت کے ہیں اور یہاں جو العلا بلا مد کے ذکر کیا گیا ہے وہ لغۃً ہے ضرورۃً نہیں کیوں کہ جب اس پر وقف کیا گیا تو ہمزہ ساکن ہو گیا پھر اس کو الف سے بدل لیا بعدہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ایک الف حذف ہو گیا جیسا کہ آئندہ ان شاء اللہ باب وقف حمزہ وہشام میں معلوم ہو گا۔ جیسے السماء والدعاء وغیرہ اس لیے کہ امام (حمزہ) اس ہمزہ کو جو کلمہ کے آخر میں الف کے بعد واقع ہو بحالت وقف الف سے بدل دیتے ہیں پھر ان میں سے ہر ایک الف کو بوجہ اجتماع ساکنین حذف کر دیتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور تیسرے ابتداء کی میں نے حمد سے کہ تحقیق تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں ہمیشہ اور ہر وہ کلام جو حمد سے نہ شروع کیا گیا ہو مقطوع الشرف اور خالی از برکت ہے۔

مطلب: اس بیت میں ناظمؒ نے حضور ﷺ کے اس قول کی طرف اشارہ فرمایا ہے: ﴿كُلُّ أَمْرٍ ذِیْ بَالٍ لَمْ يُبْدَأْ بِحَمْدِ اللّٰهِ فَهُوَ أَجْزَمُ رَوَاهُ أَبُوْدَاؤُدَ وَرُوِیَ فَهُوَ اَقْطَعُ وَيُرْوٰی بِذِكْرِ اللّٰهِ وَيُرْوٰی كُلُّ كَلَامٍ﴾ لیکن اس پر شبہ ہوتا ہے کہ ناظمؒ نے تو ابتداء بسم اللہ سے کی ہے نہ کی حمد سے حمد کو تو ثالثاً ذکر کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ تثلیث حمد اس کو بداءۃ سے خارج نہیں کرتی ہے اس لیے کہ ابتداء کہیں حقیقی ہوتی ہے اور کہیں اضافی اور کہیں عرفی پس جو سب سے مقدم ہو اس کو ابتدا حقیقی کہتے ہیں اور جو بعض سے مقدم اور بعض سے موخر ہو وہ ابتداء اضافی کہلاتی ہے اور جو مقصود سے مقدم ہو اس کو ابتداء عرفی کہتے ہیں ناظمؒ نے گویا حمد کو ثالثاً بیان فرمایا ہے مگر مقصود سے قبل یعنی ان احکام سے پہلے ہے جو اس میں بیان کئے گئے ہیں لہٰذا حمد بداءۃ سے خارج نہیں ہوئی۔

ف: ناظمؒ نے جو حمد کو ثالثاً ذکر کیا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ تیسرے بیت میں ذکر کی گئی ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ تیسرے ذکر نہیں کیا میں نے مگر حمد کو اگر چہ وہ چوتھے بیت میں مذکور ہے۔

ف: ناظمؒ اگر یوں فرما دیتے ﴿وثنیت ان الحمد وثلثت صلی اللہ﴾ تو یہ اللہ کا ذکر رسول کے ذکر سے مقدم ہونے کی وجہ سے زیادہ بہتر تھا لیکن اس طرح ذکر نہ کرنے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ ناظمؒ نے اس امر کا ارادہ کیا ہے کہ خطبہ حمد پر ختم ہو اور حق تعالیٰ کا ذکر بسم اللہ میں وہ پہلے ہی فرما چکے ہیں پس یہ مثل اللہ تعالیٰ کے

اس قول کے ہوگیا کہ جو سورہ والصّٰفّٰت کے آخر میں ہے: ﴿وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ﴾ ۔

وَبَعْدُ فَحَبْلُ اللّٰهِ فِيْنَا كِتَابُهُ
فَجَاهِدْ بِهٖ حِبْلَ الْعِدَا مُتَحَبِّلاً

ش **قوله**: وبعد الخ ای وبعد ماتقدم من اسم الله والصلوٰة علی رسوله والحمد له اذکر بعض ما جاء فضائل القرآن وفضل قرّائه اور۔ **قوله**: فحبل الله میں فاتعقیبیہ یاتوہم رفع اضافت کے لیے ہے۔ علی حد قولهم اما بعد فقد کان کذا کماذکره الجعبری وقال القاری والاظهر ان الفاء اما تو هم اما واما علی تقدیر ها والواؤ عوض عنها مع انه لامنع من الجمع بینهما اور یہ ترکیب میں مبتداء ہے اور۔ **قوله**: فینا ای بیننا باعتبار معنی عہد ووصل اس کے متعلق ہے اور۔ **قوله**: کتابه اس کی خبر ہے یا قوله فینا کتابه اس کی خبر اور کتابہ ھومقدر کی خبر ہے۔ **قوله**: فجا هد به: فاسببیَه اور ضمیر بہ کا مرجع کتاب اللہ ہے فجاھد کے معنی حتی الامکان کسی کام میں کوشش کرنے کے ہیں۔ **قوله**: حبل العدا مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور حبل بکسر الحاء کے معنی داہیہ یعنی مصیبت اور حادثہ کے ہیں اور العدی بکسر العین اعداء کی اسم جمع ہے۔ **قوله**: متحبلاً: ترکیب میں فجاہد کی ضمیر سے حال ہے ای متصیداً بالحبالة وهی الشکبة اس کی جمع حبائل آتی ہے وَمِنْهُ حَدِيث: ﴿اَلنِّسَاءُ حِبَالَةُ الشَّيْطَانِ﴾ لیکن یہاں اس سے مراد قرآن عزیز کے وہ روشن اور واضح دلائل ہیں جو حق تعالیٰ کی خوشنودی اور اس کی رضا کا ذریعہ اور وسیلہ ہیں۔

ترجمہ: اور بعد حمد وصلوٰۃ کے پس حق تعالیٰ (تک پہنچنے اور اس سے تعلق پیدا کرنے) کا ذریعہ ہمارے درمیان اس کی کتاب (قرآن عزیز) ہے پس تم اس (کتاب اللہ کے دلائل) سے دشمنان دین کے حادثہ کا مقابلہ کرو اور اس کے دفعیہ کی کوشش کرو دراں حالیکہ تم (قرآن کے روشن قوی اور واضح دلائل کے ذریعہ ان کا) جال سے شکار کرنے والے ہو۔

مطلب: ناظمؒ فرماتے ہیں کہ اب میں بعد حمد وصلوٰۃ کے ان چیزوں کو بیان کرتا ہوں کہ جو قرآن مجید اور قراء کے فضائل میں سے ہیں چناں چہ حق تعالیٰ اور اس کے مقام رضا تک پہنچانے والا ذریعہ اگر کوئی ہے تو وہ اللہ کی کتاب قرآن عزیز ہے اس لیے چاہئے کہ ہم ہمیشہ اس کی تلاوت اور اس پر عمل کرتے رہیں اور اس کے احکام پر مضبوطی سے کاربند رہیں اور اس کے قوی اور واضح دلائل سے مخالفین اور دین کے دشمنوں کا مقابلہ

ومجادلہ ومباحثہ کریں اوران کے اعتراضات وشبہات اوردلائل باطلہ کے دفع کرنے کی کوشش کریں اوران کو ایسا بے بس اورلا جواب کردیں جیسا کہ جانور جال میں پھنس کر بے بس اورلاچار ہوجاتا ہے پس گویا کہ تم بھی قرآن کی دلیلوں کے جال سے ان کا شکار اس طرح کرو اوران کو ایسا بے بس اورلا جواب کردو کہ وہ خود بخود اسلام میں داخل ہوجائیں مصرعۂ اول میں اشارہ ہے حق تعالیٰ کے اس قول کی طرف ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ﴾ وقدفر ابن مسعودؓ وغیرہ بالقرآن اور نیز اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جوابوسعید خذریؓ سے مرفوعاً ثابت ہے۔ ﴿كِتَابُ اللّٰهِ حَبْلٌ مَّمْدُوْدٌ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ رَوَاهُ اَبُوْشَيْبَةَ وَفِيْ رِوَايَةٍ اَنَّ هٰذَا الْقُرْآنَ سَبَبٌ طَرْفُهٗ بِيَدِاللّٰهِ وَطَرْفٌ بِاَيْدِيْكُمْ فَتَمَسَّكُوْابِهٖ اوردوسرے مصرعہ میں اشارہ ہے حق تعالیٰ کے اس قول کی طرف ﴿فَجَاهِدُوْا بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا﴾ وَاِلٰى حديث ﴿رَجَعْنَا مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اَلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ رواه البيهقى عن جابرؓ﴾

وَأَخْلِـقْ بِـهٖ إِذْلَيْسَ يَخْلُقُ جِـدَّةً
جَـدِيـدًا مُوَا لِيــهِ عَلَى الْجِـدِّمُقْبِلاً

ش: **قوله**: واخلق بہ الخ فعل تعجب ای مااخلقه بالمجاهدة ای مااحقه بذالک يقال هوخليق بكذا ای حقیق بہ اور۔ **قوله**: اذلیس میں اذ تعلیلیہ ہے کقولہ تعالیٰ ﴿لَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ اِذْظَّلَمْتُمْ﴾ اورلیس کا اسم ضمیر جس کا مرجع قرآن اور۔ **قوله**: یخلق ای یبلیٰ اس کی خبر ہے اور۔ **قوله**: جدة بکسر الجیم ضد البلیٰ تمیز ہے اور۔ **قوله**: جدیداً من الجَد بفتح الجیم بمعنی العظمۃ والعز والشرف ترکیب میں یخلق کی ضمیر فاعل سے حال ہے اور۔ **قوله**: موالیہ باشباع الهاء وهوا الرواية ای ملازم القرآن ومصافيه والعامل بما فيه ترکیب میں مبتدا اور۔ **قوله**: على الجد ضدالهزل اس کی خبر ہے اور۔ **قوله**: مقبلاً ترکیب میں مغلق خبر کی ضمیر فاعل سے حال واقع ہے ای یثبت (قاری)

ترجمه: اورقرآن مجید کس قدر عجیب اورلائق بالمجاہدہ ہے اس لیے کہ وہ اپنے نئے ہونے کے اعتبار سے پرانا نہیں ہوتا دراں حالیکہ وہ عظیم الشان ہے اس کو دوست رکھنے والا درستی اوراچھائی پر ہے اس حال میں کہ وہ (عملاً وتلاوۃً اس کی طرف) متوجہ ہو۔

مطلب: ناظمؒ فرماتے ہیں کہ دشمنان دین ومخالفین اسلام کے مقابلہ ومجادلہ اورمناظرہ کے لیے قرآن مجید سے بہتر اورلائق تر کوئی دوسری کتاب نہیں ہے کیونکہ یہ دلالۃ وروایۃ حق محض ہے نہ اس کی عظمت متغیر ہوتی ہے اورنہ درایت وروایت بلکہ اس کو جس قدر مکرر سہ کرر پڑھا جائے اسی قدر جدید اورنیا معلوم ہوتا ہے:

وفیہ اشارۃالی ماروی ﴿ابن مسعود مرفوعا کما اخرجہ البیھقی فی کتاب المدخل اِنَّ هٰذَالْقُرآنَ لَاتَنْقَضِیْ عَجَائِبُهُ وَلَایَخْلُقُ عَنْ کَثْرَةِ الرَّدَایِ لَا یَحْدُثُ الْبِلیٰ نَاشِئًا مِنْ کَثْرَةِ تَرْدَادِہٖ تَکْرَارِہٖ وَمُرُوْرُ الزَّمَانِ عَلَیْهِ﴾ اب اس کے بعد ناظمؒ مدح قرآن سے مدح قاری کی طرف منتقل ہوتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جولوگ حق اور یقین کے ساتھ قرآن مجید کی طرف متوجہ ہیں اور اس کو پڑھتے پڑھاتے اور کما حقہ اس پر عمل کرتے ہیں تو وہ بہت بڑے عزت وشرف والے ہیں اور وہ ایک ایسے مفید اور عمدہ کام میں لگے ہوئے ہیں جس کا نفع ان کو آخرت میں اچھا اور بہترین ملے گا اس میں اشارہ ہے حضور ﷺ کے اس قول کی طرف ﴿یَا اَبَاهُرَیْرَةَؓ تَعَلَّمِ الْقُرْاٰنَ وَعَلِّمِ النَّاسِ وَلَا تَزَالُ کَذٰلِکَ حَتّٰی یَاْتِیَکَ الْمَوْتُ فَاِنَّهٗ اِنْ اَتَاکَ الْمَوْتُ وَاَنْتَ کَذٰلِکَ حَجَّتِ الْمَلَائِکَةُ اِلٰی قَبْرِکَ کَمَا یَحُجُّ الْمُؤْمِنُوْنَ اِلٰی بَیْتِ اللّٰهِ الْحَرَامِ﴾ اس کے علاوہ اور بہت سی احادیث قرآن مجید اور قراء کے فضائل میں آئی ہیں۔ جن میں سے مشہور اور اصح حدیث ﴿خَیْرُکُمْ مَنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ﴾ ہے علماء فرماتے ہیں کہ اگر قراء کے فضائل میں اس حدیث کے علاوہ اور کوئی حدیث بھی نہ آئی ہوتی تو یہ ہی ایک حدیث کافی تھی اس لیے کہ حضور ﷺ نے ان حضرات کو سب سے بہتر اور برتر فرمایا ہے لہٰذا ان سے بڑھ کر اور کون ہوسکتا ہے اور اس سے بڑھ کر اور کیا فضیلت ہوگی ہم کو اس کی قدر کرنی چاہیے۔

وَقَارِئُهُ الْمَرْضِیُّ قَرَّ مِثَالُهُ
کَالْاُتْرُجِّ حَالَیْهِ مُرِیْحًا وَمُوْکَلًا

ش: قوله: وقارئه۔ ترکیب میں مبتدا اور ضمیر کا مرجع قرآن ہے اور **قوله**: المرضی اسم مفعول اس کی خبر ہے اور **قوله**: قر مثاله جملہ مستانفہ ہے ای ثبت واستقر مثالہ یا المرضی قاری کی صفت ہے اور قولہ قر مثالہ خبر ہے۔ **قوله**: کالاترج ای مشابها للاترج ترکیب میں قر کے فاعل مثالہ سے حال ہے یا قر کا فاعل ضمیر ہے جسکا مرجع قاری ہے ای قرہ عینه او استقر امرہ بنیل درجات الابرار اور قولہ مثالہ مبتدا اور قولہ کالاترج اس کی خبر ہے اترج ایک مشہور میوہ ہے جس کی خوشبو بھی اچھی ہوتی ہے اور ذائقہ ومزہ بھی عمدہ ہوتا ہے اور **قوله**: حالیه باشباع الهاء ترکیب میں اترج سے بدل اشتمال ہے اور **قوله**: مریحا وموکلا دونوں اترج سے حال ہیں: ”یقال اراح الطیب اذا اعطی الرائحة واکل الزرع وغیرہ اذا اطعم ای صار ذا طعم“ واللہ اعلم۔

ترجمه: اور قرآن کا پڑھنے والا پسندیدہ ہے اس کی مثال مثل اترج کے ہے جس کے دو حال ہیں خوشبودار

بھی ہے اور خوش ذائقہ بھی۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ قاری قرآن اچھے اور نیک اعمال کی وجہ سے حق تعالیٰ کا پسندیدہ ہے اس کی مثال حدیث میں مثل اترج کے آئی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ قرآن پڑھنے والا مؤمن اترج کی طرح ہے کہ اس کی خوشبو بھی اچھی ہوتی ہے اور مزہ بھی عمدہ ہوتا ہے اسی طرح قاری مؤمن میں بھی دو وصف ہیں ایک اس کی قراءت دوسرے اس کا غیر کو تعلیم دینا اور یہ دونوں پسندیدہ ہیں اور جس طرح کہ خوشبودار چیز سے دوسروں کے دماغ معطر ہو جاتے ہیں اسی طرح قاری کے پاس بیٹھنے والے بھی قرآن مجید سنکر ثواب عظیم حاصل کرتے ہیں اور ان کا باطن قاری مؤمن کے ایمان کیوجہ سے نورانی ہو جاتا ہے خلاصہ یہ ہے کہ یہاں المرضی سے مراد وہ قاری مؤمن مذکور فی الحدیث ہے جو اصل ایمان کیساتھ وصف ایمان بھی رکھتا ہو وہ قاری مؤمن مراد نہیں جو فقط اصل ایمان رکھتا ہو نہ کہ وصف ایمان قال علیہ السلام: ﴿مَا اٰمَنَ بِالْقُرْاٰنِ مَنِ اسْتَحَلَّ مَحَارِمَهُ﴾ اس لیے قاری کو چاہئے کہ وہ اپنے اندر اخلاق حمیدہ پیدا کرے اور اپنے ظاہر و باطن کو نورانی بنائے نیز اپنی بری عادتوں کو یک لخت ترک کر دے اور ان سے بالکل پاک وصاف ہو جائے تاکہ دوسروں کو اس سے نفع حاصل ہو۔

هُـوَ الْمُرْتَضٰى أَمًّا إِذَا كَانَ أُمَّةً
وَيَمَّمَـــهُ ظِلُّ الـــرَّزَانَةِ قَنْقَـلَا

ش قوله: هو المرتضى جملہ اسمیہ ہے اور ہو کا مرجع قاری ہے قولہ اما ای قصدا تمیز ہے۔ **قوله**: كان بمعنی صار اس کا اسم ضمیر ہے جسکا مرجع قاری ہے اور **قوله**: امۃ اس کی خبر ہے "یقال للرجل الجامع الخیر امۃ کانہ قامہ مقام جماعات لانہ اجتمع فیہ ما تفرق فیھم من المصائح ومنہ" قولہ تعالی ﴿إِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ أُمَّةً﴾ اور **قوله**: یممہ ای قصدہ فعل ماضی کا صیغہ ہے اور اس کا عطف یا تو المرتضی کے معنی پر ہے ای ھوا لذی ارتضی نحو قولہ تعالی ان المصدقین والمصدقات واقرضوا اللہ ای الذین تصدقوا واقرضوا یا اس کا عطف کان پر ہے اور اگر اس کو حال قرار دیا جائے تو بقول ملا علی قاریؒ زیادہ مناسب اور درست ہے۔ **قوله**: ظل الرزانۃ ترکیب میں یممہ کا فاعل ہے اور الرزانۃ کے معنی الوقار کے ہیں وقد رزن الرجل فھو رزین ای وقور ثابت اور **قوله**: قنقلا بمعنی الجبل حال ہے ای مشبھا بالجبل فی العظمۃ اور کسریٰ کا ایک تاج تھا اس کو بھی قنقل کہتے تھے پس اس معنی کر متوجہا ہو کر حال ہوگا: ومن کلامھم "جلس فلان وعلیہ تاج السکینۃ

والوقار". واللہ اعلم۔

ترجمہ: وہ قاری باعتبار ارادہ کے بھی پسندیدہ ہے جبکہ وہ جامع انوار خیر ہو اور سکون کے سایہ نے اس قاری (میں پائے جانے) کا ارادہ کیا ہو دراں حالیکہ وہ (سایہ سکون ووقار وعظمت اور قدر ومنزلت میں پہاڑ یا تاج کسریٰ کے مشابہ ہو۔

مطلب: ناظمؒ فرماتے ہیں کہ جب یہ پسندیدہ قاری قرآن مجید کی تلاوت اور اس پر عمل کرنے کی وجہ سے ایسا ہو جائے کہ وہ تمام خوبیاں جو لوگوں کی ایک جماعت میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں اس میں مجتمع طور پر پائی جانے لگیں تو اس وقت اس کا ارادہ اور قصد بھی پسندیدہ ہے اس لیے کہ اب وہ عمدہ اور اچھی ہی خصلتوں کیساتھ متصف ہوگا اور کثرت قرآت وعبادات پر نازاں اور نفس تلاوت پر اکتفا کرنیوالا نہیں ہوگا اور نہ وہ بری باتوں کے کرنے کا ارادہ کریگا بلکہ وہ اچھے ہی کاموں سے تعلق رکھے گا اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جہاں اس پسندیدہ قاری میں یہ سب باتیں پائی جاتی ہوں وہاں اس میں انوار وقار ظاہراً اور اطمینان کے آثار باطناً بھی پائے جاتے ہوں یعنی سکون ووقار کا تاج اس کے سر پر ہو اور اس کو اطمینان قلبی حاصل ہو گیا ہو تب وہ خود بھی اور اس کا ارادہ بھی پسندیدہ اور محمود ہے اور اپنے لیے بھی نافع اور دوسروں کے لیے بھی عمدہ اور بہترین شخص ہے اور وہ اس حدیث کا مصداق ہے ﴿حَامِلُ الْقُرْآنِ حَامِلُ لِوَاءِ الْإِسْلَامِ مَنْ اَكْرَمَهٗ فَقَدْ اَكْرَمَهُ اللّٰهَ وَمَنْ اَهَانَه فَعَلَيْهِ لَعْنَةُ اللّٰهِ (ویلمی فی مسند الفردوس عن ابی امامة)

هُوَ الْحُرُّ اِنْ كَانَ الْحَرِيَّ حَوَارِياً
لَـهُ بِتَحَرِّيْـهِ اِلٰى أَنْ تَنَبَّلاَ

ش قوله: هو الحر مبتداء اور خبر اور ضمیر ہو کا مرجع قاری ہے یہاں حر سے مراد یہ ہے کہ جو اپنے نفس کا مالک اور اس پر پوری طرح قابو رکھتا ہو خود اس کا غلام نہ ہو۔ **قوله**: ان كان میں ان شرطیہ مستغنی عن الجواب ہے یا بقول بعض بمعنی اذ ہے اور کان کا اسم ضمیر جس کا مرجع قاری اور۔ **قوله**: الحرى بمعنی الحقیق والخلیق اس کی خبر ہے قوله حواريا بالتخفيف لغة فی التشديد وعليه قرأة النخعی قال الحواريون لا كما قال ابو شامه وتبعه جماعة ان الياء مشددة خففها ضرورة ترکیب میں یا تو کان کی دوسری خبر ہے یا الحری کی ضمیر سے جو قاری کی طرف راجع ہے حال ہے ای ناصراله اور اس کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ **قوله**: بتحريه باشباع الهاء کان کی دونوں خبروں میں سے کسی ایک کے متعلق ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع اگر قرآن ہے تو مصدر کی اضافت مفعول بہ کی طرف ہے اور اگر قاری ہے تو فاعل

کی طرف ہے اور **قولہ**: الی ان تنبلا: متعلق تحریہ یا حواریا کے ہے اور تنبل کے معنی مات کے ہیں: یقال "تنبل البعیر اذامات". واللہ اعلم۔

ترجمہ: وہ (قاری) آزاد ہے اگر وہ لائق اور قرآن مجید کے لیے ناصر ہے اپنی پوری کوشش اور توجہ کے ساتھ یہاں تک کہ وفات پا جائے۔

مطلب: یعنی اگر قاری اپنے قصد اور اجتہاد کے ساتھ ہمہ تن قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے معنی مراد سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لائق اور تا زندگی قرآن مجید کا سچا مددگار اور مخلص دوست ہے تو وہ آزاد ہے دنیا اور نفسانی خواہشات کا تابع اور غلام نہیں ہے اور ہو بھی کیسے سکتا ہے اس لیے کہ جس نے حق تعالی کے قول ﴿وَمَاالْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا اِلَّامَتَاعُ الْغُرُوْرِ﴾ اور اسی کے ہم معنی دوسری آیتوں کی تلاوت کی ہو اور ان کو اچھی طرح سمجھا اور پہچانا ہو تو چونکہ دنیا اس کی نظر میں حقیر ہو جاتی ہے اس لیے وہ ہرگز بھی اس کی طرف مائل نہیں ہو سکتا اور نہ وہ خواہشات نفسانی کے تابع اور ان کا غلام بن سکتا ہے بلکہ وہ حق تعالی ہی کا ہو جاتا ہے اور اس کو ہر وقت آخرت ہی کی فکر لگی رہتی ہے۔

وَ إِنَّ كِتَابَ اللّٰهِ أَوْثَقُ شَافِعٍ
وَأَغْنٰى غَنَاءٍ وَاهِبًا مُتَفَضِّلاً

ش قولہ: وان کتاب اللہ الخ۔ ان حروف مشبہ بالفعل اور کتاب اللہ اس کا اسم اور **قولہ**: اوثق بمعنی اقوی اس کی خبر ہے۔ **قولہ**: اغنی غناءٍ ای اکفی کفایۃ ای کفایۃ القرآن العزیز اتم من کفایۃ غیرہ ترکیب میں اوثق کا معطوف ہے۔ **قولہ**: واھبا متفضلا دونوں اغنی کی ضمیر سے جو قرآن کے طرف راجع ہے حال ہیں یا دونوں بناء پر تمیز منصوب ہیں۔

ترجمہ: اور بیشک اللہ تعالی کی کتاب مضبوط تر شافع اور کفایت غیر سے زیادہ کافی ہے دراں حالیکہ وہ ثواب بخشنے والی اور فضیلت والی ہے۔

مطلب: ناظمؒ فرماتے ہیں کہ حق تعالی کی کتاب قرآن عزیز ایک ایسی کتاب ہے جو سب سے زیادہ قوی اور مضبوط شفاعت کرنے والی اور عذاب سے بچانے والی ہے کیونکہ اس کی شفاعت رد نہیں کی جائیگی بخلاف دوسری چیزوں کے کہ ان کی شفاعت رد کی جا سکتی ہے دوسرے یہ ہے کہ قرآن مجید کی شفاعت مانع عذاب ہے اور دوسروں کی مخرج عن العذاب ہے قال علیہ الصلوٰۃ والسلام ﴿مَنْ شَفَعَ لَهُ الْقُرْآنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ نَجَا﴾ وفی الصحیح عن ابی امامۃ الباھلی مرفوعا ﴿اِقْرَؤُاالْقُرْآنَ فَاِنَّهُ يَأْتِي

يَوْمَ الْقِيَامَةِ شَفِيْعًا لِأَصْحَابِهٖ﴾ ومارواه ابن ماجه والبيهقى عن جابر مرفوعا ﴿اَلْقُرْآنُ شَافِعٌ وَمُشَفَّعٌ وَمَاحِلٌ مُصَدَّقٌ مَنْ جَعَلَهٗ اَمَامَهٗ قَادَهٗ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَنْ جَعَلَهٗ خَلْفَه سَاقَهٗ اِلَى النَّارِ﴾ یعنی قرآن مجید ایسا شفاعت کرنے والا ہے کہ جس کی شفاعت قبول کی جاتی ہے اور ایسا شکایت کرنے والا ہے کہ جس کی شکایت سنی اور مانی جاتی ہے جس نے اس کو اپنا پیشوا بنالیا یعنی اس کو پڑھا پڑھایا اور اس پر عمل کیا اس کو جنت کی طرف لے جائیگا اور جس نے اس کو پس پشت ڈال دیا یعنی اس پر عمل نہیں کیا اور اس سے غفلت کی تو یہ اس کو دوزخ کی طرف ہانک کر لے جائیگا اور ابن مندہ عمرو بن مرہ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں: ﴿إِذَادَخَلَ الْاِنْسَانُ قَبْرَه فَيَجِيْئُ مَلَكٌ عَنْ شِمَالِهٖ فَيَجِيْئُ الْقُرْآنُ فَيَمْنَعُهٗ فَيَقُوْلَ الْمَلَكُ مَالِيَ وَلَكَ وَاللّٰهُ مَاكَانَ يَعْمَلَ بِكَ فَيَقُوْلُ الْقُرْآنَ اَوَلَيْسَ كُنْتُ فِيْ جَوْفِهٖ فَلاَ يَزَالُ حَتّٰى يَنْجِيُّ صَاحِبَه﴾ (قاری) اور مصرع ثانی میں اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جس کو ابوالعلی نے حضرت انس سے روایت کیا ہے ﴿اَلْقُرْآنَ غِنًى لاَ فَقْرَبَعْدَهٗ وَلاَغِنًى دُوْنَهٗ﴾ یعنی قرآن مجید ایک ایسی بے پرواہ کرنے والی کتاب ہے جس کے بعد محتاجگی نہیں ہے اور اس کے بغیر کفایت حاصل نہیں ہوسکتی ہے۔

وَخَيْرُ جَلِيْسٍ لَايُمَلُّ حَدِيْثُهُ
وَتَرْدَادُهٗ يَزْدَادُ فِيْهِ تَجَمُّلا

ش قوله: خیر جلیس اس کا عطف اوثق پر ہے اور خیر اصل میں اخیر تھا پھر تخفیفاً یاء کی حرکت خاء کو دیکر ہمزہ کو حذف کردیا گیا اور **قوله**: لایمل بصیغہ مجہول ترکیب میں خیر یا جلیس کی صفت ہے یا مبتدا مقدر (القرآن) کی دوسری خبر ہے اور **قوله**: وتردادہ: بفتح التاء مصدر رددہ بمعنی التکرار اگر فاعل کی طرف مضاف ہے تو ضمیر (ہ) کا مرجع قاری ہے اور اگر مفعول کی طرف ہے تو پھر اس کا مرجع قرآن ہے اور **قوله**: یزداد ترکیب میں تردادہ مبتدا کی خبر ہے اور یزداد کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع تردادہے اور **قوله**: فیه کی ضمیر یا تو قاری کی طرف راجع ہے پس اس صورت میں فی اپنی اصل کے موافق ظرفیت کے معنی میں ہوگا اور اگر اس کا مرجع قرآن ہے تو پھر فی کے معنی باء سببیہ کے ہوں گے اور **قوله**: تجملا ای زینة وجمالا ترکیب میں یزداد کا مفعول بہ ہے۔

ترجمه: اور (قرآن) ایسا بہترین ہم نشین (اور افضل انیس ہے) کہ جس کی بات یعنی تلاوت ناگوار نہیں گزرتی اور اس کا بار بار پڑھنا اس (قاری یا قرآن) میں جمال (اور خوبصورتی) کو زیادہ کرتا ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ قرآن مجید تمہارا ایک ایسا بہترین ہم نشین اور ساتھی ہے جس کی تلاوت طبیعتوں کو نہ تو ناگوار اور بری معلوم ہوتی ہے اور نہ اس سے نفرت پیدا ہوتی ہے بلکہ اس کا ہر حرف اور ہر آیت بوقت تلاوت مؤمن کو نہایت ہی عمدہ اور خوشگوار معلوم ہوتا ہے اور بڑا ہی لطف آتا ہے اور یہ کیوں نہ ہو جبکہ حق تعالی نے خود اس کو احسن الحدیث فرمایا ہے اور اس کے ہر حرف کی تلاوت پر دس دس نیکیاں ملتی ہیں اور وہ وہ فوائد حاصل ہوتے ہیں جن کا کوئی شمار نہیں ہے دوسری یہ کہ اس میں جس قدر بھی تلاوت کی جائے اور اس کو بار بار پڑھا جائے اسی قدر اس میں خوبصورتی اور عمدگی بڑھتی چلی جاتی ہے اور قاری میں بھی اس کی تلاوت کثیرہ اور صحیح اور عمدہ طریقہ پر پڑھنے کیوجہ سے خوبصورتی اور نورانیت پہلے سے کہیں زیادہ پیدا ہو جاتی ہے اور اس کو بہت بڑا ثواب ملتا ہے جس کی وجہ سے وہ لوگوں کی نظروں میں بھی محبوب اور اچھا معلوم ہونے لگتا ہے اور آخرت میں بھی اسکا درجہ بہت بلند ہے قال علیہ الصلوٰۃ والسلام ﴿مِثْلُ صَاحِبِ الْقُرْآنِ جَرَابٌ مَمْلُوءٌ مِسْكًا یعنی "یفوح به کل مکان"۔

وَحَيْثُ الْفَتٰى يَرْتَاعُ فِي ظُلُمَاتِهِ
مِنَ الْقَبْرِ يَلْقَاهُ سَنًا مُتَهَلِّلَا

ش: قولہ: وحیث ظرف زمان یا مکان ہے اور اس کا عامل۔ قولہ: یلقاہ باشباع الہاء ہے۔ **قولہ**: الفتی من الفتوۃ معنی میں خلق جمیل اور اجتماع مکارم اور اخلاق فی صاحبہا کے ہے ترکیب میں مبتداء اور **قولہ**: یرتاع من الروع (الخوف) اس کی خبر ہے اور **قولہ**: فی ظلماتہ ظرف یرتاع اور اس کی ضمیر کا مرجع الفتی ہے: ای فی ظلمات الناشئة من القبر ووحشته بس اس صورت میں **قولہ**: من القبر ترکیب میں ظلماتہ سے حال ہوگا ای صادرة من القبر۔ اور اگر فی ظلماتہ کے معنی فی ظلمة اعماله کے ہیں۔ تو پھر من القبر متعلق یلقاہ کے ہوگا۔ ای یلقاہ القرآن من القبر ای یأتیه من تلک الجهة اور **قولہ**: یلقاہ کی ضمیر مرفوع کا مرجع قاری ہے اور ضمیر منصوب کا قرآن ہے یا برعکس ہے اس لیے کہ دونوں ایک دوسرے سے ملیں گے اور **قولہ**: سناً متھللا دونوں یلقاہ کے فاعل یا مفعول سے حال ہیں ای ذا سنا اور سانیا مستترا او باشا مسرورا اور یہ بھی یاد رکھو کہ سنا مقصور وممدود دونوں طرح آتا ہے مقصور کے معنی روشنی ہے اور ممدود کے معنی بلندی کے ہیں پس یہاں سنا مقصور بمعنی روشنی ہے۔ ومنه قوله تعالی ﴿سَنَا بَرْقِهِ﴾ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور اس جگہ کہ جوان (قاری) خوف کرے گا اپنی ظلمات میں دراں حالیکہ وہ قبر (اور اس کی

وحشت) سے (پیدا ہونے والی) ہوں گی ملاقات کرے گا قرآن اس سے اس حال میں کہ وہ روشن اور خوش ہوگا (چاند کی طرح چمکدار ہوگا)

مطلب: یعنی جب انسان قبر جیسی خوفناک جگہ میں اپنے یا اپنے برے اعمال کی تاریکیوں سے گھبرائے گا اور ڈرے گا تو اس وقت یہ قرآن اس سے ایسی حالت میں ملے گا کہ وہ روشن ہوگا اور اپنی روشنی سے اس کی قبر کو منور کریگا اور بہت ہی خوش وخرم ہوگا جس سے قاری کا خوف اور اس کی وحشت زائل ہوجائیگی اس بیت میں اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مرفوعا روایت کیا ہے: ﴿مَارَأَیْتُ مَنْظَراً قَطُّ اِلَّا الْقَبْرُ اَقْطَعُ مِنْہُ وَکَانَ اِذَا وَقَفَ عَلٰی قَبْرٍ بَکٰی حَتّٰی تَبْتَلَّ لِحْیَتُہٗ فَقِیْلَ لَہٗ تَذْکُرُ الْجَنَّۃَ وَالنَّارَ وَلَاتَبْکِیْ وَتَبْکِیْ مِنْ ھٰذَا فَقَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ اِنَّ الْقَبْرَ اَوَّلُ مَنَازِلِ الْاٰخِرَۃِ فَاِنْ نَّجَا مِنْہُ فَمَا بَعْدَہٗ اَیْسَرُ مِنْہُ وَاِنْ لَّمْ یَنْجُ مِنْہُ فَمَا بَعْدَہٗ اَشَدُّ مِنْہُ﴾ رواہ احمد الترمذی وَقَالَ فِی حق سعد بن معاذؓ ﴿ھٰذَالَّذِیْ تَحَرَّکَ لَہُ الْعَرْشُ وَفُتِحَتْ لَہٗ اَبْوَابُ السَّمَاءِ وَشَھِدَہٗ سَبْعُوْنَ اَلْفاً مِّنَ الْمَلٰئِکَۃِ لَقَدْ ضَمَّ ضَمَّۃً ثُمَّ فُرِجَ عَنْہُ﴾ "یعنی ضَمَّۃَ الْقَبْرِ"۔

هُنَالِکَ یُهْنِیْهِ مَقِیْلاً وَرَوْضَةً
وَمِنْ أَجْلِهِ فِيْ ذِرْوَةِ الْعِزِّ یُجْتَلَا

ش: **قولہ**: ھنالک اس سے قبر کی طرف اشارہ ہے اور یہ ترکیب میں۔ **قولہ**: یھنیہ کا ظرف ہے اس کا استعمال مکان وزمان دونوں کے لیے ہوتا ہے اس لیے یہاں بھی دونوں کا احتمال ہے ظرف اصل میں ھنا ہے کاف خطاب کے لیے اور لام زائدہ ہے جو مشارٌ الیہ کے بُعد کے لیے ہے کیونکہ قبر بھی زندوں سے البعد ہوتی ہے جیسا کہ کسی شاعر کا قول ہے ۔

من کان بینک فی التراب وبینہ ٭ شبران فھو لغایۃ البعد

یعنی جو شخص مر کر خاک میں مل گیا ہو تو اگرچہ تمہاری اور اس کی قبر کے درمیان ذو بالشت ہی کا فاصلہ کیوں نہ ہو تب بھی وہ تم سے انتہا درجہ کا بعید ہے اس لیے کہ وہ تم سے قیامت تک نہیں ملے گا اور قولہ یھنیہ کی ضمیر مرفوع کا مرجع قبر اور منصوب کا قاری ہے بمعنی یطیب لہ پس اس صورت میں۔

قولہ: مقیلا وروضۃً بنا بر تمیز منصوب ہیں۔ یا قولہ یھنیہ کی ضمیر مرفوع کا مرجع قرآن ہے بمعنی یعطیہ اور قولہ مقیلا وروضۃ ہر دو اس کے مفعول ثانی ہیں اور **قولہ**: من اجلہ ای من اجل القرآن اور **فی قولہ**: فی ذروۃ العز دونوں۔ **قولہ**: یجتلا کے متعلق ہیں اور ذروۃ ہر چیز کے اعلیٰ حصہ کو کہتے

ہیں اس کی ذال میں تینوں حرکتیں صحیح ہیں ضمہ اور کسرہ تو روایۃً ہیں اور فتحہ لغۃً ہے اور یجتلا کے معنی ینظر الیہ بارزۃ کے ہیں ''من قولھم اجتلیت العروس اذا نظرت الیھا بارزۃ فی زینتھا بروزاً باھرا'' اور اصل اس کی کشف اور ظہور ہے ومنہ جلوت السیف (قاری)

ترجمہ: اس وقت وہ قبر قاری کو خوشگوار اور اچھی معلوم ہوگی باعتبار قیلولہ کی جگہ اور باغ بن جانے کے (یا وہ قرآن قاری کو اس جگہ یعنی قبر میں قیلولہ کی جگہ اور باغ عطا کریگا اور اسی قرآن کے سبب سے وہ قاری) عزت کے اعلیٰ مقام میں دیکھا جائے گا۔

مطلب: یعنی جب قرآن مجید قاری سے اس کی قبر میں ملاقات کرے گا اور اس کی قبر کو منور و روشن کردے گا تو اس وقت یہ قبر قاری کے لیے ایک بہترین اور عمدہ راحت و آرام کی جگہ اور باغ بن جائیگی اور جنت میں بھی اسی قرآن کے سبب سے اس کو ایسے بلند اور اعلیٰ مقام رہنے کو ملیں گے کہ دوسرے لوگ اس کی طرف تعجب اور حسرت سے نظریں اٹھا کر دیکھ رہے ہوں گے سبحان اللہ قرآن عزیز کیسی بے بہا نعمت اور دولت ہے کہ جو اپنے پڑھنے والے اور عمل کرنے والے کے لیے قبر جیسی خوفناک جگہ میں بھی کام آتی ہے اور جنت میں اس کی بدولت اعلیٰ مقام ملتے ہیں پس ہم کو چاہئے کہ ہم پوری توجہ کے ساتھ اس کی تلاوت اور اس پر عمل کرتے رہیں اور اس کی خدمت میں ہمہ وقت مصروف رہیں ہرگز بھی اس سے گریز نہ کریں اس بیت میں اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس قول کی طرف ﴿اَصْحَابُ الْجَنَّةِ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيلًا﴾ والی حدیث ﴿اَلْقَبْرُ رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ اَوْ حُفْرَةٌ مِّنْ حُفَرِ النِّيْرَانِ﴾ رواہ الترمذی والطبرانی. والی ماروی عنہ علیہ السلام ﴿يُقَالُ لِقَارِئِ الْقُرْآنِ اِقْرَأْ وَارْقِ فَاِنَّ لَكَ لِكُلِّ آيَةٍ دَرَجَةٌ﴾ یعنی قاری قرآن کے لیے کہا جائیگا کہ پڑھ اور درجات طے کرتا چلا جا یقیناً تیرے لیے ہر آیت کے بدلے ایک درجہ ہے پس فی ذروۃ العز میں اسی حدیث کی طرف اشارہ ہے واللہ اعلم۔

يُنَاشِدُ فِي إِرْضَائِهِ لِحَبِيبِهِ
وَأَجْدِرْ بِهِ سُؤْلاً إِلَيْهِ مُوَصَّلَا

ش: **قولہ**: یناشد الخ ای یکثر السوال ویبالغ فی طلب المنازل اور اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع قرآن ہے اور **قولہ**: فی ارضائہ اس کے متعلق ہے اور چونکہ یناشد میں معنی رغبت کے بھی پائے جاتے ہیں اس لیے اس کو متعدی بھی ذکر کیا ہے اور ارضائہ کی ضمیر کا مرجع اسم اللہ ہے ای یناشد اللہ فی ان یرضی حبیبہ ای یعطیہ من الاجر والثواب ما تقر بہ عینہ. پس اس صورت میں

ارضاء کی اضافت فاعل کی طرف ہے اور مصدر ہونیکی وجہ سے متعدی بلام جر ہے مثل عجبت من ضرب لذيذ اور یہ بھی جائز ہے کہ اس کی اضافت مفعول کی طرف ہو پس اس وقت اس کی ضمیر کا مرجع حبیب ہوگا اور تقدیر عبارت یہ ہوگی۔ یناشد لحبیبه فی ارضائه ای یسئل الله تعالی فی ان یرضی حبیبه. پس کلام میں تقدیم و تاخیر ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے۔ ای یسال ربه ان یعطی القاری مایرضی به القرآن. واللہ اعلم بالصواب۔ **قوله**: واجدر به صیغہ تعجب مثل اخلق به ای ماجدره بذلک واحق به اور ضمیر بہ کا مرجع قرآن یا ارضاء یا الحاح ہے۔ **قوله**: سؤلاً ای مسئولاً ومطلوباً تمیز ہے اور **قوله**: موصّلاً اس کی صفت ہے اور **قوله**: الیه متعلق موصلا کے ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع قرآن یا قاری ہے۔

ترجمہ: کثرت سے سوال کرے گا یہ قرآن حق تعالیٰ کے راضی اور خوش کرنے میں اپنے حبیب (قاری) کی وجہ سے اور کیا ہی اچھا ہے یہ (قرآن) سوال (اور مطلوب) کے اعتبار سے جو اس کی طرف پہنچا دیا جائے گا یعنی اس کا یہ سوال پورا کیا جائے گا اور حق تعالیٰ قاری سے راضی اور خوش ہو جائے گا۔

مطلب: ناظمؒ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید حق تعالیٰ کے سامنے بار بار سوال کرے گا اور کہے گا کہ اے اللہ تو میرے حبیب قاری سے خوش اور راضی ہو جا اس کے بعد واجدر بہ سے فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کیا ہی عمدہ اور عجیب چیز ہے کہ اس کا یہ سوال رد نہیں کیا جائے گا بلکہ اس کی خواہش کے موافق حق تعالیٰ قاری سے راضی اور خوش ہو جائے گا اور قاری کو بڑی بڑی نعمتیں عطا فرمائے گا اس میں اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جس کو ترمذی نے حضرت ابو ہریرہؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: ﴿يَجِيُّ الْقُرْآنُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ حُلَّهُ فَيَلْبِسُ تَاجَ الْكَرَامَةِ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ زِدْهُ فَيَلْبِسُ حُلَّةَ الْكَرَامَةِ فَيَقُوْلُ يَارَبِّ اِرْضَ عَنْهُ وَيُرْوَى اَللّٰهُمَّ اِرْضِنِيْ لِحَبِيْبِيْ﴾ (قاری)

فَيَـا أَيُّهَـا الْقَـارِئْ بِهٖ مُتَمَسِّكًا
مُجِـلًّا لَـهُ فِيْ كُلِّ حَالٍ مُبَجِّلَا

ش قوله: متمسکاً اور اس کے بعد کے ہر دو منصوبات قاری کی ضمیر سے حال ہیں اس لیے کہ اس کے معنی یاایها الذی قرأ القرآن کے ہیں اور القاری کے ہمزہ کو ضرورۃً ساکن کر کے یا سے بدل لیا ہے اور اجلال و تبجیل دونوں کے معنی قریب قریب ہیں اور **قوله** به کی ضمیر کا مرجع قرآن ہے اور یہ متعلق متمسکا کے ہے: ای عاملاً بمافیه ملتجئا الیه فی نوازله کما قال اللہ تعالیٰ: ﴿وَالَّذِيْنَ يُمَسِّكُوْنَ بِالْكِتَابِ﴾

وقال ﷺ: ﴿فیه الهدی والنور فتمسکوا بکتاب الله وخذوابه﴾ اور **قوله**: له متعلق مجلاً کے ہے اوراس کی ضمیر کا مرجع بھی قرآن ہے اور **قوله**: فی کل حالٍ متعلق مبجلا کے ہے۔

ترجمه: پس اے قاری دراں حالیکہ تو اس (قرآن) کو مضبوطی سے پکڑنے والا اور ہر حال میں اس کی تعظیم وتوقیر کرنے والا ہے (تجھ کو خوشخبری ہو کہ تیرے والدین کو جنت میں انوار کے لباس پہنائے جائیں گے جیسا کہ ناظمؒ نے اس کو اگلے بیت میں بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے۔

هَنِيئًا مَّرِيئًا وَّالِـــدَاکَ عَلَيْهِمَـــا
مُلَابِسُ أَنْــوَارٍمِنَ التَّاجِ وَالْحُـــلَا

ش: قوله: هنیئاً مریئاً ترکیب میں دونوں بنابرحال منصوب ہیں: ای ثبت لک النعیم هنیئاً مریئا یا یہ دونوں مصدر محذوف کی صفت ہونے کی بناپر منصوب ہیں: ای عَش عیشاً هنیئا مریئا، یہ دونوں لفظ اصل میں طعام وشراب کے اوصاف میں سے ہیں چناں چہ جو کھانا لذیذ اور عمدہ ہو اور جس کو طبیعت رغبت کے ساتھ قبول کرے وہ ھنی کہلاتا ہے اور جو کھانا ہضم ہو کر بخوبی جزو بدن وموجب صحت وقوت ہو اسکو مری کہتے ہیں لیکن اب یہ لفظ عام طور پر مجازاً خوشی اور مبارکبادی کے موقع پر استعمال کئے جانے لگے ہیں۔ **قوله**: والداک ترکیب میں مبتدا اول اور **قوله**: ملابس یا تو ملبس بفتح المیم والباء مصدر میمی کی جمع ہے مثل لُبْسٌ کے اور یا یہ مِلبس بکسر المیم وفتح الباء بمعنی لباس کی جمع ہے اور ترکیب میں مبتداء ثانی ہے اور۔ **قوله**: علیهما اس کی خبر مقدم ہے پھر جملہ مبتدا اول کی خبر ہے اور ضمیر ہما کا مرجع والدین ہیں اور ملابس کی اضافت انوار کی طرف ادنی ملابست کی وجہ سے ہے اور۔ **قوله**: من التاج والحلا من بیانیہ ہے اور الحلا بضم الحاء یا توحلیة کی جمع ہے کااللحی جمع اللحیة یا حله کی جمع ہے کیونکہ اس کی اصل حلل ہے لام ثانی کو حرف علت سے بدل لیا ہے کاملیت فی امللت اور یہ ضرورۃً جائز ہے اس کی تائید حدیث یکسیٰ والداه احلته سے بھی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمه: مبارکباد اور خوشخبری ہو (تجھ کو اے قاری) کہ تیرے والدین جو ہیں ان دونوں پر انوار کے لباس تاج اور حلے ہوں گے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ اے قاری اگر تو نے کتاب اللہ پر مضبوطی سے عمل کیا اور اس کی ہر حالت میں خواہ وہ قراءۃً ہو یا سماعۃً تعظیم اور توقیر کی تو تجھ کو مبارکباد اور خوشی ہو اور اپنی زندگی بے فکری سے گزار اس لیے کہ حق تعالی کے انعامات تیرے اوپر بہت ہیں تیرے والدین کو جنت میں نورانی لباس تاج اور حلے پہنائے

جائیں گے اور تیری وجہ سے ان کا بہت بڑا اکرام کیا جائے گا اور قیامت میں تجھ کو بہت بڑی عزت حاصل ہوگی اس بیت میں اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جسکو ابوداؤد وغیرہ نے سہل بن معاذ الجہنیؒ سے اور انھوں نے اپنے والد سے اور انھوں نے نبی کریم ﷺ سے روایت کیا ہے ﴿من قرأ القرآن وعمل بمافیه البس والداه تاجاً یوم القیامة ضوءُهُ احسن من ضوء الشمس فی بیوت الدنیا لو کانت فیکم فما ظنکم باالذی عمل بهذا﴾ وفی روایة ابی هریرةؓ علی ماروٰه بقی بن مخلد فی مسنده مرفوعا ﴿البس والداه حلة لا تقوم لها الدنیا ومافیها﴾ اب اس کے بعد ناظمؒ اگلے بیت میں بقیہ حدیث فماظنکم الخ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

فَمَا ظَنُّکُمْ بِالنَّجْلِ عِنْدَ جَزَائِهِ
أُوْلٰئِکَ أَهْلُ اللهِ وَالصَّفْوَةُ الْمَلا

ش قوله: فماظنکم اس سے یا تو قراء کو خطاب ہے یا مطلقاً سامعین کو ترکیب میں مبتدا و خبر ہے اور ما استفہامیہ تفخیم امر و تعظیم شان کے لیے ہے کما قولہ تعالیٰ: ﴿فَمَا ظَنُّکُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾ اور **قوله**: بالنجل ای بالنسل کا کالولد متعلق ظنکم کے ہے اس میں مذکر و مؤنث واحد و جمع سب برابر ہیں۔ **قوله**: عند جزائهٖ ترکیب میں محذوف کا ظرف ہے: ای تظنونه حاصلاً عند جزاء الولد اور جزائهٖ کی ضمیر مفرد باعتبار لفظ نجل کے ذکر کی گئی ہے اگرچہ معنی کے لحاظ سے یہ جمع ہے جیسا کہ **قوله**: اولٰئک سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ **قوله**: اولٰئک ترکیب میں مبتدا اور **قوله**: اهل الله اس کی خبر ہے اور اہل اسم جمع ہے اور کبھی انواع کے اعتبار سے جمع سالم بھی آتی ہے چناں چہ قرآن میں دونوں طرح مذکور ہے جیسے کہ ﴿شَغَلَتْنَا اَمْوَالُنَا وَاَهْلُوْنَا﴾ اور ﴿وَکَانُوْا اَحَقَّ بِهَا وَاَهْلَهَا﴾ پس یہاں بھی دونوں امر کا احتمال ہے اور ممکن ہے کہ ناظمؒ نے جمع سالم کا صیغہ ہی استعمال کیا ہو کیوں کہ وہ خود تو بوجہ نابینا ہونے کے لکھ نہیں سکتے تھے پس کاتب نے اس کو جمع سمجھ کر بغیر واؤ کے لکھ دیا ہو واللہ اعلم۔ **قوله**: والصفوة بفتح الصاد وبکسر ها وروی ضمها بمعنی الشیٔ الخالص اور **قوله**: الملا بمعنی اشراف کا ہمزہ بوجہ وقف الف سے بدل گیا ہے ترکیب میں یہ دونوں مرفوع بالعطف ہیں اور ان کا عطف اہل اللہ پر ہے۔

ترجمه: پس کیا گمان ہے تمہارا (اے سامعین ایٔی) اولاد کے ساتھ اس کی جزاء کے بارے میں وہ حق تعالیٰ کے مقرب اور برگزیدہ بندے اور خالص اشراف ہیں۔

مطلب: یعنی اے سامعین اور اے عوام الناس! تم ہی بتلاؤ اور خیال کرو کہ جب قاری کے والدین کا حق

تعالیٰ کے یہاں اتنا بڑا درجہ ہے کہ ان کو جنت میں نورانی لباس تاج اور حلّے پہنائے جائیں گے تو قاری کا تو ان سے کہیں بڑا درجہ ہوگا اور اس کو جو جزاء اور انعامات دیئے جائیں گے وہ کتنے زائد اور بیشمار ہوں گے۔ مختصراً یہ کہ وہ قراء اہل اللہ اور برگزیدہ جماعت اور خالص اشراف ہیں اس سے اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جس کو ابن ماجہ وغیرہ نے حضرت انسؓ سے اور انھوں نے حضور اکرم ﷺ سے روایت کیا ہے ﴿ان لِلّٰه اهلين من خلقه قيل من هم يارسول الله قال اهل القرآن هم اهل الله وخاصته﴾ پس ناظمؒ نے اپنے قول الصفوة سے اسی خاصہ مذکورہ فی الحدیث کی طرف اشارہ فرمایا ہے، اور نیز اشارہ ہے حق تعالیٰ کے اس قول کی طرف ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا﴾ اور قوله الملأ سے اشارہ ہے حضور ﷺ کے اس قول کی طرف ﴿اشراف امتى حملة القرآن واصحاب الليل﴾ وفی رواية ﴿قراء القرآن وقوام الليل﴾ (قاری)

أُولُوالْبِرِّ وَالْإِحْسَانِ وَالصَّبْرِ وَالتُّقٰى
حُلَاهُمْ بِهَا جَآءَ الْقُرْاٰنُ مُفَصَّلاَ

ش قوله: اولوالبرای اصحاب الخير ترکیب میں اہل اللہ سے بدل یا خبر بعد خبر یا مبتدا محذوف ہم کی خبر ہے یا یہ مبتدا اور **قوله**: حُلاهم ای صفاتهم اس کی خبر ہے یا حلاہم مبتدا محذوف ہذہ کی خبر ہے یا حلاہم مبتدا اور **قوله**: جاء القرآن اس کی خبر ہے اور۔ **قوله**: بها یا تو جاء کے متعلق ہے یا۔ **قوله**: مفصّلا کے ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع حلاہم ہے اور مفصلا بمعنی مبینًا اور مفصلا فیہ ترکیب میں قرآن سے حال ہے واللہ اعلم۔

ترجمہ: (یہ قراء) اصحاب خیر واحسان ہیں صبر کرنے والے اور پرہیزگار ہیں (یہ سب) ان کے اوصاف ہیں جن کے ساتھ قرآن آیا ہے اس حال میں کہ وہ بیان کیا گیا ہے (یعنی قرآن نے ان کی ان تمام صفات کو مفصل اور واضح طور پر بیان کیا ہے جیسے: ﴿وَمَا عِنْدَاللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴾ اور ﴿وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ﴾ ﴿وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ﴿وَاصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ﴾ ﴿وَاتَّقُوْا اللّٰهَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ "وامثالها" اب اس کے بعد ناظمؒ نے اگلے بیت میں قاری کو ان صفات مذکورہ کی مداومت پر تاکید اور سامعین کو ان کی ملازمت اور ہمیشگی پر ترغیب دلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔

عَلَيْكَ بِهَامَاعِشْتَ فِيْهَا مُنَافِسًا
وَبِعْ نَفْسَكَ الدُّنْيَا بِاَنْفَاسِهَا الْعُلاَ

ش: **قولہ**: علیک بھا ای الزم ھذہ الصفات والصق بھا وبادر الیھا اور۔ **قولہ**: ماعشت میں ما مصدریہ ہے ای مدۃ حیاتک اور۔ **قولہ**:فیھا یا تو عشت کے متعلق ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع دنیا ہے جو عشت سے مفہوم ہوتا ہے اور یا منافساً کے متعلق ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع حلا ہم ہے جو اس سے پہلے شعر میں مذکور ہے۔ **قولہ**:منافساً ترکیب میں علیک کے فاعل سے حال ہے منافست کے معنی کسی چیز میں مزاحمت کرنے کے ہیں اس کے شوق و رغبت کرنے کی وجہ سے تاکہ دوسرے سے پہلے کوشش کر کے اس کو حاصل کر سکیں اور۔ **قولہ**:بع ای ابدل وابذل اور **قولہ**:نفسک اس کا مفعول ہے۔ **قولہ**:الدنیا تانیث ادنی بمعنی ادنی احقر واقل ترکیب میں نفسک کی صفت ہے۔ **قولہ**:بانفاسھا میں باء ظرفیہ یا بدلیہ ہے اور انفاس جمع نفس بفتح الفاء کی ہے ای بارواح طیبھا التی ھی غُلا فی المبدأ والمال اور ضمیر ھا کا مرجع حلا ہم ہے۔ **قولہ**:العلا بضم العین ترکیب میں انفاس کی صفت ہے اور علا یا تو علیا کی جمع ہے اور یا مصدر معنی میں اسم فاعل کے ہے کقولک رجل عدل پس اس صورت میں تقدیر عبارت ذوات العلا ہوگی۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ:تم ان صفات (مذکورہ) کو اپنے اوپر لازم پکڑ لو جب تک کہ تم اس دنیا میں زندہ رہو دراں حالیکہ ان (کے حصول) میں (دوسروں پر) غالب آنے والے ہو اور بدل دو تم اپنے نفس حقیر کو ان (مذکورہ) بالا نفیس اور عمدہ صفات والی روحوں کے ساتھ جو بلند (اور عالی مرتبہ) ہیں۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ تم تازندگی ان صفات مذکورہ بالا کو مضبوطی کے ساتھ پکڑے رہو اور اپنے اوپر ان کو لازم کر لو اور ہرگز بھی ان کی طرف غفلت نہ کرو۔ بلکہ ان کی تکمیل و تحصیل میں ایک دوسرے پر غالب آنے کا شوق اور اس کی رغبت اپنے دل میں پیدا کرو اور اپنے حقیر دنیاوی نفس کو انفاس قدسیہ اور پاک روحوں کے ساتھ بدل لو، یعنی ان جیسے بن جاؤ کہ جنھوں نے پوری محنت و مشقت اٹھا کر اور مجاہدے کر کے حق تعالیٰ کی رضامندی حاصل کی ہے اور اپنے نفس کو اس کے احکام بجالانے کا عادی بنایا ہے اس بیت کے الفاظ بھی بدیع ہیں اور معنی بھی جلیل القدر۔ جس سے معلوم ہوتا کہ ناظمؒ بھی اولیا اللہ میں سے تھے۔ اب اس کے بعد ناظمؒ علمائے قراءت کی تعریف اور بطور شکریہ ان کے لیے دعاء فرماتے ہیں۔

جَـــزَی اللّٰہُ بِالْخَیْرَاتِ عَنَّا اَئِمَّـــۃً
لَنَا نَقَلُـــــوا الْقُرْاٰنَ عَـــذْباً وَّسَلْسَلاً

ش: **قولہ**: جزی اللہ الخ ترکیب میں معنیً جملہ دعائیہ ہے اور لفظاً خبریہ ہے اور جزی متعدی بدو مفعول

ہوتا ہے نحو قولہ تعالیٰ: ﴿وَجَزَاهُمْ بِمَا صَبَرُوْا جَنَّةً وَّحَرِيْرًا﴾ پس اس کا مفعول اول ائمه اور دوسرا بالخیرات ہے اور باء زائدہ ہے والمعنی جزی اللّٰہ ائمة القراء ۃ خیراً اور **قولہ**: لنا یا تو ائمہ کی صفت ہے یا نقلوا کے متعلق ہے۔ **قولہ**: القرآن بمعنی المقروء یا بمعنی القراءات ترکیب میں نقلوا کا مفعول ہے اور۔ **قولہ**: عذباً مصدر محذوف کی صفت ہے ای نقلا عذباً لم یزیدوا او لم ینقصوا منه ولاحرفوا ولا بدلوا اور یہ بھی جائز ہے کہ قولہ عذباً قرآن سے حال ہو ای نقلوہ وھو کذالک علی ھذا الحال لم یتغیر عنھا اور **قولہ**: سلسلاً کا عطف عذبا پر ہے العذب کے معنی شیریں کے ہیں اور سلسل وہ ہے جو آسانی سے حلق سے نیچے اتر جائے واللہ اعلم۔

ترجمہ: جزائے خیر دے اللہ تعالیٰ ہماری جانب سے ان ائمہ قراءت کو کہ جنھوں نے ہمارے لیے نقل کیا ہے قرآن مجید اس حال میں کہ وہ شیریں اور آسان ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ جن ائمہ نے قرآن مجید کو حضور ﷺ سے نقل کر کے ہم تک پہنچایا ہے اور ہم پر بڑا احسان فرمایا ہے تو چونکہ ان کا ہم پر حق ہے اس لیے ہم کو چاہیے کہ ان کے لیے دعاء خیر کریں کہ اے اللہ تو ہماری طرف سے ان کو جزائے خیر عطا فرما کہ انھوں نے نہایت ہی صحیح طریقہ پر رسم عثمانی اور لغت عربیہ فصیحہ کے موافق بغیر اختلاط رائے اور بلا زیادتی و کمی کے بعینہٖ اسی طرح ہماری طرف نقل کیا ہے پس عذوبت قرآن وقرأت سے یہ ہی مراد ہے یا یہ کہ جس طرح نقل کیا گیا تھا ابھی تک اس میں وہی شیرینی اور مٹھاس باقی ہے ذرہ برابر بھی اس میں تغیر نہیں ہوا ہے واللہ اعلم۔

ف: حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص تمہارے ساتھ احسان کرے تو تم اس کا بدلہ دیدو اور اگر اس کی طاقت نہ ہو تو اس کے لیے دعاء ہی کردو ایک اور حدیث میں آیا ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں: ﴿اذا قال رجل لاخیه جزاک اللّٰہ خیراً فقد ابلغ فی الثناء﴾ یعنی جس نے کسی کے ساتھ احسان کیا اور اس شخص نے احسان کرنے والے کو جزاک اللہ خیرا کہا تو اس نے اس کی تعریف کا پورا پورا حق ادا کردیا۔

فَمِنْهُمْ بُدُوْرٌ سَبْعَةٌ قَدْ تَوَسَّطَتْ
سَمَاءَ الْعُلٰى وَالْعَدْلِ زُهْرًا وَّكُمَّلًا

ش: **قولہ**: فمنھم الخ میں من تبعیضیہ ہے اور ضمیر ھم کا مرجع ائمة ہے اور یہ یا تو خبر ہے یا بدور کا رافع ہے اور **قولہ**: سبعة ترکیب میں بدور کی صفت ہے اور۔ **قولہ**: العلیٰ عین کے ضمہ اور قصر کے ساتھ رفعت وشرف کے معنی میں ہے مثل علاء بالفتح والمد کے یا یہ علیا کی جمع ہے پس اس صورت میں یہ موصوف محذوف

کی صفت ہوگا ای سماء المناقب العلی و المراتب العلیٰ اور **قولہ**:زھرا جمع ازہر کی ہے جیسا کہ حمر جمع احمر کی ہے اوراس کے معنی روشن کے ہیں اور کملا جمع کامل کی ہے اور یہ دونوں ترکیب میں قد توسطت کے فاعل سے حال ہیں اول مقیدہ اور ثانی مؤکدہ ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: پس ان ائمہ میں سے ایسے سات چاند ہیں جو آسمان رفعت وعدل کے درمیان پہنچ چکے ہیں اس حال میں کہ وہ روشن اور کامل ہیں۔

مطلب: یعنی ان ائمہ ناقلین قراءت میں سے سات ایسے امام اور قاری ہیں جو علوشان اور شہرت اور روشن علم کے اعتبار سے چودھویں رات کے چاند کے مشابہ ہیں اور جس طرح کہ بدر کامل اور پورا چاند ہوتا ہے اور وسط آسمان میں پہونچ کر تمام عالم کو روشن کر دیتا ہے اور سب اس کی روشنی سے منتفع ہوتے ہیں اسی طرح یہ بدور سبعہ بھی کامل ہیں اور اپنے وسیع علم کے اعتبار سے حق وشرف کے بلند آسمان کے درمیان پہنچ کر تمام عالم کو اپنے علم کی روشنی سے منور فرمارہے ہیں اور ان فیوض وبرکات تمام عالم میں پہنچ گئے ہیں ان کو جو بدور کہا ہے نہ کہ شموس وہ اس لیے کہ جس طرح چاند کی روشنی سورج سے حاصل ہوتی ہے اسی طرح ان حضرات نے بھی اپنے علوم کو صحابہ اور تابعین کے واسطہ سے حضور ﷺ سے حاصل کیا ہے اور حضور ﷺ کا شمس الانبیاء ہونا ظاہر ہے۔ (قاری)

لَهَا شُهُبٌ عَنْهَا اسْتَنَارَتْ فَنَوَّرَتْ
سَوَادَ الدُّجٰى حَتّٰى تَفَرَّقَ وَانْجَلَا

ش: **قولہ**: لَهَا شُهُبٌ الخ جملہ اسمیہ اور ہا کا مرجع بدور ہے اور شھب شھاب کی ہے بمعنی النجم المضی ومنہ. قولہ تعالی: ﴿شِهَابٌ ثَاقِبٌ﴾ واصلہ شعلۃ النار ومنہ. قولہ عز وجل: ﴿بِشِهَابٍ قَبَسٍ﴾ اور **قولہ**:عنھا متعلق استنارت کے ہے ای استضارت فنورت غیرھا اور **قولہ**:الدجی مجرور بالاضافۃ دجیۃ کی جمع ہے جس کے معنی ظلمت کے ہیں پس یہاں ظلمت سے جہالت اور روشنی سے علم مراد ہے واللہ اعلم۔

ترجمہ:ان بدور سبعہ کے لیے ایسے روشن چمکدار ستارے ہیں جنھوں نے ان سے (علم کی روشنی) حاصل کی ہے پھر ان ستاروں نے منور اور روشن کر دیا (دوسروں کی جہالت) تاریکی کو یہاں تک کہ وہ جدا اور منکشف ہوگئی۔

مطلب: یعنی ان قراء بدور سبعہ کے لیے رواۃ اور شاگرد ہیں جو ہدایت وانوار وغیرہ ہیں ستاروں کے مشابہ

ہیں انھوں نے علوم قرآنیہ کو انھیں بدور سبعہ سے حاصل اور پھر اس کو تمام عالم میں پھیلایا جس کی وجہ سے جہالت کی تمام تاریکیاں منقطع ہوگئیں اور ہر جگہ قرآن کے علم کی روشنی پھیل گئی اور اس کے انوار و برکات ہر جگہ ظاہر ہوگئے۔

وَ سَوْفَ تَرَاهُمْ وَاحِداً بَعْدَ وَاحِدٍ
مَعَ اثْنَيْنِ مِنْ أَصْحَابِهِ مُتَمَثِّلاً

ش: **قوله**: سوف تراهم ای وسوف تری البدور المذکورین فی هذه القصیدة علی هذه الصفة ای مرتبین واحداً بعد واحدٍ پس۔ **قوله**: واحداً ترکیب میں بنا بر حال منصوب ہے اگر تری رویت بصر سے ہو اور اگر تری رویت قلب سے ہو تو پھر واحداً اس کا مفعول ثانی ہوگا ای تعلمهم کذالک اور۔ **قوله**: بعد واحدٍ ترکیب میں واحداً کی صفت ہے اور۔ **قوله**: مع اثنین ترکیب میں واحداً کی صفت ہے۔ کقولک "دونت الکتاب باباً بعد بابٍ" اور۔ **قوله**: متمثلا ای متشخصا بھی واحد کی صفت ہے اور قولہ مع اثنین ترکیب میں واحداً کا ظرف ہے اور۔ **قوله**: من اصحابه صفت اثنین اور ضمیر (ہ) کا مرجع واحداً ہے اصحاب سے مراد اتباع ہیں اور وہ لوگ جنھوں نے ان میں سے کسی کے قول کو نقل کیا ہے مثل اصحاب شافعیؒ واصحاب ابی حنیفہؒ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور تم عنقریب ہی جان لوگے ان بدور سبعہ کو ایک کو دوسرے کے بعد جو اپنے شاگردوں میں سے دو کے ساتھ متشخص (اور ظاہر) ہونیوالا ہوگا (یعنی یہ قراء سبعہ) اس طرح ذکر کئے جائیں گے کہ ان میں سے ہر ایک اپنے نام کے ساتھ علیحدہ علیحدہ مع اپنے شاگردوں یعنی راویوں کے بیان کیا جائے گا۔ف جاننا چاہئے کہ قراء سبعہ کے اصحاب یعنی رواۃ وشاگرد تین قسم کے ہیں ایک تو وہ کہ انھوں نے بذات خود بلا واسطہ حاصل کیا ہے جیسے نافع وعاصم وکسائی کے اصحاب' دوسرے وہ کہ انھوں نے بذات خود تو حاصل نہیں کیا لیکن ان کے اور قراء کے درمیان صرف ایک ہی واسطہ ہے جیسے اصحاب ابوعمرو وحمزہ کہ ان کے اور اصحاب کے درمیان صرف یحییٰ یزیدی اور سلیم کا واسطہ ہے، تیسرے وہ کہ ان کے اور اصحاب کے درمیان ایک سے زائد واسطے ہیں جیسے اصحاب ابن کثیر وابن عامر شامی، ناظمؒ نے ان کو جن کے درمیان صرف ایک ہی واسطہ ہے عدم دشواری کیوجہ سے بیان فرمادیا ہے لیکن جنکے درمیان کئی واسطے ہیں ان کو بوجہ طوالت یا دشواری نہیں ذکر کیا ہے۔

تَخَيَّرَهُمْ نُقَّادُهُمْ كُلَّ بَارِعٍ
وَلَيْسَ عَلىٰ قُرْآنِهِ مُتَأَكِّلاَ

ش: **قوله**: تخیرهم ای اختارهم اور ہر دو ضمیر ہم کا مرجع بدور وشہب دونوں ہیں اور یہی اولیٰ ہے اگرچہ بعض نے صرف شہب کی طرف اور بعض نے صرف بدور کی طرف راجع کی ہے اور۔ **قوله**: کل بارع ترکیب میں تخیرهم کے مفعول سے بدل ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور بارع کے معنی الفائق علیٰ اقرانه فی خصائل الخیر اور۔ **قوله**: ولیس کا عطف بارع کے معنی پر ہے ای کل من برع ومن لیس پس گویا کہ یہ دونوں صفتیں ہیں ای کل بارع غیر متاکل بقراءته اور علیٰ معنی میں باء سببیہ کے ہے اور **قوله**: متأکلاً من تاکل بکذا جمله سبباً للاکل کے متعلق ہے۔

ترجمہ: ان (بدور وشہب دونوں) کو اختیار کیا ہے ان کے پرکھنے والوں نے کہ ہر ایک (ان میں سے) فائق اور اپنی قراءت کے ذریعہ کھانے کمانے والا نہیں ہے (یعنی ان میں کوئی ایسا نہیں ہے کہ جس نے قرآن اور اپنی قرآت کو ذریعہ معاش بنایا ہو)

مطلب: فرماتے ہیں کہ جو علماء کھرے کھوٹے کو پرکھنے والے اور اچھے و برے میں تمیز کرنے والے تھے انھوں نے ان بدور وشہب کو ان کے فضل وکمال کیوجہ سے اختیار کرلیا ہے اور پسند فرمایا ہے کیونکہ ان میں سے ہر ایک علماً وعملاً وزہداً دنیا میں اور اخلاصاً رضائے مولا وطلب عقبیٰ میں ایک دوسرے سے فائق اور بڑھا ہوا ہے اور نیز ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے کہ جس نے اپنی قراءت کو تعلیماً وتعلماً کھانے کا ذریعہ اور عزت وجاہ کا سبب بنایا ہو حدیث میں آیا ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ لاتاکلوا بالقرآن یعنی قرآن مجید کو ذریعہ معاش اور کھانے کمانے کا سبب نہ بناؤ نیز ارشاد ہے کہ جس نے قرآن مجید اس لیے پڑھا کہ اس کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنائے تو وہ قیامت کے دن ایسی حالت میں آئیگا کہ اس کے چہرے پر صرف ہڈیاں ہوں گی گوشت بالکل نہیں ہوگا ایک اور حدیث میں آتا ہے کہ جس شخص نے قرآن مجید پڑھا اس کو چاہئے کہ وہ سوائے خدا تعالیٰ کے اور کسی سے سوال نہ کرے کیونکہ عنقریب ایسے لوگ پیدا ہونگے جو حق تعالیٰ کو چھوڑ کر دوسروں سے سوال کریں گے (ترمذی عن عمران) اس کے بعد ناظمؒ نے بدور سبعہ کو مع شہب کے ترتیب وار بیان فرماتے ہیں۔

فَاَمَّا الْكَرِيْمُ السِّرِّ فِي الطِّيْبِ نَافِعٌ

فَذَاكَ الَّذِى اخْتَارَ الْمَدِيْنَةَ مَنْزِلاَ

ش: **قوله**: فاما لکریم الخ اما حرف تفصیل اور الکریم السر بمعنی شریف باطن مبتدا اور۔ **قوله**: فی الطیب یا تو السّر کے متعلق ہے یا الکریم کے اور **قوله**: نافع ترکیب میں الکریم سے بدل یا عطف بیان ہے اور **قوله**: فذاک میں فا جواب شرط ہے اس لیے کہ لمّا میں معنی شرط کے پائے جاتے ہیں اور مابعد

فاء اسمیہ مبتداء کی خبر ہے۔ اور **قوله**: المدینۃ ترکیب میں اختار کا مفعول ہے اور۔ **قوله: منزلا** بمعنی موضع النزول والسکون ترکیب میں اختار کا مفعول یعنی المدینہ سے تمیز ہے یا یہ دوسرا مفعول ہے جب کہ اختار کو معنی میں اتخذا کے لیا جائے یا یوں کہو کہ یہ حذف وایصال کے قبیل سے ہے **کقوله تعالی**: ﴿وَاخْتَارَ مُوْسٰی قَوْمَهٗ سَبْعِیْنَ﴾ ای من قومه سبعین پس یہ بھی اصل میں اختار من المدینۃ منزلا تھا صرف حرف جر کو حذف کر کے المدینہ کو فعل کے ساتھ متصل کر دیا گویا یہ بسبب حرف جر مقدر کے تقدیراً مجرور ہے واللہ اعلم۔

ترجمه: پس بہر حال شریف باطن خوشبو میں امام نافع ہیں پس یہ وہ ہیں جنھوں نے مدینہ طیبہ کو رہنے کی جگہ اور وطن بنایا ہے۔

مطلب: ناظمؒ نے اس بیت میں امام نافع کو تیسیر و ابن مجاہد کا اتباع کرتے ہوئے سب سے پہلے بیان فرمایا کیونکہ مدینہ طیبہ امام مالکؒ کے نزدیک جن کے یہ لوگ مقلد ہیں اشرف اور افضل ہے اور ابوالعز نے ابن کثیر کو اور اہوازی نے ابن عامر کو سب سے پہلے ذکر کیا ہے بہر حال اوّل قاری امام نافع بن عبدالرحمٰن مدنی ہیں اور اصل کے اعتبار سے اصفہانی ہیں آپ کی کنیت ابو عبدالرحمٰن یا ابورویم ہے اپنے نام سے مشہور ہیں۔ علم قرآت اور عربیت کے عالم اور احادیث نبویہ پر نہایت مضبوطی سے عامل تھے، تابعی ہیں اس لیے کہ صحابہ میں سے آپ نے طفیل اور ابن ابی انیسؓ کی زیارت کی ہے، جب قرآن مجید کی تلاوت فرمایا کرتے تھے تو منہ سے مشک کی خوشبو آیا کرتی تھی کسی نے دریافت کیا کہ اے ابورویم یا ابو عبدالرحمٰن کیا آپ تلاوت کے وقت خوشبو کا استعمال فرمایا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا نہیں بلکہ میں نے ایک مرتبہ حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ آپ میرے منھ میں قراءت فرما رہے ہیں پس اسی وقت سے میرے منھ سے خوشبو آنے لگی چناں چہ ناظمؒ نے الکریم السّر سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے، آپ نے ستّر تابعین سے قرآن مجید پڑھا ہے جن میں سے امام جعفر یزید بن القعقاع اور شیبہ بن نصاح اور عبدالرحمٰن بن ہرمز بھی ہیں ان سب حضرات ابن عباس اور ابی ابن کعبؓ سے اور ان دونوں حضرات نے نبی کریم ﷺ سے پڑھا ہے۔ آپ کی وفات مدینہ طیبہ میں ۱۶۷ھ کو ہوئی آپ کے رواۃ ثقات بہت ہیں جن میں سے دو راوی جو آپ سے بلا واسطہ روایت کرتے ہیں اور زیادہ مشہور ہیں یہ ہیں۔

وَقَالُوْنُ عِیْسٰی ثُمَّ عُثْمَانُ وَرْشُهُمْ
بِصُحْبَتِهِ الْمَجْدَ الرَّفِیْعَ تَأَثَّلَا

ش: قوله: قالون مبتداء اور **قوله**: عیسی اس سے بدل ہے، قالون بزبان روم جید کو کہتے ہیں۔ امام نافع نے جودت قراءت کیوجہ سے ان کو یہ لقب دیا تھا اسی سے مشہور ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ یہ لقب امام مالک بن انسؒ نے دیا تھا اور **قوله**: ثم عثمان ثم تراخی کے لیے ہے خواہ رتبۃ ہو یا اخباراً، اور **قوله**: ورشهم میں اضافت ادنی ملابست کی وجہ سے ہے۔ اور ورش ان کا لقب ہے یعنی ورش سے مشہور ہیں۔ نام نہیں امام نافع نے بوجہ شدت بیاض ان کو یہ لقب دیا تھا۔ عثمان ان کا نام ہے لقب یعنی ورش سے مشہور ہیں۔ اور **قوله**: تأثلا بمعنی جمعا ای سادا وقیل ارتقیا او حصلا مبتدا کی خبر ہے اور **قوله**: المجد الرفیع اس کا مفعول ہے اور **قوله**: بصحبته میں باء سببیہ ہے واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور قالون عیسیٰ پھر عثمان ان قراء میں کہ جو ورش ہیں ان دونوں نے امام نافع کی صحبت کے سبب سے اعلی درجہ کی بزرگی کو جمع کیا ہے (یعنی یہ دونوں حضرات امام نافع کے فیض صحبت سے سردار بن گئے تھے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ امام نافع کے دوراویوں میں سے پہلے راوی قالون ہیں جنکا نام عیسیٰ بن میناء اور کنیت ابوموسیٰ ہے مدینہ طیبہ کے رہنے والے ہیں آپ کی ولادت ۱۲۰ھ اور وفات ۲۲۰ھ میں ہوئی۔ دوسرے راوی ابوسعید عثمان بن سعید ورش مصری ہیں آپ ۱۱۰ھ میں پیدا ہوئے پھر مدینہ طیبہ میں تشریف لاکر امام نافع سے قراءت پڑھی اور ۱۹۷ھ کو مصر میں وفات پائی، رحمہا اللہ تعالیٰ۔

وَمَكَّةُ عَبْـــدُ اللّٰهِ فِيْهَا مُقَامُــهُ
هُوَ ابْنُ كَثِيْـرٍ كَاثِــرُ الْقَوْمِ مُعْتَلاَ

ش: قوله: ومكة مبتدا اول اور **قوله** عبداللّٰه مبتدا ثانی اور **قوله**: مقامه بضم الميم بمعنی موضع الاقامت مبتدا ثالث ہے اور۔ **قوله**: فيها اس کی خبر پھر جملہ مبتداء ثانی کی اور پھر مجموعہ مبتدا اول کی خبر ہے اور ضمیر (ھا) کا مرجع مکہ ہے، اور۔ **قوله**: هو ابن كثير مبتدا و خبر اور ضمیر هو کا مرجع عبداللہ ہے اور **قوله**: كاثر القوم ای غالب القوم ترکیب میں هو کی دوسری خبر ہے اور **قوله**: معتلا تمیز ہے۔

ترجمہ: اور مکہ جو ہے اس میں عبداللہ کی جائے اقامت ہے یہ عبداللہ ابن کثیر ہیں شرف اور بلندی کے اعتبار سے (اپنی) قوم (یا قراء میں) کے غالب (اور نام اور) ہیں۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ دوسرے امام اور قاری عبداللہ ابن کثیر ہیں اپنی کنیت سے مشہور ہیں آپ ابنائے فارس سے دراز قد جسیم اور گندمی رنگ تھے۔ تابعی ہیں۔ مکہ کے رہنے والے ہیں جو اکثر علماء کے نزدیک

تمام مقامات سے افضل ہے۔آپ نے متعدد صحابہ سے قرآن مجید پڑھا ہے جن میں عبداللہ ابن سائب مخزومیؓ صحابی ہیں انھوں نے حضرت ابی ابن کعبؓ سے اور انھوں نے حضور ﷺ سے پڑھا ہے۔آپ علم حدیث کے بھی بہت بڑے اور زبردست عالم تھے، ۴۵ھ میں بزمانہ امیر معاویہؓ آپ کی ولادت مکہ میں ہوئی کچھ مدت تک عراق میں قیام فرمایا پھر مکہ میں تشریف لے آئے اور یہیں بزمانہ ہشام بن عبدالملک ۱۲۰ھ میں انتقال فرمایا رحمہ اللہ آپ کے بھی شاگرد بہت ہوئے ہیں ان میں سے دو راوی جو آپ سے بواسطہ سند روایت کرتے ہیں اور زیادہ مشہور ہیں اگلے بیت میں مذکور ہیں۔

رَوٰی أَحْمَدُ الْبَزِّیْ لَهٗ وَمُحَمَّدٌ
عَلٰی سَنَدٍ وَهْوَالْمُلَقَّبُ قُنْبُلاً

ش: **قوله**: البزی الخ ترکیب میں صفت ہے اور اس کی یاء لغۃً مخفف ہے اور یہ نسبت ہے ابو بزہ کی طرف جو آپ کے جدّ اعلیٰ ہیں اور۔ **قوله**: له معنیٰ میں عنہ کے ہے کقولہ تعالیٰ ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ آمَنُوْا﴾ ای عن الذین آمنوا۔اور **قوله**: علی سند ترکیب میں احمد اور محمد دونوں سے حال ہے ای معتمدین علی سند یا علی معنیٰ میں باء کے ہے ای متلبسین بسند اور۔**قوله**: قنبلا ترکیب میں **قوله**: المقلب کا مفعول بہ ہے قنبل کے معنی شدید الغلیظ یعنی مضبوط اور گاڑھی شئ کے ہیں۔

ترجمه: روایت کیا ہے احمد بزی نے اور محمد نے ان (ابن کثیر) سے اس حال میں کہ وہ دونوں سند پر اعتماد کرنیوالے ہیں اور یہ (محمد) جو ہیں قنبل لقب دیئے گئے ہیں۔

مطلب: یعنی امام دوم ابن کثیر مکی کے دو راوی جنھوں نے ان سے بواسطہ سند، جس کی طرف ناظمؒ نے علی سند سے اشارہ فرمایا ہے قراءت حاصل کی ہے ان میں سے پہلے راوی ابوالحسن احمد بن محمد بن عبداللہ بن قاسم بن نافع بن ابی بزّہ ہیں۔بزّی سے مشہور ہیں آپ نے عکرمہ سے اور انھوں نے اسماعیل بن عبداللہ قسط سے اور انھوں نے شبل بن عباد سے اور انھوں نے ابن کثیر سے پڑھا ہے آپ کی ولادت مکہ میں ۱۷۰ھ کو ہوئی اور اسی جگہ ۲۴۰ھ میں وفات پائی۔دوسرے راوی ابوعمر محمد بن عبدالرحمٰن ملقب بقنبل ہیں مکہ معظمہ کے رہنے والے ہیں اپنے لقب قنبل سے مشہور ہیں۔آپ نے احمد قواس سے اور انھوں نے ابوالاخریط سے اور انھوں نے اسماعیل سے اور انھوں نے شبل و معروف بن مشکان سے اور ان دونوں نے ابن کثیر سے پڑھا ہے آپ کی ولادت مکہ میں ۱۹۵ھ کو ہوئی اور یہیں ۲۹۱ھ میں انتقال فرمایا۔رحمہم اللہ تعالیٰ۔

وَأَمَّا الْإِمَامُ الْمَازِنِيُّ صَرِيْحُهُمْ
أَبُوْ عَمْرِو الْبَصْرِيُّ فَوَالِدُهُ الْعَلَا

ش: **قوله**: واما الامام المازنی، اما حرف تفصیل ہے جو مکرر لایا گیا ہے اس کو کبھی مکرر بھی لاتے ہیں اور کبھی پہلے ہی پر اکتفا کر لیتے ہیں چناں چہ ابن کثیر اور حمزہ کے بیان میں اس کو نہیں لائے ہیں باقی پانچ قراء کے بیان میں اسکو لائے ہیں۔ **قوله**: الامام ترکیب میں مبتدا اور مابعد صفت ہے۔ مازنی کی نسبت بنی مازن کی طرف ہے جو ایک قبیلہ ہے۔ اور **قوله**: صریح کے معنی خالص کے ہیں۔ ان قراء میں سے یہ صرف ایک ہی ہیں کہ جن کے خالص النسب اور عربی النسل ہونے پر اتفاق ہے اور **قوله**: ابو عمرون البصری ترکیب میں بدل یا عطف بیان ہے اور **قوله**: فوالدہ العلا مبتدا خبر ہے اور فاء لما کے جواب میں ہے پھر جملہ مبتدا اول کی خبر ہے اور علا آپ کے والد کا نام ہے جو حجاج بن یوسف کے یہاں بہت معزز تھے اور ان کی بڑی قدر و منزلت تھی آپ کو بھی اپنے والد کی وجہ سے بڑی شہرت حاصل ہوئی پس اسی وجہ سے فوالدہ العلا کہا ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور بہر حال امام مازنی ان قراء میں کے خالص عربی النسل ابو عمرو بصری ہیں پس ان کے والد علا ہیں۔

مطلب: یعنی تیسرے امام اور قاری ابو عمرو بن علا بن عمار مازنی بصری ہیں اور ابا و اما خالص عرب ہیں آپ کے نام میں اختلاف ہے اور اس میں کم و بیش ۲۰ رقول ہیں ان میں سے سب سے زیادہ صحیح یہ ہے کہ آپ کا نام زیان ہے اور مشہور ابو عمرو سے ہیں۔ آپ نے تابعین کی ایک جماعت سے قراءت حاصل کی ہے، جن میں سے ابن کثیر اور مجاہد اور سعید بن جبیر بھی ہیں ان سب حضرات نے حضرت ابن عباسؓ سے اور انھوں نے ابی بن کعب سے اور انھوں نے حضور ﷺ سے پڑھا ہے۔ آپ فن قراءت کے بہت بڑے امام تھے ان کے زمانہ میں جو شخص ان سے فیض حاصل نہیں کرتا تھا وہ قاری شمار نہیں کیا جاتا تھا اس کے علاوہ آپ نحو لغت اور تاریخ وغیرہ میں بھی بہت ماہر تھے۔ آپ کی ولادت ۶۸ھ میں مکہ میں ہوئی بصرہ میں تربیت پائی اور کوفہ میں ۱۵۴ھ کو انتقال فرمایا رحمہ اللہ تعالیٰ۔ آپ کے بھی بہت سے راوی ہیں، دو راوی جو آپ سے بواسطہ یحییٰ یزیدی روایت کرتے ہیں زیادہ مشہور ہوئے ہیں۔ اب اس کے بعد ناظمؒ اگلے بیت میں اس ایک واسطہ یعنی یحییٰ یزیدی کو بیان کرتے ہیں پھر اس کے بعد راوئین کو ذکر کریں گے۔

أَفَاضَ عَلَىٰ يَحْيَى الْيَزِيْدِيِّ سَيْبَهُ
فَأَصْبَحَ بِالْعَذْبِ الْفُرَاتِ مُعَلَّلَا

ش قولہ: افاض فعل اور اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع ابو عمرو ہے اور یہ لازم و متعدی دونوں طرح آتا ہے چناں چہ قرآن میں بھی دونوں طرح آیا ہے جیسے: ﴿تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ﴾ اور ﴿اَفِيْضُوْا عَلَيْنَا مِنَ الْمَآءِ﴾ اور **قولہ**: یحییٰ الیزیدی ترکیب میں افاض کا دوسرا مفعول ہے اور **قولہ**: سیبہ ای مطرہ پہلا مفعول ہے اور ضمیر (ہ) کا مرجع ابو عمرو ہے اور **قولہ**: فاصبح بمعنی صار ہے اس کا اسم ضمیر جس کا مرجع یزیدی ہے اور **قولہ**: معلّلا بفتح اللام اس کی خبر ہے اور **قولہ**: بالعذب الفرات متعلق معللا کے ہے عذب کے معنی میٹھے اور عمدہ پانی کے ہیں اور یہی معنی فرات کے بھی ہیں محض اس کو تاکید کے لیے لائے ہیں اور ملا علی قاری کے قول پر فرات کے معنی پیاس کو دور کرنے والے کے ہیں پہلی مرتبہ پانی پینے کو نہل اور اس کے بعد پینے کو علل کہتے ہیں پس معللا اسی سے ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: ابو عمرو بصری نے اپنے علم کی بارش کو یحییٰ یزیدی پر برسایا اور بہایا پس ہو گئے وہ (یحییٰ یزیدی اس علم کی) پیاس دور کرنے والے شیریں پانی کے ساتھ (اچھی طرح) سیراب (یعنی وہ اس کے علم کے دولت سے اچھی طرح مالا مال ہو گئے)

مطلب: ناظمؒ نے اس بیت میں ابو عمر اور ان کے راویین کے درمیان جو ایک واسطہ تھا اس کو بیان فرمایا ہے اور واسطہ یحییٰ یزیدی کا ہے چناں چہ یحییٰ یزیدی نے ابو عمرو سے اور ان کے دونوں راویوں نے یحییٰ یزیدی سے قراءت حاصل کی ہے اور ابو محمد بن مبارک کو جو یزیدی کہتے ہیں، وہ اس لیے، کہ یہ مہدی کے ماموں یزید بن منصور کے مصاحب اور ہم نشین اور ان کے لڑکے کے استاذ تھے آپ کی ولادت ۱۲۸ھ میں اور وفات ۲۰۲ھ میں خراسان یا بغداد میں ہوئی۔ اب اس کے بعد ناظمؒ ابو عمرو کے دونوں راویوں کو بیان فرماتے ہیں۔

أَبُوْعُمَرَ الدُّوْرِی وَصَالِحُهُمْ أَبُوْ
شُعَيْبٍ هُوَالسُّوسِيُّ عَنْهُ تَقَبَّلاَ

ش قولہ: ابو عمر الخ مبتدا اور **قولہ**: الدوری صفت ہے اور **قولہ**: صالحھم میں اضافت ادنی ملابست کی وجہ سے ہے اور یہ علم ہے وصف نہیں ہے اور۔ **قولہ**: ھو السوسی جملہ معترضہ ہے اور ضمیر ھو کا مرجع صالح ہے اور **قولہ**: عنہ متعلق تقبلا کے ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع یزیدی ہے اور چونکہ تقبل میں معنی اخذ کے بھی پائے جاتے ہیں اس لیے اس کو عن سے متعدی کر دیا ہے اور تقبلا میں الف تثنیہ کا ہے اور یہ مبتدا کی خبر ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: ابو عمر دوری اور ان (قراء) میں کہ ابو شعیب صالح جو سوسی ہیں ان دونوں نے ان (یزیدی) سے

قبول قراءت کی ہے۔

مطلب: یعنی ابوعمر کے دوراویوں میں سے اول راوی جو بواسطہ یحییٰ یزیدی ان سے روایت کرتے ہیں ابوعمر حفص بن عمر بن عبدالعزیز دوری ہیں جن کی نسبت بغداد کے قریب مشرق کی جانب موضع دور کی طرف ہے اسی سے یعنی دوری سے مشہور ہیں آپ کی ولادت اسی موضع میں ۱۵۰ھ کو ہوئی اور ۲۴۶ھ میں وفات پائی دوسرے راوی ابوشعیب صالح بن زیاد سوسی ہیں جسکی نسبت موضع سوس کی طرف ہے جو اہواز کے علاقہ میں ہے اسی سے مشہور ہیں اور آپ کا اصلی وطن ہے پھر رقہ میں جو ربیعہ کی سرزمین میں فرات کے کنارے آباد تھا قیام فرمالیا تھا اور اسی جگہ محرم ۲۶۱ھ میں انتقال فرمایا رحمہ اللہ تعالیٰ۔

وَاَمَّا دِمَشْقُ الشَّامِ دَارُبْنِ عَامِرٍ
فَتِلْکَ بِعَبْدِ اللّٰهِ طَابَتْ مُحَلَّلاَ

ش قولہ: دمشق الشام مبتدا، اور دمشق کی دال کا کسرہ اور میم میں کسرہ و فتحہ دونوں جائز ہیں اور اس کی اضافت شام کی طرف زیادتی توضیح کے لیے ہے جیسا کہ ورشهم وصالحهم میں ضمیر ہم وضاحت کے لیے لائی گئی ہے یا یوں کہو کہ اس کی اضافت از قبیل اضافت الخاص الی العام ہے یا محل دمشق کے اظہار کے لیے ہے پس اس صورت میں اضافت ظرفیہ بتقدیر فی ہوگی۔ **قولہ**: دار ابن عامر ترکیب میں یا تو بدل ہے یا صفت اور **قولہ**: فتلک میں فاء جواب شرط اور اس کے بعد کا پورا جملہ خبر ہے اور۔ **قولہ**: بعبداللّٰه متعلق طابت کے ہے اور اس کو جو بجائے ضمیر کے لائے ہیں وہ اس لیے تا کہ ابن عامر کا نام ظاہر اور معلوم ہو جائے اور **قولہ**: محلّلا بفتح اللام ترکیب میں طابت کے فاعل کی نسبت سے تمیز ہے ای طابت للناس نزولها لا خذ القرأة عليه والرواية عنه (قاری)

ترجمہ: اور لیکن دمشق شام جو ابن عامر کا وطن ہے پس یہ عبداللہ (ابن عامر کے سبب سے باعتبار جائے نزول کے اچھا اور عمدہ ہو گیا تھا۔

مطلب: ناظمؒ نے اس بیت میں امام چہارم ابوعمران عبداللہ بن عامر تابعی کو بیان فرمایا ہے ابن عامر سے مشہور ہیں آپ دمشق کے رہنے والے ہیں جو ملک شام میں واقع ہے آپ کی وجہ سے یہاں شائقین علم وقراءت وروایت کثرت سے آتے تھے اور ایک بہت بڑا ہجوم رہتا تھا اور طلبہ کو یہاں کی آمدورفت اور قیام اچھا معلوم ہوتا تھا جس کی وجہ سے یہ ایک عظیم الشان اور بارونق شہر بن گیا تھا آپ نے علم قراءت حضرت ابوالدرداءؓ سے یا حضرت عثمانؓ سے حاصل کی ہے اور ان حضرات نے نبی کریم ﷺ سے حاصل کیا ہے۔ یہ

امام باعتبار زمانہ کے بہت مقدم ہیں آپ کی ولادت حضور ﷺ کی وفات سے دوسال قبل ملک شام کے ایک قریہ جابیہ میں ہوئی بعدہ دمشق تشریف لے آئے اور یہیں قیام فرمایا۔ آپ ولید کے زمانہ میں دمشق کے قاضی اور عمر ابن عبدالعزیز کے زمانہ میں خطیب بھی رہ چکے ہیں جبکہ دمشق دارالخلافہ تھا۔ آپ تابعی ہیں اور قراءت وحدیث کے امام بھی ہیں خود فرماتے ہیں کہ میں نے واثلہ بن الاسقع سے ملاقات کی ہے اور ان سے پوچھا کہ آپ نے اپنے ہاتھ سے نبی کریم ﷺ سے بیعت کی ہے فرمایا ہاں پس اسی وقت میں نے ان کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ آپ کی وفات عاشورہ محرم ۱۱۸ھ میں ہوئی۔ تلامذہ آپ کے بھی کثرت سے ہوئے ہیں جن میں سے دوراوی آپ سے باسناد روایت کرتے ہیں زیادہ مشہور ہوئے ہیں وہ یہ ہیں!

هِشَامٌ وَعَبْدُ اللّٰهِ وَهْوَ انْتِسَابُهُ
لِذَكْوَانَ بِالْإِسْنَادِ عَنْهُ تَنَقَّلَا

ش: **قوله**: ھشام مبتدا، اور **قوله**: عبداللّٰہ اس کا معطوف ہے، اور۔ **قوله**: وھوانتسابه لذکوان جملہ معترضہ ہے اور ہر دوضمیر کا مرجع عبداللّٰہ ہے اور۔ **قوله**: تنقلا مبتداء کی خبر ہے اور **قوله**: بالاسناد ضمیر تثنیہ سے حال ہے ای متلبسین بالاسناد اور **قوله**: عنه کی ضمیر کا مرجع ابن عامر ہے اور اس میں اشباع سے قصراولی ہے اور روایۃً بھی یہی ہے اور تنقل کے معنی یہ ہیں کہ کسی شئ کو بعد ایک شئ کے نقل کرنا پس یہ مثل تبصر وتفہم کے ہے۔

ترجمه: ہشام اور عبداللّٰہ اور یہ (عبداللّٰہ) جو ہیں ان کی نسبت ذکوان کی طرف ہے، ان دونوں نے (قراءت کو) بواسطہ سند ان (ابن عامر) سے نقل کیا ہے۔

مطلب: یعنی ابن عامر شامی کے دوراوی ہیں جنھوں نے ان سے بواسطہ سند قراءت حاصل کی ہے پہلے روای ابوالولید ہشام بن عمار سلمی دمشقی ہیں اپنے نام سے مشہور ہیں آپ نے عراک بن خالد تابعی اور ایوب بن تمیم سے اور ان دونوں نے یحییٰ بن حارث ذماری سے اور انھوں نے ابن عامر سے پڑھا ہے آپ کی ولادت ۱۵۳ھ میں اور وفات ۲۴۵ھ کو دمشق میں ہوئی دوسرے راوی ابوعمرو عبداللّٰہ بن احمد بن بشیر بن ذکوان قرشی دمشقی ہیں ابن ذکوان سے مشہور ہیں جس کی نسبت آپ کے جدامجد کی طرف ہے ان کے والد کی طرف نہیں ہے کیونکہ آپ کے والد کا نام ذکوان نہیں تھا اسی وجہ سے ناظمؒ نے بذریعہ جملہ معترضہ اس پر تنبیہ فرمائی ہے آپ بھی بواسطہ ایوب بن تمیم اور یحییٰ بن حارث ذماری ابن عامر سے روایت کرتے ہیں آپ یوم عاشورہ محرم ۱۷۳ھ میں پیدا ہوئے اور دمشق یا کوفہ میں ۲۴۲ھ کو انتقال فرمایا، رحمہما اللّٰہ تعالیٰ۔

وَبِالْكُوْفَةِ الْغَرَّاءِ مِنْهُمْ ثَلَاثَةٌ
أَذَاعُوْا فَقَدْ ضَاعَتْ شَذًا وَقَرَنْفُلاً

ش: قوله: وبالکوفة ترکیب میں **قوله**: ثلاثة کی خبر ہے اور باءظرفیہ ہے اور۔ **قوله**: الغراء یعنی البیضاء المنیرہ بکثرۃ العلماء اس کی صفت ہے اور کوفہ کو جو اس کے ساتھ متصف کیا ہے وہ کثرت علماء وشہرت فضلاء کی وجہ سے ہے اور۔ **قوله**: منھم ترکیب میں ثابت مقدر کی ضمیر سے جس کا مرجع ثلٰثۃ ہے حال ہے اور ضمیر ہم کا مرجع قراء سبعہ ہے اور **قوله**: اذا عوا ای نشروا العلم واشاعوا ترکیب میں ثلٰثۃ کی صفت ہے اور **قوله**: ضاعت فعل ماضی اور اس کی ضمیر کا مرجع کوفہ یا قراءت ہے ای فاحت رائحة العلم بھا اور **قوله**: شذاو قرنفلا دونوں مفعول مطلق مقدر کی صفت ہونے کی بناء پر منصوب ہیں ای ضوعاً مثل ضوع شذی وقرنفل یا یہ دونوں بنابر تمیز منصوب ہیں ای ضاع شذاھا وقرنفلھا شذی بالفتح عود و مشک وغیرہ کے مرکب کو اور قرنفل لونگ کو کہتے ہیں اور یہ بھی خوشبو کی ایک قسم ہے۔

ترجمه: اور روشن (ومشہور) کوفہ میں ان ائمہ سبعہ میں سے تین ایسے امام (قاری ہیں جنھوں نے اپنے) علم کو پھیلایا (اور اس کی اشاعت کی) پس وہ (کوفہ) باعتبار خوشبوئے عود و قرنفل کے مہک گیا (یعنی یہ کوفہ ان کے علم کے سبب سے عود اور قرنفل کی طرح مہک گیا اور مشہور ہوگیا۔)

مطلب: فرماتے ہیں کہ ان بدور سبعہ میں سے تین قاری کوفہ کے رہنے والے ہیں ان حضرات نے کوفہ میں اپنے علم کی اس قدر نشر واشاعت کی کہ جس کی وجہ سے وہ مشہور اور معروف ہوگیا اور ہر چہار طرف ان کے علم کی خوشبو دیگر خوشبوؤں کی طرح پھیل گئی اور بڑی شہرت ہوگئی اب اس کے بعد ناظمؒ ان میں سے ہر ایک کو ترتیب سابق کے مطابق اگلے بیت سے بیان فرماتے ہیں۔

فَأَمَّا أَبُوْبَكْرٍ وَعَاصِمٌ اسْمُهُ
فَشُعْبَةُ رَاوِيْهِ الْمُبَرِّزُ أَفْضَلاً

ش: قوله: فاما ابو بکر مبتدا اور **قوله**: عاصم ن اسمہ جملہ معترضہ ہے اور **قوله**: فشعبۃ راویۃ المبرز تمام جملہ خبریہ ہے اور المبرز کے معنی السابق علی اقرانہ الفائق علیٰ اخوانہ کے ہیں اور **قوله**: افضلا یا تو المبرز کے فاعل سے حال ہے یا تمیز ہے، من باب قولھم للہ درّہ فارساً لان الاسناد فی المعنی الی المصدر ھذا لاسم ای المبرز فضلہ ای فاق فضلہ فضل اقرانہ (ابراز المعانی) اور فاضل کی جگہ جو افضل ذکر کیا ہے وہ مبالغہ ہے۔

ترجمہ: پس بہر حال ابوبکر اور عاصم ان کا نام ہے پس شعبہ ان کے راوی ہیں جو (اپنے ساتھیوں پر) فضیلت کے اعتبار سے سبقت لے جانے والے ہیں اور فوقیت رکھنے والے ہیں۔

مطلب: ناظمؒ نے اس بیت میں کوفہ کے ائمہ ثلثہ میں سے پہلے امام اور قراء سبعہ میں سے پانچویں قاری اور ان کے ایک راوی کو بیان فرمایا ہے چناں چہ ابوبکر عاصم ابن ابی النجود (تابعی کوفہ کے ائمہ ثلثہ میں پہلے امام ہیں اپنے نام سے مشہور ہیں آپ نے عبداللہ بن حبیب سلمی اور زر بن حبیش اسدی سے اور ان دونوں حضرات نے حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اور حضرا ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہم اجمعین سے اور ان حضرات نے حضور اکرم ﷺ سے حاصل کیا ہے آپ علم قراءت کے امام ہونے کے علاوہ بڑے فقیہ اور محدث اور عالم لغات اور بڑے عابدوزاہد تھے نمازیں کثرت سے پڑھا کرتے تھے۔ نماز جمعہ سے فارغ ہو کر کبھی عصر کی نماز سے قبل واپس نہیں ہوا کرتے تھے بڑے ہی خوش الحان اور فصیح اللسان تھے اور تقریباً پچاس برس تک کوفہ میں مسند قراءت پر متمکن رہے آپ کی وفات کوفہ میں یا سماوہ میں ۱۲۷ھ کو ہوئی آپ کے بھی بڑے بڑے شاگرد ہوئے ہیں دو راوی ان میں سے زیادہ مشہور ہیں ایک شعبہ جو اسی بیت میں مذکور ہیں اور دوسرے حفصؒ جن کو اگلے بیت میں ذکر کیا ہے اور نیز اسی اگلے بیت میں ناظمؒ نے اول روای شعبہ کی کنیت اور ولدیت کو بھی دفعاً للالتباس بیان فرمایا ہے کیونکہ اس نام یعنی شعبہ سے مشہور علماء کے درمیان ابو بسطام شعبہ بن الحجاج بصری ہیں اور یہ اپنی کنیت ابوبکر سے مشہور ہیں۔

وَذَاکَ ابْنُ عَیَّاشٍ اَبُوْبَکْرٍ الرِّضَا
وَحَفْصٌ وَبِالْاِتْقَانِ کَانَ مُفَضَّلاً

ش قولہ: وذاک مبتدا، اور **قولہ**: ابن عیاش اس کی خبر ہے اور **قولہ**: ابو بکر ترکیب میں بدل اور **قولہ**: الرضیٰ صفت ہے اور **قولہ**: وحفص مبتدا اور اس کی خبر بسبب دلالت معطوف علیہ محذوف ہے ای حفص راویہ ایضاً اور **قولہ**: بالاتقان ای بالضبط متعلق **قولہ**: مفضلا کے ہے (قاری)

ترجمہ: اور یہ (شعبہ) ابن عیاش ابوبکر پسندیدہ ہیں اور حفص (امام عاصم کے دوسرے راوئی) ہیں اور یہ بسبب ضبط (قرأۃ شعبہ پر) فضیلت دیئے گئے تھے۔

مطلب: یعنی امام عاصم کے دوراویوں میں سے پہلے راوی ابوبکر شعبہ بن عیاش ہیں آپ بہت بڑے عالم وفاضل تھے قرآن مجید کی تلاوت کا بہت شوق تھا کہا گیا ہے کہ جو جگہ آپ نے اپنی نشست کے لیے مقرر کی فرمائی تھی وہاں چوبیس ہزار قرآن شریف ختم کیے نیز آپنے پچاس سال تک آرام کے لیے بستر نہیں بچھایا

آپ امام عاصم سے پانچ پانچ آیات سبقاً سبقاً پڑھا کرتے تھے اور یہ بھی مروی ہے کہ آپ نے اپنے بیٹے سے فرمایا کہ اے بیٹے اس میری نشست کی جگہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہرگز نہ کرنا کیونکہ میں نے اس جگہ اٹھارہ ہزار قرآن مجید ختم کئے ہیں۔ آپ کی ولادت ۹۴ھ میں ہوئی اور ۱۹۳ھ میں ماہ جمادی الاولی میں انتقال فرمایا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

دوسرے راوی امام عاصم کے ابوعمرو حفص بن سلیمان اسدی ہیں اپنے نام سے مشہور ہیں آپ کی روایت بلاد مغرب کے علاوہ تمام ممالک عرب وعجم میں خصوصیت سے رائج ہے ہندوستان میں بھی یہی پڑھائی جاتی ہے آپ نے امام عاصم سے جو قراءت حاصل کی تھی اس کے ضبط میں آپ کو ابوبکر شعبہ سے افضل سمجھا جاتا تھا کیونکہ آپ کا حافظہ بہت قوی تھا جو کچھ اپنے استاذ سے پڑھتے یا سنتے تھے اس کو خوب یاد رکھتے تھے چناں چہ ناظمؒ نے بھی وبالاتقان سے اسی طرف اشارہ فرمایا ہے آپ کی ولادت ۹۱ھ میں اور وفات ۱۸۰ھ میں ہوئی۔ رحمہ اللہ۔

وَحَمْـزَةُ مَا أَزْكَاهُ مِـنْ مُتَوَرِّعٍ
إِمَاماً صَبُوْراً لِلْقُـرَانِ مُـرَتِّلاَ

ش: قولہ: وحمزہ الخ مبتدا اور **قولہ**: ماازکاہ ای ما اطہر جملہ تعجبیہ اس کی خبر ہے کقولہ زید ما اکرمہ اور۔ **قولہ**: من متورع بنا پر تمیز محلاً منصوب ہے چناں چہ ما اکرمہ من رجل ورجلاً دونوں طرح بولا جاتا ہے وکذالک المنصوبات بعدہ یا یہ چاروں حال ہیں یا امدح یا اعنی کے مفعول ہیں یا یہ کہا جائے کہ ماازکاہ سے آخر بیت تک کلام معترضہ ہے جو محض تعریف کی غرض سے لایا گیا ہے اور حمزہ مبتدا کی خبر آئندہ بیت میں راوی خلف عنہ ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور امام حمزہ کس قدر پاکیزہ ہیں باعتبار پرہیزگار (اور) امام ہونے کے بہت صابر (اور) قرآن کو ترتیل سے پڑھنے والے ہونے کے۔

مطلب: ناظمؒ نے اس بیت میں چھٹے قاری اور کوفہ کے ائمہ ثلاثہ میں سے دوسرے امام کو بیان فرمایا ہے اور وہ ابوعمارہ حمزہ بن حبیب الزّیات ہیں آپ امور شرعیہ میں بڑے محتاط اور بہت پرہیزگار تھے اور بڑے عابد وزاہد اور قائم اللیل تھے قرآن مجید کی تعلیم پر اجرت لینے سے بہت اجتناب فرماتے تھے کسی سے خدمت لینا بھی گوارہ نہیں فرماتے تھے پس متورع سے غالباً اسی کی طرف اشارہ ہے۔ آپ کو قرآن مجید کی تلاوت کا بہت شوق تھا۔ نہایت ہی اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر ہر حرف کو جدا جدا کر کے پڑھتے تھے اور مدّات کو بلا زیادتی

وکی پورا ادا کرتے تھے منقول ہے کہ آپ ہر ماہ پچیس یا ستائیس یا اٹھائیس قرآن ختم کیا کرتے تھے۔ علم فرائض میں بھی آپ کو بہت بڑے ماہر تھے۔ آپ نے علم قرأۃ امام جعفر صادق سے اور انھوں نے اپنے والد ابو جعفر محمد باقر اور انھوں نے اپنے والد حضرت زین العابدین سے اور انھوں نے اپنے والد حضرت امام حسین سے اور انھوں نے اپنے والد حضرت علیؓ سے اور انھوں نے حضور ﷺ سے حاصل کیا ہے اور نیز امام حمزہ نے اعمش سے اور انھوں نے یحییٰ بن وثاب سے اور انھوں نے علقمہ سے اور انھوں نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اور انھوں نے حضور ﷺ سے پڑھا ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی رجال ہیں جن کو طوالت کیوجہ سے نہیں ذکر کیا گیا۔ آپ کی ولادت ۸۰ھ میں اور وفات ۱۵۶ھ کو حلوان میں ہوئی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

رواۃ ثقات آپ کے بھی بہت سے ہوئے ان میں سے دو راوی جو آپ سے بواسطہ سلیم روایت کرتے ہیں زیادہ مشہور ہوئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

رَوٰی خَلَفٌ عَنْهُ وَخَلَّادٌ الَّذِیْ
رَوَاهُ سُلَیْمٌ مُتْقَنًا وَمُحَصَّلاَ

ش: قوله: عنه بالاشباع ہے اور **قوله:** رواه کی ضمیر (ہ) میں اشباع سے قصر اولی ہے اور روایت بھی یہی ہے اور **قوله:** متقنا و محصلا ای محفوظا و مجموعا ترکیب میں رواہ کے مفعول سے یا فاعل سلیم سے حال ہیں پس پہلی صورت میں قاف اور صاد کا فتحہ ہوگا اور دوسری صورت میں کسرہ ہوگا۔

ترجمہ: روایت کیا ہے خلف نے ان ہی (حمزہ) سے اور خلاد نے (بواسطہ سلیم) اس (کلام یا قرأہ) کو سلیم نے (خود حمزہ سے ان دونوں کی طرف سے) نقل کیا ہے دراں حالیکہ وہ مضبوط، محفوظ اور جامع ہے۔

مطلب: یعنی امام حمزہ کے دو راویوں میں سے اوّل راوی ابو محمد خلف بن ہشام ہیں اپنے نام سے مشہور ہیں آپ کی وفات بغداد میں ۲۲۹ھ میں ہوئی۔ دوسرے راوی ابو عیسیٰ خلاد بن خالد صیرفی کوفی ہیں یہ بھی اپنے نام سے مشہور ہیں آپ نے ۲۲۰ھ کو کوفہ میں انتقال فرمایا ان دونوں حضرات نے ابو عیسیٰ سلیم بن عیسیٰ حنفی کے واسطہ سے امام حمزہ سے پڑھا ہے جیسا کہ ناظمؒ نے اس بیت میں بیان فرمایا ہے لیکن سلیم کا واسطہ ناظمؒ کی ظاہر عبارت سے مفہوم نہیں ہوتا اس لیے کہ الذی رواہ سلیم سے یہ کہاں معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں نے سلیم سے پڑھا ہے بلکہ ممکن ہے کہ سلیم ان دونوں کے ساتھی ہوں، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اگر اس کو یوں دفع کیا جائے چونکہ یہ اس شرط کے منافی ہے جسکو ناظمؒ نے ماقبل میں بیان فرمایا ہے کہ ہر ایک امام کے دو راوی ذکر کئے جائیں گے تو یہ کچھ بعید نہیں لیکن پھر بھی ناظمؒ یوں فرما دیتے کہ: روی خلف عنه و خلاد

الذی. روی لهما عنه، سلیم محصلا. تو یہ بطریق اجمال مکمل ہو جاتا۔ واللہ اعلم (قاری)

وَاَمَّا عَلِیٌّ فَالْکِسَائِیُّ نَعْتُہُ
لِمَا کَانَ فِیْ الْاِحْرَامِ فِیْہِ تَسَرْبَلَا

ش قولہ: واما علی مبتدا، اور **قولہ**: فالکسائی نعتہ جملہ اسمیہ اس کی خبر ہے اور۔ **قولہ**: لما کان میں لام تعلیلیہ اور ما مصدریہ ہے اور کان یا تو ناقصہ ہے یا تامہ۔ پس پہلی صورت میں۔ **قولہ**: تسربلا خبر اور دوسری صورت میں اس کی ضمیر سے حال ہوگا اور پہلا فی وقت کے اور دوسرا باء کے معنی میں ہے اے تسربل بالکساء وقت الاحرام اور۔ **قولہ**: فیہ یا تو احرام کے متعلق ہے یا تسربلا کے ہے اول صورت میں مفعول مقدر ہوگا ای تسربل الکسائی وقت الاحرام فی الکساء اور دوسری صورت میں فی زائدہ ہے یا تسربل متعدی بفی ہے اس لیے کہ اس میں معنیٰ حل کے بھی پائے جاتے ہیں اور سربال یا تو قمیص کو کہتے ہیں یا ہر وہ چیز جو پہنی جاتی ہو۔

ترجمہ: اور لیکن علی پس کسائی ان کا وصف ہے اس سبب سے کہ انھوں نے بوقت احرام کمبل پہنا تھا۔

مطلب: یعنی ساتویں امام وقاری ابوالحسن علی بن حمزہ نحوی کوفی ہیں کسائی سے مشہور ہیں اور ان کو کسائی اس لیے کہتے ہیں کہ انھوں نے حج کے لیے کمبل کا احرام باندھا تھا یا بقول بعض امام حمزہ کی مجلس میں (جو ان کے استاذ ہیں) کمبل اوڑھ کر بیٹھتے تھے اور امام حمزہؒ فرماتے تھے کہ اس کمبل اوڑھنے والے کو میرے پاس لاؤ پس ممکن ہے کہ ان دونوں وجہ سے ان کو کسائی کہتے ہوں، کسائی کے معنی کمبل والے کے ہیں آپ نے علم قراءت حاصل کی ہے امام ششم حمزہ بن حبیب الزیات کوفی سے باقی سند امام حمزہ کے بیان میں گزر چکی ہے وہاں دیکھ لو نیز کسائی نے عیسیٰ بن عمر سے پڑھا ہے اور طلحہ بن مصرف سے اور وہ ابراہیم نخعی سے اور وہ علقمہ بن قیس سے اور وہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے اور وہ حضور علیہ السلام سے فیضیاب ہوئے ہیں امام موصوف کے حلقہ تدریس میں طلبہ کا بہت بڑا ہجوم رہتا تھا کوفہ کے ممبر پر بیٹھ کر درس دیا کرتے تھے آپ علم قراءت کے امام ہونے کے علاوہ علم نحو ولغت کے بھی بڑے زبردست عالم تھے آپ کی ولادت ۱۱۹ھ میں اور وفات ۱۸۹ھ کو ہوئی۔ شاگرد آپ کے بھی بکثرت ہوئے ہیں ان میں سے دو راوی جو اگلے بیت میں مذکور ہیں زیادہ مشہور ہیں۔

رَوٰی لَیْثُھُمْ عَنْہُ اَبُوْالْحَارِثِ الرِّضَا
وَحَفْصٌ ھُوَالدُّوْرِیْ وَفِی الذِّکْرِ قَدْ خَلَا

ش قوله: روی لیثهم عنه جملہ فعلیہ اورعنه بالاشباع کی ضمیر کا مرجع کسائی ہے اور۔**قوله:** ابو الحارث ترکیب میں لیثهم سے بدل ہےاور **قوله**:الرضا ای المرضی اوعلی تقدیر ذی الرضی صفت ہے اور**قوله**: وحفصٌ کا عطف لیثهم پر ہےاور **قوله**: هو الدوری مبتدا وخبر اورھوکا مرجع حفص ہےاور۔**قوله**:وفی الذکر متعلق **قوله**: قد خلا کے ہے ای سبق ذکرہ فیما ذکرنا ہ من النظم۔

ترجمه: روایت کیا ہےان (کسائی) سے ان (قراء) میں کے ابوالحارث لیث نے جو پسندیدہ ہیں اور حفص نے جودوری ہیں اور (ابوعمرو کے) ذکر میں (اوپر) گزر چکے ہیں۔

مطلب: یعنی کسائی کے دوراویوں میں سے اول راوی ابو الحارث لیث بن خالد مروزی ہیں ابوالحارث سے مشہور ہیں آپ کی وفات ۲۴۰ھ میں ہوئی دوسرے راوی حفصؒ دوری ہیں اور یہ وہی ہیں جو امام سوم ابوعمرو بصری کے اول راوی ہیں اور دوری سے مشہور ہیں جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے پس یہ ابوعمرو بصری کے بھی راوی ہیں اور کسائی کے بھی لیکن جب یہ ابوعمرو بصری سے روایت کرتے ہیں تو لفظ بصری اور جب کسائی سے روایت کرتے ہیں تو لفظ علی بطور امتیاز دوری کے ساتھ بڑھا دیتے ہیں اور جہاں دوری بلاقید مذکور ہوں تو وہاں دوری بصری ہی مراد ہوتے ہیں اور یہ بھی یاد رکھو کہ حفص چونکہ دوراویوں کا نام ہے ایک تو وہ ہیں کہ جو امام عاصم کے راوی ہیں اور دوسرے حفص دوری ہیں جو ابوعمرو اور کسائی دونوں کے راوی ہیں پس امام عاصم کی قراءت میں حفص اپنے نام ہی کے ساتھ ذکر کئے جائیں گے بخلاف ان دواماموں کی قراءت کے کہ ان میں لفظ دوری ہی کے ساتھ مذکور ہوں گے نام کے ساتھ نہیں۔لیکن اگر کہیں ناظمؒ دوری کا اسم صریح حفص بیان کریں گے تو وہاں اس کے ساتھ قید بھی ہوگی اور اس کو صرف ایک جگہ کسائی کی قراءت میں ذکر کیا ہے اور وہاں اس کے ساتھ کسائی کی قید بھی ذکر کی ہے۔اب اس کے بعد ناظمؒ ان قرآء کے حسب ونسب کو بیان کرتے ہیں کہ ان میں سے کون خالص العرب اور کون عجمی النسل ہیں۔

اَبُوْعَمْرٍ هِمْ وَالْيَحْصَبِيُّ ابْنُ عَامِرٍ
صَرِيْحٌ وَبَاقِيْهِمْ اَحَاطَ بِهِ الْوَلاَ

ش قوله: ابو عمرو هم الخ مبتدا اورضمیر هم کا مرجع قراءسبعہ ہے اور اس میں اضافت باعتبار معنی کے لفظ کے اعتبار سے نہیں کیونکہ یہ لفظ مرکب ہے اور اس کا مدلول مفرد ہے۔**قوله**:والیحصبی بفتح الصادروایۃً ولغۃً ہے اس پر کسرہ اورضمہ بھی جائز ہے اور **قوله**:ابن عامر ترکیب میں یحصبی سے بدل

یا عطف بیان ہے اور **قولہ**: صریح ای خالص النسب ترکیب میں ابوعمرو اور اس کے معطوف (والیحصبی) دونوں کی خبر ہے اور یہ ایک ایسا لفظ ہے کہ اس کا اطلاق ایک پر بھی ہوتا ہے اور ایک سے زائد پر بھی مثل صدیق ورفیق کے اور۔ **قولہ**: الولا اصل میں الولاء ہمزہ کے ساتھ ہے ہمزہ کو ضرورۃً حذف کردیا گیا ہے، ترکیب میں۔ **قولہ**: احاط کا فاعل اور معنی میں ولاء العتق یا ولاء الحلف یا ولاء العجم کے ہے پس یہاں یہ ہی اخیر کے معنی مراد ہیں؛ کیونکہ ان میں سے اور ان کے آباء واجداد میں سے کسی کے لیے بھی ولاء العتق ہونا ثابت نہیں ہے اب رہا ولاء الحلف سو یہ خالص النسب اور خالص العرب ہونے کے منافی نہیں ہا اور چونکہ لفظ موالی کا استعمال اولادعجم مین دووجہ سے غالب ہے، ایک یہ کی انھوں نے عربوں کی مدد کی تھی اور مددگار مولیٰ ہوتا ہے دوسرے یہ کہ ان کے قلعے عربوں کے ہاتھوں پر فتح ہوئے تھے پس گویا کہ یہ ان کے آزادکردہ غلام ہیں اس لیے ولاء سے عجمی ہونا مراد لیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: ابوعمرو ان (قراء) میں کے اور یحصبی ابن عامر (شامی) خالص عرب ہیں اور ان (قراء) میں کے جو باقی ہیں وہ ولادۃ العجم کے ساتھ احاطہ کئے ہوئے (اور گھرے ہوئے) ہیں (یعنی وہ خالص عربی نہیں ہیں بلکہ ان کے ساتھ عجمیت شامل ہے اور وہ نسباً عجمی ہیں یہ قول اکثر کا ہے ورنہ بعض نے تو ابن عامر کو بھی خالص عربی نہیں کہا ہے اور بعض نے ابن کثیر اور حمزہ کو بھی خالص عربی کہتے ہیں البتہ نافع وعاصم اور کسائی کے عجمی النسل ہونے پر سب متفق ہیں اور ابن عامر کو جو یحصبی کہتے ہیں وہ اس وجہ سے کہ ان کی نسبت یحصب کی طرف ہے جو قبیلہ یمن سے ہے۔

لَهُمْ طُرُقٌ يُهْدٰى بِهَا كُلُّ طَارِقٍ
وَلَا طَارِقٌ يُخْشٰى بِهَا مُتَمَحِّلَا

ش: **قولہ**: لهم طرق جملہ اسمیہ اور ضمیر ہم کا مرجع قراء وروات ہے اور طرق جمع طریق کی ہے ای مذاہب اور۔ **قولہ**: یهدی بصیغة معروف صفت ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے ای الناس اور۔ **قولہ**: بها باء معنی میں الیٰ کے ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع طرق ہے اور۔ **قولہ**: کل طارق ترکیب میں یهدی کا فاعل ہے اور معنی میں النجم المضی کے ہے جس سے مراد عالم ہے اس لیے کہ ستارہ اور عالم دونوں راستہ دکھانے میں مشترک ہیں اور اگر یهدی بصیغہ مجہول ہے تو پھر طارق کے معنی السالک الطالب للمطالب کے ہیں۔ اور یہی معنی اس وقت بھی ہوں گے جبکہ یهدی بمعنی یهتدی ہو اور۔ **قولہ**: ولا طارق میں لا بمعنی لیس اور طارق اس کا اسم ہے اور مراد اس سے ملبّس ومدلس ہے اور **قولہ**: یخشی

اس کی خبر ہے یا طارق کی صفت ہے اور **قولہ**: بہا خبر ہے اور۔ **قولہ**: **متمحلا** ضمیر یخشی سے حال ہے جس کا مرجع طارق ہے یا لا کی خبر ہے اور بہا اس کے متعلق ہے: "**یقال تمحل اذا احتال ومکر فھو متمحل**". واللہ اعلم۔

ترجمہ: ان (قراء ورواۃ) کے لیے طرق (مذاہب) ہیں جن کی طرف (اس فن کا جاننے والا) ہر عالم ہدایت (دلالت) کرتا ہے اور نہیں ہے ان طرق میں کوئی ایسا عالم مدلّس جس سے خوف کیا جائے اس حال میں کہ وہ حیلہ اور مکر کرنیوالا ہو (بلکہ سب ثقہ اور قابل اعتماد ہیں)

مطلب: یعنی ان قراء وروات کے لیے الفاظ قرآنی میں مذاہب اور اختلافات ہیں جو ان کی طرف منسوب ہیں اور ان میں کچھ اصولی ہیں اور کچھ فرشی اور یہ اس قدر مشہور ومعروف ہیں کہ اب ان میں سے کسی قسم کا دھوکہ اور حیلہ گری کا اندیشہ نہیں کیا جاسکتا۔ کیونکہ ان کے جاننے والے علماء ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں، جو طلبہ کو بتلاتے رہتے ہیں کہ اور ان طرق میں جتنے بھی حضرات ہیں وہ سب ثقہ اور معتبر ہیں ان میں سے کوئی بھی مدلّس نہیں ہے اور مدلس اس کو کہتے ہیں جو اپنی سند کو غیر معتبر ہونے کی وجہ سے بیان نہ کرے نیز مدلس اس کو بھی کہتے ہیں جو اپنے شیخ کے شیخ کو اپنا شیخ بتائے تا کہ واسطے کم ہوجائیں اور اس کی سند اعلیٰ درجہ کی ہوجائے پس ان میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو راویوں کی طرف ایسے خلاف کی نسبت کرے جو ان سے منقول نہ ہو۔

ف: جاننا چاہئے کہ جو اختلاف امام کی طرف منسوب ہو اس کو قراءت کہتے ہیں جیسے امام نافع کی قراءت اور جو راویوں کی طرف منسوب ہو اس کو روایت کہتے ہیں جیسے قالون کی روایت اور جو راویوں سے ان کے شاگردوں کی طرف منسوب ہو وہ طرق کہلاتے ہیں جیسے ابونشیط کا طریق قالون کے لیے یہاں بقول جعبریؒ طرق سے یہ ہی اصطلاحی طرق مراد ہیں یعنی راویوں کے شاگرد خواہ بلا واسطہ ہوں یا بواسطہ اور اسی کو اکثر شراح نے اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ ناظمؒ نے لہم طرق سے انھیں اصطلاحی طرق کی طرف اجمالاً اشارہ فرمایا ہے تا کہ اس میں بھی تیسیر کو موافقت ہوجائے لیکن ملاعلی قاری کی تحقیق کے موافق یہاں طرق سے اصطلاحی طرق مراد لینا ضعیف ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں کہ قصیدہ میں کوئی بھی ایسا لفظ نہیں ہے کہ جو اس پر دلالت کرتا ہو دوسرے یہ کہ اس صورت میں ھن کی ضمیر جو آئندہ بیت میں مذکور ہے وہ اس اصطلاحی طرق کی طرف راجع نہیں ہوسکتی ہے اس لیے کہ ناظمؒ نے آئندہ بیت میں فرمایا ہے کہ یہ طرق وہ ہیں جن کو میں نے بیان کیا ہے حالانکہ انھوں نے اصطلاحی طرق کہیں بھی بیان نہیں کئے ہیں پس اسی وجہ سے ملاعلی قاری نے طرق سے قراء کے مذاہب اور اختلافات مراد لیے ہیں اور اسی کو ہم نے بھی اختیار کیا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَهُنَّ اللَّوَاتِيْ لِلْمُوَاتِيْ نَصَبْتُهَا
مَنَاصِبَ فَانْصَبْ فِيْ نِصَابِكَ مُفْضِلَا

ش: قوله: وهن مبتدا اور اس کا مرجع طرق یعنی مذاہب ہیں اور **قوله**: اللواتی جمع اللاتی جمع التی اس کی خبر ہے اور جمع الجمع باعتبار کثرت انواع کے ذکر کی گئی ہے اور۔ **قوله**: للمواتی ای للموافق متعلق نصبتها کے ہے۔ للمواتی اصل میں للمواتی ہے ہمزہ کو تخفیفاً واؤ سے بدل لیا ہے تا کہ اللواتی کے مطابق ہو جائے اور۔ **قوله**: مناصب ترکیب میں نصبتها کا دوسرا مفعول ہے جبکہ نصبتها معنی میں جعلتها کے ہو ورنہ پہلے مفعول سے حال ہوگا اور۔ **قوله**: فانصب ای فاتعب فی نصابک ای فی تکمیل اصلک وذاتک او تحصیل نصیبک ونیاتک اور **قوله**: مفضلا ترکیب میں فانصب کی ضمیر سے حال ہے یقال افضل الرجل اذا اتی بفاضل لاعمال کاحسن اجمل اذا اتی بحسنها وجمیلها۔

ترجمه: اور یہ طرق وہ ہیں جن کو میں نے (اپنی) موافقت کرنیوالوں کے لیے علامتیں بنا دیا، پس (اے مخاطب محصل) تو اپنی ذات میں (اس علم کی تحصیل و تکمیل میں) مشقت اٹھا دراں حالیکہ تو اعمال فاضلہ کے ساتھ آنے والا ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ ان طرق اور مذاہب کو جن کو میں نے نظم کیا ہے، علامتیں اور اصول بنا دیا ہے تا کہ قراۃ کی جو وجوہ میں بیان کروں گا ان کے صحیح اور غیر صحیح ہونے کا علم ہو جائے لیکن یہ ہر اس شخص کے لیے ہے کہ جو میری اصلاح وغیرہ اور اس میں کہ جو میں بیان کروں گا میری موافقت کرے گا اور اس میں وہی معنی مراد لے گا جس کو میں بیان کرنا چاہتا ہوں مثلاً مین نے اس قصیدے میں قراءت سبعہ کے بیان کرنے کا اہتمام کیا ہے اور اپنی اصطلاحات قائم کر کے رموز سے کام لیا ہے بس اگر کسی نے اس کے خلاف کیا یعنی بجائے سبعہ قراءت کے دوسری قراءتیں جو اس کے بعد ہیں معلوم کرنا چاہا اور میری اصطلاحات ورموز سے وہ معنی مراد نہیں لیے جن کے لیے میں ان کو مقرر کیا ہے تو پھر یہ طرق اس کے لیے علامتیں نہیں رہیں گی اور مطلب برعکس ہو جائیگا۔ اس لیے ضروری ہے کہ ہر وہ شخص جو اس کو پڑھنے کا شوق رکھتا ہو تو وہ اس مشرب میں میرے موافق ہو ورنہ مقصود حاصل نہ ہوگا، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اے وہ شخص جو اس فن کو حاصل کرنا چاہتا ہے اور صحیح معنی میں اس کا طالب ہے تجھ کو چاہئے کہ تو اپنی ذات اور اپنی نیت کے درست کرنے اور اس کو مخلص بنانے میں یا اس علم کو پایہ تکمیل تک پہنچانے میں مشقت برداشت کر اس لیے کہ تو آئندہ صاحب

فضل ہونیوالا ہے اور جس طرح کہ لوگ اپنے آباؤ واجداد کی طرف منسوب ہوتے ہیں اور ان کو اصل قرار دیتے ہیں اس طرح تو بھی ان افعال فاضلہ کو خلوص نیت کے ساتھ حاصل کر لینے کے بعد اصل کہلائے گا اور تیری طرف بھی اس علم کی نسبت کی جائے گی اور تو بھی شیخ القرأۃ وامام القرأت کہلائے گا۔

وَهَا اَنَا ذَا اَسْعٰى لَعَلَّ حُرُوْفَهُمْ

يَطُوْعُ بِهَا نَظْمُ الْقَوَافِيْ مُسَهَّلاً

ش: قوله: وھاانا الخ ھا حرف تنبیہ اور انا ضمیر متکلم مبتدا ہے اور **قوله:** **ذا** اسم اشارہ ضمیر انا سے بدل ہے اور **قوله:** **اسعی** بمعنی اجتھد خبر ہے یا ذا اسم اشارہ کے معنی سے حال ہے ای انا المشار الیہ حال کونی اسعی اور **قوله: حروفھم** سے مراد قراء کی قراءت مختلفہ یا رموز ہیں اور بقول صاحب العین کہ جو کلمہ کئی طرح پڑھا جاتا ہو وہ حروف ہی کہلاتا ہے اور رموز بھی حروف ہی ہیں اس معنی کر کہ یہ قراء پر دلالت کرتے ہیں جیسا کہ آئندہ شعر سے اس کی تائید ہوتی ہے پس گویا کسی نے سوال کیا کہ حروف سے کون سے حروف مراد ہیں جواب میں فرمایا کہ وہ ابا جاد یعنی ابجد کے حروف ہیں۔ **قوله:** **یطوع** ترکیب میں لعل کی خبر ہے اور چونکہ اس میں منقاد کے معنی کا بھی احتمال ہے پس گویا کہ یہ **یسمح** کے معنی کو متضمن ہے اس لیے کہ اس کو باء سے متعدی کر دیا گیا۔ **قوله:** **بھا** اس کے متعلق اور اس کی ضمیر کا مرجع حروف ہے اور **قوله:** **نظم القوافی** ترکیب میں **یطوع** کا فاعل ہے اور **قوافی** جمع قافیہ کی ہے اور قافیہ شعر کے اس آخری کلمہ کو کہتے ہین جو کسی ضابطہ کے ماتحت ہو۔ اور **قوله:** **مسھلا** اسم مفعول ترکیب میں نظم سے حال ہے۔

ترجمہ: اور خبردار میں کوشش کروں گا امید ہے ان (قراء) کے اختلافات یا ان کے رموز کے ساتھ میرے قافیوں کی نظم سما جائے اس حال میں کہ وہ آسان کی گئی ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ خبردار ہو جاؤ اور خوب اچھی طرح سوچ لو کہ میں حتی الامکان اس امر کی کوشش کروں گا کہ قراء سبعہ کی قراءت مختلفہ یا ان کے اختلافات یا ان کے رموز ایسے سہل اور آسان طریقہ پر نظم ہو جائیں کہ پڑھنے والے کو کوئی دقت ودشواری پیش نہ آئے اور باوجود مختصر الفاظ کے اس کا مطلب بخوبی سمجھ میں آ جائے اور نظم بھی سہل تر ہو جائے جس کے یاد کرنے میں کوئی دقت نہ ہو اور ایسے بھی نظم کا یاد کرنا بنسبت نثر کے آسان ہے اور اس کے یاد کرنے کی طرف رغبت بھی زیادہ پائی جاتی ہے۔ بشرطیکہ وہ آسان ہو لہٰذا میں بھی اس کے آسان بنانے اور اس کو سہل تر کرنے میں سعی کروں گا۔ اب اس کے بعد ناظمؒ قراء کے ان رموز اور اصطلاحات کو بیان فرماتے ہیں جو اس قصیدے میں استعمال کئے گئے ہیں۔

جَعَلْتُ اَبَا جَادٍ عَلٰی کُلِّ قَارِئٍ
دَلِیْلاً عَلَی الْمَنْظُوْمِ اَوَّلَ اَوَّلاَ

ش: قوله: اباجادٍ ای حروف ابا جادٍ ترکیب میں جعلت کا مفعول اول ہے اور۔**قوله**: دليلاً ای علامةً دوسرا مفعول ہے اور۔**قوله**: على المنظوم ای على وجهه وترتيبه ترکیب میں۔**قوله**: على كل قارئٍ سے بدل ہے اور ہر دونوں جار دلیلا کے متعلق ہیں اور **قوله**: اوّل اوّلا متکلم کی ضمیر سے حال ہے ای مرتباً اولا فاوّلا پس پہلا لفظ اول متوسط ہونے کی وجہ سے اور دوسرا بنا بر متضمن معنی لام مبنی ہے اور الف اطلاق کے لیے ہے۔

ترجمه: بنادیا میں نے (حروف) اباجاد (ابجد) کو ہر قاری پر علامت (یعنی دلالت کرنے والا) اس ترتیب کے موافق کہ جو اس سے پہلے نظم کئے گئے ہیں اس حال میں کہ اول حرف اول کے لیے ہے۔

مطلب: ناظم فرماتے ہیں کہ میں نے بغرض اختصار قراء و روات کے ناموں کے بجائے حروف اباجاد کو استعمال کیا ہے اس طرح پر کہ ان حروف اباجاد میں پہلا حرف قاری کے لیے ہوگا اور دوسرا اس کے پہلے راوی کے لیے اور تیسرا حرف اس کے دوسرے راوی کے لیے ہوگا غرضیکہ جس ترتیب سے یہ قراء و روات اوپر نظم کئے گئے ہیں اسی ترتیب سے یہ حروف بھی لیے جائیں گے ناظم کی اصطلاح کے موافق حرف اباجاد یہ ہیں ابج، دہز، حطی، کلم، نصع، فضق، رست، پس یہ اسی ترتیب سے استعمال کئے جائیں گے کہ ابج کا پہلا حرف یعنی ہمزہ اور اول قاری نافع کے لیے اور دوسرا حرف باء قالون کے لیے اور تیسرا حرف جیم ورش کے لیے ہے۔ اس طرح دہز کی دال ابن کثیر کے لیے اور ہا ہوز بزی کے لیے اور زاء قنبل کے لیے اور حطی کی حا ابوعمرو بصری کے لیے اور طاء دوری کے لیے اور یاء سوسی کے لیے اور کلم کا کاف ابن عامر شامی کے لیے اور لام ہشام کے لیے اور میم ابن ذکوان کے لیے ہے اور نصع کا نون عاصم کے لیے اور صاد ابوبکر شعبہ کے لیے اور عین حفص کے لیے ہے۔ اور فضق کی فاء حمزہ کے لیے اور ضاد معجمہ خلف کے لیے اور قاف خلاد کے لیے اور رست کی راء کسائی کے لیے اور سین مہملہ ابوالحارث کے لیے اور تاء دوری علی کے لیے ہے اس کے علاوہ اور بھی رموز حرفی وکلمی ہیں جو انشاء اللہ آئندہ اشعار میں عنقریب بیان کئے جائیں گے۔ اب اس کے بعد ناظمؒ ان حروف مذکورہ کی کیفیت استعمال کو بیان فرماتے ہیں۔

وَمِنْ بَعْدِ ذِکْرِی الْحَرْفَ اُسْمِیْ رِجَالَهُ
مَتٰی تَنْقَضِی اٰتِیْکَ بِالْوَاوِ فَیْصَلاَ

ش: قولہ: ومن بعد الخ من ابتداء غایت کے لیے ہے اور۔ **قولہ**: **ذکری الحرف** میں اگر ذکری بیاءِ متکلم ہے، تو اس میں مصدر کی اضافت فاعل کی طرف ہے اور اگر بغیر یاء کے ہے جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے تو پھر مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہوگی اور **قولہ**: **اسمی** بمعنی اذکر اور **تنقضی و آتیک** میں یاء کا اثبات ان لوگوں کی لغت پر ہے جو یاء میں تقدیری جزم کے قائل ہیں ومنہ روایت قنبل **نرتعی ومن یتقی** اور بعض کہتے ہیں کہ یہ یاء اشباع کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے چناں چہ سخاوی نے نقل کیا ہے کہ بعض نے ورش کے لیے مثل **نعبد وایاک** میں واؤ سے پہلے ضمہ میں اشباع پڑھا ہے واللہ اعلم۔ **قولہ**: **متی** ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس کے بجائے **اذا** لے آتے تو زیادہ فصیح تھا اس لیے کہ **اذا** کے ساتھ شعر میں مضارع کا جزم ضروری نہیں ہے **قولہ**: **فیصلا** ترکیب میں **اٰتیک** کے فاعل سے حال ہے اور یہ **فَیْعَلَ** کے وزن پر مثل **بئیس** کے مبالغہ کا صیغہ ہے۔

ترجمہ: اور بعد ذکر کرنے میرے کلمۂ مختلف فیہا کے ذکر کروں گا اس (کلمہ) کے رجال یعنی قراء کو جب یہ پورے ہو جائیں گے تو لاؤں گا میں تیرے پاس واؤ دراں حالیکہ میں (اس واؤ سے دو مسئلوں کے درمیان) جدائی کرنے والا ہوں گا۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ میں نے ان حروف اباجاد کو اس طرح بیان کیا ہے کہ اول میں کلمۂ مختلف فیہا کو لاؤں گا پھر اس کے بعد ان قراء و رواۃ کو رمزاً ذکر کروں گا جنھوں نے اس کو اس طرح پڑھا ہے جب یہ سب رموز ختم ہو جائیں گے اور مسئلہ پورا ہو جائے گا تو پھر میں واؤ لاؤں گا جو دو مسئلوں کے درمیان فاصل ہوگا اور اس سے یہ سمجھا جائے گا کہ پہلا مسئلہ ختم ہو گیا اب دوسرا مسئلہ شروع ہوا ہے۔

ف: یاد رکھو ناظمؒ اس ترتیب کا لحاظ وہاں رکھا ہے جہاں قراء و رواۃ کو رمزاً ذکر کیا ہے عام اس سے کہ وہ رمز حرفی کسی ایک قاری یا راوی کے لیے ہو جیسے ابج دھز میں ہے یا کئی قاریوں کے لیے ہو جو مجموعہ ثخذ ظغش چھ حروف میں ہے جیسا کہ ان شاء اللہ آئندہ معلوم ہوگا؛ لیکن جہاں قاری یا راوی کا نام یا کنیت یا لقب کو ذکر کریں گے یا رمز کلمی خواہ اکیلے یا رمز حرفی کے ساتھ بیان کریں گے وہاں انھوں نے اس ترتیب کا لحاظ نہیں رکھا بلکہ آزادی کے ساتھ جس طرح چاہا لے آئے ہیں چناں چہ کہیں تو کلمۂ قرآنی سے پہلے اور کہیں بعد میں لائے ہیں۔

ف: ناظمؒ جو حروف رمز بیان کریں گے۔ وہ کلمہ کی صورت میں ہوں گے نہ کہ حرف کی اور وہ ایسا کلمہ ہوگا جس کے معنی بلحاظ مقام صحیح و مفید ہوں گے۔ اور اس کا پہلا حرف، حرف رمز ہوگا نہ کہ درمیانی و آخری حرف چناں چہ

ہر جگہ ایسا ہی کیا ہے اور کلمہ کے پہلے ہی حرف کو حرف رمز بنایا ہے اور یہ اس لیے کیا ہے کہ طلبہ کسی شبہ میں مبتلا نہ ہو جائیں اور ان کو رمز کے معلوم کرنے میں کوئی دقت اور دشواری پیش نہ آئے۔

سِوٰی اَحْرُفٍ لَارِیْبَۃٌ فِیْ اتِّصَالِھَا
وَبِااللَّفْظِ أَسْتَغْنِیْ عَنِ الْقَیْدِ اِنْ جَلاَ

ش: قوله سوی احرف، سوی حرف استثناء ہے اور اس کے سین میں تینوں حرکتیں صحیح ہیں لیکن کسرہ زیادہ فصیح ہے اور اس کا مستثنیٰ عنہ اٰتیکَ بالواو فی جمیع الکلمات ہے پس یہ محل نصب میں ہے اور احرف جمع قلت ہے جو معنی میں کثرت کے ہے اور لا بمعنی لیس ہے۔ **قوله**: ان جلا ای انکشف اور اس کا جواب الدلالة ماتقدم علیہ محذوف ہے: تقدیرہ ان جلا اللفظ استغنی بہ عن القید. ۱۲۔ **ترجمه**: (میں تمام کلمات میں ہر جگہ واؤ فاصل لاؤں گا) سوائے ان کلمات (رمزیہ) کے جن کے (دوسرے کلمات قرآنیہ کے ساتھ) متصل ہو جانے (کی صورت) میں کوئی شبہ نہیں ہے (پس ایسی جگہ میں واؤ نہیں لاؤں گا) اور میں (کسی جگہ صرف) لفظ ہی ذکر کرنے کے ساتھ بے پرواہ ہو جاؤں گا (اس کی) قید (کے بیان کرنے سے اگر یہ لفظ) ظاہر کر دے گا۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ میں ہر جگہ اس صورت میں جبکہ کلمات رمزیہ کے دوسرے کلمات قرآنیہ مختلف فیہا کے ساتھ متصل ہو جانے سے شبہ پیدا ہو گا تو واؤ فاصل ضرور لاؤں گا لیکن کہیں ایسی صورت میں نہ ہو اور رموز کے متصل ہو جانے سے کسی دوسرے کلمہ کے ساتھ کوئی شبہ پیدا نہ ہو تو میں وہاں واؤ نہیں لاؤں گا وینبتُ نونٌ صحَّ یدْعُونَ عاصم کے یہاں بوجہ عدم شبہ یدعون سے پہلے واؤ نہیں لایا گیا ہے۔ کیوں کہ یُنبِتُ میں ابوبکر شعبہ مرموز بصاد صح کے لیے بجائے یاء کے نون ہے اور یہ یدعون میں ہو ہی نہیں سکتا اس لیے کہ ندعون کوئی بھی صیغہ نہیں ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جس جگہ لفظ کے تلفظ ہی سے اس کی قید ظاہر ہو جائے گی تو میں وہاں صرف لفظ ہی کو ذکر کروں گا اور اس کی قید کو بیان نہیں کروں گا اور اس باب استغناء سے کہیں گے جیسے وحمزة أسریٰ فی أساریٰ وغیرہ کے یہاں دونوں قراءتوں میں صرف لفظ ہی بیان کر دیا ہے حرکات بیان نہیں کیں کیونکہ یہ لفظ کے ذکر کرنے سے خود ہی سمجھی جا رہی ہیں اور اس کا تلفظ خود اس کو ظاہر کر رہا ہے البتہ جہاں کہیں لفظ کا تلفظ اس کی قید کو ظاہر نہیں کرے گا اور بغیر قید ذکر کئے ہوئے مقصود حاصل نہیں ہو گا وہاں قید بھی ضرور بیان کی جائے گی اور یہ سب ان شاء اللہ آئندہ اپنے موقع پر معلوم ہو جائے گا۔

وَرُبَّ مَکَانٍ کَرَّرَ الْحَرْفَ قَبْلَھَا
لِمَا عَارِضٍ وَالْاَمْرُ لَیْسَ مُھَوِّلاَ

ش: **قولہ**: ورب مکان الخ رب تقلیل کے لیے ہے اور یہ اصح قول کی بناپر حرف ہے اور مکان اس کا مجرور ہے اور۔**قولہ**: کُرِّرَ اگر یہ فعل معروف کا صیغہ ہے تو اس کا فاعل ضمیر ہے جو علی طریقة المجاز مکان کی طرف یا علی طریقة الالتفات۔ ناظمؒ کی طرف راجع ہے اور اگر اس کو بصیغہ مجہول مانا جائے تو زیادہ ظاہر ہے اور۔**قولہ**: الحرف سے مراد حرف رمز ہے جو دال علی القاری ہے کلمۃ قرآنیہ مختلف فیہا مراد نہیں۔**قولہ**: لما عارض میں لام تعلیلیہ اور ما نکرہ موصوفہ ہے ای لامرٍ عارضٍ یا زائدہ ہے مثل: ﴿فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللهِ﴾ کے کہ اس میں ما زائدہ ہے۔**قولہ**: والامر مبتداء اور **قولہ**: لیس الخ خبر ہے اور لیس کا اسم ضمیر جس کا مرجع الامر اور۔**قولہ**: مھولا ای مفزعاً و مشکلاً اس کی خبر ہے۔

ترجمہ: اور چند جگہ مکرر لایا گیا ہے حرف رمز اس (واو فاصل) سے پہلے بسبب کسی عارض کے اور (یہ) امر (یعنی حرف رمز کا مکرر لانا) کسی پریشانی (اور مشکل) میں ڈالنے والا نہیں ہے (کیونکہ جب ایک حرف کو رمز اور دوسرے کو زائد سمجھ لیا جائے گا تو پھر کوئی اشکال اور شبہ باقی نہیں رہے گا۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ بعض جگہ کسی عارض مثلاً تحسین لفظ یا تتمیم قافیہ کیوجہ سے واو فاصل یا اس کے موقع سے قبل حرف رمز مکرر لایا گیا ہے جیسے حُلا حُلا دعلا وعلا پس اس صورت میں پہلی رمز اور دوسری زائد سمجھی جائے گی اور کہیں مکرر رمز اس طرح بھی آئی ہے کہ کسی قاری کے لیے مفرد رمز لائی گئی ہے اور یہی قاری مرکب رمز میں بھی شامل ہے عام اس سے کہ مفرد رمز پہلے ہو اور مرکب بعد میں یا برعکس جیسے اذ سماء سماء العلی کہ ان دونوں مثالوں میں امام نافع سما میں بھی ہیں اور اذ والعلی کا ہمزہ بھی انھیں کی رمز ہے ایسے ہی ذا اسوۃ میں دوری علی ذال میں بھی ہیں اس لیے کہ یہ تینوں کوفی اور شامی کی رمز ہیں اور تلاء کی تاء بھی اسی کی رمز ہے اس صورت میں بھی مرکب کو رمز اور مفرد کو زائد سمجھا جائیگا۔ اسی طرح کسی عارض کی وجہ سے واو فاصل مکرر یعنی دو مرتبہ لایا گیا ہے مگر چونکہ یہ واضح تھا اور اس کی وجہ سے کوئی خرابی لازم نہیں آتی تھی اس لیے اس پر کوئی تنبیہ نہیں فرمائی اس کے بعد فرماتے ہیں کہ میرا اس طرح بیان کرنا اور حرف رمز کو مکرر یعنی دو مرتبہ لانا کوئی مشکل اور دشواری میں ڈالنے والا نہیں ہے کہ جس سے اس شخص کو تامل اور غور کرنے سے کسی قسم کی گھبراہٹ اور پریشانی ہو، اب اس کے بعد ناظمؒ ان بقیہ حروف کو کہ جن سے ایک سے زائد قاری کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے بیان فرماتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

وَمِنْهُنَّ لِلْكُوفِيْ ثَـاءٌ مُثَلَّثٌ
وَسِتَّتُهُمْ بِالْخَـاءِ لَيْسَ بِأَغْفَـلا

ش: **قولہ** ومنھن ای من حروف ابجد اور یہ چھ حروف ہیں جن کا مجموعہ ثخذ ظغش ہے یہ حروف

اگر چہ ابھی ذکر نہیں کئے گئے ہیں آئندہ مذکور ہیں لیکن بوجہ معلوم ان کو ایسا سمجھ لیا ہے گویا کہ یہ ذکر ہو چکے ہیں اسی وجہ سے ضمیر جمع کی لائی گئی ہے جو تمام حروف کی طرف راجع ہے۔

قولہ: للكوفى یہ اگر چہ واحد ذکر کیا گیا ہے مگر مراد اس سے جنس ہے اور تقدیر اس کی للقارى الكوفى من السبعة اى لهٰذا الجنس منهم ہے۔ **قولہ**: مثلث ترکیب میں ثاء کی صفت ہے ای ذات ثلث نقاط اور اس کو مذکر جو لائے ہیں وہ اس لیے کہ حروف مذکر و مؤنث دونوں ہوتے ہیں اور نیز اس وجہ سے بھی کہ ان حروف کے مصداق بھی مذکر ہیں۔ **قولہ**: وستتهم بالخاء اى تغير عنهم بها اور ضمیر ہم کا مرجع قراء ہے اور۔ **قولہ**: ليس باغفلا ترکیب میں حال ہے ای حال نقطہ اور لیس کا اسم ضمیر ہے جس کا مرجع خاء ہے اور باغفلا اس کی خبر ہے اور باء زائدہ تاکید کے لیے ہے اور اغفل اس حرف کو کہتے ہیں جس پر نقطہ نہ ہو۔

ترجمہ: اور (ان حروف اباجاد) میں سے کوفیوں کے لیے تین نقطوں والی ثاء ہے ان (قراء) میں کے چند قاری خاء کے ساتھ (مرموز) ہیں دراں حالیکہ یہ (خاء) بلا نقطہ نہیں ہے (یعنی نقطہ والی خاء ہے)

مطلب: فرماتے ہیں کہ میں نے انھیں حروف اباجاد میں سے ثاء مثلثہ ہر سہ کوفی یعنی امام عاصم وحمزہ وکسائی کے لیے جبکہ یہ تینوں کسی مسئلہ میں متفق ہوں مقرر کی ہے اور چھ قاری جو امام نافع کے علاوہ ہیں اور جن کی طرف آئندہ بیت میں اشارہ کیا گیا ہے مرموز بخاء معجمہ ہیں یعنی ان کی رمز نقطہ والی خاء ہے بلا نقطہ (حاء) نہیں ہے۔

عَنَيْتُ الْاُولٰى اَثْبَتُّهُمْ بَعْدَ نَافِعٍ
وَكُوْفٍ وَشَامٍ ذَالُهُمْ لَيْسَ مُغْفَلاَ

ش: **قولہ** الاولى اسم موصول معنی میں الذین کے ہے اور۔ **قولہ**: كوف وشام اولاً نسبت کی یا میں تخفیف کی گئی پھر بوجہ تنوین یا کو بھی حذف کر دیا گیا اور یہ تخفیف لغۃً ہے ضرورۃً نہیں ہے کما قال ابوشامہ اور کوفی وشامی سے پہلے الف لام مقدر ہے یا اس کی تقدیر کو فیهم ہے؛ تاکہ اس کا مبتدا ہونا صحیح ہو جائے۔

قولہ: ذالهم مبتدا ثانی ہے اور۔ **قولہ**: ليس مغفلا اى غير خال من النقطة اس کی خبر ہے پھر جملہ مبتدا اول کی خبر ہے۔

ترجمہ: مراد لیا ہے میں نے (ان چھ سے) ان (قراء) کو جن کو میں نے نافع کے بعد ثابت کیا ہے (یعنی نظم کیا ہے) یعنی نافع کے علاوہ جو چھ قاری ہیں ان کی رمز خاء معجمہ ہے) اور (تینوں) کوفی اور (ابن عامر) شامی جو ہیں ان کی (رمز) ذال بلا نقطہ کے نہیں یعنی نقطہ والی ذال ہے (دال نہیں ہے)

وَكُوفٍ مَعَ الْمَكِّيِّ بِالظَّاءِ مُعْجَمًا

وَكُوفٍ وَبَصْرٍ غَيْنُهُمْ لَيْسَ مُهْمَلاَ

ش: **قوله** وکوفٍ مبتدا اور **قوله**: مع المکی اس کی صفت ہے اور۔ **قوله**: باالظاء خبر ہے اور **قوله**: معجما ترکیب میں ظاء سے حال ہے اور معجمہ نقطہ والے اور مہملہ بلا نقطہ والے حرف کو کہتے ہیں۔

قوله: وکوف وبصر الخ کی ترکیب بعینہٖ کوف وشام ذالھم کی طرح ہے جو اوپر والے شعر میں مذکور ہے۔

ترجمہ: اور (تینوں) کوفی مع (ابن کثیر) مکی کے ظاء کے ساتھ (مرموز ہیں) دراں حالیکہ یہ (ظاء) نقطہ والی ہے اور (ہرسہ) کوفی اور (ابوعمرو) بصری جو ہیں ان کی (رمز) غین بلا نقطہ نہیں ہے۔ (یعنی عین مہملہ نہیں ہے بلکہ غین معجمہ ہے)

وَذُوالنَّقْطِ شِينٌ لِلْكِسَائِيْ وَحَمْزَةٍ

وَقُلْ فِيهِمَا مَعَ شُعْبَةٍ صُحْبَةٌ تَلاَ

ش: **قوله**: ذوالنقط مبتدا اور **قوله**: شین اس سے بدل الکل ہے اور۔ **قوله**: الکسائی وحمزة خبر ہے اور مابعد قل جملہ اسمیہ ہے مقدمۃ الخبر مقولہ قل ہے اور۔ **قوله**: مع شعبة حال ہے۔ **قوله**: فیھما کی ضمیر کا مرجع کسائی وحمزہ ہے۔ **قوله**: تلا ای تبع رمز الکلمۃ رمز الحروف جملہ مستانفہ ہے اور ناظمؒ نے اس سے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ صحبۃ سے رموز کلمی شروع ہوگئیں ہیں۔

ترجمہ: اور نقطہ والا شین حمزہ وکسائی کے لیے (رمز) ہے اور تم کہہ دو کہ ان دونوں (حمزہ وکسائی) کے متفق ہونے کی صورت میں دراں حالیکہ یہ (دونوں ابوبکر شعبہ کے ساتھ ہوں (رمز کلمی) ہے جس نے (رمز ہونے میں اپنے ماقبل رمز حرفی کا) اتباع کیا ہے۔

صِحَابٌ هُمَا مَعَ حَفْصِهِمْ عَمَّ نَافِعٌ

وَشَامٍ سَمَا فِيْ نَافِعٍ وَفَتَى الْعَلاَ

وَمَكٍّ وَّحَقٌّ فِيْهِ وَابْنِ الْعَلاَءِ قُلْ

وَقُلْ فِيهِمَا وَالْيَحْصَبِيُّ نَفَرٌ حَلاَ

ش: **قوله** صحاب ھما مبتدا وخبر اور ضمیر ہما کا مرجع حمزہ وکسائی ہے اور۔ **قوله**: مع حفصھم ضمیر ہما سے حال ہے۔ **قوله**: عم نافع وشام دوسرا اور **قوله**: سما تیسرا جملہ ہے۔ **قوله**: وحق فیه مبتدا وخبر اور فیہ کی ضمیر کا مرجع مکی ہے۔ **قوله**: ابن العلاء اس کا عطف بغیر اعادہ جار کوفیوں کے مذہب پر فیہ کی

ضمیر مجرور پر ہے اور بصریوں کے مذہب پر حرف جر مقدر ہے لیکن شعر میں عطف بلا اعادۂ جار بالاتفاق جائز ہے اور یہ جملہ قل اوّل کا مقولہ ہے اور دوسرے قل کا مقولہ اس کے بعد والا جملہ ہے۔ **قولہ: فیھما** اس کی ضمیر کا مرجع ابن کثیر مکی اور ابن العلا ابوعمرو بصری ہے۔ **قولہ**: حلا یا مستانفہ ہے یا۔ **قولہ: نفر** کی صفت اور یا خبر ہے ای نفر حلا فیھما والیحصبی اور اس کی ضمیر مفرد لفظ کے اعتبار سے نفر کی طرف راجع ہے۔

ترجمہ: صحاب ان دونوں (حمزہ وکسائی) کی (رمز) ہے درآں حالیکہ یہ (دونوں) ان (قراء) میں کے حفص کے ساتھ ہوں (اور) عم نافع اور (ابن عامر) شامی کی (رمز) ہے (اور) سما نافع اور فتی العلا (ابوعمرو اور ابن کثیر) مکی (تینوں کے مجتمع ہونے کی صورت) میں (رمز) ہے اور تم کہدو کہ (رمز) حق اس (مکی) اور ابن العلا (ابوعمرو) میں (مقرر کی گئی) ہے اور تم کہہ دو کہ ان دونوں (مکی وابن العلا) اور یحصبی (ابن عامر شامی) میں (رمز) نفر ہے جو شیریں وعمدہ ہے۔

وَحِــرْمِيٌّ الْمَكِّيُّ فِيْــهِ وَنَــافِــعٌ
وَحِصْنٌ عَنِ الْكُــوْفِيْ وَنَافِعِهِــمْ عَلاَ

ش **قولہ**: حرمی مبتدا اور **قولہ**: المکی مبتدا ثانی اور۔ **قولہ**: فیہ اس کی خبر ہے پھر جملہ مبتدا اول کی خبر ہے اور۔ **قولہ**: نافع مبتدا اور اس کی خبر فیہ بسبب دلالت اول محذوف ہے اور۔ **قولہ**: علا یا **قولہ**: حصن کی خبر ہے یا نافع سے حال ہے یا جملہ مستانفہ ہے ای علی المذکور وانکشف المستور۔

ترجمہ: اور (رمز) حرمی جو ہے اس میں مکی اور نافع (دونوں ہیں) اور (رمز) حصن (ہر سہ کوفی اور ان قراء) میں کے نافع سے بلند ہوئی ہے۔

ف: یاد رکھو کہ یہ آٹھ کلمات جو (۱) صحبہ. (۲) صحاب. (۳) عم. (۴) سما. (۵) حق. (۶) نفر. (۷) حرمی. (۸) حصن. ہیں بعینہ اسی طرح اور کبھی ضمیر ہما یا ہم یا کاف ضمیر کی طرف مضاف ہو کر بھی استعمال کیے گئے ہیں دوسرے یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ جب مرکب رموز والے قاری کسی قراءت میں متفق ہوں تو ان کے لیے ہر جگہ مرکب رمز ہی لائی جائے گی بلکہ کبھی ہر ایک کے لیے بصورت اجتماع مفرد رمز ہی لاتے ہیں مثلاً حمزہ وکسائی کے لیے شین معجمہ رمز ہے تو اس کے بجائے بعض جگہ ان دونوں کے لیے رمز فا وراء بھی لے آتے ہیں۔ غرضیکہ اشعار میں جس طرح بھی سہولت دیکھی اسی طرح ان رموز کو بیان کر دیا پس یہاں سب رموز ختم ہو گئیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ رموز تین قسم کی ہیں ایک تو وہ ہیں کہ جن سے قراء سبعہ

اور رواۃ میں سے کسی ایک کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جیسے حروف ابج۔ دہز وغیرہ ان کو رموز حرفی اور صغریٰ بھی کہتے ہیں دوسرے وہ رموز حرفی ہیں کہ جن سے ایک سے زائد قاری کی طرف اشارہ ہوتا ہے جیسے حروف ثاء وخاء وغیرہ یہ بھی رموز حرفی ہیں اور ان کو رموز وسطیٰ بھی کہتے ہیں تیسرے وہ رمزیں کہ ان سے اشارہ تو کئی کی طرف ہوتا ہے مگر وہ حروف نہیں بلکہ کلمہ کی شکل میں ہیں جیسے صحبہ وصحاب جو آٹھ کلمے ہیں جیسا کہ ابھی اوپر معلوم ہوا ہے اور ان کو رموز کلمی اور رموز کبریٰ بھی کہتے ہیں ہم نے ان سب رموز کو یاد کی آسانی کی غرض سے حسب ذیل اشعار میں نظم کر دیا ہے۔

(ابج) رمز نافع ہمزہ اور قانون کی ہے رمز با ❁ ورش مصری کی ہے رمز جیم سن لے اے فتا

(دہز) دال ہے مکی کی رمز اور احمد بزّی کی ہا ❁ اور ہوا مشہور قنبل کے لیے ہے حرف زاء

(حطی) بوعمرو ابن العلا کی ہے علامت حرف حا ❁ رمز طاء دوری وبصری اور سوسی کی ہے یاء

(کلم) کاف رمز ابن عامر لام ہے رمز ہشام ❁ ابن ذکوان کی ہے رمز میم اے عالی مقام

(نصع) عاصم کوفی کی رمز نون ہے اے خوش لقا ❁ صاد شعبہ عین رمز حفص ہے اے باصفا

(فضق) حمزہ کوفی کے لیے کر دی مقرر رمز فاء ❁ اور خلف کی ضاد حرف قاف ہے خلاد کا

(رست) نزد قراء رمز علی کوفی کسائی کی ہے راء ❁ سین بو الحارث کی اور دوری علی کی رمز تاء

(ثخذ ظغش) عاصم وحمزہ کسائی تینوں کی ہے رمز ثاء ❁ غیر نافع جملہ قراء کے لیے ہے حرف خاء

(ثخذ ظغش) رمز سن تو تینوں کوفی اور شامی کی ذال ❁ اور مکی ہر سہ کوفی کی ہے ظاء بے قیل وقال

(ثخذ ظغش) تینوں کوفی اور بصری چار کی ہے رمز غین ❁ رمز حمزہ اور کسائی کی ہے شین اے نور عین

(صحبہ وصحاب) رمز حمزہ اور کسائی شعبہ کی صحبہ جان ❁ ہے صحاب حفص وکسائی اور حمزہ کا نشان

(عم وسما) عم نافع اور شامی کی ہے رمز اے مقتدا ❁ رمز ہے نافع ومکی اور بصری کی ہے سما

رمز حق ابن کثیر وبوعمرو کا ہے نشاں ❁ اور نفر مکی وبصری شامی کی ہے بے گماں

(حرمی وحصن) رمز نافع اور مکی کی ہے حرمی اے عزیز ❁ حصن نافع تینوں کوفی کی ہے سن اے باتمیز

بعد اس کے اس قدر ہے تم سے میرا مدّعا ❁ جب کرو حق سے دعاء مجھ کو نہ ہرگز بھولنا

مشکلیں جتنی ہیں میری سب کی سب آسان ہوں ❁ وقت آخر میرے قبضہ میں مرے اوسان ہوں

آپ سے ہوتا ہے رخصت اب سلیمان والسلام ❁ خاتمہ بالخیر ہو اپنا یہ ہے ختم الکلام

وَمَهْمَا اَتَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ بَعْدُ كِلْمَةٌ
فَكُنْ عِنْدَ شَرْطِيْ وَاقْضِ بِالْوَاوِ فَيْصَلاَ

ش:قوله: مهما اتت کلمۃ شرط اور **قوله**: من قبل او بعد مبنی علی الضم ہیں اس لیے کہ ان کا مضاف الیہ محذوف منوی ہے۔ای من قبل الرمز الحرفی اور بعد الحرفی اور یہاں اس سے جو خاص یہی مراد لیا گیا ہے اس پر قرینہ یہ ہے کہ ناظمؒ نے اس بیت کو تمام رموز کے ختم ہوجانے کے بعد بیان کیا ہے۔**قوله**: کلمة اس میں تین لغت ہیں ایک کاف کا کسرہ لام کا سکون دوسرے کاف کا فتحہ لام کا سکون تیسرے کاف کا فتحہ لام کا کسرہ لیکن بیت کا وزن پہلی دوصورتوں میں درست رہتا ہے تیسری میں نہیں رہتا ترکیب میں یہ **قوله**: اتت کا فاعل ہے ای اذا اتت من الکلمات الثمانیه المرموز بها اور۔**قوله**: فکن میں فاء جواب شرط اور کان تامہ ہے ای احضر اور **قوله**: فیصلا حال یا تمیز ہے۔

ترجمہ: اور جب (ان آٹھ کلمات رمزیہ میں سے کوئی) کلمۃ (رمز حرفی سے) پہلے یا (اس کے) بعد آئے تو تم میری شرط (یعنی اصطلاح) کے نزدیک حاضر رہو اور حکم کرو واؤ کے ساتھ دراں حالیکہ یہ (واؤ دو مسلکوں کے درمیان فصل اور جدائی کرنے والا ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ یہ آٹھ کلمات جن کو میں نے رمز قرار دیا ہے اگر رمز حرفی کے ساتھ جمع ہوں تو میں نے اس میں تقدیم و تاخیر کا کوئی لحاظ نہیں رکھا بلکہ کبھی رمز کلمی کو پہلے اور رمز حرفی کو بعد میں اور کبھی رمز حرفی کو پہلے اور رمز کلمی کو بعد میں ذکر کیا ہے جیسے عمّ فتیً پس اس میں رمز کلمی کو پہلے اور رمز حرفی کو بعد میں لائے ہیں اور صفا۔حق۔غیب۔وغیرہ میں رمز حرفی پہلے اور رمز کلمی بعد میں ذکر کی گئی ہے۔اور کہیں ایسا بھی ہے کہ رمز کلمی اور رمز حرفی کے درمیان آئی ہے جیسے صفو حرمیۃ رضی اسی طرح جب رمز کلمی تنہا بلا رمز حرفی کے آئے گی تو اس میں بھی تقدیم و تاخیر کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا بلکہ یہ بھی کبھی کلمۃ قرآنی سے پہلے اور کبھی بعد میں بیان کی جائے گی جیسا کہ آئندہ اپنے موقع پر انشاء اللہ معلوم ہوگا۔اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ان سب صورتوں میں تم میری شرط یعنی اصطلاح پر عمل کرنا اور ان رموز حرفی و کلمی سے وہی قاری یا راوی مراد لینا کہ جن کے لیے یہ رمزیں مقرر کی گئیں ہیں البتہ اگر کہیں ایسا ہو کہ ایک قاری یا راوی رمز حرفی میں بھی آرہا ہو اور رمز کلمی میں بھی دوسروں کے ساتھ شریک ہو تو ایسی صورت میں رمز حرفی پر عمل نہیں کیا جائے گا اور یہ سمجھا جائیگا کہ یہ رمز حرفی ضرورت شعری یا تحسین کلام کی وجہ سے مکرر لائی گئی ہے لیکن جہاں ایسا نہ ہو وہاں رمز حرفی پر بھی عمل ہوگا اور اس کو بھی رمز مانتے ہوئے اس سے بھی وہی قاری یا راوی مراد لیں گے

جس کے لیے یہ رمز مقرر کی گئی ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ رمز حرفی میں کلمۃ کے صرف پہلے حرف کو اور رمز کلمی میں پورے کلمۃ کو رمز مانا جائے گا اگر اس کے خلاف کیا تو پھر مطلب بالکل بدل جائے گا اور رموز کلمی نہیں رہیں گی بلکہ وہ بھی رموز حرفی ہی ہو جائیں گی۔ مثلاً کسی نے صحبہ یا صحاب وغیرہ کا صرف پہلا حرف رمز مان لیا تو اس صورت میں مطلب دوسرا ہو جائے گا اس لیے اس کو خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے پھر اس کے بعد یہ دیکھو کہ مسئلہ کہاں پورا ہوا ہے چناں چہ مسئلہ جہاں پورا ہوگا وہاں واؤ فاصل لایا جائے گا جس سے یہ معلوم ہوگا کہ اب پہلا مسئلہ ختم ہو گیا اور دوسرا مسئلہ واؤ کے بعد شروع ہو گیا ہے لیکن یہ واؤ فاصل وہاں لایا جائیگا جہاں دو مسئلوں کے مل جانے سے کوئی شبہ یا التباس لازم آتا ہوگا ورنہ پھر عدم شبہ کے موقع پر واؤ فاصل نہیں آئے گا جیسا کہ ابھی اوپر معلوم ہوا ہے۔

ف: یہاں اس قدر اور سمجھ لو کہ رمز حرفی و رمز کلمی کی اجتماع کی صورت میں علاوہ ان دونوں کی تقدیم و تاخیر کی کلمۃ قرآنی کی تقدیم و تاخیر کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ کبھی یہ دونوں قسم کی رمزیں بصورت اجتماع کلمۃ قرآنی سے پہلے اور کبھی بعد میں ذکر کی گئی ہیں عام اس سے کہ رمز حرفی پہلے ہو یا رمز کلمی اور یہ کہ رمز حرفی کسی ایک قاری یا راوی کے لیے ہو یا کئی قاریوں کے لیے بخلاف اس رمز حرفی کے جو تنہا بلا رمز کلمی کے ذکر کی جائے گی وہ ہمیشہ کلمہ قرآنی کے بعد ہی آئے گی جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے البتہ رمز کلمی کے تنہا ذکر کئے جانے کی صورت میں ایسا نہیں ہے بلکہ یہ کبھی کلمہ قرآنی سے پہلے بھی بیان کی گئی ہے اور کبھی بعد میں بھی جیسا کہ آئندہ بیت وقبل وبعد الحرف سے معلوم ہوگا اس کے علاوہ ایک احتمال یہ بھی ہے کہ یہاں کلمہ سے مراد کلمہ قرآنی ہو تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کلمہ قرآنی کبھی رمز کبیر سے پہلے اور کبھی بعد میں آئے گا پس رمز کبیر کے بلا رمز حرفی کے مذکور ہونے کا حکم اس شعر سے اور رمز حرفی کے ساتھ جمع ہو کر آنے کا حکم آئندہ بیت وقبل وبعد الحرف سے الخ سمجھا جائے گا بعض نے کہا ہے کہ مناسب تو یہ تھا کہ اس بیت کو آئندہ بیت وقبل وبعد الحرف الخ کے بعد بیان کرتے تا کہ اس آئندہ بیت سے رمز کلمی کا محل اور اس بیت سے جس کو یہاں بیان کیا ہے دونوں قسم کی رمزوں کے جمع ہونے کی کیفیت اور اس کا حکم معلوم ہو جاتا۔ واللہ اعلم۔

وَمَاكَانَ ذَا ضِدٍّ فَإِنِّي بِضِدِّهِ
غَنِيٌّ فَزَاحِمْ بِالذَّكَاءِ لِتَفْضُلَا

ش: **قولہ**: وما کان ما شرطیہ مبتدا ہے اور کان کی ضمیر کا مرجع ما ہے اور **قولہ**: ذا ضد خبر ہے اگر کان ناقصہ ہے۔ اور اگر کان تامہ ہے تو پھر۔ **قولہ**: ذا اضدّ حال ہے **قولہ**: فانی فا جواب شرط اور

قولہ: غنیّ ترکیب میں انَّ کی خبر ہے ای مکتفٍ اور قول بضدہٖ اس کے متعلق ہے ای استغنی باحد الضدّین عن الاٰخر اور ناظمؒ بجائے بہٖ ضمیر لانے کے جو بضدہ لائے ہیں وہ اس لیے کہ لفظ ضد میں بنسبت ضمیر کے ابہام اور عموم زیادہ ہے ونظیرہٗ قولہ تعالیٰ: ﴿اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰهُمَا الْاُخْرٰى﴾ پس یہاں بھی اس معنی کر ضمیر نہیں آئی ہے۔ **قولہ**: فزاحم میں فاء تعقیبیہ اور زاحم بمعنی سابق ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے ای العلماء الناظرین فی احوال الاضداد اور۔ **قولہ**: بالذکاء ای بسرعتہ الفھم اس کے متعلق ہے۔ **قولہ**: لتفضلا بضم الضاد ای لتغلب فی الفضل ترکیب میں جملہ تعلیلیہ منصوب بان مقدرہ ہے، اور اس کا الف اطلاقیہ ہے۔

ترجمہ: اور وہ وجہ جو ضد والی ہو تو میں اس کی (ایک) ضد کے (ذکر کرنے کے) ساتھ (دوسری ضد کے ذکر کرنے سے) بے پرواہ ہو جاؤں گا پس تم اپنی تیزی فہم اور سمجھ کے ساتھ (اس کی دوسری ضد اور غیر مذکور وجہ کے نکالنے اور دونوں ضدوں کے علیحدہ علیحدہ کرنے میں ان علماء پر) سبقت لے جاؤ (کہ جو احوال اضداد میں خوب ماہر اور ان سے خوب واقف ہیں) تا کہ تم فضیلت میں (ان سب پر) غالب آجاؤ۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ جو وجہ وجوہ قراءت وروایات میں سے ایسی ہو کہ اس کے لیے کوئی ضد واحد ہو خواہ عقلی یا اصطلاحی تو میں ضدین میں سے صرف ایک ضد کو ذکر کرنے پر اکتفا کروں گا اور دوسری ضد کو بوجہ اختصار بیان نہیں کروں گا لہٰذا مذکورہ مذکورین کے لیے اور متروکہ مسکوت عنہ کے لیے ہو گی لیکن جہاں دوسری قراءت ضد سے معلوم نہیں ہو گی وہاں دوسری ضد بھی بیان کی جائے گی جیسے اوصی یوصی کما اعتلی وغیرہ کہ اس میں مرموز کاف ابن عامر اور رموز ہمزہ نافع کے لیے اوصی ہے اور باقی پانچ کے لیے وصّی ہے اور چونکہ یہاں اس مثال میں دونوں قراءتوں کا تلفظ لفظ ہی میں بیان کر دیا ہے اس لیے اب قیود بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہی اور اگر کہیں ایسے موقع پر قیود بیان بھی کی جائیں گی تو وہ مزید وضاحت کے لیے ہوں گی ورنہ جہاں لفظ کے تلفظ سے قراءت کو بیان کیا ہے وہاں قیود کو بوجہ عدم ضرورت نہیں ذکر کیا ہے اور چونکہ ضدین عقلی واصطلاحی دونوں قسم کی بیان کی ہیں اور بعض کے ساتھ بعض ملی جلی آئیں گی اس لیے فرمایا کہ اے محصل تو اپنی ذکاوت وذہانت سے اس دوسری وجہ غیر مذکور کے نکالنے اور اضداد کو جدا جدا کرنے اور ان کو سمجھنے میں ان لوگوں سے آگے بڑھ کہ جو احوال اضداد میں بڑے ماہر اور خوب واقف ہیں اور ان کو اچھی طرح جاننے والے ہیں تا کہ تو بھی فضلاء کی جماعت میں سے ہو جائے اور تیرا شمار بھی ان لوگوں میں ہونے لگے اب اسکے بعد اضداد کو بیان فرماتے ہیں وہ یہ ہیں۔

كَمَدٍّ وَّاِثْبَاتٍ وَفَتْحٍ وَّمُدْغَمٍ
وَهَمْزٍ وَنَقْلٍ وَاخْتِلَاسٍ تَحَصَّلَا
وَجَزْمٍ وَ تَذْكِيرٍ وَغَيْبٍ وَخِفَّةٍ
وَجَمْعٍ وَتَنْوِينٍ وَتَحْرِيكٍ اُعْمِلَا

ش: قوله: کمد مبتدا محذوف کی خبر ہے ای المستغنی عنه بضدہٖ کمدٍاور اس کا مابعد ہر ایک اپنے ماقبل کا معطوف ہے۔ **قوله**: مدغم اسم مفعول یا مصدر میمی ہے اور یہی مابعد و ماقبل کے لحاظ سے اولی ہے۔ **قوله**: تحصلا ای حصل وثبت وفیٰ الروایة ترکیب میں اختلاس کی صفت ہے اور۔ **قوله**: اعملا ای استعمل یا تو **قوله**: تحریک کی صفت ہے یا جملہ متانفہ ہے۔

ترجمه: (اور وہ وجوہ ضدیہ جس کی ایک ضد ذکر کرنے کے ساتھ اس کی دوسری ضد کے ذکر کرنے سے بے پرواہ ہو جاؤنگا) مثل مد (اور قصر) اور اثبات (وحذف) اور فتح (وامالہ اور تقلیل) اور ادغام (واظہار) اور ہمزہ (اور اس کا ترک اور نقل (وعدم نقل) اور ایسا اختلاس (واتمام حرکت) ہے کہ جو (روایۃً) حاصل ہوا ہے اور (نیز یہ مثل) جزم (اور رفع) اور تذکیر (وتانیث) اور غیب (وخطاب) اور تخفیف (وتشدید) اور جمع (وتوحید) اور تنوین (وترک تنوین) اور ایسی تحریک (واسکان) کے لیے ہے جو استعمال کی گئی ہے (اب اس کے بعد ناظم تحریک کی تفصیل بیان فرماتے ہیں)

وَحَيْثُ جَرَى التَّحْرِيكُ غَيْرَ مُقَيَّدٍ
هُوَ الْفَتْحُ وَالْاِسْكَانُ آخَاهُ مَنْزِلَا

ش: قوله: وحیث الخ ظرف ہے متضمن معنی شرط جملہ کی مضاف ہے اور۔ **قوله**: ھو الفتح جزاء ہے اور فاء یہاں ضرورۃً محذوف ہے اور۔ **قوله**: غیر مقید ترکیب میں تحریک سے حال ہے اور۔ **قوله**: منزلا بفتح المیم اخاہ کے فاعل سے تمیز ہے اور یہ یا تو ظرف مکان ہے یا مصدر میمی ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمه: اور جس جگہ تحریک بلا قید واقع ہو تو (وہاں) وہ (تحریک) فتحہ ہے اور اسکان جو ہے اس نے اس تحریک کے ساتھ باعتبار قائم مقامی کے بھائی چارہ کیا ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ میں جب کسی جگہ مطلقاً تحریک ذکر کروں اور یوں کہوں کہ اس ساکن کو حرکت دو یا اس کو متحرک پڑھو اور اس کے ساتھ ضمہ یا فتحہ یا کسرہ کی کوئی قید نہ ہو تو اس ساکن کو فتحہ کی حرکت دی جائے گی اور یہاں اس تحریک سے مراد فتحہ ہوگا جو مذکورین کے لیے پڑھا جائے گا، اور غیر مذکورین کے لیے اس کی ضد

اسکان ہوگی وبرعکس لیکن جہاں اسکان کی ضد غیر فتحہ ہوگی! وہاں اس کی ضد بھی ذکر کی جائے گی ورنہ مطلق اسکان کی ضد فتحہ اور مطلق تحریک کی ضد اسکان ہی ہوگی، اور اگر کہیں تحریک بھی ذکر کی جائے اور حرکت کی قسم بھی بتلائی جائے، مثلاً رفع کی حرکت دی تو تب بھی مذکورین کے لیے تو یہی حرکت ہوگی جو ذکر کی گئی ہو، اور غیر مذکورین کے لیے تحریک کی ضد اسکان ہوگا اور اگر کسی جگہ صرف حرکت کی قسم تو بیان کی جائے اور تحریک وحرکت مذکور نہ ہو تو اس وقت مذکورین کے لیے تو یہی حرکت ہوگی جس کا ذکر کیا گیا ہے، اور دوسرے غیر مذکورین کے لیے اسکان جو مطلق حرکت کی ضد ہے نہیں ہوگا، بلکہ اس حرکت کی ضد دوسری حرکت ہوگی۔

خلاصہ یہ ہوا کہ جس طرح تحریک بلا قید سے فتحہ مراد لیا جاتا ہے اسی طرح اسکان بلا قید سے بھی فتحہ ہی سمجھا جائے گا عام اس سے کہ تحریک بلا قید صراحۃً ذکر کی گئی ہو یا اسکان کی ضد سے سمجھی گئی ہو، دونوں صورتوں میں اس سے مراد فتحہ ہی ہوگا اور جہاں اسکان کی ضد کسرہ یا ضمہ ہوگی تو وہاں اسکان قید کے ساتھ مذکور ہوگا، تا کہ اس قید سے دوسری قراءت ظاہر ہو جائے اور ایسا ہر جگہ کیا ہے لیکن ایک جگہ سورۃ محمد میں اسکان بلا قید ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ باقی قراء کے لیے فتحہ ہوگا کیونکہ اسکان مطلق کی ضد فتحہ ہے حالانکہ فتحہ کسی کی بھی قراءت نہیں ہے بلکہ کسرہ ہے اس لیے اگر مسکن العین کے بجائے مسکن الکسرہ فرما دیتے تو اس سے دوسروں کی قرأۃ بھی اچھی طرح سمجھ میں آجاتی لیکن ناظمؒ سے ایسا بظاہر سہوًا ہوا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَاٰخَيْتُ بَيْنَ النُّوْنِ وَالْيَا وَفَتْحِهِمْ
وَكَسْرٍ وَبَيْنَ النَّصْبِ وَالْخَفْضِ مُنْزِلاً

ش: قوله: والیاء ضرورۃً مقصورہ ہے اور **قوله: فتحهم** ای وبین **فتحهم** پس لفظ بین بسبب قرینہ ماقبل ومابعد حذف کر دیا گیا ہے اور۔ **قوله: منزلاً من انزله اذا اَحَلَّهٗ بالمكان** ترکیب میں آخیت کے فاعل سے حال ہے۔

ترجمہ: اور میں نے اخوت ضدیہ قائم کی ہے درمیان نون اور یاء کے اور ان (قراء) کے فتح اور کسرہ کے اور درمیان نصب اور جر کے دراں حالیکہ میں (ان کو ان کی جگہ پر) اتارنے اور لانے والا ہوں۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ میں نے نون اور یاء میں اور فتحہ وکسرہ میں اور نصب وجر میں ضدیت کا تعلق پیدا کر دیا ہے اور اور ایک کو دوسری کی ضد بنا دیا ہے تا کہ ایک کا ذکر دوسرے کے ذکر سے بے پرواہ کر دے اور یہ چھ ضدیں ان شاء اللہ اپنی اپنی جگہ بیان کی جائیں گی!

ف: یاد رکھو کہ حرکات دو قسم کی ہوتی ہیں ایک بنائی دوسری اعرابی جو حرکت عوامل کے داخل ہونے سے بدلتی

نہیں اس کو بنائی اور جو بدلتی ہے اس کو اعرابی کہتے ہیں اسی وجہ سے ناظمؒ نے بھی یہاں ہر دو قسم کی حرکات کو بیان فرما دیا ہے پس فتحہ اور کسرہ حرکت بنائی اور نصب و جر حرکت اعرابی ہے خوب سمجھ لو!

وَحَيْثُ اَقُوْلُ الضَّمُّ وَالرَّفْعُ سَاكِتًا
فَغَيْرُهُـــمُ بِالْفَتْحِ وَالنَّصْبِ اَقْبَـلَا

ش: قولہ: وحیث الخ ظرف متضمن معنی شرط اور **قولہ**: الضم والرفع مبتدا اور اس کی خبر لقاری اولجمع محذوف ہے اور واؤ بمعنی اَو ہے پھر جملہ مقولہ قول ہے اور۔ **قولہ**: ساکتاً ترکیب میں اقول کے فاعل سے حال ہے ای مقتصرً اعلیہ اور فغیر ہم میں فاء جزائیہ ہے اور ضمیر ہم کا مرجع مذکورین ہے اور۔ **قولہ**: اقبلا کا الف اطلاق کے لیے ہے اور اس میں ضمیر کا مرجع لفظ غیر ہے اسی وجہ سے یہ واحد لائی گئی ہے۔

ترجمہ: اور جب میں (کسی قاری یا جماعت کیلئے) ضمہ یا رفع کہہ کر خاموش ہو جاؤں اور دوسروں کی قراءت نہ بیان کروں) تو ان مذکورین کے علاوہ (باقی قراء) فتحہ اور نصب کے ساتھ آئے ہیں (یعنی جہاں ضمہ ورفع مطلقاً بلا قید کے بیان کئے جائیں گے تو وہاں دوسروں کے لیے بمقابلہ ضمہ، فتحہ و بمقابلہ رفع النصب سمجھا جائے گا اور جہاں ضمہ ورفع کے ساتھ قید لگی ہوئی ہوگی جیسے ضم الکسر ورفع الجر تو وہاں دوسروں کی قراءت وہی ہوگی جو اس قید سے نکلتی ہوگی۔ واللہ اعلم۔

وَفِي الرَّفْعِ وَالتَّـذْكِيْرِ وَالغَيْبِ جُمْلَـةٌ
عَلٰى لَفْظِهَا اَطْلَقْتُ مَنْ قَـيَّـدَ الْعُلَا

ش: قولہ: جملة ای جملۃ مواضع مبتدا اور اس کا ماقبل خبر اور مابعد صفت ہے اور۔ **قولہ**: علی لفظها متعلق اطلقت کے ہے اور۔ **قولہ**: من موصولہ یا موصوفہ ترکیب میں اطلقت کا مفعول ہے۔

ترجمہ: اور رفع اور تذکیر اور غیب میں تمام مواضع ایسے ہیں کہ میں نے ان کے لفظ پر چھوڑ دیا ہے اس شخص کو جو بلند اور عالی مرتبہ حاصل کرنے کا مقید ہوا ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ رفع اور تذکیر اور غیب کے جملہ مواضع اس طرح بیان کئے جائیں گے کہ وہاں دونوں ضدوں میں سے کسی ایک ضد کو بھی بیان نہیں کروں گا صرف کلمۂ قرآنی اور اس کے قاریوں کو بیان کردوں گا اور خصوصیت سے ایسے موقع پر جس کلمۂ قرآن میں رفع ونصب کا احتمال ہوگا۔ رفع کی قراءت کو بلا قید رفع بیان کروں گا۔ جو مذکورین کے لیے ہوگی اور غیر مذکورین کے لیے نصب ہوگا اسی طرح اگر کسی جگہ تذکیر اور تانیث کا یا غیب اور خطاب کا احتمال ہوگا تو وہاں بھی خصوصیت سے بلا کسی قید کے تذکیر اور غیب

کی قراءت بیان کی جائے گی جوان قراء مذکورین کے لیے ہوگی اوران کے علاوہ دوسروں کے لیے تذکیر کے مقابلہ میں تانیث اورغیب کے مقابلہ میں خطاب کا صیغہ سمجھا جائے گا اوراس اطلاق کی تینوں مثالیں اس بیت میں جمع ہیں جوسورۂ اعراف میں ہے!

وَخَالِصَةٌ اصل وَلا یعلمُون قل ❁ لشعبة فی الثانی ویفتح شمللا

پس اس بیت میں خالصۃ مطلقاً بلا قید رفع کے بیان کیا گیا ہے جس کے اطلاق سے یہ سمجھا گیا ہے کہ امام نافع مرموز بہمزہ کے لیے مرفوع اور باقیوں کے لیے منصوب پڑھا جائے گا اسی طرح لایعلمون کوشعبہ نے بصیغہ غائب اوردوسروں نے خطاب کا صیغہ پڑھا ہے ایسے ہی بفتح حمزہ وکسائی مرموز بشین شملا کے لیے مذکر کا صیغہ اور باقی کے لیے تانیث کا صیغہ پڑھا جائے گا، اس کے بعد بیان فرماتے ہیں کہ میرے اس طرح کلمہ قرآنی کو مطلقاً بلا قید بیان کرنے اوراس کے تلفظ پر چھوڑ دینے کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے جس نے ان اضداد مذکورہ بالا کو اچھی طرح سمجھ لیا ہو اور خوب یاد کرلیا ہوتا کہ وہ ان کو اپنی سمجھ اور قابلیت سے نکال سکے اور پھر اس کے ذریعہ اعلیٰ اور بلند مرتبہ حاصل کرسکے اوراس کا شمار اونچے اور بڑے درجہ کے لوگوں میں ہونے لگے۔

ف: اگر کوئی یوں کہے کہ کلمہ کو بلا قید لانے کا ذکر اس سے پہلے بھی کر چکے ہیں اور یہاں پھراس کو بیان فرمادیا ان دونوں میں کیا فرق ہے جواب اس کا یہ ہے کہ اس سے پہلے جو بیان فرمایا ہے وہ استغنیٰ کے لفظ سے بیان کیا ہے اور یہاں اطلقت کے لفظ سے لہٰذا اوّل کو باب استغناء سے اوردوسرے کو باب اطلاق سے کہیں گے دوسرے یہ کہ باب استغناء میں کلمہ کا وزن صرف ایک ہی قراءت پر تلفظ کرنے سے صحیح رہتا ہے اور باب اطلاق میں ہردو قراءت کے تلفظ سے کلمہ کا وزن باقی رہتا ہے پس خالصۃ کو چاہے خالصۃ بالرفع پڑھیں اور چاہے بالنصب خالصۃً دونوں حالت میں وزن صحیح اور درست رہتا ہے بخلاف مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡن کے کہ اس میں ایک ہی قراءت پر وزن صحیح رہتا ہے دوسری قراءۃ یعنی مَلِک بلا الف پر باقی نہیں رہتا اس لیے ان میں سے اول کو باب اطلاق سے اوردوسرے کو باب استغناء سے کہیں گے، واللہ اعلم۔

وَقَبۡلَ وَبَعۡدَ الۡحَرۡفِ اٰتِی بِکُلِّ مَا
رَمَزۡتُ بِهٖ فِی الۡجَمۡعِ اِذۡ لَیۡسَ مُشۡکِلَا

ش: قوله: وقبل وبعد الحرا ای قبل الحرف وبعد الحرف پس اوّل الحرف کو بسبب دلالت ثانی حذف کردیا ہے اور یہاں حرف سے مراد کلمہ قرآنی مختلف فیہا ہے اور۔ **قوله**: اتی بکل ما عامل ظرفین ہے اور ما یا تو موصولہ ہے یا موصوفہ اور۔ **قوله**: اذ لیس میں اذ تعلیلیہ ہے اوراس کا اسم ضمیر ہے جس کا مرجع

اتیان ہے جو آتی سے مفہوم ہوا ہے اور۔ **قولہ**: **مشکلا** اس کی خبر ہے۔

ترجمہ: اور کلمہ قرآنی سے پہلے اور بعد (میں) بھی لاؤں گا! میں تمام ان کلمات کو جن کو میں نے (کئی قاریوں کے) جمع (ہو جانے کی صورت) میں رمز بنایا ہے اس واسطے کہ یہ (اس طرح سے لانا اور بیان کرنا) مشکل (اور دشواری میں ڈالنے والا) نہیں ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ میں کلمات ثمانیہ جن کو رموز کلمی اور رموز کبیر بھی کہتے ہیں کبھی کلمہ قرآنی سے پہلے اور کبھی بعد میں بھی بیان کروں گا کیونکہ اس طرح بیان کرنے میں نہ کوئی اشکال ہوتا ہے اور نہ کوئی دشواری ودقت پیش آتی ہے بلکہ ذرا غور اور تامل کرنے سے اچھی طرح سمجھ میں آسکتی ہیں بخلاف رموز حرفی کے جن کو رموز صغیر بھی کہتے ہیں وہ ہمیشہ کلمہ قرآنی کے بعد ہی آئیں گی جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے خواہ یہ کسی ایک قاری کے لیے ہوں یا کئی قاریوں کے لیے کیونکہ ان کو پہلے اور بعد میں لانے سے بہت بڑی دشواری اور دقت پیدا ہوتی تھی اور اس صورت میں رمز کے رمز ہونے اور نہ ہونے میں شبہ ہوتا تھا اور ذہن دونوں طرف منتقل ہوتا تھا اس لیے ان کو بعد ہی میں ذکر کیا گیا ہے البتہ جہاں یہ رموز کلمی کے ساتھ جمع ہو کر آئیں گی وہاں یہ بھی رموز کلمی کے تابع ہو کر کبھی کلمہ قرآنی سے پہلے اور کبھی بعد میں دونوں طرح آجائیں گی۔

وَسَوْفَ أُسَمِّيْ حَيْثُ يَسْمَحُ نَظْمُهٗ

بِهٖ مُوضِحًا جِيْدًا مُعَمًّا وَمُخْوَلَا

ش: **قولہ**: **اسمی** ای اذکر القاری باسمہ وکنیتہ ونسبہ وضمیرہ اور **قولہ**: **حیث** اس کا مفعول فیہ ہے اور **قولہ**: **یسمح** بمعنی یسھل اور **قولہ**: **نظمہ** یہ دونوں کی ضمیر کا مرجع **اُسمی** کا مفعول مقدر اسم ہے یا **نظمہ** کی ضمیر کا مرجع شعر ہے جو سیاق کلام سے سمجھا گیا ہے اور یہ یا تو **یسمح** کے متعلق ہے اور یا۔ **قولہ**: **موضحا** کے ہے جو **اُسمی** کے فاعل سے حال ہے اور۔ **قولہ**: **جیدًا** **جید العنق** یا تو **یشبہ** مقدر کا مفعول بہ ہے اور یا اس کی تقدیر ایضاح جید ہے اور۔ **قولہ**: **معما ومخولا** دونوں اسم مفعول ہیں اور ترکیب میں جیدا کی صفت ہیں بمعنی **ذو الاعمام والاخوال**۔

ترجمہ: عنقریب قاری کا نام بھی ذکر کروں گا جس جگہ کہ اس (نام یا شعر) کی نظم اس (نام) کے ساتھ سہل ہوگی درانحالیکہ میں (قاری کو) واضح کرنیوالا ہوں گا اس (واضح) گردن کی طرح جو ذوالاعمام والاخوال ہوتی ہے!

مطلب: فرماتے ہیں کہ میں ہر جگہ قاری کو رمزا ہی نہیں بیان کروں گا بلکہ جہاں کہیں نظم میں قاری اپنے نام کے

ساتھ نظم ہو سکے گا اور اس کے نام کے ساتھ نظم بنتی ہوگی وہاں اس کا نام بھی صراحۃً خواہ علماً یا کنیۃً یا نسبۃً یا اضماراً ذکر کیا جائے گا پس میرے اس طرح ذکر کرنے سے وہاں قاری ایسا واضح ہو جائے گا جیسا کہ چچاؤں اور ماموؤں والی گردن زرّین قلادہ ڈالنے کیوجہ سے بمقابلہ خالی گردنوں کے خوب واضح ہوا کرتی ہے کیونکہ اہل عرب کا یہ قاعدہ تھا کہ جولڑکا یا غلام چچاؤں اور ماموؤں والا ہوتا تھا تو وہ اس کی گردن میں زرین قلادہ ڈالتے تھے جس کیوجہ سے وہ دوسروں سے واضح اور ممتاز ہو جاتا تھا اور اسی سے اس کو شناخت کرتے تھے کہ یہ لڑکا یا غلام ذوالاعمام والاخوال ہے اور اس کے رشتہ دار بہت ہیں۔

وَمَنْ كَانَ ذَابَابٍ لَهُ فِيهِ مَذْهَبٌ
فَلَا بُدَّ اَنْ يُسْمٰى فَيُدْرٰى وَيُعْقَلَا

ش: قوله: ومن کان، من موصولہ متضمن معنی شرط اور۔ **قوله**: ذاباب ترکیب میں کان کی خبر ہے اور **قوله**: مذھب مبتدا وخبر ہے اور لہ کی ضمیر کا مرجع من ہے اور **قوله**: فیہ ظرف کون اور ضمیر کا مرجع باب ہے اور **قوله**: فلا بدّ میں فاء جواب شرط ہے اور۔ **قوله**: ان یسمی ای من ان یصرح باسمہ ترکیب میں فلا بدّ کی خبر ہے اور **قوله**: فیدری بناء بر جواب نفی منصوب بان مقدرہ ہے اور **قوله**: ویعقلا اس کا معطوف ہے اور اس میں الف اطلاق کے لیے ہے۔

ترجمہ: اور وہ (قاری) کہ صاحب باب ہو کہ اس کے لیے اس باب میں کوئی مذہب (خاص) ہے تو ضروری ہے یہ کہ وہ اپنے نام کے ساتھ تصریح کیا جائے (یعنی اس کا نام صراحۃً ذکر کیا جائے) تا کہ وہ جانا جائے اور سمجھا جائے۔!

مطلب: فرماتے ہیں کہ اگر کوئی قاری یا راوی وجوہ قراءت میں سے کسی وجہ خاص کے ساتھ بطور قاعدہ کلیہ کے منفرد ہو تو اس کے لیے ایک مستقل باب مقرر کیا جائے گا اور اس کے اول میں اس کا نام بھی صراحۃً نہ کہ رمزاً ذکر کر دیا جائے گا تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ یہ باب فلاں قاری یا راوی کا ہے اور یہ قواعد اسی قاری یا راوی کے لیے ہیں اور فائدہ اس سے یہ ہوگا کہ اگر آئندہ اس باب میں ایسے الفاظ ذکر کئے جائیں کہ جس کا اوّل حرف رمز بننے کے قابل ہو تو اس کو رمز نہیں بنایا جائے گا جیسے عن عالم طیب الخلاء وغیرہ کے کہ اس میں عین وطاء رمز نہیں ہیں۔

اَهَلَّتْ فَلَبَّتْهَا الْمَعَانِي لُبَابُهَا
وَصُغْتُ بِهَا مَا سَاغَ عَذْبًا مُسَلْسَلَا

ش: قولہ: اھلت ای نادت اور اس کی ضمیر کا مرجع بوجہ معلوم قصیدہ ہے اگرچہ لفظاً کہیں اس کا ذکر نہیں آیا ہے۔ **قولہ**: فلبتھا ای لبّت اجابت بقولھا لبیک اور۔ **قولہ**: لبابھا ترکیب میں المعانی سے بدل البعض ہے نہ کہ بدل الاشتمال اور۔ **قولہ**: صُغْتُ بھا ای نظمت بھا اور **قولہ**: ما ساغ میں ما موصولہ اور ساغ میں ساغ الشراب ای سھل وطاب ترکیب میں صغت کا مفعول ہونے کی بناء پر نصب کی جگہ ہے اور۔ **قولہ**: عذبًا ای حلوا ولذیذا اور۔ **قولہ**: مسلسلا ای صافیاً وافیاً دونوں حال ہیں یا ثانی اول کی صفت ہے یا یہ دونوں بناء بر تمیز منصوب ہیں واللہ اعلم

ترجمہ: اس قصیدہ (کے الفاظ) نے (اپنے معانی کو) پکارا پس جواب دیا اس کو اس کے عمدہ اور خالص معانی نے اپنے قول لبیک کے ساتھ اور میں نے اس قصیدے میں ایسے الفاظ نظم کیے ہیں جو آسان ہیں درانحالیکہ وہ شیریں اور صاف ہیں۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ جب میں نے اس قصیدے میں ان مضامین کے بیان کرنے کا ارادہ کیا جو میرے ذہن میں تھے تو ان کے لیے ایسے الفاظ کی بھی ضرورت پیش آئی ہے کہ جن سے وہ مضامین اور معنی جو میرے ذہن میں ہیں بخوبی ظاہر ہو جائیں سو الحمد للہ الفاظ بھی ایسے ہی عمدہ پیدا ہو گئے جن سے وہ خالص معنی جن کو میں نظم کرنا چاہتا تھا خوب اچھی طرح ظاہر ہو گئے اور ان الفاظ سے وہی معنی خالص نکلنے لگے جو کہ میں چاہتا تھا پس گویا کہ اس قصیدہ کے الفاظ بھی بہت عمدہ اور معانی بھی نہایت بہترین ہیں اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اس قصیدہ میں جو الفاظ لائے گئے ہیں وہ ایسے سخت اور مشکل نہیں ہیں جو زبان پر ثقیل اور سننے میں ناگوار معلوم ہوں بلکہ وہ نہایت سہل اور آسان ہیں اور بوقت سمع کانوں کو لذت دینے والے شیریں اور موافق طبع ہیں اور کدورت سے بالکل صاف ہیں۔

وَفِي يُسْرِهَا التَّيْسِيرُ رُمْتُ اخْتِصَارَهُ
فَأَجْنَتْ بِعَوْنِ اللهِ مِنْهُ مُؤَمَّلَا

ش: قولہ: فی یسرھا ترکیب میں التیسیر مبتدا کی خبر ہے یا۔ **قولہ**: رمت خبر ہے اور فی یسرھا یا تو رمت یا تو اختصارہ کے متعلق ہے اور یسرھا میں مصدر کی اضافت یا تو مفعول کی طرف ہے ای فی تیسیر اللہ ایاھا یعنی فیما یُسّرھا اللہ یا فاعل کی طرف ہے ای فی قلۃ حجمھا وسھولتہ نظمھا اور۔ **قولہ**: فاجنت یا تو معنی میں ادرک جناہا ثمرہا کے ہے یا کثر کے ہے اور یہاں یہی اخیر معنی مراد ہیں اور قولہ منہُ کی ضمیر کا مرجع اسم اللہ یا تیسیر ہے اور۔ **قولہ**: مؤملا مطلوبًا اس سے حال ہے۔

ترجمہ: اور اس (قصیدہ) کے آسان کرنے میں (کتاب) تیسیر ہے جس کے اختصار کا میں نے ارادہ کیا ہے پس یہ (قصیدہ) حق تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مدد کے سبب اس (کتاب تیسیر) سے زیادہ پھل لے آیا درانحالیکہ یہی (کتاب تیسیر) مطلوب (اور اسی کے اختصار کی امید کی گئی) تھی۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ یہ قصیدہ کوئی مستقل اور علیحدہ کتاب نہیں ہے بلکہ اس کے آسان بنانے میں علامہ ابوعمرو عثمان بن سعیدؒ قرطبی دانی کی مشہور کتاب تیسیر ہے جو قراءۃ سبعہ میں ہے میں نے اسی کے اختصار کا ارادہ کیا تھا۔ اور یہ چاہا تھا کہ اس کے تمام مضامین کو مختصر طور پر چند اشعار میں بیان کردوں لیکن حق تعالیٰ کی توفیق اور اس کی عنایت سے اختصار کے باوجود اس میں تیسیر سے زیادہ مضامین بیان ہوگئے حالانکہ مطلوب ومقصود صرف تیسیر کا اختصار تھا اور یہی امید کی گئی تھی کہ یہ کتاب مختصر طریقہ پر نظم ہوجائے۔

وَأَلْفَافُهَا زَادَتْ بِنَشْرِ فَوَائِدٍ
فَلَفَّتْ حَيَاءً وَجْهَهَا اَنْ تُفَضَّلَا

ش: **قوله**: والفافها الفاف جمع ہے لف کی کا لاضداد جمع ضد الاشجار الملتفة لكثرتها ومنه قوله تعالیٰ ﴿وَجَنَّاتٍ اَلْفَافًا﴾ ای ذوات الفاف ترکیب میں مبتدا اور ضمیر ھا کا مرجع قصیدہ ہے اور الفاف کو فاجنت کے بعد لانا استعارۃ ترشیحیہ ہے اور اس جگہ اس کا لانا بہت مناسب اور بہتر ہے کیونکہ اس میں معانی اور ابیات لپٹے ہوئے ہیں پس گویا کہ ہر شعر بوجہ تعلق اپنے ماقبل ومابعد سے لپٹ رہا ہے اور۔ **قوله**: زادت مبتدا کی خبر ہے اور **قوله**: بنشر فوائدٍ اس کے متعلق ہے ای زادت علی التسییر بسببه یا بواسطہ باء اس کا مفعول ہے اور۔ **قوله**: فَلَفَّتْ ای سترت اور **قوله**: وجهها ای محاسنها اس کا مفعول ہے اور **قوله**: حیاءً مفعول لہٗ ہے یا حال ہے ای مستحیةً اور **قوله**: ان تفضلا بصیغة المجهول یا توبتقدیر من ترکیب میں حیاءً کا معمول ہے یا لفت کا ہے ای خشیةً ان تفضّلا اور اس کا الف اطلاق کے لیے ہے۔

ترجمہ: اور اس قصیدہ کے مسائل بسبب نشر فوائد (کتاب تیسیر سے) زیادہ ہوگئے ہیں پس اس قصیدہ نے اپنے چہرہ کو (یعنی خوبیوں کو) حیاء کیوجہ سے چھپالیا اس خوف سے کہ یہ (قصیدہ کتاب تیسیر پر) فضیلت دیا جائے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ اس قصیدہ میں کچھ مسائل تیسیر سے زیادہ بیان ہوگئے ہیں جیسے مخارج الحروف اور صفات کا بیان اور بعض وجوہ کی زیادتی وغیرہ اس لیے قصیدہ نے شرم کی وجہ سے اپنا چہرہ چھپالیا اور اپنی خوبیوں اور اچھائیوں پر رموز کا پردہ ڈال لیا اور اس خوف سے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ مجھے تیسیر پر فضیلت دی

جائے اور میری تعریف کی جائے یا یوں کہو کہ خود ناظمؒ نے شرم کی وجہ سے یہ خیال کرتے ہوئے کہ کہیں میرا قصیدہ کتاب تیسیر پر فضیلت نہ دیا جائے اور لوگ اس کی تعریف نہ کرنے لگیں اپنے چہرے کو چھپالیا جیسا کہ چھوٹا بڑے سے اور مرید شیخ سے اور شاگرد استاذ سے اپنا منہ چھپالیتا ہے اگر چہ وہ لائق وفائق کیوں نہ ہو اور یہ انتہادرجہ کا ادب ہے جو آج کل معدوم ہے۔

وَسَمَّيْتُهَا حِـرْزَ الْأَمَانِيْ تَيَمُّنًا
وَوَجْـهَ التَّهَانِي فَاهْنِـهِ مُتَقَبِّلَا

ش: قوله: حرز الاماني ما يحفظ ما يودع فيه يعني حرز بالكسر اس کو کہتے ہیں کہ جس کے ساتھ کسی شی کی حفاظت کی جائے اور اس میں دوسری شی ودیعت وامانت رکھی جائے اور **الاماني جمع امنية** کی ہے جس کے معنی خواہش اور تمنا کے ہیں اور۔ **قوله**: التهاني جمع **تهنية** کی ہے جس کے معنی ما يتلذذبه کے ہیں یعنی وہ شی جس سے لذت حاصل کی جائے اور الاماني میں یاء کی تخفیف اور التهاني میں ہمزہ کا یاء سے ابدال بناء برازدواج کے ہے مثل عشايا وغدايا کے اور۔ **قوله: تيمنا اى تبركا** مفعول لہ ہے اور **قوله**: فاهنه خلاف قياس هناه بالالف سے امر کا صیغہ ہے **اى خذها ببشاشة** اور **قوله**: **متقبلا** ترکیب میں فاعل یا مفعول سے حال ہے، واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور میں نے اپنے اس قصیدہ کا نام تبرکاً حرز الاماني ووجه **التهاني** رکھا ہے پس تم اس (منظوم) کو خوشی سے لودرانحالیکہ تم قبول کرنے والے ہو!

مطلب: فرماتے ہیں کہ میں نے برکت حاصل کرنے کی وجہ سے اس کا نام **حرز الاماني ووجه التهاني** رکھا ہے اس لیے کہ اسمیں اسی فن کے طلبہ کی امیدیں محفوظ ہیں اور ان کے لیے لذتیں حاصل کرنے کے اسباب مندرج ہیں پس تم اس کو خوش ہو کر لو اور اس کی طرف پوری طرح متوجہ ہو جاؤ اور اس پر اعتماد کرتے ہوئے اس کو قبول کرلو

وَنَادَيْتُ اَللّٰهُمَّ يَا خَيْرَ سَامِعٍ
أَعِذْنِي مِنَ التَّسْمِيْعِ قَوْلًا وَمِفْعَلَا

ش: قوله: **اللهم** اصل میں یا اللہ ہے حرف ندا کے عوض میں میم مشدد آخر میں لایا گیا ہے اور تکرار ندا ودعاء کے مقبول ہونے کی بناء پر اظہار حرص کے لیے ہے اور۔ **قوله**: اعذني معنی میں اجرني واعصمني کے ہے اور تسميع کے معنی یہ ہیں کہ کسی کام کو دوسروں کے سنانے یا شہرت حاصل کرنے کی

غرض سے کرنا اسی کے مثل یا بھی ہے کہ جو دوسروں کو دکھانے کی وجہ سے کوئی کام کیا جاتا ہے تاکہ وہ اسکی تعریف کریں اور اس کو اچھا کہیں یہ دونوں باتیں مذموم اور بہت بری ہے حق تعالیٰ ہم سب کو اس سے محفوظ رکھے آمین! اور۔ **قولہ**: قولا ومفعلا دونوں بناء پر تمیز منصوب ہیں یا اعذنی کی یاء سے حال کی جگہ واقع ہیں ای قائلاً وفاعلاً یا یہ دونوں بنزع الخافض منصوب ہیں ای فیھما وبھما پس اس صورت میں ان دونوں کا عامل تسمیع ہوگا یا یہ کہ دونوں متکلم کی یاء سے بدل ہیں ای اعذ قولی وفعلی واللہ اعلم

ترجمہ: اور میں نے دعاء کی کہ اے اللہ اور اے بہتر سننے والے بچا تو مجھ کو (جملہ اعمال میں ان کے سنانے (اور شہرت دینے کی غرض) سے باعتبار قول کے بھی اور فعل کے بھی!

مطلب: ناظمؒ نے اپنی نظم کے متعلق اوپر کچھ تعریفی الفاظ کہہ دیئے تھے اور اس قصیدہ کے کچھ اوصاف اور خوبیاں بیان کی تھیں اس لیے ان کو ڈر ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس میں ریاکاری اور دوسروں کو سنانے کی غرض پائی جائے لہٰذا حق تعالیٰ سے دعاء کی کہ اے اللہ تو مجھ کو پناہ دے اور مجھے ہمیشہ ہر ایسے عمل سے خواہ وہ قولاً ہو یا فعلاً بچا کہ جو دوسروں کو سنانے اور دکھلانے کی غرض سے کیا جائے اس میں اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جس کو احمد و مسلم نے حضرت ابن عباسؓ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

﴿مَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰہُ بِہٖ وَمَن رَاءَ رَاءَ اللّٰہُ بِہٖ﴾ یعنی جس نے کوئی عمل سنانے اور دکھلانے کی غرض سے کیا تو حق تعالیٰ بھی اس کے عیب کو دوسروں کو سنائے گا اور دکھلائے گا، اللّٰھم احفظنا!

اِلَیْکَ یَدِی مِنْکَ الْاَیَادِی تَمُدُّھَا
اَجِرْنِی فَلَا اَجْرِی بِجَوْرٍ فَاَخْطَلَا

ش: قولہ: یدی مبتدا اور **قولہ**: الیک اس کی خبر ہے ای ممدودۃ الیک بایدی مبتدا اول اور **قولہ**: الایادی جمع ایدٍ جمع ید بمعنی النعمۃ مبتدا ثانی اور **قولہ**: تمدھا اس کی خبر ہے پھر جملہ مبتدا اول کی خبر ہے اور۔ **قولہ**: منک حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے ای حاصلۃً منک اور الیک متعلق تمدھا کے ہے اور تمدھا کی ضمیر مستکن کا مرجع الایادی ہے اور بارز کا ید ہے اور **قولہ**: اجرنی بمعنی اعذنی اور **قولہ**: فلا اجری میں فاء جواب دعاء اور اس کی یاء جو ساکن ہے وہ بتقدیر فانا لا اجری کے ہے اور۔ **قولہ**: بجورٍ ای بمیلٍ اس کے متعلق ہے اور **قولہ**: فاخطلا بناء بر جواب نفی منصوب بان مقدرہ ہے اور خطل بالکسر کے معنی کلام فاسد کے ہیں!

ترجمہ: میرے ہاتھ تیری طرف (اٹھے ہوئے) ہیں تیری جانب سے حاصل ہونیوالی نعمتوں نے ان

ہاتھوں کو اٹھوایا ہے بچا تو مجھ کو تا کہ میں حق بات سے نہ پھر جاؤں ورنہ پھر میں کلام فاسد میں پڑ جاؤنگا اور مجھ سے لغو اور بیہودہ کلام صادر ہونے لگے گا۔

مطلب: ناظمؒ نے جب بامید اجابت دعاء کے لیے ہاتھ اٹھائے تو اپنے قصور اور گناہ کا اعتراف کرتے ہوئے فرمایا کہ اے اللہ میری اتنی جرأت اور ہمت نہیں ہے کہ میں تیری طرف دعاء کے لیے ہاتھ اٹھاؤں لیکن تیری جانب سے جو نعمتیں مجھ کو ہر وقت حاصل ہوتی رہتی ہیں انھوں نے میرے ہاتھوں کو دعاء کے مقبول ہونے کی امید پر طلب مسئول میں اٹھوایا ہے پس اے اللہ تو میری مدد کر اور مجھ کو لغزشوں سے محفوظ رکھ اور خطاؤں سے بچانا تا کہ میں آئندہ سیدھے راستے اور حق بات کے کہنے سے نہ پھر جاؤں ورنہ پھر مجھ سے غلطیاں اور خطائیں سرزد ہونے لگیں گی اور میں بے کار اور فضول کلام میں پڑ جاؤنگا۔!

أَمِيـــنَ وَأَمْنًا لِّلأَمِيْنِ بِسِـرِّهَـــا
وَإِنْ عَثَرَتْ فَهْـــوَ الْأَمُوْنُ تَحَمُّلَا

ش: قوله: امین اسم فعل بمعنی استجب ای اللّٰھم استجب اور اس میں دو لغت ہیں ایک ہمزہ کا قصر اور یہ اصل ہے دوسرا ہمزہ کا مد اور یہ افصح ہے اور اس کا آخر مبنی علی الفتح ہے اور۔ **قوله**: امنا ترکیب میں فعل مقدر (ھب) کا مفعول ہے جو کہ امین کے معنی استجب کا معطوف ہے اور۔ **قوله**: بِسِرِّھا ای بخالصھا وما فیھا مِن الفوائد اور اس سے مراد وہی لباب المعانی ہے کہ جس کا ذکر اوپر گذر چکا ہے اور سر النسب الخالص اور افضل النسب کو اور سِرّ الوادی اس کی افضل جگہ کو کہتے ہیں اور۔ **قوله**: وان عثرت ای وان زلت کی اسناد قصیدہ کی طرف مجازاً ہے اصل مراد اس سے صاحب قصیدہ یعنی ناظم ہے اور۔ **قوله**: فھو الامون جملہ اسمیہ اور اس میں فاء جواب شرط ہے اور ضمیر ہو کا مرجع امین ہے اور اَمون اس قوی اونٹنی کو کہتے ہیں جو ضعف سے مامون اور جس کے اعضاء نہایت مضبوط اور قوی ہوں اور۔ **قوله**: تحملا تمیز ہے نحو ھو حاتم جوداً!

ترجمه: اے اللہ میری دعاء قبول فرمالے اور امن عطا فرما اس قصیدے کے خالص معانی کے امین کے لیے اور اگر یہ (قصیدہ) یعنی ناظم لغزش کر جائے تو وہ (امین) باعتبار تحمل اور برداشت کے قوی اونٹنی کے مانند ہے۔

مطلب: ناظمؒ نے اولاً اپنی دعاء کے قبول ہونے پر آمین کہا اور پھر یہ دعاء کی کہ اے میرے اللہ تو اس اس شخص کو بھی امن عطا فرما کہ جو اس قصیدہ کے خالص معانی کا امین ہو یعنی اس کے جملہ مضامین اور فوائد کو صحیح طریقہ پر سمجھتے ہوئے اہل کے سامنے پیش کرنے والا اور نا اہل سے گریز کرنے والا ہو اور اگر اس قصیدہ میں

کہیں ناظمؒ سے غلطی اور لغزش ہوگئی ہو خواہ سہواً یا عمداً تو وہ امین تحمل اور برداشت کرنے میں اس قوی اونٹنی کی طرح ہو کہ جس کی لغزشیں اور خطائیں دیکھتے ہیں اور اس کے لیے زیادتی بوجھ یا تھک جانے یا راستہ کی خرابی وغیرہ کے باعث عذرات اور بہانے پیش کرتے ہیں اور اس کو کچھ نہیں کہتے اسی طرح تم بھی میرے ساتھ پیش آنا اور مجھ پر جلدی سے بلا سوچے سمجھے اعتراض وغیرہ نہ کر بیٹھنا اور نہ برا بھلا کہنا بلکہ جہاں تک ہو سکے اس کو برداشت کرنا اور اس پر صبر کرنا۔!

أَقُوْلُ لِحُـرٍّ وَالْمُرُوْئَةُ مَـرْؤُ هَا

لِإِخْوَتِـهِ الْمِرْآةُ ذُوالنُّوْرِ مِكْحَلَا

ش: قوله: اقول اس کا مقولہ اخی الخ ہے جو اگلے بیت میں ہے اور۔ **قوله**: المروء ۃ الخ جملہ معترضہ ہے جو بطور خیر خواہی اور نصیحت کے بیان کیا گیا ہے اور **قوله**: لحرّ سے یہاں مراد وہی ہے جس کا بیان اوپر۔ **قوله**: ھو الحران کان الخ میں گذر چکا ہے اور المروء ۃ ای کمال رجلیت مشتق ہے، المرء سے کالانسانیة من الانسان ترکیب میں مبتدا اول ہے اور۔ **قوله**: مرء ھا بمعنی صاحبھا ورجلھا الذی تقوم المروء ۃ یہ مبتدا ثانی ہے اور۔ **قوله**: المرآۃ اس کی خبر پھر جملہ مبتدا اول کی خبر ہے اور۔ **قوله**: لاخوته متعلق مضاف محذوف کے ہے تقدیرہ نفع مرء ھا لا خوته کنفع المرئاۃ لھم اور۔ **قوله**: قوله ذوالنور الشئ المنور صیقل کے اعتبار سے مرأۃ کی صفت یا خبر بعد خبر ہے اور۔ **قوله**: مکحلا تمیز ہے نحو زیدٌ ذوالحسن وجھاً یا مرء ھا سے حال ہے اور اس میں عامل وہی مضاف نفعھا محذوف ہے جو اوپر گذرا ہے، واللہ اعلم!

ترجمہ: میں کہتا ہوں اس شخص سے جو دنیاوی اور نفسانی خواہشات سے) آزاد ہے اور شرافت (انسانیت) اس کے انسان کی اپنے بھائی کے لیے آئینۂ ذوالنور ہے اس حال میں کہ وہ سلائی کے مشابہ ہے۔

مطلب: یہاں سے ناظمؒ بطور نصیحت کے فرماتے ہیں کہ میں اس شخص سے کہتا ہوں کہ جو آزاد ہے اور دنیاوی ونفسانی خواہشات کا غلام نہیں ہے کہ آدمی کی شرافت اور کمال انسانیت جو ہے وہ بھی اپنے بھائی کو نفع پہونچانے میں بمنزلہ صاف اور روشن آئینہ کے ہے جو انسان عیوب کو اس پر ظاہر کر کے ان کی اصلاح کرتا ہے جیسا کہ سلائی کہ جس سے آنکھ میں دوا وغیرہ ڈالی جاتی ہے اور اس کے ذریعہ بیمار اور دکھتی ہوئی آنکھ اچھی اور ٹھیک ہو جاتی ہے اس طرح انسان کی شرافت اور اس کی کمال انسانیت یہ ہے کہ وہ بھی اپنے بھائی کے عیوب کو اس پر ظاہر کر کے اس کی اصلاح کرے اور دوسروں پر اس کے عیوب کو ظاہر نہ کرے تاکہ وہ ان کے

سامنے رسوانہ ہو جیسا کہ آئینہ کا خاصہ ہے کہ وہ عیب کو عیب دار پر تو ظاہر کر دیتا ہے لیکن دوسروں سے نہیں کہتا اس بیت میں اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جس کو ابوداود نے حضرت ابو ہریرہؓ سے اور انہوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے: ﴿المؤمن مراۃ المؤمن﴾ وروی الترمذی عن ابی هریرةؓ مرفوعًا ﴿ان احد کم مراة اخیه فاذا رای اذیً فَالیمطهٔ عنه﴾ یعنی تم میں سے ہر ایک اپنے بھائی کا آئینہ ہے پس جب تم اس میں کوئی خرابی دیکھو تو اس کو اس سے دور کر دو۔!

أَخِي أَيُّهَا الْمُجْتَازُ نَظْمِيَ بِبَابِهٖ
يُنَادٰى عَلَيْهِ كَاسِدُالسُّوْقِ أَجْمِلَا

ش: قوله: اخی منادی مضاف اور حرف ندا محذوف ہے ای یَا اَخِیُ اور۔ **قوله**: اَیُّھا اس سے بدل ہے اور **قوله**: ینادیٰ ترکیب میں نظمی سے حال ہے اور۔ **قوله**: علیه مشتبهاً اور مقصوداً اس کا نائب فاعل ہے اور۔ **قوله**: کاسد السوّق ترکیب میں علیہ کی ضمیر سے حال ہے اور۔ **قوله**: اجملا جواب ندا اور اس کا الف بوجہ وقف نون خفیفہ سے بدلا ہوا ہے کقوله تعالیٰ ﴿وَلَيَكُوْنًا﴾ یا مراد اس سے اجمل اجمل ہے اس صورت میں اس کا الف تثنیہ کا ہے جو تکرار کے لیے ہے کما فی قوله تعالیٰ ﴿اَلْقِیَافِیْ جَهَنَّمَ﴾ (قاری)

ترجمه: اے میرے (دینی) بھائی اے وہ شخص کہ گذر رہی ہو میری نظم اس کے دروازہ سے (یعنی اس کے حضور میں) اس حال میں کہ آواز لگائی جارہی ہو اس پر درانحالیکہ وہ کھوٹ بازاری ہے (یعنی بازار کی ناروائی اور بے قدری اور کھوٹی شی ہے جس کو کوئی پوچھنے والا اور اس کی طرف توجہ کرنے والا نہیں ہے) تم (ایسی حالت میں اس کو) جمال دو یعنی اس میں جو خوبیاں اور اچھائیاں ہیں وہ سب کے سامنے بیان کرو اور اس کو شوق اور توجہ سے پڑھو اور پڑھاؤ!

مطلب: ناظمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے جو اوپر اقول الحر کہا تھا تو میں ان سے جو نفسانی خواہشات کے تابع نہیں ہے بلکہ آزاد ہیں اور ان میں انسانیت اور شرافت ہے یہ کہنا چاہتا ہوں کہ اے میرے بھائیو جب یہ میرا قصیدہ تمہارے پاس ایسی حالت میں گذرے کہ لوگ اس سے اعراض کرتے ہوں اور اس کی طرف التفات اور توجہ نہ کرتے ہوں اور اس کو بے قدری کی نگاہوں سے دیکھتے ہوں تو تم ایسی حالت میں اس کے محاسن اور خوبیاں ظاہر کرو اور اس کے بارے میں اچھی اچھی باتیں کہو، اور اس کی طرف سے غفلت اور لاپرواہی اختیار نہ کرو بلکہ خود بھی اس کو شوق سے پڑھنے کی طرف توجہ کرو اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دلاؤ ناظمؒ نے یہ بات تو اضعاً

کہی ہے ورنہ ان کا یہ قصیدہ بڑا مفید، بے حد مقبول ہے اور بہت زیادہ مشہور و معروف ہے۔

وَظُنَّ بِهٖ خَيْرًا وَسَامِحْ نَسِيْجَهٗ
بِالْاِغْضَاءِ وَالْحُسْنٰى وَاِنْ كَانَ هَلْهَلَا

ش: قوله: وظن به اور **قوله**: سامح ان دونوں کا عطف اجمل پر ہے اور بہ کی ضمیر نظم کی طرف راجع ہے یا اس کا مرجع ناظم ہے اور یہی زیادہ مناسب ہے اور سامح کے معنی ساہل کے ہیں اور **قوله**: نسیج یا تو معنی میں ناسج کے ہے یا منسوج کے اور یہی اخیر والے معنی اولی ہے اور۔ **قوله**: الحسنی ترکیب میں الکمة یا الخصلة یا الطریقة محذوف کی صفت ہے۔

ترجمہ: اور گمان کرو تم اس (ناظم) کے ساتھ اچھا اور بہترین اور مساہلت کرو تم اس کے بنے ہوئے کپڑے (منظوم) کی چشم پوشی اور اچھے طریقے کے ساتھ اگر چہ (منسوج منظوم) بنائی کے اعتبار سے کمزور ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ تم میری نظم یا میرے ساتھ حسن ظن رکھو اور میری اس منظوم سے جو ایک کلمہ کو دوسرے کلمہ کی طرف ملائے جانے کیوجہ سے بنے ہوئے کپڑے کے مانند ہے، قطع نظر اس کے کہ اس میں کوئی عیب ہے یا نہیں، بالکل انجان بن کر اچھی عادت و خصلت اور چشم پوشی کے ساتھ سہل انگاری کرو اگر چہ یہ میری نظم بسبب رکیک الفاظ اور معنی کے جھر جھرے اور کمزور کپڑے کی طرح عیب دار ہے مگر پھر بھی اس سے درگذر کرتے ہوئے اس کے ساتھ اچھا ہی معاملہ کرو۔

وَسَلِّمْ لِاِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ اِصَابَةٌ
وَالْاُخْرٰى اجْتِهَادٌ رَامَ صَوْبًا فَاَمْحَلَا

ش: قوله: وسلم اس کا عطف ظنّ پر ہے اور **قوله**: اصابة میں تینوں اعراب صحیح ہیں لیکن روایۃً رفع ہے اور **قوله**: رام بمعنی طلب اور الصواب معنی میں نزول المطر کے ہے اور۔ **قوله**: فامحلا بالف الاطلاق کے معنی وقع فی المحل کے ہیں اور محل اس کا یہ ہے کہ جب بارش منقطع اور زمین خشک ہو جائے۔!

ترجمہ: اور تم (ناظم کو) سلامت رکھو (یعنی طعن سے) بسبب دو خوبیوں میں سے ایک خوبی کے (جن میں سے) ایک درستی کو پہونچ جانا، اور دوسرے ایسی کوشش کرنا ہے کہ جیسے کسی نے طلب کیا بارش کو پس وہ اپنے محل میں واقع ہو (اور اس کی طلب پر نہ ہو)

مطلب: فرماتے ہیں کہ تم مجھ پر لعن طعن مت کرو بلکہ مجھ کو یا خود کو اس سے محفوظ رکھو کیونکہ مجھ کو دو خوبیوں میں سے ایک خوبی ضرور حاصل ہے جن میں سے ایک تو اصابةٌ ای الصواب اور دوسرا اجتہاد اور کوشش کرنا

ہے۔ پس اگر میں صواب اور درستی کو پہنچ گیا اور صحیح مضامین جیسا کہ میں بیان کرنا چاہتا ہوں بیان ہو گئے تو اس وقت مجھے دو اجر ملیں گے ایک تو صحیح اور درست بیان کرنے کا اور دوسرا کوشش کرنے کا اور اگر مجھ سے کہیں غلطی ہو گئی اور صحیح و درست بیان نہ کر سکا تو مجھے ایک اجر تو ضرور ہی ملے گا، اور وہ اجر میری کوشش اور اجتہاد کرنے کے بدلے میں ہو گا اور اس وقت میری مثال اس شخص کی سی ہو گی کہ جس نے بارش کو طلب کیا اور اس کے لیے دعائیں وغیرہ کیں لیکن وہ اس کے طلب کرنے پر نہیں ہوئی بلکہ وہ اپنے موقع پر اس وقت ہوئی جبکہ امساک باران اور زمین خشک ہو رہی ہو تو اب اس صورت میں اس کو کوئی بھی قصور وار نہیں سمجھے گا اور نہ یوں کہا جائے گا کہ اس کے طلب کرنے میں کوئی خامی اور نقص ہوا ہو گا بلکہ یہ کہا جائے گا کہ یہ امر تقدیری ہے اور یہ شخص مجبور محض ہے اسی طرح مجھ کو بھی میری غلطیوں پر سمجھنا چاہیے اور مجھ پر اعتراضات وغیرہ نہ کرنا چاہیے۔ کیونکہ میں بھی اس صورت میں مجبور محض ہوں اور میرا اس میں کوئی قصور نہیں ہے: **وقد روى الدارمي في مسنده عن واثلة بن الاسقع ﴿من طلب علما فادركه كان له كفلان من الاجر وان لم يدركه كان له كفل من الاجر﴾ وفي معناه مافي الصحيحين مَرفوعًا ﴿اذا اجتهد العالم فا صاب فله اجران اى اجر اصابته واجر اجتهاده واذا جتهد واخطأ فلهٗ اجر اى اجر اجتهاده﴾.**

وَإِنْ كَانَ خَرْقٌ فَادْرِكْهُ بِفَضْلَةٍ
مِنَ الْحِلْمِ وَلْيُصْلِحْهُ مَنْ جَادَ مِقْوَلَا

ش:قوله: خرق بفتح اولہ بمعنی عیب اور **قوله:** فادركه جواب شرط ہے اے تدارک اور۔ **قوله:** بفضلة اى زيادة معرفة او تفضيلة ترکیب میں فاعل سے حال ہے اور۔ **قوله:** من الحلم میں من تبعيضية ہے یا بیانیہ یا ابتدائیہ ہے اور۔ **قوله:** وليصلحه مجزوم بلام امر ہے اور اس کا فاعل۔ **قوله:** من جاد الخ ہے اور **قوله:** مقولا بکسر المیم تمیز ہے اى الذى حسن آلة بيانه واستقامة لسانه (قاری)

ترجمه: اور اگر (اس منظوم میں) کوئی عیب ہو تو تم اس کا تدارک کرو، زیادتی معرفت یا فضیلت والا ہونے کے ساتھ حلم سے اور چاہیے کہ اصلاح کرے اس کی وہ شخص جو زبان اور بیان کے اعتبار سے کھرا اور اچھا ہو!

مطلب: فرماتے ہیں کہ اس منظوم میں کسی جگہ کوئی عیب معلوم ہو تو اس کو اپنی زیادتی معرفت اور فضیلت حلم و بردباری کے ساتھ درست کر دو لیکن بہتر اور مناسب یہ ہے کہ اس کی اصلاح وہ شخص کرے جو فصیح اللسان اور جید البیان ہو یعنی جو ان لغات اور قواعد عربیہ سے جن کا تعلق الفاظ سے اور ان معانی سے ہے کہ جو روایت قرآنیہ کہ

اصول کی تحقیق پر موقوف ہیں بخوبی واقف ہو کیونکہ ایسے شخص کے بغیر اس کی غلطیوں کا ازالہ ناممکن ہے!

وَقُلْ صَادِقًا لَوْلَا الْوِئَامُ وَرُوْحُهُ
لَطَاحَ الْأَنَامُ الْكُلُّ فِي الْخُلْفِ وَالْقِلَا

ش: قوله: صادقا حال ہے یا مصدر محذوف قولاً کی صفت ہے اور۔ **قوله**: لولا یہ ایک حرف ہے جو امتناع الشئ لوجود غیرہ کے لیے آتا ہے یعنی لولا الوئام لهلک الانام ای لولا موافقة الناس بعضهم بعضا فی المصاحبة والمعاشرة لكانت الهلاكة اور۔ **قوله**: روحه ای روح الوئام یعنی حیاته اور روح موافقت وہ ہے جو سبب حیات ہے اور جس پر راحت مرتب ہوتی ہے اور نیز روح اس کو بھی کہتے ہیں جس سے زندگی حاصل ہوتی ہے کقوله تعالیٰ: ﴿يُنَزِّلُ الْمَلَآئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ﴾ کہ یہاں روح سے مراد وحی ہے کیونکہ اس سے مردہ دلوں کو زندگی نصیب ہوتی ہے ترکیب میں یہ معطوف ہے من باب اعجبنی زید واکرمه۔ اور۔ **قوله**: لطاح ای لهلک جواب لولا اور۔ **قوله**: الانام انسان کو یا انسان اور جن دونوں کو یا ہر جاندار شئی کو کہتے ہیں اور۔ **قوله**: فی الخلف ای فی الاختلاف اور قوله والقلا کے معنی بغض کے ہیں اور ان حرفوں کو مجازاً ظرف کہا ہے ای وقعوا فیهما یا فی معنیٰ میں باء کے ہے ای هلكوا بهما والله اعلم.

ترجمہ: اور کہو تم سچی بات کہ اگر موافقت اور اس کی حقیقت نہ ہوتی تو بیشک تمام آدمی اختلاف اور بغض کے سبب سے ہلاک ہو جاتے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ تم لوگوں سے یہ سچی بات کہہ دو اور ان کو سنا دو کہ اگر آپس کی صحبت اور معاشرت میں ایک دوسرے سے موافقت اور اتفاق نہ ہوتا تو سب کے سب اختلاف اور بغض میں مبتلا ہو کر ہلاک ہو جاتے پس اس سے معلوم ہوا کہ موافقت اور آپس میں اتفاق سے رہنا ہی ایک ایسی چیز ہے جس سے زندگی اور راحت حاصل ہوتی ہے بخلاف مخالفت کے کہ انسان اس کے سبب سے تباہ اور برباد ہو جاتا ہے اور آخر کار یہی اس کے لیے ہلاکت کا سبب بن جاتی ہے، لہٰذا جہاں تک ممکن ہو سکے اس سے بچنا چاہیے حق تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا﴾ وفی البخاري عن النبی ﷺ: ﴿لا تختلفوا فتختلف قلوبكم﴾ وفی الصحيحين ﴿لا تحاسدوا ولا تباغضوا ولا تدابروا وكونوا عباد الله اخوانا﴾.

ف: ناظمؒ نے اس بیت میں جو ایک مشہور مثل بیان فرمائی ہے مقصود اس سے اور اس کے مابعد سے بطور خیر

خواہی و بھلائی کے طلبہ کو ہدایت اور سالکین کی اصلاح کرنا ہے۔ عملاً بقولہٖ علیہ الصلوٰۃ والسلام ﴿الا ان الدین النصیحۃ﴾ اس لیے نہیں کہ لوگ مجھ پر اعتراضات کریں گے اور مجھ کو برا بھلا کہیں گے اور جو اصطلاحات بیان کی ہیں ان میں بجائے میری موافقت کے مخالفت کریں گے جس کے وجہ سے وہ بسا اوقات میری غیبت میں مبتلا ہو جائیں گے۔

وَعِشْ سَالِمًا صَدْرًا وَعَنْ غِيبَةٍ فَغِبْ
تُحَضَّرْ حِظَارَ الْقُدْسِ أَنْقٰى مُغَسَّلَا

ش: قولہ: سَالِمًا حال اور **قولہ**: صدرًا تمیز ہے ای خالص الصدر عن الغش والغدر اور۔ **قولہ**: فغب غیبۃً بالفتح سے امر ہے اور **قولہ**: عن غیبۃٍ بالکسر اس کے متعلق ہے اور غیبت اس کو کہتے ہیں کہ کسی انسان کا اس کی عدم موجودگی میں ایسی شی کے ساتھ ذکر کرنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو بُرا معلوم ہو کما روی ابو داؤد وعن ابی ھریرۃؓ مرفوعًا ﴿ذکرک اخاک بما یکرہ﴾ اور **قولہ**: تحضّر بصیغہ مجہول حضور سے ہے جو غیب کی ضد ہے اور۔ **قولہ**: حظار القدس اس کا مفعول ثانی ہے یا اس سے پہلے حرف جر محذوف ہے ای فی حظار القدس اور حظار کے معنی حظیرہ کے ہیں اور حظیرہ اس مکان کو کہتے ہیں جو اونٹوں کے لیے لکڑیوں سے بنا لیا جاتا ہے تاکہ وہ سردی اور ہوا سے محفوظ رہ سکیں اور القدس کے معنی پاکی کے ہیں پس حظار القدس کے معنیٰ پاک مکان کے ہو گئے اور وہ جنت ہے اور بعض نے کہا ہے کہ حظار القدس آسمان میں ایک مقام ہے جہاں مؤمنوں کی روحیں رہتی ہیں اور قولہ النقی مغسّلا دونوں حال ہیں۔

ترجمہ: اور زندگی بسر کرو اس حال میں کہ تم باعتبار سینہ کے خالص ہو (یعنی اس میں بغض و کینہ اور حسد وغیرہ بالکل نہ ہو) اور غیبت سے بچو حاضر کئے جاؤ گے جنّت میں پاک وصاف ہو کر!

مطلب: فرماتے ہیں کہ تم اپنی زندگی اس طرح پر گذارو کہ تمہارا سینہ بغض وحسد اور کینہ وغیرہ سے بالکل پاک وصاف ہو اور لوگوں کی غیبت کرنے اور سننے سے اپنے کو بچاؤ پس اگر تم نے ایسا کیا تو حق تعالیٰ تم کو گناہوں سے پاک وصاف کر کے جنت میں داخل کرے گا۔

ف: ناظمؒ نے جو یہاں خصوصیت سے غیبت کو علیحدہ بیان فرمایا ہے اور اس سے بچنے کی تاکید فرمائی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ آجکل اس کا غلبہ زیادہ ہو گیا ہے عوام وخواص سبھی اس میں مبتلا ہیں، کوئی زیادہ اور کوئی کم بالخصوص قاریوں میں تو یہ مرض وباء کی طرح پھیلا ہوا ہے چنانچہ بشر ابن الحارث فرماتے ہیں۔ ﴿ھلکت القراء بالغیبۃ والعجب وقیل الغیبۃ فاکھۃ القراء وفی الحدیث الغیبۃ اَشدُّ من الزنا﴾ لہٰذا اس سے بچنا نہایت ہی

ضروری ہے خلاصہ یہ ہے کہ جس شخص نے اپنے ظاہر اور باطن دونوں کی حفاظت اور ان کو درست کر لیا وہ ضرور جنت میں داخل ہوگا اور اس کو حق تعالیٰ پوری پوری جزاء عطا فرمائیں گے۔

وَھٰذَا زَمَانُ الصَّبْرِ مَنْ لَّکَ بِالَّتِیْ
کَقَبْضٍ عَلٰی جَمْرٍ فَتَنْجُوْا مِنَ الْبَلَا

ش: قوله: وھٰذا الخ اشارة الیٰ زمانٍ مع عظمة شانہٖ مبتدا اور۔ **قوله**: زمان الصبر اس کی خبر ہے اور **قوله**: من لک میں من استفهامیه تعجبیه یا انکاریه ہے اور یہ ترکیب میں مبتدا اور لک جو یسمح مقدر کے متعلق ہے اس کی خبر ہے اور۔ **قوله**: بالتی ای بالخصلة او الحالة بھی اسی یسمیح مقدر کے متعلق ہے اور صدر صلہ محذوف ہے ای ہی کقبض اور۔ **قوله**: علیٰ جمرٍ متعلق بالمصدر اور **قوله**: فتنجوا کی فاء جواب استفہام اور رفع بتقدیر فانت تنجو کے ہے اور **قوله**: البلا دممدود وقصر وقفًا کے معنیٰ الاختیار بالمخته والنعمة کے ہیں۔ قال الله تعالیٰ ﴿وَنَبْلُوْکُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَةً﴾ وَالْمُرَاد به اغلب استعماله من المحنه.

ترجمہ: اور یہ (ہمارا زمانہ) صبر کا زمانہ ہے کون ہے تیرے لیے جو مساحت کرے گا ایسی حالت میں کہ وہ مثل قبض علیٰ جمر کے ہے (یعنی چنگاری کو ہاتھ میں پکڑنے کے مانند ہے) تاکہ تو اس بلا (امتحانِ خداوندی سے نجات پاسکے (اور عذاب آخرت سے محفوظ رہ سکے!

مطلب: فرماتے ہیں کہ ہمارا زمانہ ایسا زمانہ ہے جس میں لوگوں کی شرارتوں اور ان کے تکلیف پہنچانے پر صبر کیا جائے کیونکہ اس زمانہ میں نیتیں فاسد اور خیانتیں ظاہر ہونے لگی ہیں معروف کو چھوڑ کر المنکر پر عمل ہونے لگا ہے، حق پرست کی تذلیل کی جاتی ہے اور باطل پرست کا اکرام اور اس کے قول کو قبول کیا جاتا ہے پس ایسی حالت میں جو مثل چنگاری پکڑنے کے ہے کون ایسا ہے جو تیری مساحت کرے گا اور تیری بات سنے گا اس لیے ایسے وقت میں تکالیف برداشت کرتے ہوئے ان پر صبر کرے اور دین پر مضبوطی سے قائم رہے اس زمانے میں ایسا کرنا اتنا مشکل معلوم ہوگا جیسا کہ چنگاری کا ہاتھ میں پکڑنا دشوار ہوتا ہے لیکن پھر بھی ایسی حالت میں اپنے اندر صبر اور تحمل پیدا کرنا اور حقوق اللہ پر ثابت قدم رہنا اور اس پر مواظبت کرنا نہایت ہی ضروری ہے تاکہ تو اس امتحانِ خداوندی میں کامیابی اور عذاب آخرت سے نجات پاسکے اس میں اشارہ ہے اس حدیث کی طرف جس کو ترمذی نے روایت کیا ہے: ﴿یاتی علی الناس زمان الصابر فیه علی دینهٖ کالقابض علی الجمر﴾ اور نیز یہ ماخوذ ہے حضور ﷺ کے اس قول سے ﴿اِنَّ مِنْ وَّرَآئِکُم ایاما

الصبر فیھن مثل القبض علی الجمر للعامل فیھن مثل اجر خمسین رجلا یعملون مثل عملکم!﴾ یعنی تمہارے بعد ایسے دن آئیں گے جن میں صبر کرنا مثل چنگاری کو تھامنے کے ہوگا۔ ان دنوں میں عمل کرنے والے کو ایسے پچاس آدمیوں کے برابر اجر ملے گا جو تمہارے عمل جیسے عمل کرتے ہوں!

وَلَو أَنَّ عَينًا سَاعَدَتْ لَتَوَكَّفَتْ
سَحَائِبُهَا بِالدَّمْعِ دِيَمًا وَهُطَّلاَ

ش: **قوله**: عیناً الخ اسم اَنّ اور **قوله**: ساعدت بمعنی عاونت خبر ہے اور مفعول محذوف ہے: ای صاحبتھا اور۔ **قوله**: لتوکفت ای لبکت وسألت جواب لو اور۔ **قوله**: سحائبھا اس کا فاعل ہے اور ضمیر ھاء کی مرجع عیناً ہے اور۔ **قوله**: دیمًا وھطلا دونوں فاعل سے حال ہیں دیمًا جمع دیمة کی ہے جس کے معنیٰ ہمیشہ آہستگی کے ساتھ برسنے والی بارش کے ہیں جس کا اقل درجہ بقول بعض ایک دن اور ایک رات ہے اور ھطلا جمع ہے ھاطل کی ہے جو معنیٰ میں پے در پے اور مسلسل برسنے والی بارش کے ہے واللہ اعلم!

ترجمه: اور اگر (یہ ہوتا کہ) آنکھ (رونے میں) موافقت اور مدد کرتی تو البتہ اسکے بادل آنسو بہاتے اور روتے درانحالیکہ وہ (بادل) ہمیشہ آہستہ برسنے والی اور پے در پے تیز ہونے والی بارش کی طرح ہوتے!

مطلب: فرماتے ہیں کہ اگر ہماری آنکھیں رونے میں ہمارے موافق ہوتیں اور ہماری مدد کرتیں تو حق تعالیٰ کی عبادت اور اطاعت میں جو کوتاہیاں ہوئی ہیں اور ہو رہی ہیں اس کے رنج و غم میں دن رات کثرت سے روتی رہتیں اور کبھی آنسو منقطع نہ ہوتے اس بیت میں اشارہ اس طرف ہے کہ حق تعالیٰ کے ذکر اور اس کی یاد سے غافل نہ رہنا چاہیے اور اپنے گناہ اور قصور پر جو اطاعت خداوندی میں سرزد ہوئے ہیں نادم ہوتے ہوئے کثرت سے رونا چاہیے: کما قوله تعالیٰ ﴿فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلاً وَّلْيَبْكُوْا كَثِيْرًا﴾ وقوله علیه الصلوٰة والسّلام ﴿لیس یتحسر اهل الجنّة الاعلیٰ ساعة مرّت بهم ولم یذکر وا الله فیها﴾ (قاری) یعنی اہل جنت کسی شی پر افسوس نہیں کریں گے مگر اس ساعت پر کہ جو ان کے ساتھ ایسی گذری ہوگی جس میں انھوں نے حق تعالیٰ کی یاد اور اس کا ذکر نہ کیا ہو پس اس پر ان کو حسرت بھی ہوگی اور وہ افسوس بھی کریں گے!

وَلٰـكِنَّهَا عَنْ قَسْوَةِ الْقَلْبِ قَحْطُهَا
فَيَاضَيْعَةَ الْأَعْمَارِ تَمْشِيْ سَبَهْلَلاَ

ش: **قوله**: ولکنّها کی ضمیر کا مرجع قصہ اور **قوله**: قحطھا کی ضمیر کا مرجع عین ہے اور۔ **قوله**: فیاضیعة

الاعمار کی تقدیر فیاقوم احذ روا ضیعة الاعمار ہے اور۔ **قوله**: تمشي یا تو الاعمار سے حال ہے یا جملہ مستانفہ ہے جو ضیعة الاعمار کے لیے مفرد مؤکد ہے اور۔ **قوله**: سبهللا ہر فارغ کے لیے بولا جاتا ہے اور جاء فلان سبهللا بھی بولتے ہیں ای غیر محمود المجیٔ ای جاء وذهب فی غیر شیٔ.

ترجمه: اور لیکن قصہ یہ ہے کہ قلب کی سختی سے اس (رونے والی آنکھ) کا قحط ہے پس اے قوم عمروں کے ضائع ہونے سے پرہیز کرو درانحالیکہ وہ گذر رہی ہیں بے کار۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ ہونا تو یہی چاہئے تھا جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے کہ حق تعالیٰ کی نافرمانیوں اور اس کی اطاعت میں جو گناہ اور قصور ہم سے صادر ہوئے ہیں اس کے رنج وغم میں ہماری آنکھیں کثرت سے آنسو بہاتیں اور ہمیشہ روتی رہتیں لیکن قصہ یہ ہے کہ ہمارے قلب حق تعالیٰ کی یاد اور اس کے ذکر سے غافل رہنے کے سبب سخت ہو گئے ہیں جس کی وجہ سے آنسو نہیں نکلتے اور رونا نہیں آتا پس جب یہ بات ہے تو ہم کو چاہئے کہ ہم کثرت سے حق تعالیٰ کا ذکر کریں اور اس کی یاد سے غافل نہ رہیں اور عمروں کو فضول اور بے کار ضائع ہونے سے بچائیں اور اگر ایسا نہ کیا تو دلوں کی سختی اور غفلت اور بھی زیادہ بڑھ جائے گی اور دین سے بالکل اجنبی ہو جائیں گے۔ اس بیت میں اشارہ ہے حق تعالیٰ کے اس قول کی طرف ﴿فَوَيْلٌ لِّلْقَاسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ عَنْ ذِكْرِ اللهِ﴾ وَاِلٰی حدیث ﴿اعوذ بالله من قلب لا یخشع وعین لا تدمع وان أبعد الناس من الله القلب القاسی﴾ وفی مسند البزار عن انسؓ قال قال رسول الله ﷺ ﴿اربعة من الشقاء جمود العین وقساء القلب وطول الامل والحرص علی الدنیا﴾ وروی الترمذی فی جامعه عن ابی هریرةؓ وصححه قال قال رسول الله ﷺ ﴿لا یلج النار رجل بکیٰ من خشیة الله تعالیٰ﴾ (قاری)

بِنَفْسِیْ مَنِ اسْتَهْدَی اِلَی اللهِ وَحْدَهٗ
وَكَانَ لَهُ الْقُرْآنُ شِرْبًا وَمَغْسَلا

ش: **قوله**: بنفسی متعلق فعل محذوف کے ہے ای افدیٰ اور۔ **قوله**: من استهدیٰ میں من موصولہ یا موصوفہ ہے اور ترکیب میں اسی فعل محذوف کا مفعول ہے اور۔ **قوله**: وحده کی ضمیر کا مرجع یا اسم اللہ ہے اور یا قاری مستہدی ہے اور۔ **قوله**: شربا کے معنی حصہ اور نصیب کے ہیں اور قوله مغسلا مکان الغسل اسم ظرف یا مصدر میمی بمعنی ذا اغسل ہے۔

ترجمه: (فدا کرتا ہوں) میں اپنے نفس کو اس شخص پر جس نے حق تعالیٰ وحدہ کی طرف ہدایت طلب کی ہو

(یعنی سوائے حق تعالیٰ کی رضامندی اور خوشنودی کے اس کا اور کوئی مقصد نہ ہو اور اسی کا وہ طالب ہو یا جس نے تن تنہا حق تعالیٰ سے ہدایت طلب کی ہو) اور قرآن عزیز اس کے لیے حصّہ اور (گناہوں سے) پاک کرنے والا ہو۔!

مطلب: فرماتے ہیں کہ میں ایسے شخص پر قربان ہو جاؤں کہ جس نے محض حق تعالیٰ ہی سے نہ کہ اس کے غیر سے ہدایت طلب کی ہو اور سب کو چھوڑ کر اسی کا ہو رہا ہو اور نیز میں اپنی جان کو اس پر بھی قربان کرتا ہوں کہ جس کے لیے دنیا کی تمام چیزوں میں سے سوائے قرآن مجید کی تلاوت اور اس کے معانی میں غور کرنے اور اس پر عمل کرنے کے اور اس کے حصہ میں کوئی چیز نہ ہو اور اس کے سبب سے وہ اپنے گناہوں سے پاک صاف ہو گیا ہو۔

وَطَابَتْ عَلَيْهِ أَرْضُهُ فَتَفَتَّقَتْ
بِكُلِّ عَبِيرٍ حِينَ أَصْبَحَ مُخْضَلَا

ش: قوله: وطابت اس کا عطف استہدی پر ہے اور علیہ ارضہ کی ضمیر کا مرجع مستہدی ہے یا ارضہ کی ضمیر لفظ اللہ یا قرآن کی طرف راجع ہے اور اس میں اضافت بادنی ملابست ہے اور۔ **قوله**: فتفتقت ای انشقت الارض میں فاء تعقیبیہ ہے اور۔ **قوله**: بکل عبیرٍ اس کے متعلق ہے اور عبیر زعفران یا مرکب خوشبو کو کہتے ہیں اور۔ **قوله**: اصبح بمعنی صار اور اس کا اسم ضمیر ہے جس کا مرجع مستہدی ہے اور۔ **قوله**: مخضلا اس کی خبر ہے اور مخضل کے معنی مبتل یا مصفّٰی کے ہیں، من قولک درّۃ خضلۃ ای صافیۃ . واللہ اعلم.

ترجمہ: اور خوش ہو اس (مستہدی) پر اس کی یا اللہ کی زمین پھر وہ (زمین) پھٹ گئی ہو زعفران یا مرکب خوشبو کے ساتھ جبکہ یہ (قاری مستہدی حق تعالیٰ کی نزولِ رحمت و وصول نعمت سے) تر (اور جملہ عیوب سے پاک وصاف) ہو گیا ہو۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ جب قاری مستہدی حق تعالیٰ کی ان نعمتوں اور رحمتوں سے جو بوجہ محافظت حدود خداوندی اس کو عطا کی گئی ہیں تر و تازہ اور مالا مال ہو گیا تو اس کی یا اللہ کی زمین جس پر وہ رہتا ہے اس کو موافق آ گئی ہو اس معنیٰ کر کہ اس کو فراخدلی بسبب طاعت و صلاحیت کے حاصل ہو گئی ہو پھر اہل زمین اور وہاں کے رہنے والے اس کی تعریف و توصیف جو زعفران یا دیگر خوشبوئے مرکب کے مشابہ ہے بیان کرنے لگے ہوں یا یہ کہ جب وہ تلاوت اور قرآن پر عمل کرنے کی وجہ سے جملہ عیوب اور نجاستوں کی گندگیوں سے پاک وصاف ہو گیا تو زمین جس پر یہ رہتا ہے اس کی طاعت کی برکت اور عبادات و فرائض پر قائم رہنے کی وجہ سے سرسبز وار شاداب ہو گئی ہو اور پھر پھٹ کر اپنے طول و عرض میں پھیل گئی ہو اور خیر و برکت میں بڑھ گئی ہو جس کے سبب

سے لوگوں کی تمام حاجتیں پوری اور ان کی جملہ تکالیف منقطع ہوگئی ہوں اور اگر ارضہٗ کی ضمیر کو قرآن کی طرف راجع کی جائے تو مطلب یہ ہوگا کہ گویا کہ وہ قاری مستہدی قرآن عزیز میں جس کو مجازاً زمین کہا گیا ہے، صحیح اور درست تلاوت کرنے کا تفکر اور اس کے معنی سمجھنے کا تدبر کرتا ہو مثل السالک فی الارض کے یعنی اس مسافر کی طرح جو کسی راستے کو طے کر رہا ہو پھر اس کے سبب سے اس کو بہت سے فوائد علماً وعملاً حاصل ہو گئے ہوں تو ایسے قاری مستہدی پر بھی میں اپنی جان قربان کرتا ہوں۔

فَطُوبیٰ لَهٗ وَالشَّوْقُ يَبْعَثُ هَمَّـــهٗ
وَزَنْدُ الْأَسیٰ يَحْتَاجُ فِي الْقَلْبِ مُشْعِلَا

ش: قوله: فطوبی له جملہ خبر یہ یا دعائیہ ہے اور لہ کی ضمیر کا مرجع مستهدی ہے طوبیٰ یہ ایک کلمہ خیر ہے اس شخص کے لیے بولا جاتا ہے جس کی حالت اچھی ہوتی ہے۔**قوله:** والشوق واؤ حالیہ ہے اور **قوله:** یبعث کے معنی یبحث کے ہیں اور۔**قوله:** همه بمعنی قصده اور قوله زند بفتح الزاء کے معنی ما یقدح به النار کے ہیں یہ ایک پتھر ہوتا ہے اور اس کو چقماق کہتے ہیں اس میں حرارت سے استعارہ ہے۔**قوله:** الأسیٰ کے معنی الحزن والتأسف کے ہیں ومنه قوله تعالی ﴿فَكَيْفَ آسیٰ عَلیٰ قَوْمٍ **قوله:** مشعلا اسم فاعل ترکیب میں زند الاسیٰ سے حال ہے۔!

ترجمہ: پس اس (مستہدی) کے لیے خوشخبری ہے (اور اس کی زندگی کس قدر اچھی اور پاکیزہ ہے) اس حال میں کہ (حق تعالیٰ کی طرف متوجہ ہونے اور اس کی جانب سے ثواب عظیم کے ملنے کا) شوق اس کے ارادہ کو بھڑکاتا رہتا ہے اور افسوس کا چقماق (اس کے) قلب میں جوش مارتا رہتا ہے درانحالیکہ وہ (چقماق) شعلے نکالنے والا ہے!

مطلب: فرماتے ہیں کہ اس قاری مستہدی کی یہ حالت کتنی اچھی اور بہترین ہے کہ حق تعالیٰ کی ملاقات اور اس کی طرف سے بہت زیادہ ثواب حاصل کرنے کا شوق اس کے ارادہ کو طاعات وعبادات اور اچھے اعمال کی طرف ابھارتا رہتا ہے اور اپنی عمر کے اس حصہ پر جو حق تعالیٰ کی طاعات وعبادات اور اس کی طرف کما حقہ متوجہ ہوئے بغیر گذر چکی اور ضائع ہوگئی ہو رنج وغم وافسوس کرتا ہے جس کی وجہ سے ہر وقت اس کے قلب میں مثل چقماق اک آگ سی بھڑکتی رہتی ہے اور اس سے افسوس اور غم کے شعلے نکلتے رہتے ہیں۔!

هُوَ الْمُجْتَبیٰ يَغْدُو عَلَى النَّاسِ كُلِّهِمْ
قَــرِيْبًا غَــرِيْبًا مُسْتَمَالًا مُــؤَمَّلَا

ش: قوله: هو المجتبیٰ هو کا مرجع قاری مستہدی اور المجتبی کے معنی المختار کے ہیں۔**قوله:** یغدو

بمعنیٰ یمرّ ترکیب میں **المجتبی** کے فاعل سے حال ہے یا جملہ مستانفہ بیانیہ ہے۔ **قولہ: قریبًا** اور اس کے بعد والے تینوں منصوبات **یغدو** کے فاعل سے حال ہیں۔

ترجمہ: وہ (قاری مستہدی حق تعالیٰ کا) پسندیدہ ہے وہ تمام لوگوں پر ان حالات سے گذرتا ہے کہ وہ (حق تعالیٰ یا لوگوں سے) قریب (اور ان سب میں) اجنبی ہوتا ہے اس کی طرف طلب میلان پایا جاتا ہے (اور اس (کی دعاء کی برکت) سے بلاؤں اور مصیبتوں کے دفع ہو جانے کی امید کی جاتی ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں وہ قاری مستہدی جو متصف بصفات مذکورہ بالا ہے لوگوں کی نظر میں بھی مقبول ہے اور حق تعالیٰ کے نزدیک بھی پسندیدہ ہے اس کی شان یہ ہے کہ جب وہ لوگوں کے پاس سے گذرتا ہے تو بلا کسی قسم کے لالچ اور طمع کے ان حالات سے گذرتا ہے باوجود متصف ہونے ان تمام صفات مذکورہ کے پھر بھی وہ تواضع اور عاجزی کی وجہ سے ان سے قریب ہوتا ہے، کنارہ کشی اختیار نہیں کرتا یا یہ کہ وہ حق تعالیٰ کے ان احسانات کی وجہ سے جو اس پر کئے گئے ہیں لوگوں کے پاس سے گذرنے کی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت قریب ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اپنے طریق اشتغال اور قلت امثال میں اور حق پر مضبوطی اور ثابت قدمی سے جمع رہنے کی حالت میں لوگوں کو اجنبی معلوم ہوتا ہے تیسرے یہ کہ جو لوگ اس کے حال سے واقف ہیں ان کے قلوب میں اس کی طرف مائل ہونے کی طلب پائی جاتی ہے ہر شخص اس کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی خواہش رکھتا ہے اور اس کی دعاء کا طالب ہوتا ہے چوتھے یہ کہ لوگ بلاؤں اور مصیبتوں کے نازل ہونے کے وقت اس کی دعاء کی برکت سے ان کے دور ہونے کی امید رکھتے ہیں اس میں ان آیات وروایات کی طرف اشارہ ہے ﴿ثُمَّ اَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِيْنَ اصْطَفَيْنَا مِنْ عِبَادِنَا﴾ وقوله سبحانه تعالیٰ ﴿اِنَّ رَحْمَتَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَ﴾ ﴿ان الاسلام بدأ غريبًا وسيعود غريبًا فطوبىٰ للغرباء﴾ رواه مسلم وغيره عن جماعةٍ من الصحابة مرفوعًا. وفي رواية الترمذي ﴿قيل من هم قال الذين يصلحون ما افسد الناس من بعدي من سنتي﴾ یعنی حضور اکرم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ غرباء کون لوگ ہیں آپ ﷺ نے فرمایا وہ لوگ ہیں جو میرے بعد میری ان سنّتوں کی اصلاح کریں گے جن کو لوگوں نے فاسد کر دیا اور بگاڑ دیا ہے۔!

يَعُـــدُّ جَمِيْعَ النَّاسِ مَـوْلًى لِاَنَّهُمْ
عَلىٰ مَا قَضَاهُ اللّٰهُ يُجْرُوْنَ اَفْعُلَا

ش: قولہ: یعد معنٰی میں یحسب کے ہے اور **قولہ**: مولیٰ اس کا دوسرا مفعول ہے اور اس کو مفرد

باعتبار لفظ جمیع کے ذکر کیا ہے: کقوله تعالیٰ ﴿نَحْنُ جَمِيْعٌ مُّنْتَصِرٌ﴾ قوله: یجرون بفتح الیاء معنی میں یَمُرُّون کے ہے۔ قوله: افعلا تمیز ہے اور اس کو جو جمع لائے ہیں وہ انواع کے اعتبار سے ہے نحو ﴿بِالْاَخْسَرِيْنَ اَعْمَالًا﴾ اور اگر یجرون بضم الیاء ہے تو پھر اس کے معنیٰ یمضون کے ہوں گے اور افعلا اس صورت میں اس کا مفعول ہوگا واللہ اعلم۔

ترجمه: یہ (قاری مذکور) تمام لوگوں کو (اپنا) سردار (یا حق تعالیٰ کے غلام) سمجھتا ہے اس لیے کہ وہ لوگ باعتبار افعال کے اس حکم ازلی کے موافق جس کا فیصلہ حق تعالیٰ نے کر دیا ہے چل رہے ہیں۔

مطلب:: فرماتے ہیں کہ یہ قاری مذکور متصف بصفات مندرجہ بالا سب لوگوں کو اپنا سردار اور اپنے سے بڑا سمجھتا ہے اور یہ خیال کرتا ہے کہ یہ لوگ جو کچھ بھی کرتے ہیں وہ تقدیر الٰہی اور قضا و قدر کے موافق کرتے ہیں اس لیے وہ کسی کو بھی حقارت کی نظر سے نہیں دیکھتا خواہ کوئی چھوٹا ہو یا بڑا، فرمانبردار ہو یا نافرمان قریب ہو یا بعید سب کو ایک ہی نظر سے دیکھتا ہے اور سب سے تواضع سے پیش آتا ہے، تکبر وغیرہ نہیں کرتا بلکہ وہ سمجھتا ہے کہ ممکن ہے کہ یہ لوگ خاتمہ کے اعتبار سے مجھ سے بہتر ہوں یا یہ مطلب ہے کہ وہ ان سب کو حق تعالیٰ کے غلام سمجھتا ہے اور یہ گمان کرتا ہے کہ یہ سب کے سب حکم ازلی اور قضاء الٰہی کے تابع ہیں جو کچھ بھی کرتے ہیں اسی کے حکم کے موافق کرتے ہیں جس کا فیصلہ حق تعالیٰ نے روز ازل میں کر دیا ہے نہ تو ان کو کسی نفع و نقصان کا اختیار ہے اور نہ وہ کسی کی مدد کر سکتے ہیں اور نہ وہ کسی حادثہ کو ٹال سکتے ہیں اس لیے تو کلا علی اللہ نہ تو وہ ان سے کسی چیز کی خواہش اور امید رکھتا ہے اور نہ ان سے ڈرتا اور خوف کرتا ہے شاذلیؒ فرماتے ہیں: اقطع طمعک عن اللہ تعالیٰ ان یعطیک غیر ما قسم لک فیما قضاہ ومن ھذا حالہ مع مولاہ قطع النظر عما سواہ لان من نظر الی المحدثات بعین الفناء لم یبق فی عالم البقاء الاواجب الوجود المشھود ونبعت الکرم والجود وھٰذا غایة مقام التوحید ونھایة حال اھل التفرید (قاری)

يَـــرىٰ نَفْسَهُ بِالـــذَّمِ اُوْلىٰ لِاَنَّهَا
عَلَى الْمَجْدِ تَلْعَقُ مِنَ الصِّبْرِ وَالْاَلَا

ش: قوله: نفسه واولیٰ ای احق واجری من المدح او من غیره ترکیب میں دونوں یری من رویة القلب کے مفعول ہیں اور۔ قوله: لانها میں لام تعلیلیہ ہے اور ضمیر ہا کا مرجع نفس ہے اور۔ قوله: الصبر اس میں تین لغت ہیں صاد کا فتحہ و کسرہ اور یا کا صرف سکون تیسرے صاد کا فتحہ اور باء کسرہ جیسا کہ ناظمؒ نے منہی میں بیان کیا ہے یہاں ان تینوں میں سے صاد کا کسرہ اور باء کا سکون اصح اور افصح ہے اور

بعض نے صاد کا فتحہ اور باء کے سکون سے انکار کیا ہے۔ صبر غالباً ایلوے کو کہتے ہیں جو ایک قسم کا گوند اور نہایت تلخ ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے یہ تلخی میں ضرب المثل بن گیا۔ **قوله**: والألا اس میں لغۃً قصر ہے اور یہ الاۃ کی جمع ہے جو ایک قسم کی گھاس یا درخت ہے اور دیکھنے میں نہایت خوشنما لیکن کھانے میں بہت کڑوا ہوتا ہے۔

ترجمه: وہ (قاری موصوف) اپنے نفس کو (بجائے تعریف کے) مذمت اور ملامت کے زیادہ لائق سمجھتا ہے اس لیے کہ اس (نفس) نے شرف اور بزرگی (حاصل کرنے) پر صبر اور آلا (جیسی تلخ چیزوں میں) سے نہیں چکھا ہے (یعنی مشقتیں اور تکالیف برداشت نہیں کی ہیں)۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ وہ قاری جس کے اوصاف اوپر بیان کئے گئے ہیں چونکہ اس کے نفس نے اعلیٰ مراتب حاصل کرنے کے لیے نہ تو مجاہدات کی سختیاں اور مشقتیں برداشت کی ہیں اور نہ ان کے مذاق کی تلخیوں کو جو مثل صبر اور الا کے ہیں چکھا ہے اس لیے وہ اپنے کو دوسروں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ بدتر اور اپنے نفس کو ملامت ہی کے لائق سمجھتا ہے پس یہ کاملین کی علامت ہے اور کامل وہی ہے جو اپنے آپ کو دوسروں کے مقابلہ میں کچھ بھی نہ سمجھے۔ **وقد ورد** ﴿طوبیٰ لمن شغله عیبه عن عیوب الناس﴾ یعنی اس شخص کے لیے خوشخبری ہے جس کا عیب لوگوں کے عیوب سے روک دے اور ان کے عیوب کی طرف متوجہ نہ ہونے دے جس سے وہ ان کی عیب جوئی کرے بلکہ اس کی نظر اپنے ہی عیوب پر ہے!

وَقَدْ قِيلَ كُنْ كَالْكَلْبِ يُقْصِيهِ أَهْلُهُ
وَمَا يَأْتَلِي فِيْ نُصْحِهِمْ مُتَبَذِّلَا

ش: قوله: کن منصوب المحل مقولہ قول ہے اور اس کا اسم ضمیر جس کا مرجع مخاطب مقرر اور۔ **قوله**: کالکلب خبر ہے اور۔ **قوله**: یقصیه بضم اوله بمعنی یَبْعُدُهٗ جملہ مستانفہ بیانیہ ہے یا کن کی خبر سے حالیہ ہے۔ **قوله**: یأتلی الا یألو سے کمی کے معنی میں ہے و منه قوله تعالیٰ ﴿لَا يَأْلُوْنَكُمْ خَبَالًا﴾ (قاری) اور **قوله**: وفی نصحهم میں جمع کی ضمیر باعتبار معنیٰ اہل کے لائے ہیں اور اگر اس کو لفظ اہل کے لحاظ سے مفرد بھی لے آتے تب بھی صحیح تھا وزن اس صورت میں بھی درست رہتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔!

ترجمه: اور (زمانہ ماضیہ میں) کہا گیا ہے کہ تم مثل کتے کے ہو جاؤ اس حال میں کہ اس کے اہل اس کو دور کرتے اور (بھگاتے) ہیں اور وہ ان کی خیر خواہی میں ذرا بھی کوتا (اور کمی) نہیں کرتا درانحالیکہ وہ (اس میں اپنی پوری طاقت اور کوشش) صرف کرنے والا ہوتا ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ زمانہ ماضی کی ایک مثل مشہور ہے کہ تم طریق وفا اور ثابت قدمی میں مثل کتے کے

ہو جاؤ جو اس بارے میں بہت ہی اچھا جانور ہے کہ باوجود اس کے کہ اس کا مالک اس کو بھگاتا اور اپنے سے دور کرنا چاہتا ہے لیکن اس پر بھی وہ اس کی خیر خواہی اور بھلائی میں ہرگز ہرگز بھی کوتاہی نہیں کرتا یہاں تک کہ وہ اس میں اپنی پوری طاقت خرچ کر دیتا ہے اور اپنی جان کی بھی پرواہ نہیں کرتا اسی طرح تم بھی لوگوں کی ان تقصیرات اور خطاؤں سے جو وہ تمہاری شان میں کرتے رہتے ہیں درگذر کرتے ہوئے ان کی خیر خواہی اور بھلائی میں ہرگز کوتاہی نہ کرو بلکہ ان کو ہمیشہ نصیحت کرتے اور کلمات خیر سناتے رہو یا یہ کہ اگر تم کو حق تعالیٰ کی عبادت واطاعت کرتے ہوئے کبھی کوئی سختی اور فقر وفاقہ نصیب ہو تو تم اس سے گھبرا کر اس کی طرف سے روگردانی نہ کرو بلکہ اس پر صبر کرتے ہوئے اس کی عبادت واطاعت اور فرمانبرداری میں برابر لگے رہو جیسا کہ کتا کہ وہ بھوکا رہنے اور دیگر تکالیف کی وجہ سے اپنے مالک کو نہیں چھوڑتا بلکہ اس کی اطاعت وفرماں برداری میں برابر لگا رہتا ہے حتیٰ کہ بعض اوقات اپنی جان بھی قربان کر دیتا ہے **ومنه اشارة الىٰ ما روى وهب بن منبه عن راهبٍ ﴿اوصى رجلا انصح لله تعالى حتى تكون كنصح الكلب لاهله فانّهم يجو عونه ويضربونه ويابىٰ الّا ان يحيط بهم نصحا وخلاصته لايحملك ما ترى من تقصير الناس فى حقك على ترك نصيحتهم المعتادة ولا يبعثك ما ترىٰ من الفقر والفاقة على ترك طاعة الله والعبادة﴾** (قاری)

ف: جاننا چاہیے کہ کتے میں دس خصلتیں ایسی ہیں کہ جن میں سے ہر ایک انسان کو کامل بنا دینے والی ہیں اور یہ سب کی سب اجتماعی طور پر سوائے ابدال کے اور کسی میں نہیں پائی جاتیں وہ یہ ہیں:

(۱) اکثر بھوکا رہتا ہے اور یہ صالحین کے آداب میں سے ہے۔

(۲) اس کے لیے کوئی مکان معروف نہیں ہوتا یہ متوکلین کی علامات میں سے ہے۔

(۳) رات کو بہت کم سوتا ہے یہ محبین کی صفات میں سے ہے۔

(۴) جب مر جائے تو اس کے لیے کوئی میراث نہیں ہوتی یہ زاہدین کی صفات میں سے ہے۔

(۵) اپنے مالک کو نہیں چھوڑتا اگرچہ وہ اس پر سختی اور جفا ہی کیوں نہ کرے یہ صادقین کی علامت میں سے ہے۔

(۶) اگر اس کو ماریں اور بھگائیں اور اس کی طرف پتھر وغیرہ پھینکیں تو وہ اس کا کوئی خیال نہیں کرتا ہے اور نہ وہ اپنے دل میں کینہ وبغض وغیرہ رکھتا ہے یہ خاشعین کی صفات میں سے ہے۔

(۷) جس مکان میں رہتا ہے اس سے کسی دوسرے مکان میں منتقل نہیں ہوتا یہ راضیین کی علامات میں سے ہے۔

(۸) تھوڑی سی جگہ پر راضی ہو جاتا ہے۔ یہ متواضعین کی صفات میں سے ہے۔

(۹) جب اس کے سامنے کھانا لایا جاتا ہے تو وہ دور بیٹھ جاتا ہے یہ مساکین کی علامات میں سے ہے۔
(۱۰) جب مکان میں داخل ہوتا ہے تو کسی طرف التفات نہیں کرتا یہ محزونین کی صفات میں سے ہے!

لَعَلَّ إِلٰـهَ الْعَـرْشِ يَا إِخْوَتِي يَقِي
جَمَـاعَتَنَا كُلَّ الْمَـكَارِهِ هُـوَّلَا

ش: قوله: اله العرش ترکیب میں لعل کا اسم اور **قوله**: يقي بمعنی يحفظ اس کی خبر ہے اور **قوله**: یا اخوتی جملہ معترضہ ہے اور قولہ هوّلا جمع هائل بمعنی مفزع ترکیب میں۔ **قوله**: المکارہ سے حال ہے۔

ترجمہ: امید کہ مالک عرش اے میرے بھائی بچالے گا ہماری جماعت کو کل مکروہات (اور تمام تکالیف) سے درانحالیکہ وہ گھبراہٹ میں ڈالنے والی ہیں!

مطلب: فرماتے ہیں کہ اے میرے بھائیوں جو نصیحتیں میں نے بیان کی ہیں اگر تم نے ان کو قبول کرتے ہوئے ان پر عمل کیا تو حق تعالیٰ کی ذات سے امید ہے کہ وہ ہم سب کو دنیاوی اور اخروی تمام تکالیف سے کہ جو پریشانی اور گھبراہٹ میں ڈالنے والی ہیں بچالے گا اور ان سے محفوظ رکھے گا۔

وَيَجْعَلُنَـا مِمَّنْ يَّكُـونُ كِتَابُـهُ
شَفِيْعًـا لَهُمْ إِذْ مَا نَسُوهُ فَيَمْحَلَا

ش: قوله: ویجعلنا اس کا عطف۔ **قوله**: یقی پر ہے جو اس سے اوپر شعر میں ہے اور۔ **قوله**: ممّن میں من موصولہ ہے یا موصوفہ اور۔ **قوله**: اذ ما نسوہ میں اذ (شفیعًا کا) ظرف ہے اور معنی میں تعلیل کے ہے: کقولہ تعالیٰ ﴿لَنْ يَّنْفَعَكُمُ الْيَوْمَ إِذْ ظَّلَمْتُمْ﴾ اور ما نافیہ اور نسوہ کے معنی ترکوہ کے ہیں اور۔ **قوله**: فیمحلا جواب نفی ہونے کی بنا پر منصوب بان مقدرہ ہے اور محل کے معنیٰ یہ ہے کہ کسی کے افعال قبیحہ کی شکایت بادشاہ یا حاکم وغیرہ کے سامنے کرنا اور ان کے پاس پہنچادینا!

ترجمہ: اور (امید ہے کہ) حق تعالیٰ کردے ہم کو ان لوگوں میں سے کہ جن کے لیے اس کی کتاب (قرآن مجید شفاعت کرنے والی ہوگی اس لیے کہ انھوں نے اس کو چھوڑا (اور بھلایا) نہیں ہے (بلکہ برابر اس کی تلاوت اور اس پر عمل کرتے رہتے ہیں) جس سے وہ حق تعالیٰ کے سامنے (ان کی) شکوہ وشکایت کرے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ ہمیں حق تعالیٰ سے یہ بھی امید ہے کہ اگر ہم نے قرآنِ عزیز کی تلاوت اور اس پر عمل کرنے کو بھی ترک نہیں کیا اور نہ اس کی بے قدری کی تو وہ اس کو قیامت میں ہمارے لیے شفیع بنادے گا اور ہم کو اس جماعت اور ان لوگوں میں سے کردے گا کہ جو کبھی بھی اس کی طرف سے غافل نہیں رہے ہیں

بلکہ برابر اس کی تلاوت اور اس پر عمل کرتے رہے ہیں اور کبھی بھی اس کو ترک نہیں کیا جس کی وجہ سے وہ حق تعالیٰ کے سامنے ان کی شکایت وغیرہ کرے پس اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ قرآن عزیز پڑھتے ہیں اور پھر اس کو بھلا دیتے ہیں اس کی تلاوت اور اس پر عمل نہیں کرتے تو وہ حق تعالیٰ کے سامنے ان کی شکایت کرے گا جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ ان کو اوندھے منہ جہنم میں ڈالدے گا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے: ﴿اَلْقُراٰنُ شَافِعٌ مُشفَعٌ وَمَا حِلٌّ مُصَدَّقٌ من شفع له القراٰن یوم القیامَۃ نجا ومن محل به القراٰن یوم القیامَۃَ کبَّه الله تعالیٰ فی النار علیٰ وجهه﴾ خلاصہ یہ ہے کہ قیامت کے دن قرآن کی دو حالتیں ہوں گی ایک تو شفاعت کرنا ان لوگوں کے لیے کہ جنھوں نے اس کو پڑھا اور اس پر عمل کیا اور کبھی اس کو ترک نہیں کیا، دوسرے شکایت کرنا، اور یہ ان لوگوں کے لیے ہے کہ جنھوں نے اس کی طرف توجہ نہیں کی نہ اس کو پڑھا اور نہ اس پر عمل کیا۔ سخاویؒ ہمیشہ دعاء میں یہ فرمایا کرتے تھے کہ اے اللہ قرآن کو ہماری شکایت کرنے والا نہ بنائیو یعنی ہم نے جو برائیاں اس کی صحبت میں کی ہیں اور اس کی خدمت کے دعوے کئے ہیں ان کو بیان کر کے ہماری شکایت نہ کرے ایک اور حدیث میں آیا ہے کہ حضور پاک ﷺ فرماتے ہیں ﴿عرضت علیّ ذنوب امتی فلم ارفیها ذنبا اعظم من سورة اوایة من القراٰن او تیها رجل ثم نَسِیَها﴾ یعنی مجھ پر میری امت کے گناہ پیش کئے گئے پس میں نے اس سے زیادہ بڑھ کر کوئی گناہ نہیں دیکھا کہ کسی شخص کو قرآن میں سے کوئی سورۃ یا آیت دی گئی ہو اور پھر اس نے اس کو بھلا دیا ہو (ابو داؤد وترمذی) اور یہ حق تعالیٰ کے قول ﴿وَمَنْ اَعْرَضَ عَن. ذِکْرِیْ اِلیٰ تَنْسیٰ﴾ سے مقتبس ہے اور قرآن پر عمل کرنے میں کوتاہی کرنا بھی منجملہ بھلا ہی دینے کے ہے بلکہ اصل بھُلا دینا تو یہی ہے ومنه قوله تعالیٰ ﴿وَاتْلُ عَلَیْهِمْ نَبَاَ الَّذِیْ اٰتَیْنَاهُ اٰیٰتِنَا فَانْسَلَخَ مِنْهَا﴾ (قاری)

وَبِاللهِ حَوْلِیْ وَاعْتِصَامِیْ وَقُوَّتِیْ
وَمَالِیَ اِلَّا سِتْرُهُ مُتَجَلِّلا

ش: قوله: حولی ای تحویلی من امیر الیٰ امیر مبتداء اور **قوله:** باللّٰه اس کی خبر مقدم ہے اور۔ **قوله:** اعتصامی ای امتناعی اور **قوله:** قوتی ای قدرتی دونوں حولی کے معطوف ہیں اور۔ **قوله:** مالی میں ما مشابہ بلیس ہے اور اس کا عمل بوجہ الّا باطل ہو گیا ہے اور لی خبر مقدم اور۔ **قوله:** ستره مبتدا مؤخر ہے اور **قوله:** متجللا بمعنی مغطبا ضمیر متکلم سے حال ہے۔

ترجمہ: اور حق تعالیٰ ہی کی مدد کے ساتھ ہے میرا (معصیت سے طاعت کی طرف) پھرنا اور (لغزشوں

اور غفلتوں سے بچنا (اور محفوظ رہنا) اور (طاعت وعبادت پر) قادر ہونا اور نہیں ہے میرے لیے (کوئی پردہ پوشی کرنے والا) مگر حق تعالیٰ کا پردہ عظمت درانحالیکہ میں اس میں چھپنے والا ہوں۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ بغیر حق تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق کے نہ میں گناہوں کو چھوڑ کر عبادت کی طرف بڑھ سکتا ہوں اور نہ میں جملہ عیوب اور شیاطینی وساوس سے بچ سکتا ہوں اور نہ طاعت وعبادت پر قادر ہو سکتا ہوں۔ غرضیکہ میں اس کی مدد کے بغیر کچھ بھی نہیں کر سکتا اور نہ میرے لیے ایسی کوئی شی قابل اعتماد ہے جو میرے گناہوں کی پردہ پوشی کر سکے مگر اللہ تعالیٰ کا پردۂ عظمت کہ وہی میرے گناہوں کی پردہ پوشی کر سکتا ہے، وہی میرے گناہوں کو معاف کر سکتا ہے، اسی پر امیرا اعتماد ہے۔ اس بیت میں اشارہ ہے حضور ﷺ کے اس قول کی طرف ﴿لاحول ولاقوة الا بالله كنز من كنوز الجنّة﴾ رواه اصحاب الستہ عن ابی موسیٰ اور ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب میں نے حضور ﷺ کی خدمت مبارکہ میں لا حول ولا قوة الا بالله پڑھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ اس کی تفسیر کیا ہے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ خوب جانتا ہے تو آپ ﷺ نے اس کی تفسیر یہ بیان فرمائی، ﴿لاحول عن معصية الله الا. بعصمة الله ولا قوة على طاعة الله الا بعون الله﴾

فَيَارَبِّ أَنْتَ اللّٰهُ حَسْبِیْ وَعُــدَّتِیْ
عَلَيْکَ اعْتِمَادِیْ ضَارِعًا مُتَوَکِّلَا

ش: قوله: فیارب اصل میں یا ربی تھا کثرت استعمال کی وجہ سے کسرہ پر اعتماد کرتے ہوئے یاء کو حذف کر دیا گیا۔

قوله: ضارعًا متوکّلا دونوں اعتمادی کی یاء سے حال ہیں اور العدة بضم العين کے معنی ما يعد لدفع النّوازل کے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ترجمه: اے میرے رب تو اللہ ہے (تو ہی مجھ کو کافی ہے اور (مصیبتوں کے دفع کرنے کے لیے تو ہی) میرا ذریعہ ہے، میرا اعتماد تجھ ہی پر ہے۔ درانحالیکہ میں عاجزی کرنے والا (اور) توکل کرنے والا ہوں۔

مطلب: ناظمؒ نے اس بیت میں ﴿حَسْبِیَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَکِيْلُ﴾ کے معنی کو نظم فرمایا ہے جس کا مطلب ترجمہ سے بخوبی سمجھ میں آ گیا ہوگا، وقد ورد ﴿حسبی الله ونعم الوكيل امان لكل خائف﴾ رواه الديلمی عن شداد بن اوس ﴿واوّل من قالها من الكرام ابراهيم عليه السلام ثم النبی ﷺ واصحابه الفخام كما فی كلام الملک العلام قالوا حَسْبُنَا الله ونعمَ الوكيل﴾ (قاری)

بَابُ الاسْتِعَاذَة ﴿۵﴾

یعنی یہ باب اعوذ باللہ پڑھنے کے بیان میں ہے

استعاذہ کے معنی طلب الاعاذة یعنی پناہ چاہنے کے ہیں اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ قرآن مجید شروع کرنے سے پہلے اعوذ باللہ من الشیطان الرّجیم پڑھنا ناظمؒ نے اس باب میں تین چیزیں بیان فرمائی ہیں ایک اعوذ کی کیفیت دوسرے اس کا محل تیسرے قرّاء کے مذاہب اور چونکہ یہ قرآن مجید کی تلاوۃ شروع کرنے سے پہلے پڑھا جاتا ہے اس لیے اس باب کو سب پہلے ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ استعاذۃ باجماع امت قرآن مجید میں سے نہیں ہے۔

إِذَا مَا أَرَدْتَ الدَّهْرَ تَقْرَأُ فَاسْتَعِذْ
جِهَارًا مِنَ الشَّيْطَانِ بِاللهِ مُسْجَلا

ش: قوله: اذا ظرف زمان کے لیے ہے اور اس میں معنی شرط کے بھی پائے جاتے ہیں اور ما زائدہ مؤکدہ ہے۔ **قوله**: اردت بمعنی قصدت اور۔ **قوله**: الدهر ای فی جمیع الدهر اس کا ظرف ہے۔ **قوله**: تقرأ اس کی تقدیر ان تقرأ بمعنیٰ القرأۃ ہے اور چونکہ یہ ترکیب میں اردت کا مفعول واقع ہوا ہے اس لیے اس میں ان مقدر مانا گیا ہے تاکہ یہ اسم بن جائے اس میں رفع ونصب دونوں جائز ہیں لیکن روایت بالرفع ہے، جیسا کہ تسمع بالمعیدی خیر من ان تراہ میں رفع ونصب دونوں کو جائز کہتے ہیں۔ اور بعض کا یہ قول ہے کہ یہاں فعل بول کر اس کا ایک جزو معنی مصدری مراد لیا گیا ہے چنانچہ حق تعالیٰ کا قول ﴿وَمِنْ اٰيٰتِهٖ يُرِيْكُمُ الْبَرْقَ﴾ بھی اسی قبیل سے ہے۔ **قوله**: فاستعذ جواب شرط اور **قوله**: جهارًا یا جهر کا مصدر ہے مثل کتب کتابًا یا جاهر کا ہے مثل قاتل قتالاً کے اور ترکیب میں یا تو فاستعذ کے فاعل سے حال ہے ای جاهراً اور مجاهرًا یا مصدر محذوف کی صفت ہے ای تعوّذًا جهارًا ای ذا جهار اور ہر دو جار متعلق فاستعذ کے ہیں اور۔ **قوله**: مسجلا بمعنی مطلقًا بھی مصدر محذوف کی صفت ہے ای تعوذًا مطلقًا یا یہ فاستعذ کے مفعول سے حال ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمه: جب تم کسی وقت قرآن کے پڑھنے کا ارادہ کرو تو اعوذ باللہ بلند آواز سے پڑھتے ہوئے شیطان (کے مکر وفریب) سے اللہ کی مدد کے ساتھ پناہ چاہو درانحالیکہ یہ (استعاذہ) مطلق ہے یعنی کسی سورۃ یا آیۃ یا قاری کے لیے مخصوص نہیں ہے بلکہ عام ہے تمام قرآن مجید میں ہر جگہ ہر قاری کے لیے تلاوت شروع کرنے

سے پہلے پڑھا جائے گا اور یہ استعاذہ ماخوذ ہے حق تعالیٰ کے قول ﴿إِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ سے یعنی اذا اردت القراۃ باطلاق اللازم و ارادۃ الملزوم کقوله تعالیٰ ﴿إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ﴾ وصرّح الشيخ ذالک بقوله تعالی ﴿إِذَا مَا أَرَدْتَّ﴾ اور یہ بھی یاد رکھو کہ استعاذہ بالجهر قبل قراۃ اس وقت مستحسن ہے جبکہ قاری ومقری یا کسی دوسرے کے سامنے قرآن پڑھا جائے ورنہ تنہا یا نماز میں قرآن مجید پڑھنے کی صورت میں اس کا آہستہ پڑھنا اولیٰ ہے اور ہم نے اس کو یہاں اس لیے بیان کر دیا کہ ناظمؒ نے جہر میں کوئی قید نہیں لگائی جس سے معلوم ہوتا ہے کہ استعاذہ ہر حال میں جہر ہی سے پڑھا جائے گا خلاصہ یہ ہے کہ اعوذ باللہ کا پڑھنا قراءۃ کے تابع ہے۔ پس اگر قرآن مجید جہر سے پڑھا جائے تو جہر سے پڑھا جائے گا اور اگر آہستہ پڑھنے کا ارادہ ہو تو اس کو بھی آہستہ پڑھنا چاہیے اور اگر کسی نے اس کے خلاف کیا تب بھی درست ہے۔ واللہ اعلم۔

عَلٰى مَا أَتٰى فِي النَّحْلِ يُسْرًا وَإِنْ تَزِدْ
لِرَبِّكَ تَنْزِيهًا فَلَسْتَ مُجَهَّلَا

ش: قوله: علی ما اتی یا مصدر محذوف کی صفت کے متعلق ہے ای استعاذة کائنة علی یا استعذ کے فاعل سے حال ہے ای استعذ معتمداً علی اللفظ الذی نزل فی سورۃ النحل جاعلاً مکان استعذ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم اور۔ **قوله**: یُسرا مصدر ترکیب میں اتی کے فاعل سے حال کی جگہ واقع ہے ای ذا یُسرٍ او مُیَسِّرًا اور۔ **قوله**: وان تزد جملہ شرطیہ متعدی بدو مفعول ہے نحو زدنٰهم هُدی اور اس کا مفعول اول محذوف ہے، ای استعاذة اور **قوله**: تنزیهاً دوسرا مفعول ہے اور اگر ان تزد کی تقدیر یہ مانی جائے وان تزد علی الفاظ النحل لفظًا تو اس صورت میں اس کو دوسرے مفعول کی حاجت نہ ہوگی اور تنزیهًا اس وقت اس کا مفعول نہ ہوگا۔ **قوله**: لربک یا تو تنزیهًا کے متعلق ہے کیونکہ ظرف کا مصدر پر مقدم کرنا جائز ہے یا تزد کے متعلق ہے۔ **قوله**: فلست میں فاء جواب شرط ہے اور **قوله**: مجهلا مفعول کا صیغہ ہے ای لست منسوبًا الی الجهل لان ذلک کلمة صواب ومروی.

ترجمہ: (استعاذہ کرو تم اعتماد کرتے ہوئے) اس لفظ پر جو سورۂ نحل میں آیا ہے (اس طرح پر کہ استعذ کی جگہ اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھو) دراں حالیکہ وہ (مختصر ہونے کی بناء پر) سہل اور آسان ہے اور اگر تم اس سورۂ نحل کے الفاظ پر اپنے رب کی پاکی بیان کرنے کے لیے الفاظ زیادہ کر دو گے تو تم (اس کی وجہ سے)

جہالت کی طرف منسوب نہیں کیے جاؤ گے (یعنی کوئی تم کو جاہل نہیں کہے گا کیونکہ یہی صحیح اور مروی ہے)

مطلب: فرماتے ہیں کہ بہتر و اولیٰ یہی ہے کہ استعاذہ انہیں الفاظ سے کیا جائے کہ جو سورۃ نحل میں آئے ہیں اور وہ ﴿فَإِذَا قَرَأْتَ الْقُرْآنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْمِ﴾ ہے لیکن فاستعذ کی جگہ اعوذ کا صیغہ استعمال کیا جائے گا اور اس طرح پڑھا جائے گا، اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم یہ مختصر ہونے کی بناء پر آسان بھی ہے اور آیت قرآنی کے موافق بھی اگرچہ حق تعالیٰ کی پاکی بیان کرنے کی غرض سے اس پر الفاظ کا زیادہ کرنا بھی جائز اور درست ہے جیسے: ﴿اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم﴾ اور ﴿اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم انہ﴾ یا ﴿إنَّ اللہ ھو السمیع العلیم﴾ وغیرہ اور چونکہ اس قسم کی زیادتی بھی روایۃً ثابت ہے اس لیے اگر تم نے ایسا کیا تو کوئی تم کو جاہل نہیں کہے گا البتہ بہتر اور اولیٰ یہی ہے کہ زیادتی نہ کی جائے اب رہا یہ کہ اس مشہور استعاذہ میں کمی بھی کر سکتے ہیں یا نہیں جیسے کہ: ﴿اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم﴾ سو یہ بھی جائز ہے لیکن آیت قرآنی کی پورطرح موافقت نہ ہونے کی وجہ سے قوی نہیں ہے۔

وَقَدْ ذَكَرُوْا لَفْظَ الرَّسُوْلِ فَلَمْ يَزِدْ
وَلَوْ صَحَّ هٰذَا النَّقْلُ لَمْ يُبْقِ مُجْمَلَا

ش: قوله: وقد ذکروا اس کی ضمیر قراء محدثین کی طرف راجع ہے اور **قوله**: لفظ الرسول ای استعاذۃ اس کا مفعول ہے اور **قوله**: فلم یزد کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع لفظ یا رسولؐ ہے اور اس کے دونوں مفعول محذوف ہیں ای الاستعاذۃ شیأ کذا ذکرہ الجعبری لیکن اظہر یہ ہے کہ یوں کہا جائے لم یزد علی الاستعاذۃ المعروفۃ او المبنیۃ علی ما اتیٰ فی النحل شیئًا من الثنا یا یوں کہو کہ لم یزد قاصر ہے یعنی ایک ہی مفعول کو چاہتا ہے اس وقت تقدیر عبارت یوں ہوگی ای لم یزد لفظۃً علیٰ ما اتیٰ فی النحل (قاری) اور **قوله**: ولو صحّ شرطیّۃ اور **قوله**: النقل یا تو ہذا کی صفت ہے یا اس سے بدل ہے۔ **قوله**: لم یبق جواب لو ہے اور اس میں سے ایک لام کو اس وجہ سے حذف کر دیا کہ لم یبق میں دو لاموں کا جمع ہونا مکروہ تھا اور۔ **قوله**: مجملا بصیغۃ المجھول یا تو لفظا مقدر کی صفت ہے جو لم یبق کا مفعول ہے ای لفظًا مجملاً، یا مصدر میمی ہے ای لم یبق اجمالاً فی الأیۃ اور یہی زیادہ ظاہر ہے مجمل اس کو کہتے ہیں جس کی دلالت واضح نہ ہو اور اس کا مقابل مفصل ہے یعنی جس کے معنیٰ ظاہر اور واضح ہوں۔

ترجمه: اور قراء محدثین نے رسول اللہ ﷺ کے الفاظ (یعنی استعاذہ) کو بیان کیا ہے کہ آپ نے (اس پر

جو سورۂ نحل میں آیا ہے کوئی لفظ بھی) زیادہ نہیں کیا ہے (لیکن یہ ضعیف ہے کیونکہ) اگر (عدم زیادتی کی) یہ نقل صحیح ہوتی تو اجمال آیت باقی نہ رہتا (اور استعاذہ کے لیے سورۂ نحل ہی کے الفاظ متعین ہو جاتے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ آیت نحل مجمل ہے)

مطلب: فرماتے ہیں کہ قراء محدثین کی ایک جماعت نے حضور ﷺ کے استعاذہ کو بیان فرمایا ہے کہ آپ ﷺ نے انہیں الفاظ سے استعاذہ کیا ہے جو سورۂ نحل میں آئے ہیں اور اس پر کوئی لفظ بھی زیادہ نہیں کیا ہے جیسا کہ ابن مسعود اور نافع کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے چنانچہ عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کی حضوری ﴿اعوذ باللہ السمیع العلیم من الشیطان الرجیم﴾ پڑھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اے ابن ام عبد! اس طرح پڑھ۔ ﴿اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم﴾ دوسری روایت نافع کی یہ ہے کہ انھوں نے جبیر بن مطعمؓ سے اور انھوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ قرأۃ شروع کرنے سے پہلے ﴿اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم﴾ پڑھا کرتے تھے، لیکن یہ دونوں روایتیں ضعیف ہیں (اور ان احادیث کے خلاف ہیں جو ان کے مقابلہ میں صحیح تر ہیں، کیونکہ اگر یہ نقل عدم زیادتی کی صحیح ہوتی تو سورۂ نحل ہی کے الفاظ استعاذہ کے لیے مقرر ہو جاتے اور حدیث سے آیت کی تشریح ہو جاتی اور یہ معلوم ہو جاتا کہ استعاذہ انہی سورہ نحل کے الفاظ سے ہونا چاہئے مگر چونکہ یہ روایت ضعیف ہے اور آیت مجمل ہے اس لیے اس کے اطلاق سے یہ نہیں سمجھا جاتا کہ انہیں نحل کے الفاظ سے استعاذہ کیا جائے نہ کہ اس کے غیر سے بلکہ جن الفاظ سے بھی استعاذہ کیا جائے گا مقصود حاصل ہوگا کقولہ تعالیٰ ﴿وَاسْئَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ لیکن پھر بھی موافقت آیت قرآنی کی وجہ سے اولیٰ یہی ہے کہ استعاذہ انہی الفاظ سے کیا جائے جو سورۂ نحل میں آئے ہیں۔

وَفِيْــهِ مَقَــالٌ فِي الْأُصُوْلِ فُرُوْعُهٗ
فَلَا تَعْــدُ مِنْهَا بَاسِقًا وَمُظَلِّــلَا

ش: قولہ: وفیہ مقال جملہ اسمیہ اور فیہ کی ضمیر کا مرجع تعوذ یا لفظ رسول یا لفظ امر ہے جو فاستعذ سے سمجھا گیا ہے اور مقال مصدر میمی بمعنی القول ہے اور۔ **قولہ**: فروعہٗ اس کی صفت ہے اور۔ **قولہ**: فلا تعد ای فلا تجاوز اور اس کا فاعل ہر مخاطب ہے اور۔ **قولہ**: باسقا ای طویلا مرتفعا ترکیب میں فرعا مقدر کی صفت ہے اور ان دونوں کا مجموعہ فلا تعد کا مفعول ہے۔

ترجمہ: اور اس (تعوذ یا لفظ رسول یا لفظ امر) میں ایسے قول ہیں جن کی فروعات (وتفصیلات) اصول (فقہ یا قراءت کی بڑی بڑی کتابوں) میں (مفصل مذکور) ہیں پس تم (ان فروعات میں سے) اس

(فرع) سے تجاوز نہ کرو جو طویل اور سایہ دار (یعنی راجح اور مشہور) ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ کیفیت تعوذ میں اقوال کثیرہ اور کلام طویل ہے جن کی فروعات وتفصیلات واقسام اصول فقہ یا اصول حدیث یا قراءت کی بڑی بڑی کتابوں جیسے ابوعلی اہوازی کی ایضاح اور ابوالقاسم ہذلی کی کامل وغیرہما میں بالتفصیل مذکور ہیں پس اگر تم اس کو معلوم کرنا چاہو تو ان کتابوں کا مطالعہ کرو اور ان میں سے اس فرع یا قول سے جو صحیح قوی مشہور راجح اور واضح الدلیل ہو ہرگز تجاوز نہ کرو اور اسی کو اختیار کرلو چنانچہ باسقا ومظللا سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

وَإِخْفَاؤُهُ فَصْلٌ أَبَاهُ وُعَاتُنَا
وَكَمْ مِنْ فَتًى كَالْمَهْدَوِي فِيهِ اَعْمَلَا

ش: قوله: واخفاء ہ فصلٌ ای فرقٌ جملہ اسمیہ ہے اور ضمیر کا مرجع تعوذ ہے اور۔ **قوله**: اباہ وعاتنا ای حفاظنا جملہ فعلیہ صفت خبر ہے اور الاباء بمعنی الامتناع اور ضمیر (ہ) کا مرجع اخفاء ہے اور۔ **قوله**: وکم من فتی کم تکثیر کے لیے ہے اور اپنی تمیز فتی سے مل کر مبتدا ہے اور من زائد ہے اور۔ **قوله**: اعملا بفتح الهمزة وبالف الاطلاق ای اخذ به اس کی خبر ہے اور۔ **قوله**: کالمهدوی بفتح المیم والدال مبتداء المحذوف ہو کی خبر ہے اور یہ ابوالعباس احمد بن عمار مہدوی ہیں جو تفصیل تحصیل، ہدایۃ اور اس کی شرح جیسی مشہور کتابوں کے مصنف ہیں اور یہ مہدویہ کے رہنے والے ہیں جو بلاد مغرب سے ہے اور نسبت کی یاء میں تخفیف لغۃً یا ضرورۃً ہے اور۔ **قوله**: فیه کی ضمیر کا مرجع اخفاء ہے اور یاد رکھو کہ بیت میں شراح کا اختلاف ہے اس معنی کر کہ آیا اس میں فصل کی فاء اور اباہ کا ہمزہ رمز ہے یا نہیں جعبری اور ابوشامہ نے اول کو اختیار کیا ہے اور کہا ہے کہ اعوذ کو صاحب فاء فصل وہمزہ اباہ حمزہ ونافع نے آہستہ پڑھا ہے اور اکثر مصنفین نے اس کو ان دونوں سے اخذ کیا ہے، پس اس لحاظ سے یہ وہ پہلا موقعہ ہے کہ جہاں ناظمؒ نے رمزیں استعمال کی ہیں اور وعاتنا اور وکم کی واؤ فاصل لاکر مسئلہ کے ختم ہونے کو بتلایا ہے ۱۲، اور بعض نے کہا ہے اس بیت میں کوئی رمز نہیں ہے اور معنیٰ اس کے یہ ہیں۔

ترجمه: اور اخفاء تعوذ (کلام میں سے ایک ایسی) فصل (اور قرآن وغیر قرآن کے درمیان مقصد کے ظاہر کرنے میں ایسا فرق اور جدائی) ہے کہ جس کا ہمارے حفاظ (ومشائخ) نے انکار کیا ہے۔ (اور اس کو قبول نہیں کیا ہے اور کہا ہے کہ چونکہ آیت نحل مطلق ہے اس کو اخفاء کے ساتھ مقید کرنا خلاف ظاہر ہے اور اگر تم یوں کہو کہ تقیید بالجہر بھی تو خلاف ظاہر ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جہر سے مقصود شعار قراءت کا ظاہر کرنا ہے

مثل تکبیرات عیدین اور حج میں لبیک لبیک کہنے کے کہ اس سے اسلامی شعار کا اظہار ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہ جہر ہی سے حاصل ہوسکتا ہے نہ کہ اخفاء سے دوسرے یہ ہے کہ جہر سے پڑھنے کی صورت میں سننے والے کو ایک قسم کی تنبیہ ہو جاتی ہے اور وہ شروع ہی سے قراءت کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے اس کا کوئی حصہ بھی اس سے فوت نہیں ہوتا۔ اخفاء میں ایسا نہیں ہے بلکہ اس میں سننے والے کو قراءت کا علم اس کے کچھ حصہ کے فوت ہونے کے بعد ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود بھی اور بہت سے (اس فن کے قوی) جوان (یعنی معتبر علما) مثل ابو العباس مہدوی کے ہیں کہ انھوں نے اس (اخفاء) میں عمل کیا ہے (اور اس کو اختیار کرتے ہوئے اس کے صحیح اور درست ہونے میں دلائل بیان کئے ہیں بہر حال اعوذ کو آواز سے اور آہستہ دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں لیکن آواز سے پڑھنا زیادہ قوی ومختار اور طرق کے موافق ہے)

ف: بعض کہتے ہیں کہ اعوذ دعاء ہے اور اسرار بالدعاء افضل ہے لقولہ تعالیٰ **اُدعوا ربکم تضرعًا وخفیہ** جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کہ دعاء بالسّر (دعاء) بالجہر سے ستر درجہ زیادہ ہے لیکن اعوذ میں اخفاء وجہر دونوں پر عمل ہو جاتا ہے اس طرح پر کہ اعوذ قراءت کے تابع ہے پس قراءت جہری میں جہراً اور قراءت سری میں سرًّا پڑھی جاتی ہے البتہ نماز میں سب کے نزدیک آہستہ ہی پڑھی جائے گی تا کہ اس کے آیت قرآنی ہونے کا کسی کو وہم نہ ہو بخلاف بسم اللہ کے کہ اس میں ائمہ کا اختلاف مشہور ہے بس امام ابو حنیفہؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک آہستہ پڑھی جائے گی اور امام شافعیؒ سے قرأۃ جہریہ میں اخفاء اور جہر ان کی کتاب ام میں مساوی منقول ہیں اور ان کی کتاب املاء میں اس کی تصریح کی گئی ہے کہ ان کے نزدیک صرف جہر ہی ہے اور ان کے اکثر اصحاب کے نزدیک یہی مختار بھی ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ اخفاء کا اقل درجہ یہ ہے کہ اس کو قاری خود سن سکے اس کا صرف تصوّر اور زبان کا بلا آواز ہلانا کافی نہیں ہے اور جہر اس کی ضد ہے اس کا اقل درجہ اس سے زائد ہے اس قدر کہ دوسرا بھی سن سکے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ البسْملة ﴿۸﴾

یہ باب بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کے بیان میں ہے

اور بسملہ مصدر وضعی نہیں ہے بلکہ جعلی ہے جو اجزاء کلام سے بوجہ اختصار بنا لیا گیا ہے جیسے: **حَمْدَلَ وَهَلَّلَ حَسْبَلَ وحَوقَلَ وَحَيْعَلَ اذا قال الحمد لله ولا اله الا الله وحسبي الله ولا حول ولا قوة الا بالله وحي على الصلوٰة** اور چونکہ قبل قراءت اعوذ کے بعد بسم اللہ بھی پڑھی جاتی ہے اس لیے

اس کو اس کے بعد بیان کیا ہے۔

وَبَسْمَلَ بَيْنَ السُّوْرَتَيْنِ بِسُنَّةٍ
رِجَالٌ نَمَوْهَا دِرْيَةً وَتَحَمُّلَا

ش: قوله: بسنۃ یا تو رجال سے حال مقدم ہے ای اخذین او متمسکین بھا یا مصدر مقدر کی صفت ہے ای بسملۃ متلبسۃ بسنۃ منقولۃ اور۔ **قوله**: نموھا ای نقلوھا ورفعوھا واسندوھا الی النبی ﷺ واصحابه رضوان الله علیهم اجمعین ترکیب میں رجال بسنۃ کی صفت ہے اور اس کی ضمیر مرفوع کا مرجع رجال اور منصوب کا بسملۃ یا بسنۃ ہے اور اول انسب اور ثانی اقرب ہے اور۔ **قوله**: دریۃ وتحملا دونوں مصدر یا تو بناء بر تمیز منصوب ہے: ای اوصلوھا من جهة الدرایة والروایة یا نموھا کے فاعل سے حال کی جگہ ہیں ای ذوی دریۃ وتحمل اودارین متحملین لھا ای جامعین بین الدرایة والروایة یعنی یہ حضرات عقل ونقل کے جامع ہیں اور ان کا عمل عقل اور نقل کے موافق ہے۔

ترجمہ: اور بسم اللہ پڑھی ہے درمیان دو سورتوں کے (صاحب باء بسنۃ وراء رجال ونون نموھا ودال دریۃ قالون وکسائی وعاصم وابن کثیر مکی کے لیے) سنت (حدیث) سے اخذ کرتے ہوئے (اور اس پر عمل کرتے، اور اس کو دلیل بناتے ہوئے) ایسے لوگوں نے کہ جنھوں نے اس (سنت یا بسملۃ) کو نقل کیا ہے اور اس کی اسناد نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی طرف کی ہے) درانحالیکہ یہ (حضرات صاحب درایت وروایت ہیں (یعنی جامع عقل ونقل ہیں)۔

مطلب: ناظمؒ نے اس بیت میں ان حضرات کو بیان فرمایا ہے کہ جو دو سورتوں کے درمیان یعنی ایک سورۃ کو ختم کر کے دوسری سورۃ کو شروع کرنے کے وقت بسم اللہ پڑھتے ہیں اور وہ قالون، کسائی، عاصم اور ابن کثیر مکی ہیں جن کی طرف بسنۃ کی باء اور رجال کی راء اور نموھا کے نون اور دریۃ کا دال سے اشارہ فرمایا ہے اور وتحملا کی واؤ سے مسئلہ کے ختم ہونے پر متنبہ فرمایا ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ باقی قراء نے دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ نہیں پڑھی کیوں کہ یہ اختلاف حذف واثبات کے قبیل سے ہے اور بسم اللہ پڑھنے والوں کے دلائل جس کی طرف بسنۃ سے اشارہ فرمایا ہے یہ ہیں کہ صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے بسم اللہ کو مصحف میں لکھا ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو مصحف میں ہے اسے پڑھو نبی کریم ﷺ کو انقضاء سورۃ کا اس وقت تک علم نہیں ہوتا تھا جب تک بسم اللہ نازل نہیں ہوتی تھی وغیر ذالک پس یہ دلیل ہے اس بات کی کہ بسم اللہ ہر سورۃ کے ساتھ کئی بار نازل ہوئی ہے نیز ہر سورۃ

کے شروع میں سوائے سورۃ براءۃ کے لکھی ہوئی ہے اور تارکین بسم اللہ کی یہ دلیل ہے کہ ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم پہلے باسمک اللھم لکھتے تھے پھر جب آیۃ بسم اللہ مجریہا نازل ہوئی تو ہم بسم اللہ لکھنے لگے پھر جب ﴿قُلِ ادْعُوااللّٰهَ اَوِ ادْعُواالرَّحْمٰنَ﴾ نازل ہوئی تو ہم بسم اللہ الرحمٰن لکھنے لگے اور پھر جب یہ آیت: ﴿اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمَانَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ﴾ نازل ہوئی تو ہم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم لکھنے لگے پس اس سے معلوم ہوا کہ شروع زمانہ میں دو سورتوں کے درمیان بغیر بسم اللہ کے وصل تھا لہٰذا تارکین بسم اللہ نے شروع کی حالت اور بسم اللہ پڑھنے والوں نے اخیر حالت کا اعتبار کیا ہے اور ظاہر ہے کہ بسم اللہ پڑھنے والوں کے دلائل قوی ہیں جیسا کہ روایات مندرجہ بالا سے معلوم ہو چکا ہے، واللہ اعلم بالصواب.

وَوَصْلُكَ بَيْنَ السُّوْرَتَيْنِ فَصَاحَةٌ
وَصِلْ وَاسْكُتَنْ كُلٌّ جَلَايَاهُ حَصَّلَا

ش: **قولہ**: ووصلک مصدر مبتدا اور **قولہ**: بین السورتین یا تو اس کا ظرف یا مفعول بہ ہے۔ **قولہ**: فصاحۃٌ ای بیان واظھار اس کی خبر ہے اور **قولہ**: وَصِلْ امر من وصل اور **قولہ**: واسکتن امر مؤکدہ بنون خفیفہ اور واو معنیٰ میں اَوْ کے ہے کمثنیٰ وثلٰث کذا حررہٗ الجعبری اور ابوشامہ فرماتے ہیں کہ چونکہ وصل وسکتہ ایک حالت میں جمع نہیں ہو سکتے اس لیے تقدیر کلام اس طرح ہے وصل السورۃ بالسورۃ ان شئت واسکت بینھما ان شئت پس اس صورت میں تخییر کے معنیٰ پیدا ہو جائیں گے ورنہ واوٗ اصل وضع میں تخییر کے لیے نہیں ہے اور بعض کا قول یہ بھی ہے کہ واوٗ کبھی مجازاً تخییر کے لیے بھی آتا ہے۔ **قولہ**: کلٌّ مبتدا اور اس کی تنوین عوض میں مضاف الیہ کے ہے ای کل المخیرین اور۔ **قولہ**: جلایاہٗ جمع جلیۃ کی ہے اور یہ جلال الامر اذا بان واتضح سے ہے اور ضمیر (ہ) کا مرجع تخییر ہے جو واوٗ بمعنی او سے سمجھی گئی ہے یا اس کا مرجع لفظ کل ہے یعنی ہر ایک نے اپنے مذہب کے واضح اور ظاہر دلائل کو حاصل کیا ہے اور **قولہ**: حصّلا بالف الاطلاق مبتدا کی خبر ہے اور اس کی ضمیر مستتر کا مرجع لفظ کل ہے۔

ترجمہ: اور تمہارا دو سورتوں کے درمیان (صاحب فاء فصاحۃ حمزہ کے لیے) وصل کرنا (اعراب وغیرہ کا) ظاہر کر دینا ہے اور تم صاحب کاف کل وجیم جلایا وحاء حصلا ابن عامر وورش وابوعمرو کے لیے ہر دو سورۃ کا چاہے وصل کر دیا (ان دونوں سورتوں کے درمیان یعنی پہلی سورۃ کے اخیر پر) سکتہ کرو (ان مخیّرین میں

سے)ہر ایک نے اپنے اس مذہب تخییر کی ظاہر اور واضح دلیلوں کو حاصل کیا ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ امام حمزہ جو مرموز بفاء فصاحۃ ہیں انھوں نے ایک سورۃ کو دوسری سورۃ کے ساتھ بلا بسم اللہ پڑھتے ہوئے وصل کیا ہے اور ابن عامر و ورش اور ابوعمرو کے لیے اس میں دو وجہ ہیں ایک پہلی سورۃ کو دوسری سورۃ سے ملا کر پڑھنا اور دوسری، پہلی سورۃ کے اخیر پر بلا سانس توڑتے ہوئے سکتہ کرنا اور پھر دوسری سورت شروع کرنا اور ہم نے جو امام حمزہ کے لیے بین السورتین بلا بسم اللہ کے وصل کرنے کو فصاحت بمعنی ظاہر کرنا کہا ہے وہ اس لیے کہ اس صورت میں آخری حرف کا اعراب یا سکون ظاہر ہوتا ہے جیسے: ﴿وَلِيَ دِيْنِ o اِذَا﴾ اور ﴿الْاَبْتَرُ o قُلْ﴾ اور ﴿فَحَدِّثْ o اَلَمْ﴾ اور ﴿فَارْغَبْ o وَالتِّيْنِ﴾ وغیرہ اس کے علاوہ وصل کی صورت میں اور بھی دوسری باتیں ظاہر ہوتی ہیں مثلاً اجتماع ساکنین کی صورت میں پہلے ساکن کو کسرہ دینا یا اس کو حذف کرنا جیسے ﴿قَدِيْرُنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ اور ﴿وَاعْبُدُوْا اقْتَرَبَ﴾ نیز یہ کہ دوسری سورۃ کا پہلا حرف ہمزہ وصلی ہے یا قطعی جیسے: ﴿اَلْقَارِعَةُ﴾ اور ﴿اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ اور سورۃ کے آخری حرف پر خلف کے لیے سکتہ اور ورش کے لیے نقل کرنا جیسے: ﴿حَامِيَةٌ o اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ﴾ اور ﴿فَحَدِّثْ o اَلَمْ نَشْرَحْ﴾ چنانچہ ابوعلی اہوازی سے منقول ہے کہ امام حمزہ نے فرمایا ہے کہ میں نے دو سورتوں کے درمیان وصل کو اس لیے اختیار کیا ہے کہ اس سے قاری کو سورتوں کے آخری حروف کے اعراب کی حقیقت معلوم ہو جاتی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہٗ احسن۔

وَلَا نَصَّ كَـلَّا   حُبَّ وَجْهٌ ذَكَرْتُهُ
وَفِيْهَا خِلَافٌ جِيْدُ هُ وَاضِحُ الطُّلَا

ش: **قوله**: ولا نص ای ولا تصریح اور لا نفی جنس کی خبر محذوف ہے ای فی التخییر اوفی البسملة اور لغت حجاز میں یہ اکثر محذوف ہی ہوتے ہیں اور۔ **قوله**: کلا حرف روع اور تنبیہ کے لیے ہے اور **قوله**: حب بصیغة المجهول حب لغةٌ فی احب سے ہے یعنی یہاں یہ متعدی ہے اور معنی میں پسندیدہ کے ہے اور۔ **قوله**: وجهٌ ای مذهب اس کا نائب فاعل اور **قوله**: ذکرتهٗ صفت ہے اور **قوله**: فیها کی ضمیر کا مرجع بسملۃ مقدرہ ہے اور **قوله**: جیدهٗ ای عنقهٗ مبتدا اور اس کی ضمیر کا مرجع خلاف ہے اور۔ **قوله**: واضح خبر ہے اور **قوله**: الطلا بضم اوله جمع طلية یا طلاة ہے جس کے معنی صفحۂ گردن یعنی کنارہ گردن کے ہیں، اور گردن کے کنارے اگرچہ دو ہی ہوتے ہیں لیکن بوجہ التباس تثنیہ کے بجائے جمع کا صیغہ لے آئے ہیں: مثل عریض الحواجب وطویل الشوارب کے اور بعض

نے کہا ہے کہ طلا خود گردنوں کے معنی میں ہے جس کے معنیٰ یہ ہوئے کہ اس خلاف کی گردن دوسری گردنوں سے واضح اور بلند ہے اور گردن و سر کے مرتفع ہونے سے مرتبہ اور رتبہ کی بلندی سے کنایۃ کیا جاتا ہے ومنه الحديث ﴿المؤذنون اطول الناس اعناقًا يوم القيامة﴾ (قازی)

ترجمہ: اور نہیں ہے (اس تخییر کے بارے میں) کوئی تصریح ہرگز (یعنی ان سے کوئی نص اور تصریح نہیں ہے کہ انھوں نے دو سورتوں کے درمیان وصل وسکتہ بیان کیا ہو البتہ یہ وجہ (تخییر جس کو میں نے ذکر کیا ہے (ان کے لیے مشائخ سے) پسند کی گئی ہے اور اس (بسملہ) میں (صاحب جیم جیدہ ورش سے) خلاف ہے جس کی گردن تمام گردنوں سے واضح (اور بلند) ہے (یعنی یہ خلاف ایسا مشہور ہے جیسا کہ لمبی گردن کوتاہ گردنوں سے مشہور ہوا کرتی ہے۔

ف: جاننا چاہئے کہ اس شعر میں تین قول ہیں ایک تو یہ کہ اس میں صرف جیدہ کی جیم رمز ہے۔ تو اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ابن عامر وابوعَمرو وورش کے لیے اہل ادا نے نص کے بغیر وصل وسکتہ کو پسند کیا ہے۔ اور رمز جیم جیدہ ورش کا بسملۃ میں بھی خلاف ہے پس ابوعمرو وابن عامر کے لیے تو دو وجہ وصل وسکتہ ہوئیں اور ورش کے لیے تین وجہ ہوئیں دو تو یہی اور ایک بسم اللہ، دوسرا قول یہ ہے کہ اس میں کلا کا کاف وحب کی حاء وجیدہ کی جیم ابن عامر اور ابوعمرو وورش تینوں کے لیے رمز ہیں تو اس قول کی بناء پر مطلب یہ ہوگا کہ ابوعمرو وابن عامر کے لیے تو نص کے بغیر وصل وسکتہ ہے اور ورش کے لیے وصل وسکتہ اور بسم اللہ تینوں ہیں لیکن اس صورت میں نص کی نفی صرف ابوعمرو وابن عامر کے ساتھ مخصوص ہوگی حالانکہ واقعۃً ورش سے کوئی نص ثابت نہیں ہے اور وہ بھی ان کے ساتھ شریک ہیں، اور تیسرا قول یہ ہے کہ اس شعر میں کوئی بھی رمز نہیں ہے پس اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ ورش وابن عامر اور ابوعمرو کے لیے بلانص وصل وسکتہ ہے اور ان تینوں کا بسم اللہ میں بھی خلاف ہے یعنی تینوں کے لیے تین وجہ ہیں اور ابوشامہ کے قول پر اس شعر کا حاصل یہ ہے کہ ورش اور ابن عامر اور ابوعَمرو سے بسم اللہ میں خلاف منقول ہے یعنی بسم اللہ اور اس کا ترک ہے بلکہ اکثر مصنفین نے تو ابن عامر کے لیے صرف بسم اللہ ہی بیان کی ہے اب رہا یہ کہ ترک بسملہ پر آیا یہ حضرات حمزہ کی طرح وصل کرتے ہیں یا سکتہ کرتے ہیں اس کے متعلق ان سے کوئی نص نہیں آئی ہے۔ بلکہ شیوخ نے ان کے لیے دونوں وجہ استحبابًا بیان کی ہیں غرضیکہ ہماری رائے میں اس میں کوئی بھی رمز نہیں ہے کیونکہ اگر ہم کَلَّا کا کاف اور حب کی حاء کو رمز مان لیں تو اس سے یہ لازم آئے گا کہ نص کی نفی ابوعمرو اور ابن عامر کے لیے مخصوص ہے اور ورش سے نص ثابت ہے حالانکہ ان سے تخییر میں کوئی نص ثابت نہیں ہے۔ اسی طرح جیدہ کی جیم کو ورش کے لیے رمز مان لیں

تو بسم اللہ میں جو خلاف ہے وہ ورش ہی کے لیے مخصوص ہو جائے گا اور یہ بھی منقول کے خلاف ہے لہٰذا ہم کو ماننا پڑے گا کہ اس بیت میں کوئی رمز ہے ہی نہیں انتہی ، اور اگر اس بیت میں رمز مان لی جائے تو بقول ملا علی قاریؒ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہمارے شیوخ سے بسم اللہ میں ان مرموزین کلا حب کے لیے کوئی روایت نہیں ہے اور ورش مرموز جیم کے لیے بسم اللہ کا اثبات اور اس کا ترک دونوں وجہ ہیں جو مشہور ہیں پس اس تفسیر کی بناء پر ابو عمرو اور ابن عامر کے لیے شارح اول کی رائے پر بروایت شاطبی بسم اللہ نہیں ہے لیکن وجہ نفی التخییر ہے جس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ان دونوں سے ترک بسم اللہ ثابت ہے اور ان کے لیے نہ سکتہ میں کوئی نص ہے جس سے وصل ممتنع ہو اور نہ وصل میں ہے جس سے سکتہ ممتنع ہو پس ناقلین نے ان کے لیے تخییر ، یعنی وصل وسکتہ دونوں کو اختیار اور پسند کرلیا ہے۔ **واللّٰہ أعلم وعلمه احسن۔**

ف : دوسورتوں کے درمیان بسم اللہ کا پڑھنا اور نہ پڑھنا اور بغیر بسم اللہ وصل وسکتہ کرنا جن حضرات کے لیے بیان کیا گیا ہے یہ عام ہے یعنی یہ دو سورتیں خواہ ترتیب وار ہوں جیسے سورۃ فاتحہ کے بعد سورۃ بقرۃ یا بقرہ کے بعد آل عمران پڑھیں یا بلا ترتیب ہوں جیسے نساء کے بعد اعراف یا انفال وغیرہ دونوں حالتوں میں یہی حکم ہے لیکن اگر انفال کے بعد سورۃ توبہ شروع کریں تو اس میں سب کے لیے بغیر بسم اللہ کے تین وجہ ہیں۔ وقف۔ وصل۔ سکتہ ان میں سے جو چاہیں اختیار کرلیں۔ لیکن صاحب نشر کے نزدیک وقف اولیٰ ہے، اور ذیل کی چار سورتوں میں بالاتفاق سب کے لیے بسم اللہ ہے۔

(۱) سورۃ براۃ کے علاوہ کسی اور سورۃ سے پڑھنا شروع کریں (۲) سورۃ فاتحہ پر خواہ اس سے پڑھنا شروع کریں یا سنت پر عمل کرتے ہوئے ختم قرآن میں والناس کے بعد پڑھیں (۳) ایک سورۃ کو ختم کر کے پھر وہی سورۃ شروع کریں جیسا کہ قرآن پاک یاد کرنے اور وظائف وغیرہ پڑھنے کے وقت کرتے ہیں (۴) بسم اللہ پڑھنے والوں کے لیے پہلی سورۃ پر وقف کردیں اور اس کے بعد وصل یا سکتہ نہ کریں اب رہا یہ کہ اگر پہلی سورۃ کے اخیر پر وقف کر کے سورۃ براءۃ پڑھیں تو پھر بسم اللہ پڑھیں یا نہیں تو سخاویؒ وغیرہ کے قول پر اگر بسم اللہ برکت کے لیے پڑھی جاتی ہے تو کوئی حرج نہیں جیسا کہ درمیان سورۃ سے شروع کرتے وقت بسم اللہ برکت کے لیے پڑھی جاتی ہے باقی دوسرے حضرات کے قول پر نہ پڑھی جائے کیونکہ اس سورۃ کے شروع میں بسم اللہ لکھی ہوئی نہیں ہے اگر پڑھیں گے تو رسم واجماع کے خلاف ہوگا۔ واللہ اعلم وعلمہ احسن۔

وَسَكْتُهُمُ الْمُخْتَارُ دُونَ تَنَفُّسٍ

وَبَعْضُهُمُ فِي الْأَرْبَعِ الزُّهْرِ بَسْمَلَا

لَهُمْ دُوْنَ نَصٍّ وَهْوَ فِيهِنَّ سَاكِتٌ
لِحَمْــزَةَ فَافْهَمْهُ وَلَيْسَ مُخَــذَّلَا

ش: **قوله**: وسکتهم مبتداء اور ضمیر ہم کا مرجع مخیّرین یعنی ورش ابوعمرو اور ابن عامر ہے اور۔ **قوله**: المختار خبر ہے اور یہ تاکید ہے اس کی کہ واسکتن میں تو نون خفیہ سے سکتهم کا وصل سے اولیٰ ہونا اشارۃً تھا، اور یہاں صراحۃً ذکر کیا ہے، اور۔ **قوله**: دون تنفس یا تو دوسری خبر ہے یا حال ہے اور جعبریؒ کے قول پر یہ بھی جائز ہے کہ المختار مبتدا کی صفت اور دون تنفس خبر ہو لیکن اس صورت میں یہ لازم آتا ہے کہ سکتہ کی دو قسمیں ہیں ایک مختار اور دوسرا غیر مختار حالانکہ ایسا نہیں ہے پس ممکن ہے کہ اس کو اس طرح دفع کیا جائے کہ المختار صفت ہونے کی تقدیر پر تاکید ہوگی اور چونکہ اس سے قبل بھی اسکتن کے نون خفیہ سے ایک مرتبہ تاکید سمجھی جا چکی ہے اس لیے یہ تاکید کی تاکید ہوگی یا المختار خبر ہونے کی بناء پر بمعنی مرجح و اولیٰ اور صفت ہونے کی صورت میں صحیح کے معنیٰ میں ہے جو فاسد کے مقابل ہے۔
قوله: وبعضهم بالاشباع مبتداء اور اس کی ضمیر کا مرجع شیوخ ہے جو سیاق کلام سے سمجھا گیا ہے۔
قوله: فی الاربع میں نقل بھی جائز ہے لیکن بلا نقل اولیٰ ہے اور **قوله**: الزهر جمع زہرا کی ہے جواز ہر بمعنی روشن کی تانیث ہے اور اس سے اشارہ ہے اس طرف کہ یہ چار سورتیں جن کے اول میں لا اور ویل ہے یعنی ﴿لَا اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ﴾ اور ﴿لَا اُقْسِمُ بِهٰذَا الْبَلَدِ﴾ اور ﴿وَيْلٌ لِّكُلِّ﴾ اور ﴿وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ﴾ اہل فن میں خوب مشہور ہیں اس لیے ان کے نام بیان کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی۔
قوله: لهم کی ضمیر کا مرجع سُکات یہ بسمل کے متعلق ہے اور۔ **قوله**: دون نص کی تقدیر بسملة غیر منصوصة ہے اور۔ **قوله**: وهو بسكون الهاء لغةً وقراءةً مبتدا اور اس کا مرجع لفظ بعض ہے اور **قوله**: فيهنّ کا مرجع الاربع ہے۔ اور **قوله**: لحمزة متعلق قولہ: ساکت کے ہے اور ساکت ای آت بالسکت مبتدا کی خبر ہے اور **قوله**: ليس کی ضمیر سکت یا بعض یا مذہب کی طرف راجع ہے اور **قوله**: مخذلا کے معنیٰ متروک النصرة کے ہیں اور یہ لیس کی خبر ہے۔

ترجمه: اور سکتہ کرنا ان (تینوں مخیّرین ورش ابوعمرو وابن عامر) کا مختار بغیر تنفس کے ہے اور ان (شیوخ میں) کے بعض نے چار، روشن مشہور سورتوں میں ان سکتہ کرنے والوں کے لیے بغیر نص کے بسم اللہ پڑھی ہے اور یہی بعض (شیوخ ان چاروں سورتوں میں امام حمزہ کے لیے سکتہ کرنے والے ہیں پس سمجھ لو تم اس کو اور یہ متروک النصرۃ نہیں ہے (یعنی یہ مذہب ایسا نہیں ہے کہ جس سے انکار کیا گیا ہو بلکہ منصور اور مؤید و قوی ہے)

مطلب: فرماتے ہیں کہ ہم نے جو ان مخیّرین وصل وسکتہ کو بیان کیا ہے ان میں سے سکتہ کرنا یعنی بلا سانس توڑے ہوئے آواز بند کر کے تھوڑا اٹھہرنا وصل سے اولیٰ مرجح اور پسندیدہ ہے اور بعض شیوخ نے چار سورتوں میں جن میں سے دو کے اول میں لا اور دو کے اول میں ویل ہے یعنی سورۃ **قیامة وبلد وتطفیف وھمزہ** میں ان ہی تینوں ورش وابوعمرو وابن عامر کے لیے بغیر نص اور بلا تصریح کے استحبابًا بسم اللہ پڑھی ہے اور ان ہی بعض شیوخ نے امام حمزہ کے لیے ان ہی چار سورتوں میں سکتہ بھی کیا ہے پس حمزہ کے لیے ان میں دو وجہ وصل وسکتہ ہوئیں اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ مذہب ایسا نہیں ہے کہ جو چھوڑ دیا جائے بلکہ اس پر بھی عمل کرنا درست اور صحیح ہے۔

وَمَهْمَـا تَصِلْهَا أَوْبَدَأْتَ بَـرَاءَ ةً
لِتَنْـزِيْلِهَا بِالسَّيْفِ لَسْتَ مُبَسْمِلَا

ش: قولہ: براء ۃ ترکیب میں۔ **قولہ**: تصلها کی ضمیر سے بدل ہے اس کو سخاویؒ نے اختیار کیا ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ بدأت کا مفعول ہے ای ابتدأت بها اور جعبریؒ فرماتے ہیں کہ قولہ **مهما** منصوب ہے اس بناء پر کہ یہ فعل مقدر تقرأ کا مفعول فیہ ہے اور اس کا مفسر تصلها ہے اور تصلها اور بدأت دونوں تنازع فعلان سے ہیں اور ان دونوں کا براء ۃً کی مفعولیت میں تنازع ہے اور بصریوں کے مذہب مختار پر ثانی کو عمل دیا ہے اور اول میں جوازاً مفعول کی ضمیر لائے ہیں لیکن اس کا حذف کرنا افصح ہے **کقولہ تعالیٰ** ﴿اٰتُوْنِیْٓ اُفْرِغْ عَلَيْهِ قِطْرًا﴾ اور براء ۃ یا تو ضرورۃً منصرف ہے یا اس بناء پر کہ اس کی تقدیر بسورۃ براء ۃ ہے کیونکہ مراد اس سے سورت ہی ہے اور۔ **قولہ**: لتنزیلها نفی کی علت ہے اور اس سے مقدم ہے اور بالسیف کی باء حالیہ ہے ای ملتبسة به ای بسبب آیة السیف اور وہ ﴿اُقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ﴾ ہے اور۔ **قولہ**: لست مبسملا اپنے اسم وخبر سے مل کر جواب شرط اور نفی معنی میں نہی کے ہے اور فاء ضرورۃً محذوف ہے جعبریؒ فرماتے ہیں کہ جب ماضی بغیر قد کے جواب واقع ہو تو فاء کا لانا ممتنع ہے لیکن ان کے قول پر یہ اشکال ہوتا ہے جیسا کہ ابوشامہ نے کہا ہے کہ یہ تو وہاں ہوتا ہے کہ جہاں ماضی افعال متصرفہ میں سے ہو اور لیس تو فعل جامد ہے اس میں ایسا نہیں ہوتا اس لیے حق تعالیٰ کا قول ﴿وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ﴾ اور ﴿وَمَنْ لَّا يُجِبْ دَاعِيَ اللّٰهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِی الْاَرْضِ﴾ میں فاء آرہی ہے۔

ترجمہ: اور جب تم اس (سورۃ براۃ) کو (سورۃ انفال سے) ملا کر پڑھو یا (اسی سورۃ) براۃ کو علیحدہ پڑھو (یعنی اس سے ابتداء کرو) تو تم بسبب نازل ہونے اس (سورۃ) کے آیت سیف کے ساتھ بسم اللہ پڑھنے

والے نہیں ہوں گے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ سورۃ براءت پر کسی قاری کے لیے کسی حالت میں بسم اللہ نہیں ہے خواہ اس کو سورۃ انفال سے ملا کر پڑھیں یا اس سے ابتداء کریں کیونکہ اس سورۃ کا نزول غیظ وغضب اور وعید وتہدید پر ہوا ہے اور اس کی ابتداء میں جہاد کی آیتیں آئی ہیں اور بسم اللہ آیت رحمت وامان ہے اس لیے دونوں کو جمع کرنا مناسب نہیں ہے یہ علت حضرت علیؓ سے مروی ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اصل علت بسم اللہ پڑھنے کی یہ ہے کہ صحابہؓ نے اس پر مصاحف میں بسم اللہ نہیں لکھی ہے اور نہ اس پر نازل ہوئی ہے یا اس معنی کر بسم اللہ نہیں پڑھی جائے گی کہ معنیً سورۃ انفال سے متصل ہے کوئی علیحدہ سورۃ نہیں ہے پس دونوں ایک ہی سورۃ کے حکم میں ہیں۔ واللہ أعلم وعلمہٗ احسن۔

وَلَا بُدَّ مِنْهَا فِي ابْتِدَائِكَ سُوْرَةً
سِوَاهَا وَفِي الْأَجْزَاءِ خَيَّرَ مَنْ تَلا

ش: قوله: ولا بد ای لافراق من البسملة اور **قوله**: فی ابتدائک متعلق کون مقدر کے ہے اور ابتداء جس کے معنی جعل الشیٔ اوّلاً کے ہیں ومنہ قولہ تعالیٰ ﴿اَللّٰهُ يَبْدَأُ الْخَلْقَ﴾ مصدر مضاف الی الفاعل ہے اور اس کا مفعول **قوله**: سورۃ علی اسقاط الجار ہے ای بسورۃ کیونکہ بغیر باء کے بدأت الشیٔ کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ میں نے اس کو ابتداء بنادیا چنانچہ مَغْرَبْ میں ہے کہ ابتدأ زیدًا اور بدأ زیدًا نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ اس کا تعلق خارجی اشیاء کے ساتھ نہیں ہوا کرتا مثل ارادۃ کے۔ پس اسی وجہ سے سورۃ سے پہلے باء مقدر مانی گئی ہے اور چونکہ نکرہ کلام موجب میں صرف معنی کے اعتبار سے عام ہوا کرتا ہے مثل عَلِمَتْ نفسٌ کے اس لیے سورۃ معنی میں اَیُّ سورۃ کے ہے پس اسی وجہ سے سواہا کا استثناء صحیح ہوگیا۔

قوله: فی الاجزاء ای وفی ابتدائها متعلق **قوله**: خیر کے ہے اور خیر کا فاعل یا نائب فاعل **قوله**: من تلا بمعنی قرأ والاول اشهر والثانی اظهر فی الدراية. خلاصہ یہ ہے کہ خیر شارحین کے قول پر مجہول بھی ہے اور معروف بھی لیکن ابوشامہ کے نزدیک مجہول اولیٰ ہے۔

ترجمہ: اور ضروری ہے اس (بسم اللہ) سے تمہارے شروع کرنے میں کسی سورۃ کو سواء سورۃ براءۃ کے اور اجزاء (سُوَر) میں اختیار دیا گیا ہے اس شخص کو جو تلاوۃ کرے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ سورۃ براۃ کے علاوہ کسی اور سورۃ کے اول سے پڑھنا شروع کریں تو اس وقت تمام قراء کے لیے بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اور سورۃ کے اجزاء میں جس سے مراد غیر اول سورۃ ہے، ہر ایک آیت سے

شروع کرنے کی صورت میں قاری کو اختیار ہے چاہے بسم اللہ پڑھے چاہے نہ پڑھے دونوں وجہ صحیح و درست ہیں اور یہی حکم سورۃ برائۃ کی درمیانی آیتوں سے شروع کرنے کا ہے کیونکہ ناظمؒ نے فی الاجزاء مطلقاً فرمایا ہے متقدمین سے بھی اس بارے میں کوئی نص نہیں ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ براۃ و دیگر سورتوں کی درمیانی آیتوں سے شروع کرنے کا ایک ہی حکم ہے واللہ اعلم۔

وَمَهْمَا تَصِلْهَا مَعْ أَوَاخِرِ سُوْرَةٍ
فَلَا تَقِفَنَّ الدَّهْرَ فِيْهَا فَتَثْقُلَا

ش: قوله: مهما بقول ملا علی قاریؒ معنی میں ای البسملة کے ہے اور **قوله**: مع بسکون العین لغةً ہے اور۔ **قوله**: اواخر جمع ہے اور آخر یعنی واحد کے معنی میں ہے یا سورۃٍ جو واحد ہے جمع کے معنی میں ہے کیونکہ جو حکم بیان کیا جارہا ہے وہ تمام سورتوں کا ہے کسی خاص سورت کا نہیں ہے پس مع اواخر سورۃ اصل میں مع اواخر سورٍ ہے اور۔ **قوله**: فیها میں فاء معنی میں علیٰ کے ہے کقوله تعالیٰ ﴿فِيْ جُزُوْعِ النَّخْلِ﴾ اور ضمیر ہا کا مرجع بسملۃ ہے۔

ترجمہ: اور جب تم اس (بسم اللہ) کو کسی سورۃ کے آخر (کلمہ) کے ساتھ ملا کر پڑھو تو اس بسم اللہ پر کبھی بھی وقف نہ کرو ورنہ تم (اس پر وقف کرنے سے قرائۃ کے درمیان مقام ادا میں بسبب جہالت) گراں گزرو گے (اور برے معلوم ہو گے)

مطلب: فرماتے ہیں کہ اگر تم کسی سورۃ کو دوسری سورۃ کے ساتھ ملا کر پڑھنا چاہو اور پہلی سورۃ کے آخر کلمہ کو بسم اللہ کے ساتھ ملا کر پڑھو تو اس سورۃ میں بسم اللہ پر ہرگز بھی وقف نہ کرو بلکہ اس کے ساتھ دوسری سورۃ کو ملا کر پڑھو اور اگر تم نے ایسا نہیں کیا اور بسم اللہ پر وقف کر دیا تو تم اس عمل سے قراء کی نظروں میں گر جاؤ گے اور تمہاری جہالت ان پر ظاہر ہو جاوے گی کیونکہ بسم اللہ تو سورتوں کے شروع کے لیے ہے نہ کہ آخر کے لیے۔

ف: جاننا چاہئے کہ دو سورتوں کے درمیان بسم اللہ پڑھنے والوں کے لیے وصل و قطع کے لحاظ سے عقلاً چار صورتیں نکلتی ہیں۔

اول فصل کل: اور وہ یہ ہے کہ پہلی سورۃ کے آخر کلمہ پر اور بسم اللہ پر وقف کر کے دوسری سورۃ شروع کرے۔

دوسری وصل کل: یعنی تینوں کو ملا کر پڑھنا اور یہ اصل ہے۔

تیسری فصل اول وصل ثانی: یعنی سورۃ کے آخر پر وقف کر کے بسم اللہ کو دوسری سورۃ سے ملا کر پڑھنا اور یہ مستحب اور مختار ہے۔

چوتھی وصل اول فصل ثانی: یعنی سورۃ کے آخر کلمہ کے ساتھ بسم اللہ کو ملا کر اس پر وقف کرنا اور اس کے بعد دوسری سورۃ شروع کرنا یہ مکروہ اور ناجائز ہے کیونکہ اس سے مقصود کے خلاف اظہار ہوتا ہے۔

ف: ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ قراء کی ایک جماعت نے ذیل کی نو سورتوں کے ساتھ بسم اللہ کے وصل کو منع اور ناجائز بتایا ہے وہ نو سورتیں یہ ہیں۔

(۱) قیامہ (۲) بلد (۳) تطفیف (۴) ہمزہ (۵) محمد

(۶) عبس (۷) بینہ (۸) تکاثر (۹) لہب

اور ذیل کی گیارہ سورتوں کے وصل کو اولیٰ کہتے ہیں اس لیے کہ ان کے شروع میں ہمزہ وصل ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) فاتحہ (۲) انعام (۳) کہف (۴) سبا (۵) انبیاء (۶) فاطر

(۷) قمر (۸) الرحمٰن (۹) الحاقہ (۱۰) علق (۱۱) القارعہ

سُورَةُ أُمِّ الْقُرْاٰنِ ﴿۸﴾

یہ سورۃ فاتحہ کا نام ہے

اور اس کو اُمُّ القرآن اس لیے کہتے ہیں کہ یہ اول قرآن اور اصل قرآن ہے ومنہٗ قول تعالیٰ ھن ام الکتاب پس اسی لیے اس کو سب سے پہلے اعوذ باللہ اور بسم اللہ کے بعد لائے ہیں اور اس لیے بھی کہ حق تعالیٰ نے اپنی کتاب کو اسی سے شروع فرمایا ہے متقدمین نے بھی یہی ترتیب رکھی ہے اس میں جملہ اختلافات اصولی و فرشی بیان کیے ہیں مگر الرّحیم، مالک کے ادغام کو باب الادغام میں انشاء اللہ تعالیٰ تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

وَمَالِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ رَاوِيْهِ نَاصِرٌ
وَعِنْدَ سِرَاطِ وَالسِّرَاطِ لِ قُنْبُلَا
بِحَيْثُ أَتٰى وَالصَّادَ زَايًا أَشِمَّهَا
لَدٰى خَلَفٍ وَاشْمِمْ لِخَلَّادِ الْاَوَّلَا

ش: قولہ: مالک مبتدا اول اور مجرور حکایت کی بناء پر ہے اور **قولہ:** راویہ مبتدا ثانی اور اس کی ضمیر کا مرجع مدیا لفظ مالک ہے۔ **قولہ:** ناصر اس کی خبر پھر جملہ مبتدا اول کی خبر ہے اور **قولہ:** عند معنیٰ

میں فی کے ہے اور **قولہ**: ل فنبلا میں لام جارہ نہیں بلکہ ولی یلی بمعنی تبع سے امر کا صیغہ ہے پس اسی وجہ سے اس کو فنبلا سے جدا لکھا ہے اور اس کے ساتھ ہاء سکتہ بھی نہیں لائے ہیں تا کہ کسی کو اس کے جار مجرور ہونے کا وہم نہ ہو جائے اور **قولہ**: بحیث میں باء زائدہ ہے اور **قولہ**: اتیٰ کی ضمیر کل واحدٍ منهما کی طرف راجع ہے اور **قولہ**: الصاد کی دال میں روایۃً رفع ونصب دونوں ہیں اور نصب اکثر ہے جو باب الاضمار علیٰ شریطة التفسیر کی بناء پر ہے پس والصاد کو اشمم مذکور کا مفعول نہیں کہہ سکتے اور اشمم مذکور کا پہلا مفعول ضمیر مؤنث اور زایاً دوسرا مفعول ہے اور اشمم مقدر کا دوسرا مفعول محذوف ہے ای اَشِمَّ الصادزایاً اشمها زایاً یازایاً مقدر کا دوسرا مفعول ہے اور اشمم مذکور کا دوسرا مفعول محذوف ہے ای زایاً اور صاد کا رفع مبتدا ہونے کی بناء پر ہے مگر چونکہ اس کے بعد کا فعل جو ہے وہ امر ہے اور انشاء بغیر تاویل یا فعل مقدر خبر واقع نہیں ہوا کرتا اس لیے والصاد میں نصب ہی مختار ہے۔ **قولہ**: لدیٰ خلف ترکیب میں اشمها کا ظرف ہے اور **قولہ**: اشمم کی ہمزہ قطعی کو ہمزہ وصلی قرار دیکر حذف کرنا ضرورت کی بناء پر ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر واؤ عاطفہ حذف کر دیا جاتا تو پھر ہمزہ قطعی حذف نہ ہوتا اور **قولہ**: اَلَاوَّلاَ بالف الاطلاق میں الف لام عہد کا ہے۔ اور اس کی تقدیر الحرف الاول ہے اور یہ اشمم کا پہلا مفعول ہے اور اس کا دوسرا مفعول محذوف ہے ای زایا اس میں ہمزہ کی حرکت نقل کر کے لام کو دی گئی ہے اور ہمزہ کو حذف کیا گیا ہے اب اگر اس عارضی حرکت کا اعتبار کریں تو لخلاد کی تنوین کا حذف ضرورت شعری کی وجہ سے ہوگا اور اگر اس کا اعتبار نہ کریں اور لام کو اب بھی ساکن ہی سمجھیں تو پھر تنوین کا حذف اجتماع ساکنین کی بناء پر ہوگا اور کبھی ایسا بھی کرتے ہیں کہ تنوین کو حرف علت پر محمول کرتے ہوئے اس کو حذف کر دیتے ہیں جیسا کہ قراءۃ شاذۃ میں احد الله الصمد بغیر تنوین کے آیا ہے۔

ترجمہ: ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ (الف کے ساتھ) جو (صاحب راء روایہ ونون ناصر کسائی وعاصم کے لیے) ہے اس کا راوی (اس قراءت کا) مددگار ہے اور تم سراط اور السراط (کو سین سے پڑھنے) میں قنبل کا اتباع کرو جہاں کہیں بھی یہ (لفظ سراط) آئے اور (اس کے) صاد کو (ہر جگہ اور ہر حالت میں) زاء کی بو دے کر پڑھو خلف کے لیے اور خلاد کے لیے (صرف) اول (لفظ کے صاد) کو (زاء کی) بو دے کر پڑھو۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ کسائی وعاصم نے ﴿مَالِكِ يَوْمِ الدِّينِ﴾ کو بالمد یعنی اثبات الف کے ساتھ پڑھا ہے پس باقی قراء کے لیے بلا الف کے یعنی مَلِكِ پڑھنا متعین ہو گیا۔ کیونکہ یہ اختلاف اثبات وحذف کے قبیل سے ہے اور سراط والسراط خواہ الف لام کے ساتھ ہو یا بلا الف لام کے ہو ہر جگہ قنبل نے

بجائے صاد کے سین سے پڑھا ہے اور خلف نے ہر جگہ اور خلاد نے صرف سورۃ فاتحہ کے اول لفظ میں صاد کا زاء کے ساتھ اشمام کیا ہے باقی ہر جگہ انھوں نے مثل باقی قراء کے خالص صاد پڑھا ہے عام اس سے کہ وہ سورۃ فاتحہ کا دوسرا صراط ہو یا اور کسی جگہ ہو اور کیفیت ادائے گی اس اشمام کی یہ ہے کہ صاد کی آواز کو زاء کی آواز کے ساتھ اس طرح مخلوط کر کے پڑھنا کہ سننے والے کو نہ تو صاد خالص ہی معلوم ہو اور نہ زاء خالص بلکہ ان دونوں کا درمیانی حرف معلوم ہو باقی اصل دارومدار استاذ مشاق اور ماہر سے سننے پر ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ لفظ مالک میں الف تلفظ سے سمجھا گیا ہے اور یہ باب استغناء سے ہے (اور صراط میں قنبل کے لیے سین پڑھنا تلفظ اور کتابت سے سمجھا گیا ہے کہ قصیدہ میں سراط اور السراط سین سے لکھے ہوئے ہیں اور ان کی باقی دو قراءتوں سے جن کو ناظمؒ نے بتلا دیا ہے کہ ایک میں اشمام ہے اور دوسری میں خالص صاد ہے ان چیزوں کے مجموعہ سے معلوم ہوا کہ صرف تلفظ اور کتابت ہی سے نہیں بلکہ ان دو کے ساتھ تیسری چیز باقی دو قراءتوں کی تعیین کو بھی ملانا پڑے گا لہٰذا یہ باب استغناء سے نہیں ہوا کیونکہ اس باب سے وہی قراءت ہو سکتی ہے کہ جس سے شعر کا وزن درست رہ سکے اور یہ قراءت وزن ہی سے ظاہر ہو جائے اور یہاں صراط کی تینوں قراءتوں میں سے ہر قراءت پر وزن درست رہتا ہے (قاری عن الجمر)

عَلَيْهِمْ إِلَيْهِـــمْ حَمْــزَةٌ وَ لَدَيْهِمُو
جَمِيْعًا بِضَمِّ الْهَاءِ وَقْفًا وَمَوصِلَا

ش: قوله: علیھم اس کے بعد واؤ عاطفہ محذوف ہے اور یہ اور **قوله:** الیھم ولدیھم تینوں فعل مقدر قرأ کے مفعول ہیں اور **قوله:** همزة فاعل ہے اور **قوله:** جمیعًا یا تو تینوں کلمات سے حال ہے یا ظرف ہے ای فی کل القرآن اور **قوله:** بضم الهاء اس فعل مقدر کے متعلق ہے اور **قوله:** وقفًا وموصلا دونوں مصدر ہیں اور حمزۃ سے حال ہیں، ای واقفاً وواصلاً او ذا وقفٍ ووصل.

ترجمه: علیھم (اور) الیھم اور لدیھم کو حمزہ نے تمام قرآن میں ہاء کے (کسرہ کے بجائے) ضمہ سے پڑھا ہے۔ حالت وقف میں بھی اور حالت وصل میں بھی۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ ان تینوں کلمات میں حمزہ کے لیے ہر دو حالت وصل وقف میں ہر جگہ ہاء کا ضمہ ہے پس باقی قراء کے لیے ہاء کا کسرہ ہو گا جو اس بات سے سمجھا گیا ہے کہ ضمہ حمزہ کے لیے مخصوص ہو گیا ہے اور فتحہ کوئی لغت ہی نہیں لہٰذا کسرہ متعین ہو گیا اور جعبریؒ فرماتے ہیں کہ کسرہ کی قراءت باقی قراء کے لیے ناظمؒ کے آئندہ قول وفی الوصل کسر الهاء سے نکلتی ہے کیونکہ ضمہ کی ضد فتحہ ہے کسرہ نہیں ہے ابو شامہ فرماتے

ہیں کہ اگر ناظمؒ بجائے بضم الھاء کے بضم الکسر فرما دیتے تو باقیین کی قراءت بھی اس لفظ کسر سے نکل آتی اور ممکن ہے ارادہ بھی ہو پھر لکھواتے وقت زبان کی سبقت کی وجہ سے بضم الھاء نکل گیا ہو۔ اور ابھی عنقریب وفی الوصل کسر الھاء اور وقف للکل بالکسر سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ اختلاف یاء کہ ضمہ اور کسرہ میں ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ امام حمزہ کے لیے وصل وقف کی تعمیم اس لیے بیان کی گئی ہے تا کہ کسی کو وقف للکل بالکسر سے شبہ نہ ہو کہ ان کے لیے بھی ان کلمات میں وقفاً کسرہ ہو گا پس اس کے لیے ہر حال میں ضمہ ہی ہے۔

ف: اس بیت کے تینوں کلمات میں روایۃً ھاء کا کسرہ وضمہ دونوں ہیں لیکن اولیٰ یہ ہے کہ ان کو ھاء کے کسرہ سے پڑھا جائے تا کہ دوسروں کی قراءت بھی تلفظ سے معلوم ہو جائے اور ترکیب بھی لازم نہ آئے۔

وَصِلْ ضَمَّ مِيمِ الْجَمْعِ قَبْلَ مُحَرَّكٍ
دِرَاكًا وَقَالُونٌ بِتَخْيِيرِهِ جَلَا

ش: قوله: قبل یا تو ظرف ہے یا حال اور **قوله**: دراکًا مصدر ہے درا کا متابعۃ کا اور ترکیب میں صل کے فاعل سے حال ہے ای صلہ تابعًا لما نقل اور **قوله**: قالون مبتدا اور **قوله**: جلا اس کی خبر ہے ای کشف اللغتین بجمعه بین القرأتین اور **قوله**: بتخییرہ اس کے متعلق ہے اور تخییر کی اضافت فاعل کی طرف ہے تو ضمیر کا مرجع قالون اور اگر مفعول کی طرف مضاف ہے تو پھر ضمیر کا مرجع ضمہ بتقدیر صلہ ہو گا۔

ترجمہ: اور تم ضمیر جمع کے میم کے ضمہ کا متحرک (حرف) سے پہلے (صاحب وال درا کا ابن کثیر کے لیے واؤ کے ساتھ صلہ کرو درانحالیکہ تم (نقل کے) تابع ہو اور قالون اپنی تخییر (صلہ وعدم صلہ ان دونوں لغتوں) کے ساتھ ظاہر ہوئے ہیں (یعنی انھوں نے صلہ وعدم صلہ دونوں لغتوں کو اس تخییر کے سبب سے ظاہر کر دیا ہے، پس ان کے لیے صلہ وعدم صلہ دونوں وجہ ہیں)۔

وَمِنْ قَبْلِ هَمْزِ الْقَطْعِ صِلْهَا لِوَرْشِهِمْ
وَأَسْكَنَهَا الْبَاقُونَ بَعْدُ لِتَكْمُلَا

ش: قوله: صلہا ای صل ضم میم الجمع اور **قوله**: من قبل اور لورشھم دونوں اس کے متعلق ہیں اور ضمیر ہم کا مرجع قراء ہیں اور **قوله**: واسکنھا کی ضمیر کا مرجع ہے میم جمع ہے اور **قوله**: بعد اس کا متعلق باقون سے ہے۔ ای الذی بقوا فی ذکری بعد ذکر من وصل اور **قوله**: لتکملا بالف

الاطلاق متعلق اسکنھا کے ہے اور منصوب بلام صیرورۃ ہے ای تصیرانت کاملاً فی معرفتھا اولتصیر ھی کاملۃً شاملۃ لاحکامھا. اور چونکہ یہاں صلہ کی ضد سے باقی کے لیے بغیر صلہ کے میم پرضمہ ہونے کا وہم ہوتا تھا اس لیے ناظمؒ نے بتلایا کہ باقی قراء کے لیے میم کا سکون ہوگا۔

ترجمہ: اور ہمزہ قطعی سے پہلے اس (میم جمع) کا صلہ کروان (قراء) میں کے ورش کے لیے اور جو قراء (قالون وورش ابن کثیر) کے بعد باقی رہے ہیں انھوں نے اس (میم جمع) کو ساکن پڑھا ہے تاکہ یہ میم جمع (بسبب اپنے احکام کے) کامل ہوجائے (یا تاکہ تم اس کی معرفت میں کامل ہوجاؤ)

مطلب: یعنی جب میم جمع جو ہم وکم وتم میں ہوتی ہے متحرک حرف سے پہلے واقع ہو عام اس سے کہ یہ متحرک حرف ہمزہ قطعی ہو یا اور کوئی حرف ہو جیسے علیھم غیر، اور معکم اینما، وجاء کم موسیٰ وغیرہ تو ابن کثیر کے لیے بلا خلاف اور قالون کے لیے بخلاف (صلہ وعدم صلہ دونوں) اس میم کو ضمہ دے کر اس میں واؤ کے ساتھ صلہ کریں گے، یعنی اس میم کے ضمہ کو اس قدر کھینچ کر پڑھیں گے کہ جس سے ایک واؤ ساکنہ پیدا ہوجائے جیسے علیھمُ غیر وغیرہ اور اگر اس میم جمع کے بعد ہمزہ قطعی ہو تو اس میں ورش نے بھی مثل ابن کثیر مکی کے بلا خلاف صلہ کیا ہے جیسے :علیھمُ ءَاَ نذرتھمُ ام لم اور منھمُ اُمِّیُّوْن وغیرہ چونکہ اس میں بعد صلہ مد منفصل کا قاعدہ پایا جاتا ہے اس لیے اس میں ان کے لیے مد طویل (جس کی مقدار پانچ الف ہے) اور ابن کثیر کے لیے صرف قصر اور قالون کے لیے قصر ومد دوالفی ہوگا اور قالون، ورش اور ابن کثر کے علاوہ باقی قراء نے اس میم جمع کو جو متحرک سے پہلے ہے۔ ساکن پڑھا ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ ہر وہ میم جمع جو متحرک حرف سے پہلے واقع ہو اگر یہ متحرک ہمزہ قطعی کے علاوہ کوئی اور حرف ہے تو اس میم جمع میں ابن کثیر کے لیے بلا اختلاف صرف صلہ ہوگا اور قالون کے لیے مع اختلاف یعنی صلہ وعدم صلہ دونوں ہوں گے اور اگر یہ حرف متحرک ہمزہ قطعی ہے تو اس صورت میں ورش نے بھی اس میم جمع میں ابن کثیر کی طرح بلا خلاف صلہ کیا ہے اور جو ان کے علاوہ باقی قراء ہیں انھوں نے اس میم جمع کو ساکن پڑھا ہے۔

ف: جاننا چاہئے کہ میم جمع قبل متحرک میں صلہ بحالت وصل ہوگا نہ کہ بحالت وقف جیسا کہ ناظمؒ کے قول وصلھا سے سمجھا گیا ہے کیونکہ صلہ کے لیے میم جمع کے بعد حرف متحرک کا ہونا جو کہ شرط کے درجہ میں ہے بحالت وصل ہی ہوسکتا ہے وقف کی حالت میں یہ شرط باقی نہیں رہے گی پس جب شرط باقی نہیں رہی تو پھر مشروط (صلہ) ہی کب باقی رہے گا اور نیز یہ یاد رکھو کہ یہاں حرف متحرک سے مراد عام ہے خواہ حقیقی ہو یا تقدیری تاکہ تشدید والی قراءت میں بھی صلہ کا کیا جانا شامل ہوجائے جیسے فَظلتم تفکّھون اور کنتم تمنّون.

ف: میم جمع کی قید سے غیر میم جمع جیسے فاحکم ولیعلم وغیرہ اور متحرک کی قید سے ساکن حرف نکل گیا اور اسکنھا الباقون سے میم جمع کا مابعد والے حرف سے رسماً جدا ہونا بھی معلوم ہو گیا، کیوں کہ میم جمع کا ساکن ہونا جب ہی ہو سکتا ہے جب کہ وہ مقطوع ہو موصول نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ میم جمع کے ھاء ضمیر متصل ہونے کی صورت میں تمام قراء کے لیے صلہ ہے جیسے اَنُلْزِمکموھا وغیرہ اب اس کے بعد ناظمؒ اس میم جمع کا حکم بیان فرماتے ہیں جو ساکن حرف سے پہلے ہو۔

وَمِنْ دُونِ وَصْلٍ ضَمُّهَا قَبْلَ سَاكِنٍ
لِكُلٍّ وَبَعْدَ الْهَاءِ كَسْرُ فَتَى الْعَلَا
مع الكَسْرِ قَبلَ الْهَا أوِ اليَاءِ سَاكِنًا
وَفِي الوَصْلِ كَسْرُالهَاءِ بالضَّمِّ شَمْلَلَا
كَمَا بِهِمُ الْأَسْبَابُ ثُمَّ عَلَيْهِمُ الْـ
قِتَالُ وَقِفْ لِلْكُلِّ بِالْكَسْرِ مُكْمِلَا

ش: **قوله**: من دون وصل ای من غیر صلة اور **قوله**: ضمّها بفتح وضمّ اشهر الروايتين مصدر مضاف الی المفعول مناسبة لكسر مبتدا اور **قوله**: لکلّ اس کی خبر ہے اور من ای کے متعلق ہے اور ایک روایت پر ضمها بمناسبة صلها کے امر ہے اور اس کی ضمیر ہا جس کا مرجع میم ہے اس کا مفعول ہے اور **قوله**: من دون اس ضمیر سے حال ہے اور **قوله**: کسر فتی العلا مبتدا مضاف الی الفاعل ہے اور اس کا مفعول (المیم) محذوف ہے اور **قوله**: بعد الهاء اس کی خبر ہے اور **قوله**: مع الکسر ترکیب میں المیم المقدرہ سابقة سے حال ہے اور **قوله**: قبل الهاء بالقصر ضرورة ظرف الکسر اور **قوله**: اوالیاء اکا عطف الکسر پر ہے اور تنویع کے لیے ہے ای قبل احدهما اور **قوله**: ساکنا ترکیب میں یاء سے حال ہے کیونکہ حروف میں تذکیر وتانیث دونوں جائز ہیں اور **قوله**: کسر الهاء مبتدا اور شمللا بالف الاطلاق بمعنی اَسرَعَ اس کی خبر ہے اور ما زائدہ ہے ای المختلف بهم الاسباب وعليهم القتال اور ان دونوں مثالوں میں روایۃ ہاء ومیم دونوں کا کسرہ ہے اور علیٰ قرأة الاکثر ان میں ہاء کا کسرہ اور میم کا ضمہ زیادہ ظاہر ہے واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور بغیر صلہ کے اس (میم جمع) کا ساکن سے پہلے تمام قراء کے لیے ضمہ ہے اور ہاء کے بعد فتی العلا (ابوعمرو) کا (میم جمع) کو کسرہ دینا (ثابت) ہے اس حال میں کہ وہ (میم جمع) ہاء سے پہلے کسرہ کے یا یاءِ ساکنہ کے ساتھ ہو (یعنی ہاء سے پہلے ہی کسرہ یا یاء ساکنہ ہو) اور ہاء کا کسرہ جو ہے اس نے حالت وصل میں ضمہ کے ساتھ (صاحب شین شمللا حمزہ وکسائی کے لیے اپنی جگہ لانے میں) جلدی کی ہے مثل بھم الاسباب وعلیھم القتال کے اور تم وقف کرو (اس میم جمع پر) کل قراء کے لیے (ہاء کے) کسرہ کے ساتھ درانحالیکہ تم (میم جمع کی وجوہِ قرأت کو) کامل کرنے والے ہو۔

مطلب: ناظمؒ نے ان تین اشعار میں اس امر کو بیان فرمایا ہے کہ اگر میم جمع کے بعد ساکن حرف ہو تو اس صورت میں تمام قراء نے اس میم جمع کو ضمہ دیگر بغیر صلہ کے پڑھا ہے جیسے انتم الاعلون. علیکم الصِّیام، اکثرھم الفاسقون وغیرہ لیکن اگر یہ میم جمع ہاء کے بعد واقع ہو اور ہاء سے پہلے کسرہ یا یاء ساکنہ ہو تو ان دونوں صورتوں میں ابوعمرو نے ہاء اور میم دونوں کا کسرہ اور حمزۃ کسائی مرموز شین شمللا نے دونوں کا ضمہ پڑھا ہے اور باقی کے لیے ہاء کا کسرہ اور میم کا ضمہ ہے مثال اس کی یہ ہے جیسے ﴿بِهِمُ الْاَسْبَابِ﴾ اور ﴿عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ﴾ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر تم اس میم جمع پر وقف کرو تو اس صورت میں تمام قراء سبعہ کے لیے ہاء کا کسرہ اور میم کا سکون ہوگا لیکن حمزہ کے لیے الفاظ ثلثہ مذکورہ علیھم، الیھم، لدیھم اس سے مستثنیٰ ہیں ان کے لیے وقفاً ووصلاً ہاء کا ضمہ ہی ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے اور یاد رکھو کہ ناظمؒ کا یہ قول وفی الوصل وضاحت کے لیے ہے احتراز کے لیے نہیں اس لیے کہ کلام وصل ہی میں ہو رہا ہے ورنہ تو ہر میم جمع کے ضمہ کے ساتھ یہی شرط لگانے کی ضرورت تھی، دوسری بات یہ کہ وقف للکل سے بھی یہی معلوم ہو رہا ہے کہ جو اختلاف اس سے پہلے بیان کیا گیا ہے وہ وصل ہی میں ہے اور چونکہ میم جمع پر جو وقف ہوتا ہے وہ اسکان ہی کے ساتھ ہوتا ہے کیونکہ اس میں روم واشمام جائز نہیں ہے لہٰذا اس سے سمجھا گیا کہ میم پر ضمہ وصل ہی میں ہو گا۔ اسی وجہ سے ناظمؒ نے بھی اس کو بیان نہیں کیا، واللہ تعالیٰ أعلم وعلمہٗ احسن.

بَابُ الْادْغَامِ الْكَبِيْرِ ﴿٤٢﴾

یہ باب ادغام کبیر کے بیان میں ہے

خواہ ایک کلمہ میں ہو یا دو کلموں میں ادغام کے لغوی معنی ہیں کسی شی کا کسی شی میں داخل کرنا وَمِنْهُ اَدْغَمْتُ اللجَام فِیْ فَمِ الفرس اِذَا اَدْخَلْتَہ اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ اول حرف کو ثانی حرف میں

اس طرح ملا کر مشدد پڑھنا کہ دونوں حرف ایک ہی دفعہ ادا ہوں اور فائدہ اس کا یہ ہے کہ دونوں حرفوں میں اداءِ سہولت پیدا ہو جائے ادغام کا سبب تماثل وتجانس وتقارب ہے۔ تماثل سے مراد دو حرفوں کا مخرج اور صفت میں متحد ہونا ہے مثل الباء مع الباء اور تجانس سے مراد یہ ہے کہ دو حرف مخرج میں متحد ہوں نہ کہ صفات میں مثل الطاء مع التاء اور تقارب یہ ہے کہ دو حرف مخرج یا صفت یا دونوں میں متقارب ہوں مثل الدال مع السین او الشین ومثل اللام مع الراء ے اور شرط ادغام کی یہ ہے کہ مدغم ومدغم فِیہ دونوں رسمًا متصل ہوں خواہ تلفظًا ہوں یا نہ ہوں اور موانع ادغام جو ہیں ان کو عنقریب خود ناظمؒ آئندہ اپنے موقع پر ان شاءاللہ تعالیٰ بیان فرمائیں گے۔ اب اگر حرف متحرک کا ادغام بعد ساکن دوسرے حرف متحرک میں ہوا ہے تو اس کو ادغام کبیر کہتے ہیں کیونکہ اس میں بنسبت صغیر کے عمل زیادہ ہوتا ہے یعنی مدغم کو ساکن کرنے کے بعد بلا ابدال یا مع ابدال ادغام کیا جاتا ہے جیسے ﴿فِیہِ هُدیً﴾ ﴿اِنَّهُ هُوَ﴾ وغیرہ بخلاف ادغام صغیر کے کہ اس میں مدغم پہلے ہی سے ساکن ہوتا ہے جیسے ﴿اِذْ ذَّهَبَ﴾ وغیرہ، ان میں سے ہر ایک مثلین وغیرہ کی طرف منقسم ہوتا ہے جیسا کہ عنقریب ان شاءاللہ تعالیٰ معلوم ہوگا۔

وَدُونَکَ الْاِدْغَامَ الْکَبِیْرَ وَقُطْبُهُ
اَبُوعَمْرِوِ الْبَصْرِیُّ فِیهِ تَحَفَّلَا

ش: **قوله**: ودونک اسم فعل بمعنیٰ الزم وخذ یقال دونک کذا ای خذه اور **قوله**: الادغام بالنقل اس کا مفعول ہے **قوله**: وقطبهُ ای قطب الادغام مبتدا اور واوٗ استینافیہ یا حالیہ ہے قطب اصل شئ کو کہتے ہیں اور وہ کہ جس پر کام کا دارومدار ہو اور سردار کے معنیٰ میں آتا ہے اور **قوله**: ابو عمرو خبر ہے اور **قوله**: فیه کی ضمیر کا مرجع ابوعمرو ہے، اور **قوله**: تحفلا بالف الاطلاق جملہ مستانفہ ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع ادغام ہے اور مسی میں اجتماع کے ہے یقال تحفل المجلس وتحفل اللبن فی الضرع وتحفل الوادی اذا امتلاء بالماء اور یہ بھی جائز ہے کہ ابوعمرو عطف بیان اور تحفلا مبتدا کی خبر ہو پس اس صورت میں فیہ کی ضمیر کا مرجع ادغام اور تحفلا کی ضمیر کا مرجع ابوعمرو ہوگا۔ ای تحفل ابو عمرو وفی امر الادغام من جمع حروفه ونقله والاحتجاج لهٗ والقراۃ به یقال احتفلت لکذا او بکذا اوفی کذا. یعنی جب احتفل اور تحفل کا صلہ لام یا باء یا فی آتا ہے تو اس وقت دونوں کے معنیٰ ایک ہی ہوتے ہیں مثل اِکْتَسَبَ وتَکَسَّبَ اور مراد ناظمؒ کی اس سے یہ ہے کہ اس ادغام کبیر کا مدار ابوعمرو پر ہے اور ان ہی سے یہ اخذ کیا گیا ہے اور

ان ہی کی طرف اس کی اسناد کی جاتی ہے اور قراء کے درمیان یہ ادغام انہی سے زیادہ مشہور ہے اگر چہ حسن اور ابن محیصن اور اعمش وغیرہ سے بھی ادغام نقل کیا گیا ہے مگر وہ مشہور نہیں ہے۔

ترجمہ: اور تم ادغام کبیر کو لے لو اس حال میں کہ اس (ادغام) کا مدار (اور اس کے اصل) ابوعمرو بصری ہیں جن میں یہ (ادغام) مجتمع ہوا ہے (یعنی یہ ادغام ان ہی کے ساتھ مخصوص ہے دوسروں کے یہاں یہ ادغام نہیں ہے یا یہ معنیٰ کہ جنھوں نے اس ادغام کے بارے میں قواعد وضوابط اور نقل (دلائل کو جمع کیا ہے)

تنبیہ: یادرکھو کہ ناظمؒ کے قول سے اگر چہ بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ادغام کبیر ابوعمرو کے لیے بروایتیں عام ہے یعنی ان کے دونوں راوی ادغام کرتے ہیں لیکن ایسا نہیں ہے بلکہ ان کے نزدیک یہ ادغام بروایت سوسی ہے نہ کہ بروایت دوری جیسا کہ امام سخاویؒ نے اپنی شرح میں جو اس قصیدہ کے شارح اول ہیں بیان فرمایا ہے کہ ابو القاسم شاطبی ادغام کبیر سوسی کے طریق پڑھتے تھے اس لیے کہ انھوں نے اسی طرح پڑھا تھا اور صاحب اتحاف البریہ نے بھی اسی طرح پڑھنے کا حکم فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں الادغام بالسوسی خص (انتہی) اور یہی عند القراء مشہور ہے اور غالبًا اسی وجہ سے ناظمؒ نے بھی اس کی تصریح نہیں فرمائی ہے اور اس اختلاف کو تیسیر کی طرح بلا تصریح ہی بیان فرمادیا ہے۔

فَفِي كِلْمَةٍ عَنْهُ مَنَا سِككُمْ وَمَا
سَلَككُمْ وَبَاقِي الْبَابِ لَيْسَ مُعَوَّلَا

ش: قولہ: منا سككم مبتداء ای ادغامهٗ اور اس کو اس بیت میں بلا ادغام کے پڑھنا اولیٰ ہے کیونکہ اگر یہ ادغام کے ساتھ پڑھا جائے گا تو اس وقت میم پر ضمہ اور صلہ دونوں لازم آئیں گے اور یہ نہ ابوعمرو کی قراءت ہے اور نہ ان کے غیر کی ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ حالت اضطرار میں اس طرح کا ارتکاب درست اور جائز ہے كقوله ﴿فِيْمَا بَعْدَ﴾ ﴿وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ﴾ پس اس میں بیت کا وزن بغیر صلہ کے درست ہی نہیں رہتا لہٰذا اس کو صلہ ہی کے ساتھ پڑھنا پڑے گا۔ **قولہ**: وما سلككم اس کا عطف مناسككم پر ہے۔ اور اس کا تلفظ بیت میں ادغام اور سکون میم کے ساتھ ہے کیونکہ بغیر اس طرح پڑھنے کے بیت کا وزن صحیح نہیں رہتا ہے اور **قولہ**: عنه بالا شباع خبر ہے اور اس کی ہاء کا مرجع ابوعمرو ہے اور **قولہ**: وباقی الباب ای باب المثلین من كلمة مبتدا اور **قولہ**: لیس معولا اس کی خبر ہے ای لیس الادغام معولا ای معتمداً علیه (قاری)

ترجمہ: پس ایک کلمہ میں ان (ابوعمرو) سے مَنَا سِكَكُمْ اور مَا سَلَكَكُمْ (کا ادغام) ہے اور باقی باب (مثلین

کا ادغام ایک کلمہ میں) جو ہے قابل اعتماد نہیں ہے (یعنی ان دو لفظوں کے سوا ایک کلمۃ کے مثلین میں کسی جگہ بھی ادغام نہیں ہے اور گو بعض ناقلین جِبَا هُهُمْ و بِاَعْيُنِنَا اور بِشِرْكِكُم اور وُجُوْهِهِمْ میں ادغام نقل کیا ہے مگر یہ لائق اعتماد نہیں ہے پس ان میں اظہار ہی ہوگا، اور یہی صحیح اور قوی ہے۔

وَمَا كَانَ مِن مِثْلَيْنِ فِي كِلْمَتَيْهِمَا

فَلَا بُدَّ مِنْ إِدْغَامِ مَا كَانَ أَوَّلَا

ش: **قوله**: وما کان میں ما موصولہ متضمن معنی شرط اور کان تامہ ہے اور اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع ما ہے اور **قوله**: من مثلین حال ہے اور **قوله**: فلا بد میں فاء جواب شرط ہے، اور **قوله**: من ادغام الخ لا کی خبر ہے **قوله**: ما کان میں ما موصولہ اور کان ناقصہ ہے اور اس کا اسم ضمیر جس کا مرجع ما اور **قوله**: اوّلا اس کی خبر ہے۔

ترجمه: اور وہ کہ جو مثلین (کے دو حرفوں میں) سے (ہر حرف) اپنے دو کلموں میں پایا جائے تو (ان میں سے) اس (حرف) کا ادغام کرنا ضروری ہے جو اول ہو۔

مطلب: یعنی جب دو حرف متحرک مثلین میں سے دو کلموں میں اس طرح جمع ہوں کہ اول حرف اوّل کلمہ کے آخر میں اور دوسرا، دوسرے کلمہ کے شروع میں ہو اور کوئی مانع ادغام بھی نہ ہو تو اس صورت میں ابوعمرو کے لیے پہلے حرف کا ادغام دوسرے حرف میں کرنا ضروری ہے مثال اگلے بیت میں مذکور ہے۔

كَيَعْلَمُ مَا فِيهِ هُدًى وَطُبِعَ عَلَى

قُلُوبِهِمُ وَالْعَفْوَ وَأْمُر تَمَثَّلَا

ش: **قوله**: كيعلم ما اى المثلان المنفصلان مثل يعلم ما الىٰ آخره اور **قوله**: فيه میں روایۃ ہاء کا صلہ ہے اور باعتبار وزن بغیر صلہ کے پڑھنا بھی صحیح ہے اور **قوله**: تمثلا یا تو امر مؤکدہ بانون خفیفہ ہے اور اس میں الف نون سے بدلا ہوا ہے تَصَوَّرْ یا فعل ماضی ہے اور اس کا الف اطلاق کے لیے ہے۔ ای تمثل المذكور وتشكل المسطور.

ترجمه: (مثلین منفصلین کی مثال) مثل ﴿يَعْلَمُ مَا﴾ ﴿فِيهِ هُدًى﴾ اور ﴿طُبِعَ عَلَى قُلُوْبِهِمْ﴾ اور ﴿اَلْعَفْوَ وَأْمُرْ﴾ کے ہے تم ضرور (ان کا) تصور کرو (اور ان کو خوب ذہن نشین کر لو تا کہ باقی کو ان پر قیاس کر سکو یا یہ معنی کہ مذکور مثال دیا گیا اور تشکل اور ظاہر ہو گیا۔)

ف: جاننا چاہئے کہ ناظمؒ نے اس بیت میں دو کلموں کے جمع ہونے والے مثلین کی جو چار مثالیں بیان کی ہیں

ان میں وہ انواع ثلثہ بھی آگئیں کہ جن پر پورے باب کا دارومدار ہے اس لیے یہ مدغم سے پہلا حرف یا تو متحرک ہوگا یا ساکن، اگر متحرک ہو تو اس کی مثال یعلم ما اور طبع علیٰ قلوبھم ہے۔ اور اگر ساکن ہے پھر یا تو حرف مد ہوگا یا حرف صحیح ساکن پس اگر حرف مد ہے تو اس کی مثال فیہ ھدیً ہے اور جو حرف صحیح ساکن ہے تو اس کی مثال خُذِ الْعَفْوَ و أمر ہے اور نیز اس سے اس طرف بھی اشارہ کہ مثلین میں ادغام ہر صورت میں ہوگا خواہ مدغم سے پہلے متحرک ہو یا ساکن، اور ہر ساکن چاہے حرف علت ہو چاہے حرف صحیح ساکن اور یہ کہ مدغم اور مُدغم فیہ کا رسماً متصل ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ ان چاروں مثالوں میں بھی ایسا ہی ہے پس انا نذیر میں ادغام نہیں ہوگا کیونکہ مثلین اس میں رسماً متصل نہیں ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان الف فاصل ہے اور اِنَّہٗ ھُوَ میں باوجود فاصل ہونے صلہ کی واؤ کے جو ہاء کا ہاء میں ادغام ہوا ہے وہ اس وجہ سے کہ دونوں ہاء رسماً متصل ہیں اور صلہ کا واؤ جو صرف تلفظ میں آتا ہے وہ حرف علت ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے اس اس لیے اس کو فاصل نہیں سمجھا گیا۔ اب اس کے بعد ناظمؒ موانع ادغام کو مع امثلۃ کے بیان فرماتے ہیں۔

إِذْ لَمْ يَكُنْ تَا مُخْبِرٍ أَوْ مُخَاطَبٍ
أَوِ الْمُكْتَسِى تَنْوِيْنَهُ أَوْ مُثَقَّلَا
كَكُنْتُ تُرَابًا أَنْتَ تُكْرِهُ وَاسِعٌ
عَلِيْمٌ وَأَيْضًا تَـمَّ مِيْقَاتُ مُثِّلَا

ش: **قولہ**: اذا ظرف ہے، ادغام مذکور کا جو اسی باب کے تیسرے شعر میں ہے اسی لیے جواب کا محتاج نہیں ہے اور۔ **قولہ**: لم یکن کی ضمیر کا مرجع اول المثلین ہے جو ما کان اولا سے مستفاد ہوتا ہے اور اس کی خبر تا مخبر یعنی متکلم کی تاء ہے اور او تنویع کے لیے ہے کیونکہ مراد یہ ہے کہ ان چاروں میں سے ہر ایک مستقل مانع ہے۔ سب کا مجموعہ مراد نہیں ہے اور **قولہ**: المکتسی میں الْ موصولہ ہے اور اس کی یاء پر بجائے نصب کے سکون اس کی لغت کی بناء پر ہے کہ جس نے ما بقی من الرّبوا کی باء پر سکون پڑھا ہے، اور **قولہ**: تنوینہٗ منصوب باسم الفاعل ہے اور مراد اوْ مُنَوّنًا ہے۔ اور **قولہ**: مثقلا مشدّدًا کا عطف خبر پر ہے۔ اور **قولہ**: ککنتُ ترابا الخ اس شعر میں حرف عاطف تخفیفاً حذف کیا گیا ہے اور بقول جعبریؒ اس میں جملہ کا جملہ پر عطف ہے لیکن اظہر یہ ہے کہ چونکہ یہ معنیً میں کھٰذہ الالفاظ کے ہے اسی لیے مفرد کا مفرد پر عطف ماننا اولیٰ ہے۔ **قولہ**: ایضاً آض رجع کا مصدر ہے ای اقول راجعًا الی الادغام. اور **قولہ**: مثقلا جملہ

متانفہ ہے اور اس کا الف اطلاق کے لیے ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع مذکور ہے ای مثل جمیع الموانع الاربعة یا اس کی ضمیر تم میقات کے لیے ہے ای وایضًا تم میقات مثل به کما مثل بالثلاثة الاوّل.

ترجمہ: (یہ ادغام مذکور اسی وقت ہوگا) جب کہ وہ (مثلین کا اول حرف) متکلم یا مخاطب کی تاء نہ ہو یا منون یا مشدّد نہ ہو مثل کنت تُرابا. انت تکرہ. واسع علیم. اور نیز مثل تَمّ میقات کے مثال دیا گیا ہے مذکورہ (یعنی ان موانع میں سے ہر ایک بذریعہ مثال بیان کر دیا گیا ہے)

مطلب: بیان فرماتے ہیں کہ یہ ادغام مثلین فی کلمتین کے اول حرف کا دوسرے حرف میں اس وقت ہوگا جب کہ مثلین کا اول حرف یعنی مدغم نہ تو متکلم کی تاء ہو اور نہ مخاطب کی جیسے ﴿كُنْتُ تُرَابًا﴾ ﴿وَاَنْتَ تُكْرِهُ﴾ اور نہ منون ہو جیسے ﴿وَاسِعٌ عَلِيْمٌ﴾ اور نہ مشدد ہو جیسے: ﴿تَمَّ مِيْقَاتُ﴾ وغیرہ اور ان میں ادغام نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ متکلم ومخاطب کی تاء فاعل ہے اور ادغام قریب من الحذف ہے۔ اور فاعل حذف نہیں ہوا کرتا اور انت میں جو حرف تاء کو ضمیر قرار دیا گیا ہے وہ مجازًا ہے ورنہ تو حقیقت میں پورا کلمہ (انت) ضمیر ہے۔ اور تنوین کی صورت میں جو ادغام نہیں ہوتا اس کی وجہ یہ ہے کہ تنوین باوجود کتابت میں نہ ہونے کے پھر بھی فاصل بین المثلین سمجھا گیا ہے اور ویسے بھی یہ بمنزلہ زینت وزیور کے ہے پس اسی وجہ سے اجتماع ساکنین کی صورت میں اس پر کسرہ دیا جاتا ہے، حذف نہیں کیا جاتا اس کی طرف ہمزہ کی حرکت بھی نقل کی جاتی ہے۔ شعر میں وزن قائم رکھنے کی وجہ سے اس کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اب رہا یہ کہ من فضلہ ہو وغیرہ میں بھی تو صلہ فاصل بین المثلین ہے پھر یہاں ہاء کا ہاء میں ادغام کیوں کیا جاتا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حرف علت ضعیف ہے اور تنوین قوی ہے کیونکہ یہ صحیح اور مستقل حرف ہے اور مقصود بالذات بھی اسم کے متمکن اور منصرف ہونے پر دلالت کرتا ہے، پس اسی وجہ سے قاضی میں حرف علت یاء حذف ہوئی ہے، نہ کہ تنوین اس کے علاوہ صلہ کی واؤ یا یاء جو ہے وہ حرکت کے کھینچنے سے پیدا ہوتی ہے مستقل کوئی حرف نہیں ہے۔ اس لیے اجتماع ساکنین کی صورت میں صلہ حذف ہو جاتا ہے بخلاف تنوین کے کہ وہ حذف نہیں ہوتا بلکہ اس کو حرکت دی جاتی ہے اور اس کی طرف ہمزہ کی حرکت بھی نقل کی جاتی ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ اور مشدّد کے ادغام نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے۔ واللہ أعلم وعلمهٗ احسن.

وَقَدْ أَظْهَرُوا فِيالْكَافِ يَحْزُنْكَ كُفْرُهُ
إِذِ النُّوْنُ تُخْفَى قَبْلَهَا لِتُجَمَّلَا

ش: **قوله**: وقد اظهروا، اس کی ضمیر کا مرجع رواۃ ادغام عن السوسی ہے اور **قوله**: یحزنک یا تو مفعول ہے ای کافہٗ یا **قوله**: فی الکاف کا عطف بیان ہے۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر بجائے فی الکاف کے فی کاف یحزنک فرمادیتے ای ادقعوا الاظهار فیه تو یہ زیادہ ظاہر تھا اور **قوله**: لتجملا بحذف احد التائین ای لتحسن تعلیل الاخفاء او الاظهار ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع کلمہ یا نون ہے اور اس کا الف اطلاق کے لیے ہے۔

ترجمه: اور اظہار کیا ہے (سوسی کے رواۃ ادغام نے) یحزنک کفرہٗ کے کاف میں اس لیے کہ نون اس (کاف) سے پہلے اخفاء سے پڑھا جاتا ہے تا کہ یہ (نون) اخفاء کے سبب سے یا کلمہ اس اظہار (عدم ادغام) کی وجہ سے خوبصورت اور حسین ہو جائے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ فلا یحزنک کفرہ جو سورۃ لقمان میں ہے اس میں باوجود ادغام کا قاعدہ پائے جانے اور عدم موانع اربعہ کے پھر بھی بعض اہل ادا نے ادغام نہیں کیا بلکہ اس کو اظہار سے پڑھا ہے اور وجہ ادغام نہ ہونے کی یہ ہے اس نون میں جو کاف سے پہلے ہے اخفاء ہو رہا ہے اور نون اس کی وجہ سے خوبصورت اور عمدہ بن گیا ہے کیونکہ اخفاء صفات عارضہ میں سے ہے اور صفات عارضہ حرفوں کی زینت ہیں پس اسی وجہ سے ان کو مزینۃ ومحلّیۃ بھی کہتے ہیں۔

ف: یہ عدم ادغام کی علّت اخفاء ابو طاہر بن ابی ہاشم وغیرہ نے بیان کی ہے اور کہا ہے کہ چونکہ اخفاء بھی اظہار و ادغام کی درمیانی حالت کا نام ہے اس لیے اخفاء ادغام کے قائم مقام ہو گیا، پس فلا یحزنک کفرہٗ میں نون مثل مدغم اور اس کے بعد کاف مثل مدغم فیہ کے ہو کر حکم میں مشدد کے ہو گیا اور مشدد کا ادغام جائز نہیں ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ لہٰذا فلا یحزنک کفرہٗ میں بھی کاف کا ادغام نہیں ہوگا، اس کے علاوہ یہ بھی ہے کہ چونکہ اخفاء کے سبب نون کا مخرج خیشوم کی طرف منتقل ہو جاتا ہے اس لیے اس کے بعد تشدید کا ادا کرنا مشکل ہے اور بعض کہتے ہیں ادغام تخفیف کی وجہ سے کیا جاتا ہے اور یہاں اخفاء ہی سے تخفیف حاصل ہو گئی۔ اس لیے اب ادغام کی کیا ضرورت رہی، جعبریؒ فرماتے ہیں کہ اخفاء بھی دیگر موانعات کی طرح ایک مانع ادغام ہے فرق صرف اتنا ہے کہ پہلے چار موانع تو کلی ہیں اور مدغم سے پہلے اخفاء کا پایا جانا جزئی مانع ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعِنْدَهُمُ الْوَجْهَانِ فِي كُلِّ مَوْضِعٍ
تَسَمَّى لِأَجْلِ الْحَذْفِ فِيهِ مُعَلَّلا

كَيَبْتَغِ مَجْزُوْمًا وَإِنْ يَكُ كَاذِبًا
وَيَخْلُ لَكُمْ عَنْ عَالِمٍ طَيِّبِ الْخَلَا

ش: قولہ: عندھم ترکیب میں خبر مقدم ہے اور ضمیر ہم کا مرجع رواۃ ادغام ہیں۔ اور **قولہ**: الوجھان مبتدا مؤخر اور الف لام عہد کے لیے ہے اور **قولہ**: فیہ متعلق مقدر کے ہے جو **قولہ**: الحذف کی صفت ہے ای الحاصل فیہ اور اس کی ضمیر کا مرجع موضع ہے اور **قولہ**: معلّلا ای مغیّرا مفعول بہ ہے اور **قولہ**: کیبتغ میں کاف زائدہ ہے اس لیے کہ قرآن مجید میں سوائے ان تین کلموں کے اور کوئی کلمہ مجزوم نہیں آیا ہے لہٰذا اگر فیبتغ فرما دیتے تو اولیٰ تھا اور **قولہ**: مجزومًا حال ہے بتقدیر خذہ اَوِ انْقُلْہُ اور **قولہ**: عن عالم ای عن رجل عالم اسی مقدر کے متعلق ہے۔ اور **قولہ**: طیب الخلا بالقصر کے معنی تر گھاس کے ہیں لیکن یہاں اس سے مراد مجازاً علم یا بات ہے کیونکہ جس طرح گھاس کو توڑتے اور چنتے ہیں اس طرح علم بھی حاصل کیا جاتا ہے پس طیب الخلا معنی میں حسن العلم والحدیث کے ہے اور عالم سے مراد یا تو ابوعمرو یا یزیدی یا سوسی یا علامہ دانی یا خود ناظم رحمۃ اللہ علیہ ہیں اَوَاللہُ اعلم۔

ترجمہ: (اور ان رواۃ ادغام) کے نزدیک دو وجہ ہیں ہر ایسی جگہ میں کہ جس نے بسبب حذف کے جو اس میں ہوا معلّل نام پایا ہو (اور وہ جگہ) مثل یَبْتَغِ اور وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا اور يَخْلُ لَكُمْ کے مجزوم ہونے کی حالات میں ہے (تم اس کو) ایسے عالم سے (لو یا نقل کرو) جو اچھا اور عمدہ علم والا ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ ناقلین ادغام عن ابی عمرو کے نزدیک ہر ایسے کلمہ میں ادغام و اظہار دونوں وجہ ہیں کہ جس کے آخر میں سے کسی حرف علت کے حذف ہونے کی وجہ سے اجتماع مثلین ہوگیا ہو اور وہ کلمہ اس حذف کے سبب سے معلل کہلانے لگا ہو کیونکہ لغت میں ہر اس کلمہ کو معلل کہتے ہیں کہ جس میں کسی جگہ حرف علت ہو پھر اگر اس حرف میں کسی وجہ سے تغیر ہو جائے تو اس کلمہ کو معل یا معلل کہتے ہیں گویا کہ اس میں مرض اور بیماری پیدا ہوگئی ہے پس ایسے کلمات قرآن مجید میں صرف تین جگہ آئے ہیں (۱) وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ (۲) وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا (۳) يَخْلُ لَكُمْ یہ تینوں مجزوم ہیں اس لیے کہ یبتغ اصل میں یبتغی تھا یاء بوجہ جزم حذف ہوگئی اور وَاِنْ يَّكُ كَاذِبًا میں اِنْ يَّكُ کی اصل يَكُوْنُ ہے نون بسبب جزم ساکن ہو گیا، بعدہٗ اجتماع ساکنین کی وجہ سے واؤ بھی حذف ہوگیا، پھر نون کو بھی تخفیفاً حذف کر دیا گیا اور یخل لکم اصل میں یخلوا بالواؤ تھا، واؤ جواب امر کی وجہ سے حذف ہوگیا۔ پس ان میں دونوں وجہ صحیح و درست ہیں۔

وَيَا قَوْمِ مَالِي ثُمَّ يَا قَوْمِ مَنْ بِلاَ
خِلَافٍ عَلَى الْإِدْغَامِ لَا شَكَّ أُرْسِلَا

ش: قوله: يا قوم مالي مبتدا اور دوسرا يا قوم من اس کا معطوف اور **قوله:** اُرسلا بمعنی اطلقا تثنیہ ہے اور ضمیر تثنیہ کی ہر دو لفظ یا قوم کی طرف راجع ہے اور یہ خبر ہے اور **قوله:** بلا خلاف حال ہے ای متلبسین بلا خلافٍ اور **قوله:** علی الادغام متعلق ارسلا کے ہے اور قولہ لا شک ای لا شک فیه جملہ معترضہ مؤکدہ ہے۔

ترجمہ: اور یا قوم مالی اور یا قوم من دونوں بلا خلاف اوپر ادغام کے بلا شک اطلاق کیے گئے ہیں (اس میں شک نہیں)

مطلب: یعنی ﴿يَا قَوْمِ مَالِي﴾ اور ﴿يَا قَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ مِنَ اللّٰهِ﴾ یہ دونوں لفظ جو ہیں ان کے ادغام میں نہ تو کوئی خلاف ہے اور نہ اس میں کسی شک کی گنجائش ہے بلکہ ان دونوں میں مدغمین سوسی نے ادغام کیا ہے اور غرض ان دونوں کے بیان کرنے سے یہ ہے تا کہ ان لوگوں کا وہم رفع ہو جائے کہ جنھوں نے اس کی اصل پر کہ یا قومی تھا نظر کرتے ہوئے اس کو باب یبتغ سے کہا ہے کہ جس طرح یبتغ وغیرہ کے آخر سے حرف علت حذف ہوا ہے اسی طرح یا قوم کے آخر سے بھی یاء متکلم حذف ہوئی ہے لہٰذا یہ بھی معلل ہے اور اس میں بھی دو وجہ ادغام و اظہار ہونی چاہئیں حالانکہ ان دونوں کو باب یبتغ سے کہنا اور اس پر قیاس کرنا کسی طرح صحیح نہیں ہے کیونکہ یبتغ وغیرہ میں جو آخر کا حرف علت حذف ہوا ہے وہ اس کے اصلی حروف میں سے تھا اور یا قوم میں جو یاء متکلم کی حذف ہوئی ہے وہ زائدہ اور اضافت کی یاء ہے جو ایک علیحدہ مستقل کلمہ ہے اصلی حروف میں سے نہیں ہے اور اس میں لغت فصیحہ بحذف الیاء ہی ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس میں سرے سے یاء ہی نہیں ہے جو حذف کی جاتی۔ بلکہ یہ تو اپنے اصلی حروف پر باقی ہے لہٰذا اس کو معلل کہنا کسی طرح بھی صحیح نہیں ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَإِظْهَارُ قَوْمٍ آلَ لُوطٍ لِكَوْنِهِ
قَلِيْلَ حُرُوْفٍ رَدَّهُ مَنْ تَنَبَّلَا
بِإِدْغَامِ لَكَ كَيْدًا وَلَوْ حَجَّ مُظْهِرٌ
بِإِعْلَالِ ثَانِيهِ إِذَا صَحَّ لَاعْتَلَا

ش: **قوله**: اظھار قوم مبتدا مضاف الی الفاعل اور **قوله**: آل لوط اس کا مفعول ہے اور **قوله**: لکونه تعلیل اظہار اور ضمیر کا مرجع لفظ آل ہے اور **قوله**: قلیل حروف خبر ہے، اگر کان ناقصہ ہے۔ اور اگر کان تامہ ہے تو پھر یہ حال ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے جعبریؒ کے اس قول سے کہ یہ حال ہے جبکہ کان ناقِصہ ہے اور اس سے مصدر نہیں آتا ہے حالانکہ اس کا مصدر کلام عرب میں خبر کے معرفۃ ہونے کی صورت میں کثرت سے آتا ہے اور اس وقت حال ممتنع ہے (قاری) اور **قوله**: ردّهٗ مبتداء کی خبر اور اس کی ضمیر کا مرجع اظہار ہے۔ اور **قوله**: من موصولہ یا موصوفہ ہے، اور قوله ولو حجّ یہاں معنیٰ میں احتجّ کے ہے اور اس کے مشہور معنیٰ غلب فی الحجة کے ہیں جیسا کہ مشکوٰۃ میں ہے ﴿فحجّ ادم وموسىٰ عليهما السَّلامَ﴾ لیکن یہاں یہ معنیٰ نہیں لے سکتے کیونکہ پھر لاعتلا کا لانا بے فائدہ اور بے معنی ہو جائے گا اس لیے کہ جو حجت میں غالب ہوتا ہے وہ مرتفع اور بلند ہوتا ہی ہے اور اس کو یہ چیز حاصل ہو ہی جاتی ہے اور **قوله**: باعلال ثانيه کی تقدیر بتکرار اعلال ثانیہ ہے تاکہ کسی کو اس کے ظاہری معنیٰ پر کہ اس کے دوسرے حُروف میں تعلیل ہوئی ہے یہ وہم نہ ہو کہ قال لهم وغیرہ میں بھی اظہار ہونا چاہیے کیونکہ اس کے بھی دوسرے حروف میں تعلیل ہوئی ہے، چنانچہ اسی وجہ سے ملاعلی قاریؒ نے اس شعر میں اس طرح تغیر فرمایا ہے۔

بِاِدْغَامَ لَکَ کَیْدًا وَلَوِاحْتَجَّ مُظْهِرٌ ❁ بِتَکرار اعلالٍ اذا اصَحَّ لاعتلا

ترجمه: اور ایک قوم کا اظہار (بلا ادغام) سے پڑھنا آل لوط (کے لام) کو اس (آل) کے قلیل حروف ہونے کے سبب سے ہے اس (اظہار کرنے) کو رد کیا ہے، اس شخص (عالم) نے جو جلیل القدر (یا وفات پا چکا) ہے لک کیدًا کے ادغام کے ساتھ اور اگر اظہار کرنے والا (بجائے قلیل حروف کے) اس (آل) کے دوسرے حروف کی تعلیل کے ساتھ دلیل پیش کرتا (اس وقت) جبکہ یہ (اظہار کرنا نقلاً) صحیح بھی ہوتا تو وہ (اظہار کرنے والا غالب اور) بلند ہو جاتا (یعنی اس کی یہ دلیل اور اظہار دونوں قبول کر لیے جاتے، مگر چونکہ یہ دونوں باتیں نہیں ہے اس لیے دلیل اور اس کی وجہ سے اظہار دونوں قابل رد ہے۔)

مطلب: یعنی اہل بغداد کی ایک جماعت نے جن میں سے ابن مجاہد وغیرہ بھی ہیں لفظ آل لوط میں ہر جگہ ادغام کرنے سے منع کیا ہے اور اس کو اظہار سے پڑھایا ہے اور دلیل یہ بیان کی ہے کہ اس میں حروف کم ہیں، اگر ادغام کیا گیا تو حروف اور بھی کم ہو جائیں گے۔ علامہ دانیؒ نے جو اس فن کے بڑے زبردست عالم ہیں یا ان لوگوں نے جو وفات پا چکے ہیں اور مشائخ قراء میں سے تھے لک کیدًا کے ادغام سے اس کا رد کیا ہے کہ لک کیدًا میں باوجود اس کے کہ اس میں آل سے بھی کم حروف ہیں یعنی باعتبار اتصال کے صرف دو

حرف اور باعتبار انفصال کے صرف ایک حرف ہے پھر بھی اس کے ادغام پر اجماع ہے اور آپ حضرات نے بھی اس میں ادغام کیا ہے۔ پس اگر قلت حروف کی دلیل ادغام کے لیے مانع ہوتی تو پھر اس میں بھی ادغام نہ ہونا چاہئے تھا لہٰذا معلوم ہوا کہ تمہارا یہ قلت حروف کی دلیل پیش کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس کے بعد ناظمؒ **ولو حج مظهر الخ** سے فرماتے ہیں کہ اگر یہ حضرات جو اس میں اظہار کرتے ہیں اس لفظ آل کے اعلال ثانیہ کے ساتھ دلیل بیان کرتے اور یوں کہتے کہ چونکہ آل کے دوسرے حرف میں یکے بعد دیگرے دو مرتبہ تعلیل ہو چکی ہے۔ اب اگر اس میں ادغام کیا گیا تو تین تعلیلیں جمع ہو جائیں گی بشرطیکہ اس میں اظہار بھی نقلاً صحیح ہوتا تو بے شک وہ اپنی اس دلیل کے سبب سے غالب آجاتے اور ان کی یہ (دلیل اور اس کی وجہ سے اظہار دونوں تسلیم کر لیے جاتے۔ مگر چونکہ نہ تو انھوں نے یہ دلیل بیان کی اور نہ اس میں نقلاً اظہار صحیح ہے۔ چونکہ علامہ دانیؒ نے تیسیر کے علاوہ دوسری کتابوں میں بیان فرمایا ہے کہ مجھے یزیدی کے طریق سے اس میں اظہار معلوم نہیں ہوا، اور جو انھوں نے دلیل بیان کی ہے وہ بھی ٹھیک نہیں ہے اس لیے ان کی یہ دلیل اور اس کے سبب سے اظہار دونوں ناقابل قبول ہیں۔ واللہ اعلم وعلمہٗ احسن۔

اب اس کے بعد ناظمؒ اگلے بیت میں آل کی تعلیل بیان فرماتے ہیں۔

فَإِبْدَالُهُ مِنْ هَمْزَةٍ هَاءٌ اصْلُهَا
وَقَدْ قَالَ بَعْضُ النَّاسِ مِنْ وَّاوٍ ابْدِلاَ

ش: قوله: فابداله مبتدا، اور اس کی ضمیر کا مرجع آل کا ثانی حرف الف ہے اور **قوله**: همزة اس کی خبر ہے۔ اور **قوله**: اصلها مبتدا اور اس کی ضمیر کا مرجع ہمزہ ہے اور ہاء اس کی خبر مقدم ہے۔ اور **قوله**: من واو متعلق ابدال کے ہے۔

ترجمه: پس اس (آل کے ثانی حرف الف) کا ابدال ہمزہ سے ہوا ہے جس کی اصل ہاء ہے۔ اور بعض لوگوں نے کہا ہے کہ یہ (الف) واؤ سے بدلا گیا ہے۔

مطلب: یعنی لفظ آل کی کیفیت اعلال میں دو مذہب ہیں ان میں سے ایک سیبویہ وغیرہ کا ہے وہ کہتے ہیں کہ آل کی اصل اہل تھی کیونکہ اس کی تصغیر اُہیل آتی ہے ہاء کو ہمزہ سے بدل لیا تا کہ اس کو الف سے بدلنے کے لیے کوئی صورت نکل آئے پھر بوجہ اجتماع ہمزتین کہ ان میں سے پہلا متحرک اور دوسرا ساکن تھا اس دوسرے ہمزہ کو وجوباً الف سے بدل لیا آل ہو گیا، اور دوسرا مذہب کسائی اور ان کے متبعین کا ہے ان کے نزدیک اہل کی اصل اول تھی بتصغیر اُویل واؤ کو بقاعدۂ اجوف واوی کہ واؤ متحرک ماقبل مفتوح اس کو الف سے بدل لیا یہی مذہب صحیح اور موافق

قیاس معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اہل لغت نے آل کو فصل الواؤ بعد الہمزہ یعنی مادہ اول میں بیان کیا ہے، پس یہ آل یؤل بمعنی رجع سے مشتق ہے کیونکہ انسان کی آل نسب اور دین ومذہب وغیرہ میں اسی کی طرف رجوع ہوا کرتی ہے۔

وَوَا وُهُوَ الْمَضْمُومِ هَاءً كَهُو وَّمَنْ
فَأَدْغِمْ وَمَنْ يُظْهِرْ فَبِالْمَدِّ عَلَّلَا

ش: قوله: واو هو مبتداء مضاف اور **قوله:** المضموم صفت ہے اور **قوله:** هاء تمیز ہے ای الذی ضم هاوهٗ اور **قوله:** فادغم مبتداء کی خبر ہے اور اس میں فاء زائدہ ہے اور چونکہ امر بغیر تاویل کے خبر واقع نہیں ہوا کرتا ہے اس لیے اس کی تقدیر المعقول فیه ادغمهٗ ہے اور اگر روایۃً رفع نہ ہوتا تو پھر واؤ کے اوپر نصب ارجح تھا، اور بعض نے کہا ہے کہ خبر میں فاء اس لیے لائی گئی ہے کہ مبتدا متضمن بمعنی شرط ہے۔ واللہ اعلم وعلمہٗ احسن۔

ترجمہ: اور ھو کی واؤ جو باعتبار ہاء کے مضموم ہو مثل **ھو ومن** کے پس تم (اس واؤ کا واؤ میں) ادغام کرو اور جو (اس واؤ کا) اظہار کرتا ہے اس نے (اس واؤ کے مدّہ ہو جانے کے ساتھ علت بیان کی ہے (یعنی جب اس کو ادغام کے لیے ساکن کریں گے تو یہ مدہ بن جائے گا۔ اور مدہ کا ادغام جائز نہیں ہے)

مطلب: یعنی اگر ھو کی ہاء پر ضمہ ہو، اور اس کے بعد دوسرا واؤ آجائے جیسے: **ھو ومن** اور **ھو والذین** وغیرہ تو اس صورت میں **ھو** کے واؤ کا دوسرے واؤ میں مثلین کے قاعدے کے موافق بمذہب جمہور صرف ادغام ہوگا اور بعض حضرات اس میں اظہار بھی کرتے ہیں اور اس کی علت یہ بیان کرتے ہیں کہ جب ھو کی واؤ کو ادغام کے سبب سے ساکن کریں گے تو اس وقت یہ مدّہ ہو جائے گا۔ اور مدّہ کا ادغام منع ہے۔ کیونکہ ادغام کرنے سے مدّیت جو مستلزم بالذات ہے ادغام کی وجہ سے معدوم ہو جائے گی اور مدّہ کا مدّہ ہونا فوت ہو جائے گا اور اس کا ایک الف کے برابر دراز ہونا تشدید کی وجہ سے جاتا رہے گا۔ لیکن ان کا یہ علت بالمدّ بیان کرنا اور اس کی وجہ سے اس میں اظہار کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ **قالوا واقبلوا** اور **قالوا وهم** وغیرہ میں حرف مد تحقیقی ہے یعنی بلحاظ اصل پہلے ہی سے ساکن ہے اور **ھو ومن** وغیرہ میں تقدیری ہے یعنی ساکن کرنے کے بعد حرف مد ہوتا ہے اور حرف مد تحقیقی کے ترک ادغام سے صرف مد تقدیری کا ترک ادغام لازم نہیں آتا ہے کیونکہ صرف مد تقدیری میں مدّیت کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اس کے علاوہ ناظمؒ نے بھی اس علت بالمد پر نقض وارد کیا ہے اور انھوں نے اس کو اگلے بیت میں بیان فرمایا۔

ف: جاننا چاہئے کہ ھو کی واؤ کہنے سے غیر ھو کی واؤ جیسے: ﴿خُذِالْعَفْوَ وَأْمُرْ﴾ اور ﴿مِنَ اللَّهْوِ وَمِنَ

التَّجَارَۃِ﴾ اور ہاء کے مضموم ہونے کی قید سے وہ ھاء نکل گئی جو ابوعمرو کی قراءت میں ساکن پڑھی جاتی ہے اور یہ تین جگہ ہے ایک وَھُو وَلِیُّھم دوسرا فَھُو وَلِیُّھم تیسرا وھو وَاقع بھم کہ ان میں بلا خلاف سوسی کے لیے ادغام ہی ہے کیونکہ یہ واؤ ساکن ہونے کے بعد مدہ نہیں ہوتا ہے اور شعبہ نے ان تینوں جگہ میں اس کے خلاف اظہار بیان کیا ہے اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ جب کلمہ میں ہاء کے سکون کی وجہ سے تخفیف حاصل ہو گئی تو پھر ادغام کے سبب سے تخفیف حاصل کرنے کی کیا حاجت رہی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَيَأْتِيَ يَوْمٌ أَدْغَمُوْهُ وَنَحْوَهُ
وَلاَ فَرْقَ يُنْجِي مَنْ عَلَى الْمَدِّعَوَّ لا

ش: قوله: یاتی یوم یا تو مبتدا ہے ای یاؤہٗ اور یا اضمار علی شریطۃ التفسیر کے قبیل سے ہے اور **قوله**: وادغموہ کی ضمیر مرفوع کا مرجع اہل ادغام واظہار دونوں ہیں اور ضمیر (ہ) کا مرجع یاء ہے اور **قوله**: لا فرق میں لا کی خبر مقدر ہے ای حاصل اور **قوله**: ینجی ترکیب میں فرق کی صفت ہے۔

ترجمه: اور یاتی یوم (کی یاء) جو ہے اس کا اور اس کے مثل (نُودِیَ یا موسیٰ) کا سب نے (بالاتفاق) ادغام کیا ہے اور نہیں ہے (ھو و من اور یاتی یوم میں) کوئی ایسا فرق جو نجات دے اس شخص کو جس نے (واؤ کے) مدہ ہونے پر اعتماد کیا ہے۔

مطلب: یعنی جن حضرات نے ھو و من میں اظہار کیا ہے اور اس کی علت یہ بیان کی ہے کہ ادغام کی وجہ سے جب واؤ کو ساکن کریں گے تو وہ حرف مد ہو جائے گا اور حرف مد کا ادغام جائز نہیں تو یہ بات تو یاتی یوم وغیرہ میں بھی پائی جاتی ہے (یہاں بھی تو یاء ساکن ہونے کے بعد مدہ ہو جاتی ہے) حالانکہ اس میں ان حضرات نے بھی جو اظہار کرتے ہیں اور ان کے علاوہ دوسروں نے بھی بالاتفاق ادغام ہی کیا ہے پس یاتی یوم اور ھو و من میں کچھ بھی فرق نہیں اس کے علاوہ واؤ میں بنسبت یاء کے زیادہ ثقل ہے اس میں تو ادغام بدرجہ اولیٰ ہونا چاہیے تھا لہٰذا معلوم ہوا کہ ان کا یہ علت بالمد بیان کرنا اور اس کی وجہ سے اظہار کرنا صحیح نہیں ہے۔

وَقَبْلَ يَئِسْنَ الْيَاءُ فِي اللَّاءِ عَارِضٌ
سُكُوْنًا اَوَاصْلاً فَهُوَ يُظْهِرُ مُسْهِلَا

ش: قوله: الیاء فی اللائی مبتداء ای الیاء السکائن فی اللّٰئی اور جعبریؒ کے قول پر فی اللّٰئی بدل البعض ہے۔ اور **قوله**: عارضٌ خبر ہے اور **قوله**: قبل ینسن خبر کا ظرف ہے۔ اور **قوله**: سکونًا اور اصلاً دونوں تمیز ہیں اور او تنویع کے لیے ہے۔ سخاویؒ کے قول پر بل انتقالیہ کے معنیٰ میں ہے نہ کہ

اضرابیہ کے۔ اور **قولہ**: فھو سکون الھاء میں فاء عاطفہ تفریعیہ ہے اور ھو کا مرجع یا تو مبدل یا ابوعمرو ہے اور **قولہ**: مسھلا من اسھل اذا رکب الطریق اسھل ترکیب میں فاعل سے حال ہے۔

ترجمہ: اور ییسن سے پہلے یاء اللٰئی میں عارض ہے باعتبار سکون کے بھی اور (اپنے) اصل کے بھی پس وہ (ابدال کرنے والا اتمام گروہ یا صرف ابوعمرو) اظہار کرتے ہیں درانحالیکہ وہ سہل طریق اختیار کرنے والے ہیں۔

مطلب: یعنی واللائی یئسن جو سورۃ طلاق میں ہے اس میں بعد ابدال ہمزہ مثلین (دو یاء) کے جمع ہونے کی وجہ سے ادغام کا قاعدہ پایا جاتا ہے مگر ابوعمرو نے اس میں ادغام نہیں کیا ہے کیونکہ پہلی یاء ہمزہ متحرکہ سے بدلی ہوئی ہے اور اس کا سکون عارضی ہے اور یاء اصل کے اعتبار سے بھی عارضی ہے کیونکہ یاء اصل میں ہمزہ تھی اس لیے اس کو اظہار سے ہی پڑھتے ہیں یہ مذہب تو تبعًا للدانی وغیرہ ناظمؒ کا ہے۔ اور اہل ادا کی ایک جماعت کے مذہب پر پہلی یاء کا دوسری یاء میں ادغام ہے اور نشر میں دونوں وجہوں کو صحیح کہا ہے اور ان دونوں کو صرف سوسی ہی کے لیے خاص نہیں کیا بلکہ ان دونوں کا اجراء دوری اور بزی کے لیے بھی درست بتایا ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ ادغام الحرفَیْن المتقارِبیْن فِی کَلِمَةٍ اوفِی کَلِمَتَیْن ﴿۲۶﴾

یہ باب ایسے دوحرفوں کے ادغام کے بیان میں ہے جو باعتبار مخرج وصفت کے قریب قریب ہوں، خواہ ایک کلمہ میں ہوں یا دوکلموں میں

اور اس میں جو ادغام ہوتا ہے وہ حرف اول کو ثانی حرف کے مثل بنا کر ہوتا ہے اس طرح پر کہ ثانی حرف مشدد ہو جائے اور دونوں کے ادا کرتے وقت زبان ایک ہی دفعہ مرتفع ہو اور اوّل حرف کا کوئی اثر باقی نہ رہے بشرطیکہ حرف اول حرف اطباق یا وہ حرف نہ ہو کہ جس میں غنہ ہوتا ہے ورنہ صفت اطباق اور غنہ باقی رہیں گی۔ اور یاد رکھو کہ یہاں دو حرف قریب المخرج سے مراد عام ہے جو متجانسین کو بھی شامل ہے یعنی اس باب میں متقاربین اور متجانسین دونوں کا ادغام بیان کیا جائے گا اور چونکہ محققین کے نزدیک ہر حرف کا مخرج جدا جدا ہے محض غایت قرب کی وجہ سے بعض نے ایک بیان کر دیا ہے اور بعض نے علیحدہ علیحدہ ہی بیان کیا ہے اس لیے ناظمؒ کا اس باب کو متقاربین کے ساتھ مخصوص کرنا درست ہے۔

وَإِنْ كِلْمَةٌ حَرْفَانِ فِيهَا تَقَارَبَا
فَإِدْغَامُهُ لِلْقَافِ فِي الْكَافِ مُجْتَلَا

ش: **قولہ**: وان کلمۃ ان حرف شرط اور کلمہ فعل مقدر کا فاعل ہے اور **قولہ**: حرفان اس سے بدل البعض ہے اور **قولہ**: تقاربا فعل محذوف کا مفسر ہے تقدیرہٗ وان تقارب حرفان فی کلمۃ ای مخرج الحرفین یا حرفان مبتداء اور تقاربا اس کی خبر یا صفت ہے اور **قولہ**: للقاف ترکیب میں ادغام کا مفعول ہے اور لام تخصیص کے لیے ہے مثل لمجتبیٰ ولمحمّدٍ کے یا خبر ہے پس اس صورت میں قولہ مجتلا حال ہوگا۔

ترجمہ: اور اگر کوئی کلمہ ایسا ہو کہ اس میں دو حرف (مخرج یا صفت میں) قریب ہوں تو (وہاں) ان (ابو عمرو) کا ادغام کرنا قاف کا کاف میں منظور شدہ (یعنی ظاہر اور مشہور ہے)

مطلب: فرماتے ہیں کہ جب ایک کلمہ میں ایسے دو حرف جمع ہو جائیں کہ وہ دونوں مخرج یا صفت کے لحاظ سے قریب قریب ہوں تو ایسی جگہ میں ابو عمرو نے صرف قاف کا کاف میں ادغام کیا ہے اور یہی مشہور ہے اس کے علاوہ کہیں ایک کلمہ کے متقاربین میں ان کے لیے ادغام نہیں ہے۔ لیکن اس ادغام کے لیے بھی دو شرطیں ہیں جو آئندہ بیت میں مذکور ہیں:

وَهٰـــذَا إِذَا مَا قَبْلَـــهُ مُتَحَرِّكٌ
مُبِيْنٌ وَ بَعْدَ الْكَافِ مِيْمٌ تَخَلَّلَا

ش: **قولہ**: وھٰذا مبتدا اور اس سے ادغام کی طرف اشارہ ہے اور اس کی خبر کائن مقدر ہے اور۔ **قولہ**: اذا ما اس خبر مقدر کا ظرف ہے، ملا علی قاریؒ کے قول پر یہاں اذا جواب کا محتاج نہیں۔ اور جعبریؒ کے قول پر اس کا ماقبل جواب سے مستغنی کر رہا ہے۔ پس ان دونوں قولوں کا ماحصل بظاہر ایک ہی معلوم ہوتا ہے اور ما زائدہ ہے کقولہ تعالیٰ ﴿وَاِذَا مَا اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ﴾ اور قبلہ کی ضمیر کا مرجع قاف ہے اگرچہ وہ بعید ہے مگر اس پر قرینہ یہ ہے کہ قریب یعنی قاف کی طرف راجع کرنے سے مطلب درست نہیں رہتا اور یہ ترتیب میں موقع ہٰذا کے ہے اور۔ **قولہ**: مبین من ابان بمعنیٰ بان ظھر صفت ہے ای وقع متحرک واضح قبلہ اور **قولہ**: میمٌ دوسرے مقدر کا فاعل ہے اور **قولہ**: تخلّلا بالف الاطلاق من تخلل القوم اذا دخل بین خللھم وخلالھم ترکیب میں میم کی صفت ہے اور یا جملہ متانفہ ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع ابو عمرو ہے پس اس صورت میں تخلل المطر اذا خصّ ولم یکن عامًا سے ہوگا۔ واللہ اعلم

ترجمہ: اور یہ (ادغام قاف کا کاف میں اس وقت ہوگا) جب کہ اس (قاف) سے پہلے (حرف) متحرک ظاہر ہو اور قاف کے بعد ایسا میم ہو کہ جو (دو حرف کے درمیان) متخلّل ہو، (یعنی میم جمع کا ہو کیونکہ

میم جمع ہی اصل کے عتبار سے اپنے ماقبل فاء اور واؤ مقدرہ کے درمیان واقع ہوتا ہے۔ جیسے ہم۔ وکم کہ ان میں سے صلہ کا واؤ تخفیفاً حذف ہو گیا یہ مطلب نہیں ہے کہ میم جمع اپنے ماقبل قاف اور دوسرے کلمہ کے حرف کے درمیان واقع ہو کیونکہ اس سے اول تو یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہاں میم سے مراد میم جمع ہو دوسرے یہ کہ اس صورت میں یہ لازم آئے گا کہ ادغام قاف فی الکاف بحالت وصل ہو گا نہ کہ بحالت وقف حالانکہ ایسا نہیں ہے اور اگر تخلل کے دوسرے معنی لیے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ابوعمرو اسی قاف فی الکاف کے ساتھ مخصوص ہیں کہ جس میں یہ دونوں شرطیں پائی جائیں ایک قاف کا کاف میں ادغام نہیں کیا۔ اور یاد رکھو کہ متحرک کی قید سے ساکن اور مبین کہنے سے وہ لفظ نکل گیا کہ جس میں قاف سے پہلے الف واقع ہو کیونکہ الف بزیادتی مد حرکت کے قائم مقام ہوتا ہے۔ لیکن چونکہ مبین یعنی واضح اور ظاہر نہیں ہے اس لیے قاف سے پہلے یہ بھی نہ ہو۔ اور بعض نے کہا ہے لفظ مبین صرف تاکید تبیین کے لیے ہے اور میم کی قید سے غیر میم اور یہ کہ قاف کے بعد کوئی بھی حرف نہ ہو سب نکل گیا۔ واللہ اعلم۔

کَیَرْزُقُکُمْ وَاثِقَکُمْ وَخَلَقکُّمُو
وَمِیْثَاقَکُمْ أَظْهِرْ وَنَرْزُقُکَ انْجَلَا

ش: **قولہ**: کیرزقکم ای المدغم کیرزقکم اور **قولہ**: میثاقکم ترکیب میں۔ **قولہ**: اظہر کا مفعول ہے۔ اور **قولہ**: نرزقک اس کا معطوف ہے اور **قولہ**: انجلا ای انکشف مستانفہ ہے۔

ترجمہ: (مدغم کی مثالیں مثل یرزقکم، واثقکم اور خلقکم کے ہیں اور میثاقکم و نرزقک کو اظہار سے پڑھو یہ (امر مثال سے) ظاہر ہو گیا۔

مطلب: یعنی مدغم اور مظہر کی مثالوں سے یہ امر بخوبی معلوم ہو گیا کہ مصرع اول میں ادغام قاف فی الکاف کی وہ مثالیں بیان کی گئیں کہ جن میں دونوں شرطیں ہیں یعنی قاف سے پہلے متحرک مبین بھی ہے اور کاف کے بعد میم جمع بھی اور دوسرے مصرع میں جو دو مثالیں دی گئی ہیں یہ وہ ہیں کہ جن میں ادغام نہیں ہوا بلکہ اظہار ہی ہے کیونکہ میثاقکم میں شرط اول یعنی قاف سے پہلے متحرک مبین کا ہونا اور نرزقک میں شرط ثانی یعنی میم جمع کا ہونا مفقود ہے اور ادغام کے لیے اجتماع شرطین ضروری ہے لہٰذا ان میں ابوعمرو کے لیے اظہار ہی ہوگا۔

وَإِدْغَامُ ذِی التَّحْرِیمِ طَلَّقَکُنَّ قُلْ
أَحَقُّ وَبِالتَّأْنِیثِ وَالْجَمْعِ أُثْقِلَا

ش:قولہ: وادغام الخ مبتدأ مضاف الی المفعول ہے ای صاحب سورۃ التحریم اور **قولہ**: طلقکن بدل یا عطف بیان ہے، اور **قولہ**: احق مبتدأ مقدر کی خبر ای ھو احق پھر جملہ مقولہ قول ہوکر مبتدأ اول کی خبر ہے اور **قولہ**: اثقلا بالف الاطلاق ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور معنی میں وجد ثقیلا کے ہے کیونکہ یہاں ہمزہ مصادفت کے لیے ہے تعدیہ کے لیے نہیں۔ترکیب میں جملہ مستانفہ ہے اور اس معنی کر کہ طلقکن میں ادغام احق کیوں ہے اس لیے بیانیہ ہے اور **قولہ**: بالتانیث مع اپنے معطوف کے اس کے متعلق ہے۔

ترجمہ: اور ادغام کرنا (سورۃ) تحریم والے طلقکن کا کہوتم کہ بنسبت اظہار سے پڑھنے کے ادغام سے پڑھنا) بہتر ہے اور یہ (لفظ طلقکن) بسبب تانیث اور جمع ثقیل پایا گیا ہے، پس اسی وجہ سے (باوجودیکہ کاف کے بعد میم جمع کا نہیں ہے پھر بھی اس میں ادغام کرنا اولیٰ ہے تاکہ تخفیف حاصل ہوجائے۔

مطلب: یعنی سورۃ تحریم جو طلقکن ہے اس میں ادغام کرنا بنسبت اظہار یا یرزقکم وغیرہ کے ادغام کے احق واولیٰ ہے کیونکہ ادغام ثقل دور کرنے کی وجہ سے کیا جاتا ہے پس اس میں اگرچہ شرط ثانی (میم جمع کا) نہیں ہے لیکن اس کے قائم مقام وہ ہے کہ جو اس سے اثقل ہے اور وہ نون متحرک مشدد ہے جو جمع وتانیث پر دلالت کرتا ہے بخلاف میم جمع کے کہ وہ ساکن اور تذکیر پر دلالت کرتا ہے۔لہٰذا طلقکن میں ادغام کرنا بدرجہ اولیٰ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ اس میں تشدیدات ثلثہ کے جمع ہونے کی وجہ سے ادغام نہیں کیا ہے۔

ف: جاننا چاہیے کہ ناظمؒ کے قول احق کے دو مطلب ہو سکتے ہے، ایک تو یہ کہ سورہ تحریم کے لفظ طلقکن میں ادغام کرنا اس میں اظہار کرنے سے بہتر واولیٰ ہے۔پس اس سے معلوم ہوا کہ سوسی کے لیے اس میں نقلاً دو وجہ ہیں، ایک ادغام کرنا کہ جو احق واولیٰ ہے اور دوسرا اظہار ہے جو حق ہے احق نہیں اور دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس لفظ طلقکن میں ادغام کرنا یرزقکم وغیرہ کے ادغام سے احق ہے پس اس صورت میں اس سے سوسی کے لیے اظہار نہیں سمجھا جاتا اور یہی تیسیر کے زیادہ موافق ہے اس لیے کہ علامہ دانیؒ نے اس میں خلاف کو بیان کیا ہے لیکن اظہار کی نسبت ابن مجاہد کی طرف کی ہے اور طریق دوری ہے پھر فرماتے ہیں کہ میں نے اس میں ادغام پڑھا ہے پس اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اظہار جو بیان کیا ہے وہ دوسروں کا مذہب بتانے کے لیے ہے لہٰذا ناظمؒ نے جو احقیت ادغام بیان کی ہے اور کہا ہے کہ یہ تانیث اور جمع کی وجہ سے ثقیل ہوگیا اس لیے اس میں ادغام کرنا احق ہے۔قیاس کے زیادہ موافق ہے۔واللہ اعلم۔

وَمَهْمَا يَكُوْنَا كِلْمَتَيْنِ فَمُدْغِمٌ
أَوَائِلُ كِلْمِ الْبَيْتِ بَعْدُ عَلَى الْوِلاَ

ش: قوله: مہما شرط اور یکونا کی ضمیر کا مرجع حرفین متقاربین ہے اور **قوله:** کلمتین حال ہے اگر کان تامہ ہے ای وجد منفصلین اور اگر کان ناقصہ ہے تو خبر ہے ای ذوی کلمتین اور **قوله:** فمدغم جواب شرط مبتدا مقدر کی خبر ہے ای فابو عمرو مدغمٌ اور **قوله:** اوائل جمع اول ترکیب میں مدغم کا مفعول ہے اور **قوله:** بعد ترکیب میں البیت سے حال ہے ای بعد ھذا اور **قوله:** علی الولا بکسر الواو ممدود ہے اور وقفاً مقصور ہے بمعنی التوالی ترکیب میں اوائل سے حال ہے۔

ترجمه: اور جب وہ دو (حرف متقاربین) دو کلمے والے ہوں (یا وہ دو حرف پائے جائیں اس حال میں کہ دو کلمے والے ہوں تو (ابوعمرو) ادغام کرنے والے ہیں اس بیت کے بعد آنے والے (سولہ) کلمات کے اوائل (حروف کا) درانحالیکہ وہ (اوائل حروف) پے در پے آرہے ہیں۔

مطلب: یعنی دو حرف متقاربین اور متجانسین دو کلموں میں اس طرح جمع ہو رہے ہوں کہ اول حرف اول کلمہ کے آخر میں اور دوسرا حرف دوسرے کلمہ کے شروع میں واقع ہو تو ابوعمرو نے اول حرف کا ثانی حرف میں ادغام کیا ہے بشرطیکہ آئندہ آنے والے موانع میں سے کوئی مانع نہ ہو۔ اور یہ کہ اول حرف ان سولہ حروف میں سے جو اگلے بیت کے سولہ کلمات کے اول اول کے ہیں کوئی حرف ہو اور وہ سولہ حروف جو سولہ کلمات کے شروع کے ہیں یہ ہیں۔

شِفَا لَمْ تَضِقْ نَفْسًا بِهَا رُمْ دَ وَاضِنٍ
ثَوِى كَانَ ذَا حُسْنٍ سَأَى مِنْهُ قَدْ جَلاَ

ش: قوله: شفا بکسر اوله ممدوداً اصل میں مصدر ہے جو اس سے منقول ہو کر مؤنث کا علم بنے گا اور مراد اس سے حوران بہشت میں کی ایک معینہ حور ہے اور اس میں قصر ضرورت یا علی نیت الوقف ہے اور چونکہ یہ تانیث وعلمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہو گیا اس لیے اس پر تنوین نہیں ہے اور ترکیب میں مبتدا ہے اور **قوله:** لم تضق اس کی خبر ہے اور بہا کی ضمیر کا مرجع محبوب شفا ہے اور **قوله:** دواضرورة مقصور ہے اور **قوله:** ضن مجرور بالاضافت ترکیب میں رجل محب کی صفت ہے اور یہ حزن کی طرح صفت مشبہ ہے اور اس میں تعلیل مثل قاضٍ کے ہوئی ہے اور **قوله:** ثوی بمعنی اقام کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع

ضنا بمعنیٰ المرض او الھزال ہے جو لفظ ضن سے سمجھا گیا ہے اور **قولہ**: سای مقلوب ساء ہے مثلہ نائ دناء اور اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع حسن ہے۔ **قولہ**: منہ فاعل سے حال ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع محب ہے اور **قولہ**: قد جلا بھی کشف کا فاعل ضمیر جس کا مرجع ضن ہے اور اس کا مفعول مقدر ہے ای امرہٗ اور ان تمام جملوں میں سے جو حرف عاطف حذف کیا گیا ہے وہ تلبس جمل کی وجہ سے جو بعض کا بعض کے ساتھ ہے کقولہ تعالیٰ ﴿الرَّحْمٰنُ عَلَّمَ الْقُرْآنَ خَلَقَ الْاِنْسَانَ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ﴾.

ترجمہ: (محبوبہ) شفا یا باعتبار نفس کے تنگ نہیں ہے بلکہ خوش خلق اور وسیع اخلاق والی ہے) تم اس کے (وصل) کے ساتھ ایسے محب لاغر کی دوا کو طلب کرو (جس میں) وہ (لاغری) ٹھہر گئی ہے وہ (پہلے تو) صاحب حسن (یعنی حسین تھا، اب) اس (لاغری) کی وجہ سے) بدصورت ہو گیا ہے اور اس (لاغری ہی) نے (اس امر کو) ظاہر کیا ہے (یعنی اس لاغری نے اس بات کو ظاہر کر دیا کہ عشق کا مریض محبوبہ کے وصل کا طالب ہے۔

مطلب: یعنی ابوعمرو کے لیے دو کلموں کے متقاربین متجانسین میں سے جن سولہ حروف کا ادغام ہوتا ہے وہ یہ ہیں:

(۱) شفا کی شین	(۲) لم کا لام	(۳) تضیق کی تاء	(۴) نفسا کی نون
(۵) بہا کی باء	(۶) رم کی راء	(۷) دوا کی دال	(۸) ضن کی ضاد
(۹) ثوی کی ثاء	(۱۰) کان کا کاف	(۱۱) ذا کی ذال	(۱۲) حسن کی حاء
(۱۳) سای کا سین	(۱۴) منہ کا میم	(۱۵) قد کا قاف	(۱۶) جلا کا جیم

اب موانع ادغام کو بیان فرماتے ہیں۔

إِذَا لَمْ يُنَوَّنْ أَوْ يَكُنْ تَا مُخَاطَبٍ
وَمَا لَيْسَ مَجْزُوْمًا وَلَا مُتَثَقِّلَا

ش: **قولہ**: اذا لم ینون **قولہ**: اذا ظرف اور اس کا عامل فمدغم ہے جو اوپر مذکور ہے اور **قولہ**: لم ینون مجزوم بلم اور اس کی ضمیر مرجع حرف مدغم ہے اور **قولہ**: ومالیس میں ما موصولہ اور اس کا مابعد صلہ ہے پھر موصول وصلہ مل کر ادغم مقدر کا مفعول ہے۔

ترجمہ: (ابوعمرو اس وقت ادغام کرتے ہیں) جب کہ وہ (مدغم) منون نہ ہو یا وہ مخاطب کی تاء نہ ہو اور وہ حرف کہ جو نہ مجزوم ہو اور نہ مشدد ہو۔

مطلب: یعنی دو حرف متقاربین و متجانسین میں اس وقت ادغام نہیں ہوگا جب کہ مدغم یعنی پہلے حرف پر تنوین ہو

جیسے: ﴿فِیْ ظُلُمَاتٍ ثَلٰثٍ﴾ ﴿وَرَجُلٌ رَشِیْدٌ﴾ یا مخاطب کی تاء ہو جیسے: ﴿کُنْتَ ثَاوِیًا﴾ ﴿وَخَلَقْتَ طِیْنًا﴾ یا وہ مجزوم ہو جو صرف ﴿وَلَمْ یُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ﴾ میں ہے یا مشدد ہو جیسے ﴿اَوْ اَشَدَّ ذِکْرًا﴾ ﴿وَهُمْ بِهَا﴾ اور چونکہ تاء مخبر یعنی متکلم کی تاء باجتماع متقاربین قرآن مجید میں نہیں آئی ہے اس لیے اس کو بیان نہیں کیا ہے اور یہاں کلمہ مجزوم میں جو صرف ولم یؤت سعة میں ہے ایک وجہ اظہار کی بتلائی ہے اور باب مثلین کے یبتغ وغیرہ میں دو وجہ ادغام و اظہار بیان کی ہیں اس لیے کہ مثلین کا ادغام بنسبت متقاربین کے قوی ہے کیونکہ یہ اثقل ہے اور ولتأت طائفةٌ اور آت ذی القربیٰ میں جو خلاف ہے وہ اس لیے کہ طاء وذال سعةً کے سین کی بہ نسبت تاء سے زیادہ قریب ہیں اور یاد رکھو کہ ابو عمرو کے لیے جو موانع اور شرط کہ (جو دونوں حرفوں کا رسماً متصل ہونا ہے) پائے جانے کی صورت میں ادغام ہوتا ہے یہ دو قسم پر ہے ایک تو وہ ہے کہ جو صرف بعض جگہ میں ہوتا ہے اور اس کو جزئی سماعی کہتے ہیں اور دوسرا وہ ہے کہ کلی قیاسی کے طور پر ہر جگہ ہوتا ہے۔

تنبیہ: واضح ہو کہ جئت شیئاً سورة مریم میں) اگر چہ تاء خطاب کی ہے مگر اس میں اظہار و ادغام دونوں وجہ ثابت ہیں اب ناظمؒ آئندہ بیت سے ان حروف کو بالتفصیل بیان فرماتے ہیں کہ جن میں ان سولہ حروف مذکورہ کا ادغام ہوتا ہے۔

فَزُحْزِحَ عَنِ النَّارِ الَّذِیْ حَاهُ مُدْغَمٌ
وَفِی الْکَافِ قَافٌ وَهُوَ فِی الْقَافِ اُدْخِلاَ

ش: قوله: فزحزح عن النار مبتدا ای لفظهٗ اور الذی صلہ موصول اس کی خبر ہے حاهُ ضرورةً مقصور ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع الذی ہے جس کی تقدیر هو الذی ہے تا کہ اس سے حصر معلوم ہو جائے۔

ترجمہ: پس زحزح عن النار (وہ) وہ ہے کہ جس کی حاء (عین میں) مدغم ہے اور کاف میں قاف اور وہی (کاف) قاف میں ادغام کیا گیا ہے۔

مطلب: یعنی سولہ حروف میں سے جو حاء ہے اس کا ادغام صرف ایک جگہ زحزح عن النار میں ہوا ہے اس کے علاوہ اور کہیں نہیں ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ قاف کا ادغام کاف میں اسی طرح کاف کا قاف میں ادغام ہوا ہے بشرطیکہ قاف وکاف ہر ایک مدغم سے پہلے متحرک ہو جیسا کہ اگلے بیت واظہرا سے سمجھا گیا ہے ان میں سے ہر ایک کی مثال اگلے بیت میں مذکور ہے جو یہ ہے۔

خَلَق کُلَّ شَیْءٍ لَک قُصُوْرًا وَاُظْهِرَا
اِذَ سَکَنَ الْحَرْفُ الَّذِیْ قَبْلُ اَقْبَلاَ

ش: **قوله**:اقبلا بالف الاطلاق ماضی مجہول کا صیغہ ہے ای اقبل قبل کل منهما يقال اقبله الشئ اذا حعلتهٔ قبالتهٔ ولا يبعد ان يكون من الاقبال ضد الادبار (قاری)

ترجمه: (قاف فی الکاف کی مثال) خلق كل شئ (اور کاف فی القاف کی) لک قصورا ہے اور یہ دونوں اظہار سے پڑھے گئے ہیں جبکہ ساکن ہو وہ حرف جو (مدغم یعنی قاف وکاف سے) پہلے لایا گیا ہے (یعنی جبکہ مدغم قاف وکاف سے پہلے ہوگا جیسے فوق كل ذی علم علیم، وتركوك قائماً وغیرہ تو اس وقت ادغام نہیں ہوگا بلکہ ہر جگہ اظہار ہی ہوگا)

وَفِي ذِي الْمَعَارِجِ تَّعْرُجُ الْجِيْمُ مُدْغَمٌ
وَمِنْ قَبْلُ أَخْرُجِ شَّطْأَهُ قَدْ تَثَقَّلاَ

ش: **قوله**:وفی ذی المعارج الخ متعلق مدغم کے ہے اور **قوله**:من قبل ظرف ہے ای ادغم فی المعارج.

ترجمه: اور ذی المعارج تعرج میں جیم مدغم (اور تاء مدغم فیہ) ہے اور اس (سورہ معارج) سے پہلے (سورۃ فتحنا میں اخرج شطأهٔ (کا شین بھی بوجہ ادغام) مشدد ہی ہے۔

مطلب: (یعنی اس میں بھی جیم کا ادغام شین میں ہوا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جیم کا ادغام دونوں حرفوں میں ہوا ہے ایک تو ذی المعارج تعرج کی تاء میں اور دوسرا اخرج شطأهٗ کے شین میں کہ جو تلاوت کے اعتبار سے سورۃ معارج سے پہلے ہے ان دو جگہ کے علاوہ اور کہیں بھی جیم کا ادغام نہیں ہے، پس مخرج صدق اور اخرج ضحٰها میں اظہار ہوگا۔

وَعِنْدَ سَبِيْلاً شِيْنُ ذِی الْعَرْشِ مُدْغَمٌ
وَضَادَ لِبَعْضِ شَأْنِهِمْ مُدْغَمًا تَلاَ

ش: **قوله**:شين ذی العرش مبتدا اور **قوله**:مدغم اس کی خبر ہے اور **قوله**:عند سبيلا ترکیب میں مدغم کا ظرف اور **قوله**:ضاد مرفوع بالابتداء اور **قوله**: تلا اس کی خبر ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع ضاد ہے ای تبع المدغمات یا ضاد مفعول ہونے کے بناء پر منصوب ہے جب کہ تلا بمعنیٰ قرأ ہو اور اس صورت میں تلا کی ضمیر فاعل کا مرجع ابوعمرو ہوگا اور **قوله**:مدغما غین کے فتحہ کے ساتھ ضاد سے اور کسرہ کے ساتھ تلا کے فاعل (ابوعمرو) سے حال ہے۔

ترجمہ: اور سبیلا (کے سین) میں ذی العرش کا شین مدغم ہے۔ اور لبعض شانھم کے ضاد کو اس (ابو عمرو) نے ادغام کرتے ہوئے پڑھا ہے (یعنی انھوں نے اس کا شین میں ادغام کیا ہے یا یہ معنی ہیں کہ بعض شانھم کا ضاد جو ہے اس نے مدغم ہوکر دوسرے مدغمات کی پیروی کی ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ ابو عمرو کے لیے شین کا ادغام سین میں صرف ایک جگہ ذی العرش سبیلا میں اور ضاد کا بھی شین میں صرف ایک جگہ بعض شانھم میں ہے اس کے علاوہ ہر جگہ اظہار ہوگا۔

وَفِي زُوِّجَتْ سِينٌ النُّفُوْسِ وَمُدْغَمٌ
لَهُ الرَّأْسُ شَيْبًا بِاخْتلاَفٍ تَوَصَّلَا

ش: **قوله**: سین النفوس مبتداء اور اس کی خبر مدغم مقدر ہے اور **قوله**: الراس شیبًا مبتداً اور **قوله**: مدغم اس کی خبر ہے اور **قوله**: باختلاف ترکیب میں مدغم کی ضمیر مرفوع سے حال ہے اور **قوله**: توصلا بالف الاطلاق.

ترجمہ: اور زوّجت کی (زاء) میں النفوس کا سین (مدغم) ہے اور ان ہی (ابو عمرو) کے لیے الراس (کا سین) شیبا (کے شین میں) ادغام کیا گیا ہے ایسے اختلاف کے ساتھ ہوتے ہوئے کہ جو (ہم تک) پہنچا ہے (یعنی ابو عمرو کے لیے سین کا ادغام دو حرفوں میں ہوا ہے ایک زاء میں صرف ایک جگہ ﴿وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ﴾ میں بلا خلاف دوسرے شین میں بھی صرف ایک ہی جگہ سورۃ مریم کے ﴿الرَّأْسُ شَيْبًا﴾ میں لیکن اس میں اظہار وادغام دونوں ہیں جیسا کہ باختلاف سے سمجھا گیا ہے۔ پس ﴿لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا﴾ میں صرف اظہار ہے کیونکہ اس میں سین حرف ساکن کے بعد مفتوح ہے پس تخفیف حاصل ہے۔

وَلِلدَّالِ كِلْمٌ تُرْبُ سَهْلٍ ذَكَا شَذًا
ضَفَا ثَمَّ زُهْدٌ صِدْقُهُ ظَاهِرٌ جَلَا

ش: **قوله**: للدّال خبر مقدم اور **قوله**: کلم مبتدا مؤخر ہے اور **قوله**: ترب الخ اس سے بدل ہے ای لا دغام الدال حروف اوائل ھٰذہ الکلم اور ترب بمعنی تراب اور **قوله**: ذکا بمعنی انتشر اور **قوله**: شذّا تمیز ہے اور **قوله**: ضفا بمعنی طال اس کی صفت ہے اور **قوله**: ثم بفتح الثاء کے معنی ہنا ک کے ہیں ای دفن فی ذالک زھدٌ اور **قوله**: صدقہٗ ای اخلاصہ واصلہ مطابقة القول للواقع مبتداء اور اس کی ضمیر کا مرجع زہد ہے اور ظاہر (واضح) خبر ہے اور قول جلا بفتح الجیم محدود ہے یعنی جلاء

تمیز ہے اور وقفاً مقصور ہے اور اگر یہ مقصور ہے تو فعل ماضی ہے اور ترکیب میں صفت بعد صفت ہے اور جملہ زہد کی صفت ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور دال کے (ادغام کے) لیے چند کلمات ترب سہل الیٰ آخرہ (کے اول اوّل کے دس حروف) ہیں یعنی دال کا جن حرفوں میں ادغام ہوتا ہے وہ اس بیت کے دس کلمات کے شروع شروع کے دس حروف ترب کی تاء سے جلا کے جیم تک ہیں مثال ہر ایک کی یہ ہے ﴿فِی الْمَسَاجِدِ تِلْکَ﴾ ﴿عَدَدَ سِنِیْنَ﴾ ﴿الْقَلاَئِدَ ذَالِکَ﴾ ﴿وَشَهِدَ شَاهِدٌ﴾ ﴿مِنْ ۢبَعْدِ ضَرَّآءَ﴾ ﴿يُرِيْدُ ثَوَابَ﴾ ﴿تُرِيْدَ زِيْنَتَهُ﴾ ﴿نَفْقِدُ صُوَاعَ﴾ ﴿مِنْ ۢبَعْدِظُلْمِهٖ﴾ ﴿دَاوُدُ جَالُوْتَ﴾ اور معنی ان کلمات کے یہ ہیں۔ ابو محمد سہل (ابن عبد اللہ تستری کی قبر) کی مٹی تیز طویل خوشبو کے اعتبار سے (چاروں طرف) منتشر (اور مہکی ہوئی) ہے اس سے ان کی کثرت ثنا و کرامات ظاہرہ اور اعمال صالحہ کی طرف اشارہ ہے) اس جگہ (اس کی قبر میں) ایسا زہد ہے (یعنی دنیا سے اعراض اور آخرت کی طرف توجہ اور رضائے مولا کی صفت مدفون) ہے کہ جس کی سچائی (اور اخلاص) واضح اور ظاہر ہے۔ (یعنی اس میں بالکل تصنع اور بناوٹ نہیں ہے بلکہ یہ خوب واضح اور کھلا ہوا ہے۔

ف: جاننا چاہئے کہ اکثر شرّاح تو اس طرف گئے ہیں کہ مراد اس سے تستریؒ کی تربت کی مدح ہے اور بعض نے کہا ہے کہ سہل سے مراد ہر وہ مؤمن ہے جس میں یہ تمام صفات مذکورہ پائی جاتی ہوں کیونکہ حدیث میں ہے ﴿المؤمن هيّن ليّن﴾ یعنی مؤمن نرم عادتوں والا ہوتا ہے چنانچہ جعبریؒ نے اسی کو پسند کیا ہے لہٰذا اس سے ہر وہ شخص مراد لیا جا سکتا ہے کہ جس کی حالت عمدہ باتیں نفیس اور صاحب کمال ہو، اور اس کی قبر انوار و برکات کی وجہ سے پاکیزہ اور خوشبودار ہو اور جو آخرت کے شوق کی وجہ سے دنیاوی اور نفسانی خواہشات کو ترک کر کے ثواب کا مستحق ہو اب اس کے بعد ناظمؒ ایسی دال مفتوحہ کا جو ساکن کے بعد ہو حکم بیان فرماتے ہیں۔

وَلَمْ تُدَّغَمْ مَفْتُوحَةً بَعْدَ سَاكِنٍ
بِحَرْفٍ بِغَيْرِ التَّاءِ فَاعْلَمْهُ وَاعْمَلَا

ش: قوله: ولم تدغم بتشديد الدال لغةً في سكونها اور اس کی ضمیر مرفوع کا مرجع دال ہے اور **قوله**: مفتوحه حال ہے۔ اور **قوله**: بغير التاء ترکیب میں بحرف سے بدل البعض ہے اور **قوله**: اعملا کا الف بدلے میں نون خفیفہ کے ہے۔ امام جعبریؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس کے بجائے افعلا لے آتے تو اولیٰ تھا تاکہ قول اور عمل دونوں کو شامل ہو جاتا لیکن غالباً نہ لانے کی وجہ یہ ہے کہ فعل و عمل دونوں

لغت میں قاموس کی تحقیق پر مترادف ہیں۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور نہیں ادغام کی جاتی ہے یہ (دال) درانحالیکہ مفتوح بعد ساکن کے ہو کسی حرف میں سوائے تاء کے پس تم اس کو جان لو (اور سمجھ لو) اور (اس پر) عمل بھی کرو (یعنی جب دال مفتوحہ ساکن کے بعد واقع ہو تو ان دس حروف مذکورہ میں سے سوائے تاء کے اور کسی حرف میں بھی مدغم نہیں ہوتی ہے اور تاء میں جو ادغام ہوتا ہے وہ اس لیے کہ ان میں بوجہ متحد فی المخرج ہونے کے ثقل ہے جو تخفیف کو چاہتا ہے اور یہ صرف دو جگہ ہے ایک کادتزیغ اور دوسرا بعدتوکید ا پس معلوم ہو چکا ان دو شرطوں کے علاوہ یا ان میں سے ایک کے نہ پائے جانے کی صورت میں دال کا ان دس حروف مذکورہ میں ادغام ہوگا۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ دال بھی متحرک ہو اور اس سے پہلے حرف پر بھی حرکت ہو جیسے ﴿عَدَدَ سِنِيْنَ﴾ دوسرے یہ کہ دال پر ضمہ یا کسرہ اور اس سے پہلے ساکن ہو، جیسے ﴿مِنْ بَعْدِ ذَالِكَ﴾ ﴿يُرِيْدُ ظُلْمًا﴾ پس ان دونوں صورتوں میں دال کا دس کے دس حروف میں ادغام ہوگا باقی دال مفتوحہ بعد ساکن کا ادغام صرف تاء ہی میں ہوتا ہے اور کسی حرف میں نہیں جیسا کہ ابھی اوپر معلوم ہوا ہے پس اس کو اچھی طرح سمجھ لو اور اس پر مقتضی علم روایۃً وقراءۃً عمل بھی کرو۔

وَفِي عَشْرِهَا وَالطَّاءِ تُدْغَمُ تَاؤُهَا
وَفِي أَحْرُفٍ وَجْهَانِ عَنْهُ تَهَلَّلَا

ش: **قوله**: وفي عشرها کی ضمیر کا مرجع دال ہے اور سخاویؒ کے قول پر دال کے دس حروف ہیں مگر اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس صورت میں اضافة الشئ الیٰ نفسه لازم آتی ہے اور یہ جائز نہیں ہے وَالطَّاءِ اس کا عطف عشر پر ہے ضمیر ہا پر نہیں ہے کما ذکرہ شعلہ لفساد المعنی اور **قوله**: تاء ها کی ضمیر کا مرجع یا تو سولہ حروف مذکورہ یا دس حروف سابقہ یا دال ہے اور **قوله**: تهللا ای اشتهر اور کالهلال ظهراً او استناراً ترکیب میں وجہان کی صفت ہے۔

ترجمہ: اور اس (دال) کے دس (حروف) میں اور طاء میں ان (سولہ حروف مذکورہ کی تاء ادغام کی جاتی ہے اور چند کلمات میں (جو اسی تاء کے ہیں) ایسی دو وجہ ان (ابوعمرو) سے ہیں جو مشہور اور مثل ہلال ظاہر اور روشن ہیں۔

مطلب: یعنی دال جن دس حروف میں مدغم ہوتی ہے ان دس حروف میں اور طاء میں تاء کا بھی ادغام ہوتا ہے پھر اگر یوں کہا جائے کہ دال کے دس حروف میں تو تاء بھی ہے اور ادغام تاء فی التاء باب مثلین سے ہے یہاں اس کو دوبارہ ذکر کر دیا تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس میں بھی آخر ادغام ہوتا ہی ہے پس اگر اس کو دوبارہ ذکر کیا تو اس میں کیا حرج ہوا اور دوسرے یہ کہ بنظر اختصار ایسا کہہ دیا گیا کہ دال کے دس حروف اور تاء ان گیارہ حرفوں

میں تاء کا ادغام ہوتا ہے اس لیے ضمناً اس کا ذکر آ گیا ورنہ مقصود دوبارہ ذکر کرنا نہیں تھا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اسی تاء کے چند کلمات ایسے بھی ہیں کہ ان میں ابوعمرو کے لیے ادغام و اظہار دونوں وجہ ہیں جو بہت ہی مشہور و معروف یہ ہیں اور وہ کلمات ہیں۔

فَمَعْ حُمِّلُوْا التَّوْرَاةَ ثُمَّ الزَّكٰوةَ قُلْ
وَقُلْ اٰتِ ذَاالُ وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ عَلَا

ش: قوله: الزکوٰۃ اس کے ساتھ ثم مقدر ہے اور ترکیب میں یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے ای المختلف الزکاۃ ثم اور **قوله**: مع حملو التوراۃ ثم حال ہے ای کائناً مع اور **قوله**: قل منوی التقدیم مع الفاء ہے اور اس کا مقولہ جملہ ہے **قوله**: آت ذاال مبتدا اور اس کی خبر منہا محذوف ہے اور الف لام تعریف کو جو قربیٰ سے جدا کیا گیا ہے وہ ضرورۃً ہے لیکن بقول ابوشامہ اگر آت ذا فرما دیتے تو اولیٰ تھا۔

قوله: علا جملہ مستانفہ ہے ای قول الخلاف او تقدم وارتفع ولتأت طائفة علی آت ذالقربی تلاوۃً.

ترجمه: پس تم کہہ دو کہ (مختلف یعنی دو وجہ والا کلمۃ ایک تو) الزکاۃ ثم ہے درانحالیکہ یہ حملو التوراۃ ثم کے ساتھ ہے اور تم کہہ دو کہ (ان میں سے تیسرا و چوتھا کلمۃ) آت ذالقربیٰ اور ولتات طائفة بھی ہے (ان سب میں) یہ (خلاف) بلند (اور قوی) ہے یا (ولتأت طائفة تلاوت میں آت ذا پر مقدم اور اس سے اوپر ہے۔)

مطلب: یعنی جن کلات میں ابوعمرو کے لیے دو وجہ اظہار و ادغام کی ہیں ان میں سے ایک تو ﴿التَّوْرَاةَ ثُمَّ﴾ (جمعہ) اور دوسرا ﴿الزَّكٰوةَ ثُمَّ﴾ (بقرہ) اور تیسرا و چوتھا ﴿آتِ ذَالْقُرْبىٰ﴾ (سبحان) اور ﴿فاٰتِ ذا القربىٰ﴾ (روم) جو آت ذال سے سمجھا گیا ہے اور پانچواں ﴿وَلْتَأْتِ طَائِفَةٌ﴾ (نساء میں) اور وجہ خلاف ﴿التَّوْرَاةَ ثُمَّ﴾ اور ﴿الزَّكَاةَ ثُمَّ﴾۔ اور ﴿الزَّكَاةَ ثُمَّ﴾ میں تاء کا الف کے بعد مفتوح ہونا ہے اور یہ محل تخفیف ہے اس لیے اس میں ادغام نہیں کیا اور وجہ ادغام ان میں کلمہ کا طویل ہونا اور یہ مقتضی تخفیف ہے اور آت ذالقربیٰ اور ولتأت طائفة میں وجہ خلاف ان کا مجزوم ہونا ہے اور مجزوم میں دو وجہ ہیں جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ دوسرے یہ کہ ان میں اظہار اعلال کی وجہ سے ہے اور ادغام اس لیے ہے کہ تاء پر کسرہ ہے جو کہ ثقیل ہے اور ﴿لَمْ يُؤْتَ سَعَةً﴾ اگرچہ ان ہی جیسا ہے مگر جو کلمہ کہ اس میں جزم و فتحہ ہے اس میں بلا خلاف اظہار ہی ہے۔ اب اس کے بعد چھٹا کلمہ جس میں ان کے لیے دو وجہ ہیں بیان فرماتے ہیں۔

وَفِي جِئْتِ شَيْئًا أَظْهَرُوا لِخِطَابِهِ
وَنُقْصَانِهِ وَالْكَسْرُ الْإِدْغَامَ سَهَّلَا

ش: قولہ: و اظهروا اس کی ضمیر جمع فاعل کا مرجع سوسی کے رواۃ ادغام ہیں اور اس کا مفعول تاء مقدرہ ہے اور **قولہ**: لِخطابہ ای لاجل تاء خطابہ **قولہ**: ونقصانہ ای بحذف عینہ دونوں علت مرکبہ ہیں اور واو اپنے معنی میں ہے۔ جعبریؒ کے قول پر او کے معنی میں نہیں ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ یہ دونوں علیحدہ علیحدہ مستقل علت نہیں ہیں نہ تو خطاب ہی اور نہ نقصان بلکہ دونوں مشترکہ طور پر علت ہیں کیوں کہ لَکَ کَیْداً اور اِنَّکَ کُنْتَ میں ادغام پر اجماع ہے اور **قولہ**: والکسر مبتدا اور **قولہ**: سهلا بالف الاطلاق بمعنی جوّز اس کی خبر ہے اور **قولہ**: الادغام بنقل حرکت ہمزہ الی اللام مفعول ہے۔

ترجمہ: اور جئت شیئًا میں انھوں نے (یعنی سوسی کے رواۃ نے) اظہار کیا ہے اس کے خطاب (کی تاء) ہونے اور اس کے (حروف میں سے بسبب تعلیل عین کلمہ کے) کم (اور حذف) ہونے کی وجہ سے اور (تاء کا) جو کسرہ ہے اس نے (تقلیل ہونے کے سبب سے) ادغام کو سہل (اور جائز) کر دیا ہے۔

مطلب: یعنی چھٹا کلمہ جس میں سوسی کے لیے دو وجہ ادغام و اظہار کی ہیں سورۃ مریم میں ﴿لَقَدْ جِئْتِ شَيْئًا﴾ فرمایا ہے۔ پس اس میں وجہ اظہار خطاب کی تاء کا موجود ہونا اور اس کے عین کلمہ کا حذف ہونا ہے جیسا کہ ناظمؒ نے نقصانہ سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور چوں کہ خطاب کی تاء پر کسرہ ہے جو کہ ثقیل ہے اس کے لیے اس میں ادغام بھی جائز ہے اور یاد رہے کہ والکسر کہنے سے وہ تاء خطاب کی نکل گئی کہ جس پر فتحہ ہو جیسا کہ سورۃ کہف میں جِئْتَ شَيْئًا ہے اس میں صرف اظہار ہی ہے اور یہاں جو ثقل سبب ادغام ہے وہ کسرہ کا ثقل ہے ضمہ کا نہیں اسی وجہ سے ﴿كُنْتُ تُرَابًا﴾ میں ادغام نہیں ہے۔

وَفِي خَمْسَةٍ وَهْيَ الْأَوَائِلُ ثَاؤُهَا
وَفِي الصَّادِ ثُمَّ السِّيْنِ ذَالٌ تَدَخَّلَا

ش: قولہ: وفی خمسۃ ترکیب میں **قولہ**: ثاء ھا مبتدا کی خبر ہے ای مدغمۃ فیھا اور ضمیر ھا کا مرجع سولہ حروف مذکورہ یا دال کے دس حروف سابقہ یا ذال خمسہ ہے کما ذکرہ الجعبریؒ اور ان تمام صورتوں میں عموماً اور چوتھی صورت میں خصوصاً اضافت بادنی ملابسات کی وجہ سے ہے اور **قولہ**: تدخلا بالف الاطلاق ای دخل وادغم یقال تدخل الشیئ اذا دخل قلیلا قلیلا ومثلہ تعلم وتحصل۔

ترجمہ: اور پانچ (حروف) میں کہ وہ (دال کے دس حروف میں سے) اوّل (کے پانچ حروف) ہیں ان (سولہ حروف مذکورہ میں) کی تاء (مدغم ہوتی ہے) اور صاد اور سین میں ذال داخل (یعنی مدغم) ہوئی ہے۔

مطلب: یعنی تاء جو شفا لم تضق الخ کے سولہ حروف مذکورہ میں سے یا دال کے دس حروف سابقہ ترب سہل میں سے ہے اس کا دال کے دس حروف میں سے اول کے پانچ حروف میں سے جو کہ ثاء سین و ذال و شین و ضاد ہے ادغام ہوا ہے جیسے ﴿حَيْثُ تُؤْمَرُوْنَ﴾ اور ﴿الْحَدِيْثُ سَنَسْتَدْرِجُهُمْ﴾ ﴿وَالْحَرْثُ ذَالِكَ﴾ ﴿حَيْثُ شِئْتُمَا﴾ ﴿حَدِيْثُ ضَيْفِ اِبْرَاهِيْم﴾ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ذال معجمہ کا صرف دو جگہ ادغام ہوا ہے ایک صاد مہملہ میں صرف ایک جگہ ﴿مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا﴾ (جن) دوسرے سین مہملہ میں دو جگہ ایک ﴿فَاتَّخَذَ سَبِيْلَهُ﴾ دوسرا، ﴿اِتَّخَذَسَبِيْلَهُ﴾ اس کے علاوہ اور کہیں ادغام نہیں ہے۔

وَفِي اللَّامِ رَاءٌ وَهْيَ فِي الرَّا وَأُظْهِرَا
إِذَا انْفَتَحَا بَعْدَ الْمُسَكَّنِ مُنْزَلَا

ش:**قوله**:وهی بسکون الهاء ای اللام اور **قوله**:اظهرا تثنیہ کا صیغہ ہے اور اس کی اور **قوله**: **انفتحا** کی ضمیر کا مرجع لام اور راء ہے اور چونکہ حروف مؤنث و مذکر دونوں ہوتے ہیں اس لیے ناظمؒ نے بھی ہی واظہر سے اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اس میں تفنن بھی ہے اور **قوله**: منزلا بضم المیم وسکون النون یا تو تمیز ہے ای اذا نفتح محلها یا المسکن کی ضمیر مستتر سے حال ہے۔

ترجمہ: اور لام میں راء اور وہ (لام) راء میں (مدغم ہوتی ہے) اور یہ دونوں (لام راء) اظہار سے پڑھے گئے ہیں (نہ کہ ادغام سے) جب کہ یہ دونوں مفتوح ساکن (حروف) کے بعد ہوں درانحالیکہ یہ (ساکن حرف) نازل کیا گیا ہو۔

مطلب: یعنی سوسی نے راء کا لام میں ایسے ہی لام کا راء میں ادغام کیا ہے جیسے: ﴿سَيُغْفَرُ لَنَا﴾ اور ﴿كَمَثَلِ رِيْحٍ﴾ وغیرہ لیکن اس صورت میں جب کہ یہ دونوں مفتوح ہوں اور ساکن کے بعد واقع ہوں ادغام نہیں ہو گا بلکہ اظہار ہوگا جیسے: ﴿الْخَيْرُ لَعَلَّكُمْ﴾ ﴿وَرَسُوْلُ رَبِّهِمْ﴾ وغیرہ پس معلوم ہوا کہ ان دونوں کے ادغام کے لیے اجتماع سببین ضروری ہے اور اگر ان دونوں میں سے ہر ایک مفتوح ہو اور متحرک کے بعد واقع ہو یا دونوں متحرک بغیر فتحہ ہوں اور ساکن حرف کے بعد واقع ہوں تو ان دونوں صورتوں میں راء کا لام میں اور لام کا راء میں ہر جگہ ادغام کیا جائے گا جیسے ﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ﴾ ﴿وَجَعَلَ رَبُّكَ﴾ اور ﴿

الْمَصِيْرُ لاَ يُكَلِّفُ وَبِالذِّكْرِ لِمَا﴾ ﴿وَيَقُوْلُ رَبِّيْ﴾ ﴿وَفَضْلُ رَبِّيْ﴾-

سِوَى قَالَ ثُمَّ النُّونُ تُدْغَمُ فِيهِمَا
عَلىٰ إِثْرِ تَحْرِيكٍ سِوَى نَحْنُ مُسْجَلا

ش: **قوله**: سوىٰ الخ اس میں لام مفتوحہ بعد ساکن سے استثنا ہے یعنی ہر لام مفتوحہ بعد ساکن میں اظہار ہوگا سوائے قال کے کہ اس میں لام مفتوحہ اگرچہ ساکن حرف کے بعد واقع ہے مگر پھر بھی سوی کے لیے اس میں بوجہ کثرت دور لام کا راء میں ادغام ہوگا تا کہ بسبب ادغام اس میں تخفیف حاصل ہو جائے جیسے ﴿قَالَ رَبِّ﴾ ﴿وَقَالَ رَجُلَانِ﴾ ﴿وَقَالَ رَبُّكُمْ﴾ بخلاف ﴿فَيَقُوْلُ رَبِّ﴾ اور ﴿رَسُوْلَ رَبِّهِمْ﴾ کے کہ اس میں اظہار ہی ہوگا، **قوله**: فیهما اس کی ضمیر کا مرجع لام اور راء ہے **قوله**: **سوى نحن** مفہوم محذوف سے مستثنیٰ ہے تقدیرہ **ويظهر بعد اسكان سوى نحن** اور **قوله**: **مسجلا** بمعنی مطلقاً ترکیب میں تدغم کی ضمیر سے یا نحن سے حال ہے۔

ترجمه: (یعنی ہر لام مفتوحہ بعد ساکن میں اظہار ہوگا) سوائے قال کے پھر نون ادغام کیا جاتا ہے ان دونوں (لام وراء) میں بعد متحرک کے (نہ کہ بعد ساکن کے جیسا کہ اس سے مفہوم ہوتا ہے) سوائے نحن کے (کہ اس میں نون کا لام میں باوجود ساکن حرف کے بعد واقع ہونے کے ادغام ہوگا کیونکہ اس کا ضمہ لازمی بنائی ہے یا یہ کہ اس میں نون مکرر آگیا ہے جس کی وجہ سے اس میں ثقل پایا گیا ہے) درانحالیکہ وہ (نون یالفظ نحن) مطلق ہے (مقید نہیں ہے یعنی عام ہے خواہ کوئی نون ہو ہر حالت میں اور ہر جگہ نون کا متحرک کے بعد واقع ہونے کی صورت میں ادغام ہوگا اسی طرح نحن کا ادغام بھی کسی خاص کلمہ کے ساتھ مختص نہیں ہے بلکہ عام ہے قرآن میں جہاں کہیں بھی واقع ہو اس کا لام میں ادغام ہوگا۔

وَتُسْكَنُ عَنْهُ الْمِيمُ مِنْ قَبْلِ بَائِهَا
عَلىٰ إِثْرِ تَحْرِيكٍ فَتَخْفَى تَنَزُّلَا

ش: **قوله**: وتسكن بصیغہ مجہول اور اس کا نائب فاعل **قوله**: **الميم** اور **قوله**: **عنه** کی ضمیر مرجع سوی ہے اور **قوله**: باء **ها** کی ضمیر مرجع یا تو میم ہے یا سولہ حروف مذکورہ ہیں اور **قوله**: **تنزلا** تمیز ہے ای **تخفى تنزلها في لفظها**۔

ترجمه: اور ساکن پڑھا جاتا ہے میم ان (سوسی) سے اپنی یا سولہ حروف میں کی) باء سے پہلے (واقع ہونے کی

صورت میں) بعد متحرک پھر وہ (میم) تنزل (اور کمی ادائیگی) کے اعتبار سے اخفاء والا ہو جاتا ہے۔

مطلب: یعنی جب میم حرف متحرک کے بعد باء سے پہلے واقع ہو تو سوسی نے اس میم کو ساکن کر کے اخفاء سے پڑھا ہے جیسے: ﴿ادَمْ بِالْحَقِّ﴾ ﴿وَاَعْلَمْ بِالشّٰكِرِيْنَ﴾ اور چونکہ اس میں اخفاء کرنے کی وجہ سے میم کے تلفظ اور اس کی ادائیگی میں کمی و ضعف آجاتا ہے اس معنیٰ کر کہ اخفاء کی حالت میں میم کے ادا کرتے وقت دونوں ہونٹوں کو نرمی کے ساتھ ملاتے ہیں جس سے میم کا کچھ حصہ غائب ہو جاتا ہے اور اس سے کسی قدر ادغام کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے اسی لیے سوسی اس میم کو باء سے بغیر بدلے اور ملائے ہوئے بلا تشدید کے صرف ساکن کر کے پڑھتے ہیں اور اس میں اخفاء کرتے ہیں اور اگر میم سے پہلا حرف ساکن ہو اور اس کے بعد باء ہو تو اس میں ایسا نہیں کرتے بلکہ میم کی حرکت کو بدستور باقی رکھتے ہوئے اس کو اظہار سے پڑھتے ہیں جیسے ﴿اِبْرٰهِيْمَ بَنِيْهِ﴾ اور ﴿الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ﴾ وغیرہ۔

ف: جاننا چاہئے کہ مصنّفین اس اخفاء کی تعبیر میں مختلف ہیں بعض نے تو اس کو ادغام سے تعبیر کیا ہے اور کہا ہے کہ جس طرح من وال اور من یقول اور بسطت وغیرہ میں غنہ اور صفت اطباق کے باقی رہتے ہوئے بھی نون اور طاء کے اسکان پر ادغام کا اطلاق کیا جاتا ہے اسی طرح ﴿اَعْلَمْ بِالشّٰكِرِيْنَ﴾ وغیرہ میں بھی میم کے اسکان کو ادغام کہہ سکتے ہیں اور بعض نے اس سے اخفاء مراد لیا ہے اس وجہ سے کہ اس میں غنہ پایا جاتا ہے اور یہ (غنہ) میم ساکن کی صفت لازم ہے لہٰذا اس میں ادغام محض نہ ہوگا چنانچہ اسی کو ناظمؒ اور علامہ دانیؒ نے اختیار کیا ہے اور **قوله**: تسكن فتخفىٰ سے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ اس میں اسکان اور اخفا ہی ہوگا ادغام نہیں ہوگا کیونکہ ادغام میں مدغم بدلا جاتا ہے اور ثانی حرف مشدد ہوتا ہے بخلاف اس میم کے کہ یہ ساکن ہوتا ہے اور پھر اس میں اخفاء کیا جاتا ہے اس میں تشدید قطعاً نہیں ہوتی اور یہاں جو اس کو ذکر کیا ہے وہ اس لیے کہ یہ ساکن ہونے اور چھپ جانے میں مدغم کے شریک ہے کیونکہ میم بحالت اخفاء اپنے مخرج سے کسی قدر ضعیف ادا ہوتا ہے جس سے میم کا کچھ حصہ چھپ جاتا اور غائب ہو جاتا ہے پس گویا کہ یہ مثل مدغم کے ہے ناظمؒ نے بھی اسی کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ حرف مخفی کالمدغم ہوتا ہے اور فرق ان دونوں میں ظاہر ہے۔

وَفِي مَنْ يَشَآءُ بَايُعَذِّبُ حَيْثُمَا

اَتىٰ مُدْغَمٌ فَادْرِ الْاُصُولَ لِتَاْصُلَا

ش: **قوله**: یعذّب مبتدا، اور **قوله**: مدغم اس کی خبر ہے اور با مقصود بالوزن ہے اور **قوله**: فی من

یشآء بالمدروایۃً ای فی میمه ظرف ہے۔اور **قوله**: حیث ما اتیٰ ضمیر مدغم سے حال کی جگہ ہے اور ما زائدہ ہے اور **قوله**: الاصول ای القواعد المتقدمة ترکیب میں **قوله**: فادر کا مفعول ہے اور **قوله**: لتاصلا بالهمزة وضمّ الصاد ای لتشرف او تصیر اصلا ومرجعاً فضلا منصوب بان مقدرہ ہے اور الف اطلاقیہ ہے۔

ترجمہ: اور من یشاء (کے میم) میں یعذّب کی باء درانحالیکہ یہ (قرآن میں) جہاں کہیں بھی آئے مدغم ہے پس تم (ادغام کے ان) قواعد (متقدمہ) کو جان لو اور یاد کرلو) تاکہ تم صاحب اصل ہو جاؤ۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ سوسی نے یعذب کی باء کا من یشاء کے میم میں بھی ہر جگہ ادغام کیا ہے۔ پس یعذب کی باء اور من یشاء کے میم کی تخصیص سے معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ ہر جگہ باء کا میم سے پہلے اظہار ہوگا جیسے ان یضرب مثلا سنکتب ما قالوا وغیرہ اس کے بعد جبکہ احکام ادغام ختم ہو گئے فرماتے ہیں کہ تم ان قواعد مذکورہ کو اچھی طرح یاد کرلو اور خوب سمجھ لو تاکہ دوسرے لوگ ان کے جاننے اور معلوم کرنے کے لیے تمہاری طرف رجوع کریں اور تمہارا شمار اس فن کے بڑے اور بزرگ لوگوں میں ہونے لگے۔

تنبیہ: یاد رکھو کہ یہاں ادغام متقاربین کا بیان ختم ہو گیا ہے جس کی طرف ناظمؒ نے فادر الاصول ہے اشارہ فرمایا ہے اب آئندہ قاعدے الگ الگ ایک ایک بیت میں بیان کئے جائیں گے۔ ان کا تعلق پورے باب ادغام کبیر سے ہوگا خواہ وہ مثلین ہو یا متقاربین۔

وَلَايَمْنَعُ الْاِدْغَامُ اِذْ هُوَ عَارِضٌ
اِمَالَةَ كَالْاَبْرَارِ وَالنَّـــارِ اَثْقَلَا

ش: **قوله**: امالة ترکیب میں لا یمنع کا مفعول اور **قوله**: کالابرار کی طرف مضاف ہے ای امالة لفظ کالابرار وامالة مثله کیونکہ قرآن میں کالابرار نہیں آیا ہے۔ دوسرے یہ کہ اضافت حرف کی طرف نہیں ہوا کرتی ہے ابو شامہ فرماتے ہیں کہ ممکن یہ ہے کہ کاف مخاطب کی ضمیر ہو اور الابرار مفعول امالة هو ای امالتک الابرار پس یہ مثل۔ **قوله**: واضجاعک التوراة کے ہو گیا اور چونکہ ناظمؒ نابینا تھے جب انھوں نے اس لفظ کو لکھوایا تو کاتب سامع کا ذہن اس طرف منتقل ہو گیا کہ یہ کاف تشبیہ کا ہے اس لیے اس نے الابرار کے ساتھ اس کو ملا کر لکھ دیا جعبریؒ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں اس میں یہ نقص پیدا ہوتا ہے کہ حکم ان ہی دونوں کے ساتھ مخصوص ہے اس لیے اس کا جدا لکھنا ہی ٹھیک تھا۔ واللہ اعلم۔

قولہ: اثقلا بالف الاطلاق ترکیب میں الادغام سے حال مؤکدہ ہے اور مراد اس سے تشدید ہے جو ادغام کی صورت میں حاصل ہوئی ہے یہ مطلب نہیں کہ ادغام بہ نسبت اظہار کے ثقیل ہے کیونکہ ادغام جو کیا جاتا ہے وہ تخفیف ہی کے حاصل کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ حال مقیدہ ہے ای فی حالة الادغام التصریح یعنی خالص اور پورے ادغام کی حالت میں پس اس سے روم نکل گیا اور یہ بھی جائز ہے کہ اس سے مراد حالَ کونِہٖ اثقل بلا ادغام ہو یعنی یہ بلا ادغام کے اظہار کی حالت میں ثقیل ہے قولہ اذ ھو عارض جملہ معترضہ تعلیلیہ ہے اور ضمیر ہو کا مرجع ادغام ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ترجمہ: اور نہیں منع کرتا ہے ادغام اس واسطے کہ وہ عارض ہے الابر ار اور النار جیسے لفظ کے امالۃ کو مشدد ہوتے ہوئے بھی (یعنی ادغام جو ہے وہ مانع امالة نہیں ہے بلکہ اظہار کی حالت میں امالہ ہوتا ہے۔ اسی طرح ادغام کی صورت میں بھی بحالت تشدید امالہ ہوگا)۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ جن کلمات کے الف میں اسی کے مابعد والے آخری حرف راء پر کسرہ ہونے کے سبب سے وصلاً امالۃ کیا جاتا ہے اگر اس راء کا دوسری راء یا لام میں ادغام کیا جائے تو اس وقت بھی امالۃ بدستور باقی رہے گا جیسا کہ بحالت وقف باقی رہتا ہے (اور اس کو آئندہ باب الامالة میں بیان کیا ہے) اس لیے کہ ادغام اور وقف دونوں عارِض ہیں اور عارض کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا ہے لہٰذا یہاں کسرہ کو (جو اصل اور سبب امالۃ ہے اور بوجہ ادغام زائل ہوگیا ہے) اب بھی موجود سمجھتے ہوئے امالۃ ہی کریں گے جیسے: ﴿إِنَّ الْأَبْرَارَ لَفِي عِلِّيِّينَ﴾ اور ﴿وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ رَبَّنَا﴾ وغیرہ کہ ان میں الابرار اور النار کے الف میں امالۃ بھی ہے جو راء کے کسرہ کے سبب سے کیا گیا ہے اور راء کا لام میں اور راء میں ادغام بھی ہے جس کی وجہ سے کسرہ جو سبب امالة ہے زائل ہو جاتا ہے مگر چونکہ یہ ادغام عارضی ہے اور کسرہ اصلی ہے اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا اور امالہ بدستور اپنی جگہ قائم رہے گا جیسا کہ وقف میں رہتا ہے حالانکہ یہاں بھی کسرہ وقف کی وجہ سے زائل ہو جاتا ہے مگر چوں کہ یہ عارض ہے اس لیے اس کا اعتبار کرتے ہوئے اور کسرہ کو اب بھی موجود سمجھتے ہوئے اس میں امالۃ ہی کریں گے، اس کے بعد ایک دوسرا قاعدہ بیان فرماتے ہیں وہ یہ ہے۔

وَأَشْمِمْ وَرُمْ فِي غَيْرِ بَاءٍ وَمِيمِهَا
مَعَ الْبَاءِ أَوْ مِيمٍ وَكُنْ مُتَأَمِّلَا

ش: **قولہ:** وأشمم وروم ای اجعل الاشمام والروم فی کل حرف مدغم غیر باءٍ ومیمها

اور ضمیر ہا کا مرجع بادنیٰ ملابست با یا حرف ہجا ہے اور **قوله:** مع الباء صفت ہے ای الکائنۃ معہا اور **قوله:** اومیم اس کا معطوف ہے. والتقدیر فی غیر باءٍ مُدْغمٍ فی بَاءٍ او میمٍ وغیر میم مدغمٍ فی باء او میم (قاری)

ترجمه: اور تم اشمام کرو اور روم کرو (تمام حروف مدغم میں) سوائے ایسی باء اور اس (باء یا حروف ہجا میں کے) ایسے میم میں جو (دونوں) باء یا میم کے ساتھ ہوں اور تم (اس میں غور وتامل کرنے والے رہو (یعنی اشمام وروم کی تعریف کے بارے میں تامل کرو ہم اس کو انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ باب الوقف علیٰ اواخر الکلم میں بیان کریں گے یا اس کے متعلق اس فن کے علماء نے اپنی اپنی کتابوں میں جو کچھ بیان کیا ہے اس میں غور وتامل کرو اور سوچو کہ آیا اس میں روم واشمام دونوں ممتنع ہیں یا صرف اشمام ہی ناجائز ہیں۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ باب ادغام کبیر میں جب ایک حرف کا دوسرے حرف میں ادغام کرو عام اس سے کہ مثلین ہو یا متجانسین یا متقاربین تو اگر اول حرف مدغم پر ضمہ ہو تو اس میں اشمام وروم دونوں اور جو کسرہ ہو تو صرف روم کرنا بھی جائز ہے، البتہ فتحہ کی حالت میں روم واشمام نہیں ہوتا ہے اور یہ روم واشمام تمام حروف مدغم میں ہو سکتا ہے، لیکن باء اور میم میں جبکہ ان میں سے ہر ایک باء یا میم کے ساتھ واقع ہو تو ان میں روم واشمام جائز نہیں ہے،، اور اس کی چار صورتیں نکلتی ہیں۔

ایک یہ کہ باء کے بعد باء ہو جیسے ﴿نَصِیْبُ بِرَحْمَتِنَا﴾ دوسرے باء کے بعد میم ہو جیسے ﴿یُعَذِّبُ مَنْ یَّشَآءُ﴾ تیسرے میم کے بعد میم ہو جیسے ﴿یَعْلَمُ مَا﴾ چوتھے میم کے بعد باء ہو جیسے ﴿اَعْلَمُ بِمَا﴾ ان میں روم واشمام نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ باء اور میم میں انطباق شفتین ہے جو روم واشمام میں دشوار ہے اس لیے کہ اشمام ہونٹوں کے ناتمام ملنے سے ادا ہوتا ہے پس دونوں میں ضدیت ہے جس کا بیک وقت جمع ہونا محال ہے۔ اور روم میں حرکت کا تہائی حصہ ادا کیا جاتا ہے اس صورت میں بھی قدرے دشواری ضرور ہے لیکن محققین اس صورت اشمام کو تو ناجائز بتاتے ہیں کیونکہ اس صورت میں اشارہ کرنا دشوار ہے البتہ روم کرنے میں تو کوئی دشواری نہیں ہے۔ جب باء اور میم کی پوری حرکت ادا ہو سکتی ہے تو ان کی تہائی حرکت کا ادا کرنا بھی کوئی مشکل نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ اب اس کے بعد تیسرا قاعدہ بیان فرماتے ہیں۔

وَإِدْغَامُ حَرْفٍ قَبْلَهُ صَحَّ سَاكِنٌ
عَسِيْرٌ وَبِالْإِخْفَاءِ طَبَّقَ مَفْصِلَا

ش: قولہ: ادغام حرف مبتدا مضاف الی المفعول اور اس کا فاعل محذوف ہے ای قاری اور **قولہ**: عسیرٌ اس کی خبر ہے اور **قولہ**: صحّ ساکن جملہ فعلیہ حرف کی صفت ہے اور **قولہ**: قبلہ ظرف صحّ اور ضمیر کا مرجع حرف ہے اور **قولہ**: طبّق ای اصاب کا فاعل قاری یا قائل ہے اور **قولہ**: مفصّلا بفتح المیم و کسر الصّاد مفعول ہے یقال طبق السّیف المفصل اذا اصابہ وطبق فلان المفصّل اذا اصابہ فی فعلہ او **قولہ**: او اعتقادہ، یعنی فلاں شخص اپنے فعل یا قول یا اعتقاد میں درستی کو پہنچ گیا)

ترجمہ: اور ادغام کرنا ایسے حرف کا جس کے قبل (حرف) صحیح ساکن ہو دشوار ہے (قاری یا قائل (ایسے موقع میں) اخفاء (اختلاس) کے ساتھ درستگی کو پہنچ گیا (یعنی اس نے اس میں بجائے ادغام اختلاس اختیار کر کے اس کی ادائے گی کو درست اور ٹھیک کر لیا اور اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ کے اعتراض لازم آنے سے بھی بچ گیا۔)

مطلب: فرماتے ہیں کہ کسی جگہ حرف مدغم سے پہلے کوئی حرف صحیح ساکن ہو نہ کہ مدولین تو مدغم کو ادغام کے لیے ساکن کرنے کے بعد اجتماع ساکنین علی غیر حدہ لازم آنے کی وجہ سے اس میں ادغام محض کرنا اور پھر اس کو ادا کرنا مشکل ہے اس لیے جنھوں نے ایسے موقع میں اس ادغام کو اخفاء یعنی اختلاس حرکت کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ انھوں نے اس اختلاس کے ذریعہ اس کی ادائے گی کو درست کر لیا ہے اور اس صورت میں ادغام کی حقیقت اخفاء (اختلاس) کی طرف راجع ہوگی اور ادغام مجازاً کہیں گے)۔

ف: جاننا چاہئے کہ ناظمؒ نے جو حرف مدغم سے پہلے صحیح ساکن کی قید لگائی ہے وہ اس اس لیے کہ حرف مدولین کے واقع ہونے کی صورت میں ادغام کرنا اور پھر اس کا ادا کرنا وجود مد کی وجہ سے مشکل نہیں ہے جیسے ﴿فِیهِ هُدٰی﴾ اور ﴿قَوْمِ مُوْسیٰ﴾ وغیرہ اور ادغام کو جو عسیر کہا ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ اس صورت میں ادغام کرنا ناجائز ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ ادغام کرنا تو صحیح اور نقلاً ثابت ہے لیکن اس کا ادا کرنا دشوار ہے۔ اگر قاری اس کو اختلاس کے ساتھ جس کو اخفا سے تعبیر کیا ہے ادا کریگا تو آسانی سے ادا ہو جائے اور اجتماع ساکنین علیٰ غیر حدہ کے اعتراض لازم آنے سے بھی بچ جائے گا جس کو اہل عرب ادغام بتاتے ہیں۔ حالانکہ جس طرح وقف میں یہ اجتماع ساکنین جائز ہے اسی طرح ادغام میں بھی ہونا چاہئے تھا کیونکہ وقف اور ادغام دونوں سہولت اور آسانی کی غرض سے کئے جاتے ہیں لٰہذا ان دونوں کا حکم ایک ہی ہونا چاہئے تھا، ابو شامہ فرماتے ہیں کہ صحیح ساکن کے بعد اس وقت تک ادغام ہو ہی نہیں سکتا جب تک اس ساکن کو حرکت نہ دی جائے اگرچہ خفیف ہی کیوں نہ ہو ورنہ پھر وہ حرف جس کو ادغام کے لیے ساکن کیا ہے حذف ہو جائے گا اور تم یہ سمجھو

گے کہ وہ مدغم ہو گیا ہے اور دلیل اس کی یہ بیان کی ہے کہ عرب جب ساکن صحیح کے بعد ایک کلمہ میں ادغام کرتے ہیں تو وہ اس ساکن کو حرکت دیتے ہیں جیسے استعدّ واستعفّ پس اسی وجہ سے فَنِعِمّا ھِیَ کے ادغام پر اجماع ہے۔ اور اس میم کا دوسرے میم میں ادغام کرنے کے بعد عین کو کسرہ دیا ہے حالانکہ وہ اس جگہ کے علاوہ دوسری جگہ ساکن ہے جیسے نعم العبدپس جب یہ ثابت ہو گیا کہ صحیح ساکن کے بعد ادغام ممتنع ہے تو اب اس میں اظہار یا اختلاس ہی باقی رہ گیا جس کو روم واخفاء بھی کہتے ہیں اور مجازاً اس کو ادغام سے بھی تعبیر کر دیتے ہیں، واللہ اعلم۔ اب مدغم صحیح ساکن کی مثالیں بیان فرماتے ہیں۔

خُذِالْعَفْوَ وَأْمُرْ ثُمَّ مِنْ بَعْدِ ظُلْمِهِ
وَفِي الْمَهْدِ ثُمَّ الْخُلْدِ وَالْعِلْمِ فَاشْمُلَا

ش:قوله: خذالعفو وما بعده مبتدامحذوف ھو کی خبر ہے اور **قوله**: فاشملا بفتح المیم روایۃً بمعنی عمّ اور بضم المیم بمعنی اسرع ہے اور یہ امر مؤکدہ با نون خفیفہ ہے۔ اور اس کا نون بوجہ وقف الف سے بدلا گیا ہے۔

ترجمه: اور مدغم (جس کے ماقبل حرف صحیح ساکن ہے) خذالعفو وأمر پھر من بعد ظلمهاور پھر فی المهد صبّیا) پھر الخلد (جزاء) اور العلم (مالک) ہے پس تم (اس حکم مذکور میں دوسری مثالوں کو بھی) شامل کرلو اور اس قاعدہ کو اس قسم کی مثالوں میں عام سمجھو یہ حکم مذکوران ہی مثالوں میں منحصر نہیں ہے، بلکہ عام ہے جہاں کہیں بھی اس قسم کی مثالیں آئیں ان میں بھی ایسا ہی کرو جیسے زادته هٰذاه، خزی یومئذٍ نحن له، والحرث ذالک وغیرہ یا فاشملا کے یہ معنی ہیں کہ تم ان قواعد کے یاد کرنے اور سمجھنے اور دوسروں کو سکھلانے میں جلدی کرو۔)

بَابُ هَاءِ الْكِنَايَةِ (۱۰)

یعنی یہ باب اس ہاء کے صلہ کرنے اور نہ کرنے کے بیان میں ہے

کہ جس سے واحد مذکر غائب کی طرف اشارہ کیا جاتا ہے جیسے به. له. علیه وغیرہ اس کو ہاء ضمیر بھی کہتے ہیں اور مقصود اس سے ایجاز واختصار ہے اس کی اصلی حرکت ضمہ ہے لیکن کسرہ یا یاء کی مناسبت سے اس پر کسرہ بھی آجاتا ہے۔

وَلَمْ يَصِلُوهَا مُضْمَرٍ قَبْلَ سَاكِنٍ
وَمَا قَبْلَهُ التَّحْرِيكُ لِلْكُلِّ وُصِّلَا

ش: قولہ: یصلوھا لم اگر اس کے بجائے ولم یشبعو فرمادیتے تو زیادہ مناسب اور واضح تھا پس یہاں وصل سے مراد ایصال الضم واواً ایصال الکسر یاءً ہے اور ضمیر کا مرجع قراء سبعہ ہے اور **قولہ**: وُصِّلا بصیغۃ المجہول وبالف الاطلاق میں تشدید مبالغۃً ہے واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور نہیں صلہ (اشباع) کیا ہے ان قراء (میں سے کسی) نے ضمیر ہا کا ساکن سے پہلے اور وہ (ضمیر کی ہاء) جس سے پہلے (حرف پر حرکت ہو کل (قراء) کے لیے صلہ کی گئی ہے۔

مطلب: یعنی کل قراء سبعہ میں سے کسی قاری نے بھی اس ہاء ضمیر میں صلہ نہیں کیا جو ساکن سے قبل واقع ہو عام اس سے کہ اس ہاء سے پہلے والا حرف متحرک ہو یا ساکن جیسے: ﴿يُعَلِّمُهُ الْكِتَابَ وَإِلَيْهِ الْمَصِيْرُ﴾ وغیرہ کیونکہ اس صورت میں صلہ کرنے سے اجتماع ساکنین ہو جاتا ہے اور یہ جائز نہیں ہے لہٰذا ہاء ضمیر پر جو حرکت ہو گی وہ اپنی حالت پر بدستور باقی رہے گی اور اس میں صلہ یعنی اشباع نہیں ہوگا۔ مگر ایک جگہ بزی کے لیے ﴿عَنْهُ تَلَهّٰى﴾ میں واؤ کے ساتھ صلہ اور مد ہوگا اور ان ہی کی قراءت پر اس کے بعد والا حرف ساکن ہے کیونکہ وہ تلھی کی تاء کو مشدد پڑھتے ہیں اور اگر ہاء ضمیر سے پہلے اور بعد والا حرف متحرک ہو تو اس صورت میں تمام قراء سبعہ نے اس ہاء میں ہر جگہ میں صلہ کیا ہے پس ضمہ وفتحہ کے بعد واؤ کے ساتھ اور کسرہ کے بعد یاء کے ساتھ صلہ ہوگا۔ جیسے ﴿اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ﴾ ﴿وَخَتَمَ عَلٰى سَمْعِهٖ وَقَلْبِهٖ﴾ وغیرہ پس اس میں ماقبل کا متحرک ہونا وما قبله التحريك سے اور مابعد کا متحرک ہونا فرض مسئلہ سے سمجھا گیا ہے کیونکہ مابعد کے ساکن ہونے کی صورت میں کسی نے بھی صلہ نہیں کیا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ ولم یصلوھا مضمر اگرچہ عام ہے جو واحد مذکر غائب اور واحد مؤنث غائب دونوں کو شامل ہے مگر چونکہ اختلاف واحد مذکر غائب ہی کی ضمیر میں ہے اس کے غیر میں نہیں اس لیے اسی کو بیان فرمایا ہے یہ صلہ وقف میں ساقط ہو جاتا ہے وصل میں باقی رہتا ہے بخلاف واحد مؤنث غائب کی ضمیر کے کہ اس کا اشبائی الف وقف میں بھی ثابت رہتا ہے حذف نہیں ہوتا۔

وَمَا قَبْلَهُ التَّسْكِيْنُ لِابْنِ كَثِيْرِهِمْ
وَفِيْهِ مُهَانًا مَعْهُ حَفْصٌ اَخُو وِلَا

ش: قولہ: وما قبلہ صلہ موصول مبتدا اور اس کی ضمیر محذوف ہے جس پر **قولہ:** وصّلاً دلالت کرتا ہے، اور **قولہ:** لابن کثیرھم متعلق خبر کے ہے اور ضمیر ہم کا مرجع قراء ہے اور **قولہ:** فیہ مھاناً ای ھاؤہٗ مبتدا اور **قولہ:** حفص اخو ولا معہ مع سکون العین وقصر الھاء جملہ اسمیہ اس کی خبر ہے اور معہ کی ضمیر کا مرجع ابن کثیر ہے اور عائد مقدر ہے ای فی صلتھا اور **قولہ:** ولَا بالکسر والمد صاحب الموافقۃ والی بمعنی تابع کا مصدر ہے اور اس میں قصر بوجہ وقف ہے۔

ترجمہ: اور وہ (ضمیر کی ہاء) جس سے پہلے ساکن (حرف) ہو ان (قراء) میں کے ابن کثیر کے لیے (صلہ سے پڑھی گئی ہے) اور فیہ مھانًا جو ہے (اس کی ہاء کے صلہ میں) ان (ابن کثیر) کے ساتھ حفص (بھی) صاحب موافقت ہیں (یعنی انھوں نے بھی اس میں صلہ کیا ہے)

مطلب: فرماتے ہیں کہ جس ہاء ضمیر سے پہلے ساکن اور مابعد متحرک ہو اس ہاء ضمیر میں سوائے ابن کثیر کے اور کسی قاری نے صلہ نہیں کیا ہے جیسے اجتباہ، وھداہ، والیہ، وراودوہ عن۔ وفیہ ھدیً وغیرہ اور سورۂ فرقان میں جو فیہ مھانا ہے صرف اس میں حفصؒ راوی عاصمؒ نے بھی ابن کثیر کے ساتھ صلہ کیا ہے، اس کے علاوہ اور کسی کے لیے صلہ نہیں ہے، اس قسم میں صلہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ہاء میں اصل صلہ ہی ہے، اور ترک صلہ بوجہ تخفیف بحالت وصل ہے، اور بعض کے نزدیک صلہ کرنے کی وجہ دولغتوں کا جمع کرنا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَسَكِّنْ يُؤَدِّهْ مَعْ نُوَلِّهْ وَنُصْلِهِ
وَنُؤْتِهِ مِنْهَا فَاعْتَبِرْ صَافِيًا حَلَا

ش: قولہ: سکن فعل امر ہے اور **قولہ:** یؤدہ ای ھائہٗ اس کا مفعول ہے اور **قولہ:** مع نولہ ترکیب میں یؤدہ سے حال ہے ای کائنًا اور **قولہ:** صافیاً ترکیب میں فاعتبر کے فاعل سے یا اس کے مفعول محذوف سے حال ہے ای فاعتبر التحول صافیاً یا یہ مفعول کی صفت ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔ ای قولًا صافیاً اور **قولہ:** حَلا اس کی یعنی صافیا کی صفت ہے یا یوں کہو کہ فاعتبر بمعنی عظم ہے اور اس کا مفعول (الاسکان) محذوف ہے اور **قولہ:** صافیاً اس (اسکان) سے حال ہے۔ وکذا حلا بمعنی لذّا وطاب۔

ترجمہ: اور ساکن پڑھو یؤدہٖ (کی ہاء) کو مع نولّہ کے اور نُصْلِہٖ وَنُؤْتِہٖ مِنْهَا (کی ہاء ضمیر) کو (صاحب) فاءفاعتبر وصاد وصافیاً وحاء حلا حمزہ وابوبکر شعبہ اور ابوعمرو کے لیے) پس تم (اس وجہ اسکان کو) معتبر

(اور معظم) سمجھو درانحالیکہ یہ (بھی بسبب دلیل واضح طعن کی آلودگیوں سے) پاک صاف (اور بوجہ تخفیف لفظ وصحت قراءت) لذیذ اور عمدہ ہے (یافاعتبر الخ کے یہ معنی ہیں کہ تم اس وجہ سے اسکان کا اعتبار کرو درانحالیکہ تمہارا ظاہر وباطن ایسا پاک وصاف ہو کہ اس میں لذت ومٹھاس پایا جاتا ہو، یعنی اچھا اور عمدہ معلوم ہو اس کی طرف سے عدم توجہی اور بے تعلقی کسی کی نہ ہو کیونکہ یہ بھی دلائل واضحہ سے ثابت ہے۔)

وَعَنْهُمْ وَعَنْ حَفْصٍ فَالْقِهْ وَيَتَّقِهْ
حَمْى صَفْوَهُ قَوْمٌ بِخُلْفٍ وَأَنْهَلَا

ش: **قوله**: وعنهم متعلق سکّن مقدر کے ہے اور ضمیر ہم کا مرجع قراء مرموزین **فاعتبر ، صافیاً، حلا** ہیں جو اس سے اوپر شعر میں مذکور ہیں، اور **قوله**: **حفص** معطوف اور **قوله**: **فالقه**ای **هاؤه** مفعول ہے اور **قوله**: **ویتقه**ای **اسکان هائه** مبتداء اور **قوله**: **حمی** بمعنی حفظ اس کی خبر ہے اور **قوله**: **بخلف** ترکیب میں قوم سے حال ہے ای **متلبسًا باختلافٍ** اور **قوله**: **وانهلا** کا عطف حمی پر ہے نہل کے معنی ایک بار پانی پینے کے ہیں اس کی ضمیر کا مرجع صفوہ یا لفظ کے اعتبار سے قوم ہے اور اس کا الف اطلاقیہ ہے۔

ترجمه: اور ان (مرموزین **فاعتبر، صافیا، حلا**، حمزہ، ابوبکر شعبہ اور ابوعمر وبصری) سے اور حفص سے **فالقه** (کی ہاء) کو (ساکن پڑھو) اور **یتقه** (کی ہاء کا اسکان) جو ہے اس کی صفائی (صحت) کو ایک قوم (جماعت) نے درانحالیکہ وہ مختلف (الدلائل) ہیں محفوظ کیا ہے۔ اور (دوسروں کو) سیراب کیا ہے۔ (یعنی انھوں نے دلائل بیان کر کے ان کو بھی مطمئن کر دیا ہے)

مطلب: فرماتے ہیں کہ ان مرموزین مذکورین **فاعتبر ، صافیا، حلا** نے اور حفص نے **فالقه** کی ہاء کو ساکن پڑھا ہے۔ اور **یتقه فاولئک** جو سورۂ نور میں ہے اس کی ہاء میں مرموز حا حمی وصاد صفوہ ابوعمرو وابوبکر شعبہ کے لیے بلا خلاف صرف سکون اور مرموز قاف قوم کے لیے باختلاف یعنی سکون وعدم سکون دو وجہ ہیں جو بخلف سے سمجھی گئی ہیں اب رہا یہ کہ یہ کیسے معلوم ہوا کہ خلف خلاد مرموز قاف قوم ہی کے لیے ہے دوسروں کے لیے نہیں ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس میں سب کا یا ان میں سے دو کا اختلاف ہوتا تو ناظمؒ اپنی عادت کے موافق **بخلفهم** یا **بخلفهما** فرماتے لیکن جبکہ ایسا نہیں ہے تو اول سے معلوم ہوا کہ بخلف کا تعلق صرف مرموز قاف قوم خلاد ہی سے ہے دوسروں سے نہیں ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ خلاد کے لیے دوسری وجہ عدم سکون کسرہ مع الصلۃ ہے کیونکہ اس کا ذکر اصحاب قصر (عدم صلہ) میں جن کو آئندہ بیان کیا ہے نہیں آیا

ہے۔ فافهم.

وَقُلْ بِسُكُونِ الْقَافِ وَالْقَصْرِ حَفْصُهُمْ
وَيَأْتِهْ لَدٰى طٰهٰ بِالْإِسْكَانِ يُجْتَلَا

ش: **قوله**: حفصهم ای قرأة حفصهم مبتدا اور **قوله**: بسكون القاف اس کی خبر ہے پھر جملہ مقولہ قول ہے اور **قوله**: يأتِه بالسّكون ای هاؤهٗ مبتداء اور **قوله**: يجتلا اس کی خبر ہے اور **قوله**: لدی ظرف ملغی تاکید کے لیے ہے تقیید کے لیے نہیں اس لیے کہ یأتِه سوائے سورہ طٰہٰ کے دوسری جگہ نہیں آیا ہے۔

ترجمہ: اور کہو تم کہ (یتقه) قاف کے سکون اور (ہاء کے) قصر (عدم صلہ) کے ساتھ ان (قراء) میں کے حفصؒ کی قراءت ہے اور من یأته سورۂ طٰه میں اسکان (ہاء) کے ساتھ ظاہری طور پر دیکھا جاتا ہے (یعنی خوب مشہور و معروف ہے پوشیدہ اور چھپا ہوا نہیں ہے پس جن بعض مصنفین نے اس کو بیان نہیں کیا ہے وہ اس کے لیے منافی نہیں ہے۔

خلاصہ: یہ ہے کہ ویتقه جو اوپر مذکور ہے وہ حفص کے لیے قاف کے سکون اور ہاء کے قصر یعنی بلا صلہ کے کسرہ کے ساتھ ہے اور سورۂ طٰہٰ میں جو من یأته مؤمنًا ہے وہ سوسی مرموز بیاء یجتلا کے لیے بسکون الہاء ہے۔)

وَفِي الْكُلِّ قَصْرُ الْهَآءِ بَانَ لِسَانُهُ
بِخُلْفٍ وَفِي طٰهٰ بِوَجْهَيْنِ بُجِّلَا

ش: **قوله**: قصر الهاء مبتداء اور **قوله**: بانَ لسانه ای اتضحت لغتهٗ وظهر نقله اس کی خبر ہے اور **قوله**: بجلا کا الف تثنیہ کا ہے جب کہ اس کو بوجهين کی صفت مانا جائے ورنہ اطلاقیہ ہے اور باء جارہ اسی کے متعلق ہے۔ وَالتقدير الحرف الّذی فی طٰهٰ بُجل بوجهين.

ترجمہ: اور (ان) تمام (کلمات مذکورہ) میں ہاء کا قصر (عدم صلہ) جو ہے اس کی لغت (مرموز باء بان قالون کے لیے بلا خلاف اور مرموز لام لسانہ ہشام کے لیے) باختلاف ظاہر ہوئی ہے اور سورہ طٰہٰ میں لفظ یأته صاحب باء بجلا قالون کے لیے) دو وجہوں کے ساتھ معظم سمجھا گیا ہے (کیونکہ اس میں ہر دو وجہ مساوی اور برابر کے درجہ میں ہیں)

مطلب: فرماتے ہیں کہ جو سات کلمات یؤده سے یأته تک اوپر مذکور ہیں ان میں سے چھ کلمات میں

قالون کے لیے صرف ہاء کا قصر یعنی عدم صلہ ہے اور سورۃ طٰہٰ کے لفظ یأتہ میں صلہ وعدم صلہ دونوں ہیں اور ہشام کے لیے ان سات کلمات میں بھی یہی دونوں وجہ صلہ وعدم صلہ کی ہیں جو بخلف سے سمجھی گئی ہیں پس باقی قراء کے لیے اصل کے موافق ہاء میں صلہ ہوگا۔

توضیح: یؤدہ ونولہ ونؤتہ ونصلہٖ ان چاروں لفظوں کی ہاء کو ابوعمرو اور ابوبکر شعبہ اور حمزہ نے سکون کے ساتھ اور قالون نے ہاء کا کسرہ بلا صلہ کے جس کو بعض نے اختلاس سے تعبیر کیا ہے اور ہشام نے صلہ وعدم صلہ دونوں طرح اور باقی قراء نے صلہ کے ساتھ پڑھا ہے اور فالقہ بھی اسی طرح سے ہے لیکن اس کی ہاء کو صرف حفصؒ نے ساکن پڑھا ہے اور ویتقہ میں ابوعمرو وابوبکر شعبہ کے لیے ہاء کا سکون اور خلاد کے لیے دو وجہ ہیں ایک تو سکون اور دوسرے ہاء کا کسرہ مع صلہ کے ہے اور حفصؒ کے لیے قاف کا سکون اور ہاء کا کسرہ بلا صلہ کے ہے اور قالون کے لیے قاف کا کسرہ اور ہاء کا بھی کسرہ بلا صلہ کے ہے اور ہشام کے لیے اس میں صلہ اور ترک صلہ دونوں وجہ ہیں باقی قراء کے لیے ہاء کا کسرہ مع صلہ کے ہے اور من یأتہٖ جو سورہ طٰہٰ میں ہے اس میں سوسی کے لیے ہاء کا سکون اور قالون وہشام کے لیے ہاء کا کسرہ مع ترک صلہ کے ہے باقی قراء کے لیے صرف صلہ ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

وَاِسْكَانُ يَرْضَهْ يُمْنُهُ لُبْسُ طَيِّبٍ
بِخُلْفِهِمَا وَالْقَصْرَ فَاذْكُرْهُ نَوْفَلا
لَهُ الرُّحْبُ وَ الزِّلْزَالُ خَيْرًا يَرَهْ بِهَا
وَشَرًّا يَرَهْ حَرْفَيْهِ سَكِّنْ لِيَسْهُلَا

ش: قولہ: واسکان یرضہ ای واسکان ھاء یرضہ مبتداء اول اور **قولہ**: یمنہ مبتداء ثانی ہے اور ہا ضمیر کا مرجع لفظ یرضہ ہے اور **قولہ**: لبس طیب بضم اللام اس کی خبر ہے پھر جملہ مبتداء اول کی خبر ہے اور **قولہ**: بخلفھما ترکیب میں لبس کی صفت ہے اور ضمیر ہما کا مرجع ہشام ودوری مرموز بلام لبس وطأ طیب ہے اور **قولہ**: والقصر یا تو بناء برابتداء مرفوع ہے اور اس کی خبر **قولہ**: فاذکرہ ہے یا اضمار علی شریطۃ التفسیر کی بناء پر منصوب ہے اور فاء زائدہ ہے یا خبر محذوف ہے ای کذالک یمنہ لبس طیب او مقول فیہ پس اس صورت میں فاء زائدہ نہ ہوگی اور **قولہ**: نوفلا فاعل للمبالغۃ من النفل ھو الزیادۃ ویوصف بہ کثیر العطاء ترکیب میں فاذکرہ کے مفعول سے حال ہے اور

قولہ: الرحب جملہ اسمیہ اور ضمیر کا مرجع قصر ہے اور الرحب بضم الراء مصدر ہے جو معنی میں وسعت اور کشادگی کے ہے اور بفتح الراء کے معنی واسع کے ہیں پھر جملہ نوفلا کی صفت ہے یا اذکرہ سے حال ہے ای اذکر القصر رحب الدلیل اور **قولہ**: والزلزال ای سورتہٗ مبتداء اور **قولہ**: سکن اس کی خبر ہے اور **قولہ**: خیر ایرّہ وشرًّا یرہ مفعول ہے ای لفظھما اور **قولہ**: حرفیہ ان دونوں سے بدل البعض ہے اور ضمیر کا مرجع لفظ یرہ یا زلزال ہے اور ضمیر بہا کا مرجع زلزال بتاویل سورۃ ہے اور **قولہ**: لیسھلا میں الف تثنیہ کا ہے اور اس کا مرجع حرفین ہے۔

ترجمہ: اور یرضہ (کی ہاء) کا اسکان جو (مرموز یا یمنہ سوسی کے لیے بلا خلاف اور مرموز لام لبس وطاء طیب ہشام ودُوری کے لیے باختلاف) ہے اس کا مبارک (لباس) کا (ایسا) پہننا ہے جو ان دونوں (ہشام ودوری) کے خلف کے ساتھ ہے (یعنی یہ اسکان بھی نہایت عمدہ با برکت اور نقل صحیح سے ثابت ہے لہٰذا اس سے نفرت ہرگز نہ کی جائے) اور تم (اس کی ہاء کے) قصر (عدم صلہ) کو (صاحب فاء فاذکر ونون نوفلا ولام لہ وہمز الرحب حمزہ وعاصم وہشام اور نافع کے لیے) یاد کرو۔ درانحالیکہ وہ کثیر العطا (یعنی کثیر الدلیل) ہے جس کے لیے وسعت اور کشادگی ہے (یعنی یہ اپنی شہرت اور صحت میں بہت وسیع ہے اور (سورۃ) زلزال جس میں اس کے دو لفظ خیرًا یّرہ وشرًا یرہ ہیں ان (کی ہاء) کو (صاحب لام لیسھلا ہشام کے لیے) ساکن پڑھو تاکہ یہ دونوں (لفظ بوجہ اسکان سہل ہو جائیں۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ یرضہ لکم جو سورۃ زمر میں ہے اس کی ہاء میں سوسی کے لیے بحالت وصل صرف سکون ہے اور ہشام ودوری کے لیے دو وجہ ہیں ایک تو دونوں کے لیے سکون اور دوسری وجہ ہشام کے لیے ہاء کا ضمہ بغیر صلہ کے کیونکہ ان کا ذکر سکون اور قصر دونوں میں ہے اور دوری کے لیے دوسری وجہ ہاء کا ضمہ مع صلہ کے ہے اس لیے کہ ان کا ذکر سکون میں تو ہے لیکن قصر (عدمِ صلہ) میں نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ ان کے لیے دوسری وجہ اصل کے موافق صلہ کی ہوگی اور ہمزہ وعاصم وہشام ونافع کے لیے اس کی ہاء میں صرف قصر ہے یعنی ضمہ بغیر صلہ کے ہے پس باقی قراء کے لیے صلہ بالواؤ ہے کیونکہ یہ نہ تو سکون میں ذکر کیے گئے ہیں اور نہ قصر میں لہٰذا ان کے لیے اصل کے موافق صلہ ہی ہوگا، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ سورۃ زلزال میں جو خیرًا یّرہ اور شرًّا یّرہ دو لفظ ہیں ان دونوں لفظ کی ہاء کو ہشام نے وصلاً وقفاً ساکن پڑھا ہے پس اس سے نکل آیا کہ باقی قراء کے لیے ہا کا ضمہ مع صلہ کے ہوگا جیسا کہ اس باب میں بیان کیا گیا ہے کہ

جب ہاء ضمیر بین المتحرکین واقع ہو تو اس میں صلہ ہوگا اور زلزال کی قید جو لگائی ہے وہ اس لیے تا کہ سورۃ بلد کا یرہ احد نکل جائے کیونکہ اس میں ہشام کے لیے بطریق شاطبی مثل باقی قراء کے صلہ ہی ہے البتہ بطریق طیبہ اس میں ان کے لیے سکون بھی ہے۔

وَعیٰ نَفَرٌ أَرْجِئْهُ بِالْهَمْزِ سَاكِنًا
وَفِي الْهَاءِ ضَمٌّ لَفَّ دَعْوَاهُ حَرْمَلَا
وَأَسْكِنْ نَصِيْرًا فَازَوَاكْسِرْ لِغَيْرِهِمْ
وَصِلْهَا جَوَادًا دُوْنَ رَيْبٍ لِتُوصَلَا

ش: قوله: وعیٰ حفظ فعل ماضی اور اس کا فاعل **قوله:** نفرٌ اور قوله ارجئہ بقصر الہاء مفعول ہے اور **قوله:** بساکناً حال ہے اور **قوله:** وفی الھاء ضم جملہ اسمیہ ہے اور **قوله:** لفّ بمعنی جمع اور **قوله:** دعواہ بالقصر اس کا فاعل ہے اور ضمیر کا مرجع ضم ہے اور **قوله:** حرملا مفعول ہے حرمل ایک دوا ہوتی ہے جو مفرح اور مقوی ہے پھر جملہ ضمٌ کی صفت ہے اور **قوله:** واسکن فعل امر اور اس کا مفعول مقدر ہے ای الھاء اور **قوله:** نصیراً فاعل سے حال ہے وکذا فازای فائزًا قالہ الجعبریؒ والاظہر انہٗ لما قبلہ (قاری) اور **قوله:** لغیرھم کی ضمیر کا مرجع ضمہ وسکون پڑھنے والے دونوں ہیں کقولہ تعالیٰ ھٰذٰن خصمان اختصموا اور **قوله:** جواداً ای کریماً ترکیب میں فاعل سے حال ہے اور **قوله:** دون ریب ای حالیاً عن الشک دوسرا حال ہے اور **قوله:** لتوصلا بصیغۃ المجہول ای لتقبل منصوب بان مقدرہ ہے اور لام تعلیل صفت کے لیے اور الف اطلاق کے لیے ہے باقی شعبہ کا یہ کہنا کہ یہ منصوب بلام کی ہے اور جواب امر ہونے کی بناء پر محلاً مجزوم ہے خلاف محل ہے (قاری)

ترجمہ: (مدلول) نفر (ابن کثیر و ابوعمرو و ابن عامر) نے حفظ کیا ہے (لفظ) ارجۂ کو (ہاء سے پہلے ہمزہ کے ساتھ درانحالیکہ وہ (ہمزہ) ساکن ہے اور (اس کی) ہاء میں (صاحب لام لفَّ و دال دعواہ و حاء حرملا ہشام و ابن کثیر و ابوعمرو کے لیے) ضمہ ہے جس کے دعویٰ (قول) نے جمع کیا ہے دوائے مفرح مقوی (یعنی دلیل شافی اور عمدہ) کو اور ساکن پڑھو (اس کی ہاء کو صاحب نون نصیرا و فاء فاز عاصم اور حمزہ کے لیے) درانحالیکہ تم کامیاب مددگار ہو اور ان (ضمہ وسکون پڑھنے والوں) کے علاوہ (باقی قراء یعنی نافع و ابن ذکوان اور کسائی) کے لیے اس کی ہاء کو کسرہ دو اور صلہ سے پڑھو اس (ہاء) کو (صاحب جیم جواد اور دال دون

وراء ریب ولام لتوصلا ورش وابن کثیر وکسائی وہشام کے لیے) درانحالیکہ تم خالی از شک ہوتا کہ تم (منزل مقصود تک پہنچادیئے جاؤ اور مقبول ہو جاؤ۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ لفظ ارجہ جو قرآن میں دو جگہ سورۃ اعراف وشعراء میں آیا ہے اس میں مدلول نفر ابن کثیر۔ ابوعمرو۔ ابن عامر نے جیم کے بعد ہاء سے پہلے ہمزہ ساکنہ زیادہ کر کے ارجئہ پڑھا ہے۔ پس ضد سے معلوم ہوا کہ باقی قراء نافع اور ہر سہ کوفیین کے لیے ہمزہ نہیں ہے اور اس کی ہاء میں ہشام۔ ابن کثیر ابو عمرو کے لیے ضمہ اور عاصم وحمزہ کے لیے سکون ہے اور ان ضمہ وسکون پڑھنے والوں کے علاوہ باقی قراء نافع وابن ذکوان وکسائی کے لیے ہاء کا کسرہ ہے۔ اور ورش وابن کثیر۔ کسائی اور ہشام کے لیے اس کی ہاء میں صلہ ہے جو کسرہ پڑھنے والوں کے لیے یاء کے ساتھ اور ضمہ پڑھنے والوں کے لیے واؤ کے ساتھ ہوگا۔ پس صلہ کی ضد سے نکل آیا کہ قالون۔ ابوعمرو اور ابن ذکوان کے لیے صلہ نہیں ہے۔

توضیح: اس لفظ میں ہر دو جگہ چونکہ کئی قسم کا تغیر ہوا ہے ایک ہمزہ کی زیادتی وعدم زیادتی یعنی اس کا ترک دوسرے اس کی ہا میں ضمہ وکسرہ اور سکون تیسرے اسی ہاء میں صلہ وعدم صلہ اس لیے اس میں کل چھ قرائتیں ہوئیں:

(۱) قالون کے لیے بلا زیادتی ہمزہ ہاء کا کسرہ بغیر صلہ کے یعنی اَرْجِهِ.

(۲) ورش وکسائی کے لیے بغیر ہمزہ کے ہاء کا کسرہ مع صلہ کے یعنی اَرْجِهٖ .

(۳) عاصم وحمزہ کے لیے بلا ہمزہ کے ہاء کا سکون یعنی اَرْجِهْ

(۴) ابن کثیر اور ہشام کے لیے جیم کے بعد ہاء سے پہلے زیادتی ہمزہ ساکنہ اور ہاء کا ضمہ مع صلہ کے اَرْجِئْهُ

(۵) ابوعمرو کے لیے مثل ۴ کے ہے مگر ہاء میں صلہ نہیں ہے یعنی ارجئہ ہے۔

(٦) ابن ذکوان کے لیے بزیادتی ہمزہ بعد الجیم اور ہاء کا کسرہ بغیر صلہ کے ارجئہ ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ الْمَدِّ وَالْقَصْرِ ﴿۱۵﴾

یعنی یہ باب حروف مد ولین میں مقدار معینہ کے برابر موافق روایت کے دراز کرنے اور نہ کرنے کے بیان میں ہے

پس اول کو مد اور ثانی کو قصر کہتے ہیں یہ زیادتی مد اس وقت ہوتی ہے جبکہ حروف مدہ کے بعد ہمزہ یا سکون

اور حروف لین کے بعد صرف سکون ہو اور گو اصل قصر ہی ہے اور مد اس کی فرع ہے کیونکہ قصر سبب پر موقوف نہیں ہوتا بخلاف مد کے کہ یہ سبب پر موقوف ہوتا ہے مگر چونکہ یہ باب مد ہی کے بیان میں قائم کیا گیا اس لیے مد کو قصر سے پہلے ذکر کیا ہے قصر کے لغوی معنی منع کے ہیں و منہ قاصرات الطرف و حورٌ مقصورات فی الخیام پس اسی وجہ سے مد سے رکنے کو قصر کہتے ہیں اور اصطلاح میں اس کے یہ معنی ہیں کہ حروف مدّہ کا اپنی اصلی وطبعی مقدار پر جو ایک الف کے برابر ہے باقی رہنا اور حروف لین میں اس مقدار کا بالکل حذف کر دینا اور کبھی مد کا اطلاق حروف مدّہ پر اور قصر کا اس کے حذف پر ہوتا ہے جیسا کہ انشاء اللہ آئندہ معلوم ہوگا۔

إِذَا أَلِفٌ أَوْ يَاؤُهَا بَعْدَ كَسْرَةٍ
اَوِ الْوَاوُ عَنْ ضَمٍّ لَقِي الْهَمْزَ طُوِّلَا

ش: قولہ: الف فعل مقدر کا فاعل ہے جس کا مفسر **قولہ**: لقی ہے ای استقبل اور اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ حروف مد کا ہمزہ سے پہلے ہونا ضروری ہے اور **قولہ**: یاءُ ھا او تنویع کے لیے ہے اور ضمیر ہا کا مرجع الف ہے اور اضافت بادنیٰ ملابست ہے اور **قولہ**: او الواو اس کی تقدیر جعبریؒ کے قول کے موافق او واوہا ہے اور یہ بھی کچھ بعید نہیں کہ اس میں الف لام عہد کا ہو ای الواو الساکنۃ اور **قولہ**: عن ضم ای بعدہٗ کیونکہ یہاں عن مجاوزت کے لیے ہے **قولہ**: لقی میں یاء کا سکون لغۃً ہے شعبہ کے قول پر ضرورۃً نہیں ہے پھر اس کی یاء اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف ہوئی اور قولہ طولاً ای مدمداً طویلا) کا الف اطلاقیہ ہے۔

ترجمہ: جب الف یا اس کی (وہ) یاء (ساکنہ جو) کسرہ کے بعد ہو یا (وہ) واؤ (ساکنہ جو) ضمہ کے بعد ہو ہمزہ سے ملے (یعنی ان تینوں حروف مدّہ میں سے کسی حرف کے بعد ایک کلمہ میں ہمزہ آجائے) تو وہ (حرف مد سب کے لیے) درازیٔ مد سے پڑھا جائے گا (یعنی ان میں سب قراء کے لیے مد ہی ہوگا، قصر کسی کے لیے بھی جائز نہیں)

مطلب: فرماتے ہیں کہ جب حروف مدّہ یعنی الف جس سے پہلے ہمیشہ زبر ہی ہوتا ہے، یاء ساکن جبکہ اس سے پہلے زیر اور واؤ ساکن جبکہ اس سے پہلے پیش ہو ایک کلمہ میں ہمزہ کے ساتھ جمع ہو جائیں اس طرح پر کہ یہ حروف مد ہمزہ سے پہلے ہوں تو اس میں کل قراء کے لیے مد ہوگا اور اس کو مد متصل واجب بھی کہتے ہیں، اور حروف مد اور ہمزہ کا ایک کلمۃ میں ہونا یہ مابعد کے بیت فان ینفصل سے سمجھا گیا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ

یاء ساکن بعد الکسر کی قید سے وہ یاء نکل گئی جو فتحہ کے بعد ہو جیسے: شَیْ وَھَیْئَتِہٖ اسی طرح الواو عن ضم کی قید سے وہ واؤ بھی نکل گئی کہ جس سے پہلے فتحہ ہو جیسے: سَوْءَ ۃَ اَخِیہِ وغیرہ، پس اس صورت میں یہ دونوں لین کہلائیں گے حروف مد میں ایک الف کے برابر مد کرنا ضروری اور لازمی ہے ورنہ حرف مد کی ذات ہی باقی نہیں رہے گی۔ اب رہا زیادتی مد تو اس کے لیے حروف مد ولین میں دو چیزوں کا پایا جانا ضروری ہے ایک ہمزہ کا دوسرے سکون کا عام اس سے کہ حروف مد رسم خط اور تلفظ دونوں میں پائے جائیں یا صرف تلفظ میں ہوں رسم خط میں نہ ہوں جیسے بِہٖ۔ اَنْ یُّوْصَلَ۔ وَاُولٰٓئِکَ وغیرہ پھر حرف مدہ کے بعد ہمزہ اسی کلمۃ میں ہو گی جس میں یہ حرف مد ہے یا دوسرے کلمۃ کے شروع میں ہوگی پس اول کو مد متصل و مد واجب اور دوسرے کو مد منفصل و مد جائز بھی کہتے ہیں اسی طرح سکون جو سبب مد ہے کبھی لازمی اصلی ہوگا جو ہر حال میں باقی رہے گا جیسے: آلْـٰٔن ۔ اَتُحَآجُّوْنِّیْ وغیرہ، اور کبھی عارضی ہوگا جو وقف وغیرہ کی وجہ سے آتا ہے جسے تعلمون، عقاب، نستعین وغیرہ یہ سب اپنے موقع پر ان شاء اللہ بیان کیا جائے گا، نیز جاننا چاہیے کہ ہمزہ جو سبب مد ہے یہ کبھی حروف مدہ سے پہلے بھی آئے گا پس اس صورت میں یہ صرف ورش کے لیے سبب مد ہوگا دوسروں کے لیے نہیں جیسے اٰمَنَ اِیْمَانًا واُوْتِمِنَ وغیرہ اب اس کے بعد ناظمؒ منفصل اور اس کے اختلاف کو بیان فرماتے ہیں۔

فَإِنْ يَنفَصِلْ فَالْقَصْرَ بَادِرْهُ طَالِبًا
بِخُلْفِهِمَا يُرْوِيكَ دَرًّا وَ مُخْضَلَا

ش: **قوله**: فان ینفصل میں فاء عاطفہ ہے اور **قوله**: فالقصر میں فاء جزائیہ ہے اس میں روایۃ نصب ہے یہی زیادہ مشہور اور اولیٰ ہے اور **قوله**: بادرہ ای سارع القصر اور **قوله**: طالبا فاعل سے اور **قوله**: بخلفهما مفعول سے حال ہے نحو لَقِیْتُہٗ مُصْعِدًا مُنْحَدِرًا اور **قوله**: یرویک من الارواء ای یعطیک کثراً جواب امر ہے اور اس کی یاء کا ثابت رہنا لغۃ ہے علی حذ، الم یاتیک یا مستانفہ یا مفعول سے حال ہے ای مرویًا اور **قوله**: درًّا مصدر ترکیب میں یرویک کی ضمیر فاعل سے حال کی جگہ ہے ای دارًّا اور معنیٰ میں تتابع خروج اللبن ونزول القطر کے ہے اور **قوله**: مخضلا بضیغة المجهول او الفاعل بمعنى مبتلا من اخضلت الشيء اذا بللته شيءٌ خضل اى رطب والخضل النبات الناعم ترکیب میں دوسرا حال ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: پس اگر وہ (ہمزہ حروف مد سے) جدا ہو تو تم اس (حرف مد کے) قصر کو (صاحب باء بادرہ وطاء طالبًا قالون ودوری کے لیے) ان دونوں کے خلاف کے ساتھ (اور صاحب یاء یرویک ودال درّا سوسی اور ابن کثیر کے لیے بلا خلاف) جلدی سے لے لو اس حال میں کہ تم اس کے) طالب ہو یہ قصر تم کو سیراب (اور بہت کچھ عطا) کرے گا درانحالیکہ وہ پے در پے دودھ دینے والا اور تراوٹ پہنچانے والا ہے (یعنی یہ بھی دودھ کی طرح تمہارے اندر بوجہ اپنے اصل ہونے کے اپنے فوائد سے فرحت اور ٹھنڈک پہنچائے گا اور استدلال سے مستغنی کر دے گا۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ اگر ہمزہ حرف مد کے بعد دوسرے کلمۃ میں واقع ہو اس طرح پر کہ پہلے کلمۃ کے آخر میں تو مد ہو اور دوسرے کلمۃ کے شروع میں ہمزہ ہو تو اس میں قالون اور دوری بصری کے لیے دو وجہ ہیں قصر و مد جو بخلفھما سے سمجھی گئی ہیں اور سوسی وابن کثیر کے لیے صرف ایک وجہ قصر کی ہے ان کے علاوہ باقی قراء کے لیے صرف مد ہے جو قصر کی ضد سے سمجھا گیا ہے اور اس مد کو مدّ منفصل اور مدّ جائز بھی کہتے ہیں۔ جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں یہ مد وصلاً ہوتا ہے وقف میں نہیں ہوتا یعنی اگر کسی نے حرف مد پر وقف کر دیا تو چونکہ ہمزہ جو سبب مد ہے اس سے جدا ہو گیا اس لیے اب اس میں مد نہ ہوگا۔

ف: جاننا چاہئے کہ مد متصل ومنفصل میں سب سے زیادہ مد ورش اور حمزہ کے لیے ہے ان سے کم عاصم کے لیے اور ان سے کم ابن عامر وکسائی کے لیے اور ان دونوں سے کم بطریق اہل عراق ابوعمرو کے لیے اور بطریق ابونشیط قالون کے لیے ہے اور چونکہ یہ مقدار کا اختلاف وجوبی نہیں ہے اس لیے اگر زیادہ مد کرنے والوں کے لیے کم اور کم والوں کے لیے زیادہ کر دیا جائے تب بھی درست اور جائز ہے اب اس کے بعد اگلے بیت میں مد متصل اور منفصل دونوں کی مثالیں بیان فرماتے ہیں۔

كَجِيْ وَعَنْ سُوْءٍ وَشَآءَ اتِّصَالُهُ
وَمَفْصُولُهُ فِيْ اُمِّهَا اَمْرُهُ اِلٰيْ

ش: قوله: اتصاله مبتدا اور اس کی ضمیر کا مرجع مد ہے اور **قوله:** کجيء اور اس کے معطوفات خبر ہے اور **قوله:** مفصوله ای مثال مفصول المد دوسرا مبتدا ہے اور **قوله:** فی امها اس کی خبر ہے۔

ترجمہ: مثل جیء اور عن سوء اس (مد) کے متصل کی (مثال) ہے اور اس (مد) کے منفصل کی (مثال) فی امها امرہ الیٰ (کے مانند) ہے۔

تنبیہ: واضح ہو کہ ناظمؒ نے جو امرہٗ الی کی مثال بیان فرمائی ہے اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ حروف

مدّہ کا کتابت اور رسم خط میں ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ صرف تلفظ میں ہونا اس مد کے لیے کافی ہے لہٰذا مثال مذکور میں اگر چہ حرف مد کتابت میں نہیں ہے صرف تلفظ میں ہے اس لیے اس میں مد کیا جائے گا پس یہی حکم میم جمع کے صلہ کا بھی ہے کہ اگر اس کے بعد ہمزہ آجائے گا تو اس میں بھی مد منفصل کے قاعدہ سے مد ہوگا۔

اب اس کے بعد ناظمؒ اگلے بیت میں اس حرف مد کا حکم بیان فرماتے ہیں کہ جس سے پہلے ہمزہ ہو اور حرف مد اس ہمزہ کے بعد واقع ہو چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَمَــا بَعْــدَ هَمْزٍ ثَابِتٍ اَوْ مُغَيَّرٍ
فَقَصْرٌ وَقَدْ يُرْوىٰ لِوَرْشٍ مُطَوَّلَا

ش: قوله: وما بعد همز الخ ما موصولہ متضمن معنی شرط مبتدا، اور بعد ہمز اس کا صلہ ہے اور **قوله:** ثابتٍ ہمزہ کی صفت ہے اور **قوله:** او مُغَيّر ای مخفف معطوف ہے والتقدير بعد احد الشيئين اور **قوله:** فقصر مبتدا کی خبر ہے۔ ای فحكمه قصر او هو ذو قصر او فهو مقصور للكل اور فاءعموم کے لیے ہے اس لیے کہ مبتدا متضمّن بمعنی شرط ہے **قوله:** وقد یروٰی بصیغہ مجہول کی ضمیر کا مرجع ما ہے اور **قوله:** مطولا ای ممدودًا ترکیب میں مرفوع سے حال ہے۔

ترجمہ: اور وہ حرف مد جو ہمزہ ثابت یا مُغیّر کے بعد واقع ہو پس (اس کا حکم) قصر ہے (یعنی اس میں کل قراء کے لیے قصر ہوگا) اور روایت کیا جاتا ہے کہ یہ (حرف مد بعد الہمز) ورش کے لیے اس حال میں کہ وہ مد کیا گیا ہے (یعنی ورش کے لیے اس میں ایک روایت پر طول بھی ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ جب حروف مد مطلقاً ہمزہ متصلہ کے بعد واقع ہوں عام اس سے کہ ہمزہ بلا تغیر وتخفیف کے اپنی اصلی حالت وصورت اور لفظ پر باقی ہو یا اس میں تسہیل یا ابدال یا نقل سے تعبیر کیا گیا ہو تو اس کا حکم یہ ہے کہ اس میں تمام قراء کے لیے قصر ہوگا۔ ورش کے لیے اس میں ایک روایت سے دوسری وجہ طول کی بھی ہے اور اس قسم کے مد کو مدّ بدل کہتے ہیں کیونکہ اس میں حرف مد اکثر جگہ ہمزہ سے بدلا ہوا ہوتا ہے۔

وَوَسَّطَــهُ قَــومٌ كَاٰمَنَ هٰؤُلَا
ءِالِهَــةً اٰتٰى لِلْاِيْمَــانِ مُثِّــلَا

ش: قوله: قومٌ ترکیب میں وسّطهٗ کا فاعل ہے۔ اس کے قاف سے خلاد کی رمز ہونے کا وہم ہوتا ہے کیونکہ یہ مفرد بعد القراءت ذکر کیا گیا ہے۔ اس لیے مناسب تھا کہ اس کے بجائے جمعٌ لے آتے یا یوں فرمادیتے جیسا کہ ابو شامہ نے کہا ہے بالمدة الوسطىٰ كاٰمن اَوْوَسَّطهٗ ايضاً كاٰمن اور

قولہ: کاٰمن یا **قولہ**: مثلا کا ظرف ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے ای هو كآمن اَو مثلاله كامن اور قوله مثلابالف الاطلاق جملہ مستانفہ ہے ای مثل المذکور اَوِ المدّ.

ترجمہ: اور ایک جماعت نے اس (حرف مد بعد الہمزہ) کو توسط سے پڑھا ہے (اور وہ) مثل آمن (اور) هؤلاء. یالهة. اتیٰ للایمان کے مثال دیا گیا ہے۔ (مذکور یا ہمزہ کے بعد والا حرف مد)

مطلب: فرماتے ہیں کہ ایک جماعت نے اس مد بدل میں ورش کے لیے توسط بھی روایت کیا ہے پس اس ہمزہ کے بعد والے حرف میں ورش کے لیے تین وجہ ہوگئیں۔ قصر ایک الف کے برابر، توسط تین الف کے برابر طول پانچ الف کے برابر، باقی قراء کے لیے اس میں صرف قصر ہی ہے اور اس مد کی مثال جو ہمزہ صحیح سالم کے بعد آرہا ہو مثل آمَنَ اور اتیٰ کے ہے اور اس حرف کی مثال جو ایسے ہمزہ کے بعد آئے جس میں کسی قسم کا تغیر ہوگیا ہو اور یہ تین طرح پر ہوتا ہے ایک تسہیل سے جیسے ءَ اٰلِهَتُنَا دوسرے ابدال سے جیسے هؤلاء یالهة وغیرہ تیسرے نقل سے جیسے للایمان وغیرہ کہ اس میں سے دوسری مثال هؤلاء یالهة میں دوسرے ہمزہ کو حرمی بصری یاء سے بدلتے ہیں چنانچہ اسی وجہ سے الهة کے ساتھ هٰؤُلَاءِ لائے ہیں تاکہ دو ہمزہ کے جمع ہوجانے کی صورت میں ابدال کا قاعدہ پایا جائے تیسری مثال للایمان میں ہمزہ کی حرکت لام کی طرف نقل کی گئی ہے کیونکہ اس میں نقل کا قاعدہ پایا جارہا ہے۔ اب اس کے بعد ناظمؒ اس قسم میں سے ان مواضع کو بیان فرماتے ہیں جن کو قائلین مد نے ورش کے لیے طول و توسط سے مستثنیٰ کیا ہے۔

سِوَى يَاءِ اِسْرَائِيْلَ اَوبَعْدَ سَاكِنٍ
صَحِيحٍ كَقُـرْاٰنٍ وَمَسْـُٔولًا اسْـئَلَا

ش: **قولہ**: سوی استثناء حكمی من المد والتوسط **قولہ**: او بمعنی الواو وذكرهٗ الجعبری وغیرہ ولا یبعد ان یكون للتنویع (قاری) اور **قولہ**: بعد ساكنٍ صلہ ہے جو اپنے موصوف کے حذف پر دلالت کرتا ہے ای ما بعد ساكنٍ اور **قولہ**: صحیح ای غیر معتل صفت ہے اور **قولہ**: اسئلا مستانفہ مؤکدہ بانون خفیفہ ہے اور نون بوجہ وقف الف سے بدلا گیا ہے اور شعلہ کا یہ کہنا کہ مسئولا اس کا مفعول ہے بڑا ہی عجیب و غریب ہے۔

ترجمہ: ہر حرف جو ہمزہ کے بعد ہو اس میں ورش کے لیے قصر۔ توسط۔ طول. تین وجہ ہیں) سوائے اسرائیل کی یاء کے اور (اس حرف مد کے جس سے پہلے ہمزہ اسی کلمہ میں) ساکن صحیح کے بعد (ہو اور یہ) مثل قرآن اور مسئولا کے (ہیں) تم (اس کے) استثناء ہونے کی علت سے) ضرور سوال کرو (یعنی ان میں

مدو توسط نہ ہونے کی وجہ اساتذہ سے ضرور دریافت کرلو کہ ان کو کیوں مستثنیٰ کیا گیا ہے بالخصوص ثانی قسم میں کیونکہ اس میں مستثنیٰ ہونے کی علت بیان کرنا قدرے دشوار ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ ورش کے لیے ہر اس حرف میں جو ہمزہ ثابت یا مغیر کے بعد واقع ہو تینوں وجہ قصر توسط. طول ہیں مگر لفظ اسرائیل کی یاء میں جہاں کہیں بھی آئے مدتوسط نہیں ہوگا بلکہ دیگر قاریوں کی طرح ان کے لیے بھی اس میں قصر ہی ہوگا کیونکہ قائلین مد نے اس کو بوجہ تخفیف مد کرنے سے مستثنیٰ کر دیا ہے کیونکہ یہ اکثر جگہ لفظ بنی کے بعد آیا ہے جس سے اس میں تین مدجمع ہو گئے ہیں اور ویسے بھی یہ کلمہ طویل اور کثیر الدور ہے اس لیے انھوں نے اس کی یاء میں مدو توسط کو ترک کر دیا تاکہ تخفیف حاصل ہو جائے پھر اگر کہا جائے کہ جآء و آباھم میں بھی تو ورش کے لیے تین مدجمع ہو رہے ہیں اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تداخل ہو گیا پس اس وقت اس میں دو ہی مدرہ گئے ایک تو مد متصل جو الف میں ہمزہ سے پہلے ہے دوسرا واؤ میں اباھم کی ہمزہ کے سبب سے مد منفصل۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اسی طرح وہ حرف مد بھی مستثنیٰ ہے جس سے پہلے ہمزہ صحیح ساکن کے بعد ایک ہی کلمہ میں واقع ہو جیسے قرآن. الظلمآن مسؤلا وغیرہ کہ اس میں بھی سب کے لیے قصر ہی ہے ورش کے لیے مدّ وتوسط نہیں ہے کیونکہ یہاں ہمزہ رسم خط میں صورۃً محذوف ہے اس لیے کہ ہمزہ کی رسم خط یا تو الف کے ساتھ ہوتی ہے یا واؤ یا یاء کے ساتھ پس یہاں ان تینوں میں سے کسی کے ساتھ بھی نہیں ہے۔ لہٰذا ان میں گویا مد کا سبب ہی نہیں پایا گیا اور جنھوں نے اس کی یہ علّت بیان کی ہے کہ ہمزہ معرض للنقل ہے اس کی حرکت ساکن ماقبل کی طرف نقل کی جاتی ہے اس لیے طول وتوسط نہیں کیا گیا ہے صحیح نہیں ہے کیونکہ لِلایمان وغیرہ میں بھی نقل ہوتی ہے اور اس میں ورش کے لیے قصر توسط. طول تینوں وجہ ہیں نیز مکی ودانیؒ نے اس کے مد کی تصریح کی ہے۔ ابوشامہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک اس کی علت استثناء بیان کرنا مشکل ہے اسی وجہ سے ناظمؒ نے بھی اپنے قول اسئلا سے اس پر تنبیہ فرمائی ہے کہ تم اس کی علت استثناء معلوم کر کے اس کو منکشف کرو اور اس کے متعلق بحث کرو اب اس کے بعد ناظمؒ بقیہ مستثنیات کو بیان فرماتے ہیں۔

وَمَا بَعْدَ هَمْزِ الْوَصْلِ ايْتِ وَبَعْضُهُمْ
يُؤَاخِذُ كُمُ الْاٰنَ مُسْتَفْهِمًا تَلَا

وَعَادَ نِ الْاُوْلٰى وَابْنُ غَلْبُوْنَ طَاهِرٌ
بِقَصْرِ جَمِيْعِ الْبَابِ قَالَ وَقَوَّلَا

ش: **قوله**: ومابعد الخ اس کا عطف یاء اسرائیل پر ہے اور **قوله**: ایت مبتداء کی خبر ہے ای مثاله ایت

قولہ: بعضهم كالمهدوى ومكى وابن شريح والمصرى مبتداء اور **قولہ**: تلاای بالقصر اس کی خبر ہے اور **قولہ**: یؤاخذ کم ترکیب میں تلا کا مفعول ہے اور **قولہ**: آلان اس کا معطوف اور **قولہ**: مستفهمابکسر الهاء تلا کے فاعل سے حال ہے۔ اور اگر بفتح الهاء ہے تو آلان سے حال ہوگا اور **قولہ**: عادن الاولیٰ کا عطف یؤاخذکم پر ہے اور **قولہ**: ابن غلبون مبتدا مضاف اور **قولہ**: طاهر عطف بیان ہے اور **قولہ**: قال مبتدا کی خبر ہے اور **قولہ**: جميع الباب سے یہاں مراد باب المد المتأخر عن الهمزة وهو من **قولہ**: وما بعد همز ثابت اور مغیّر ہے الخ اور **قولہ**: قوّلا بالف الاطلاق کا عطف قال پر ہے ای نسبة الى الورش وَجَعَلَهُ هُو المَذهَب لَهُ.

ترجمہ: اور سوائے اس حرف مد کے کہ جو ہمزہ وصل کے بعد ہو (اس کی مثال) آیت ہے اور ان (ناقلین ورش میں کے بعض نے یؤاخذکم (اور آلان کو درانحالیکہ یہ استفہامیہ ہو اور عادن الاولیٰ (ان تینوں) کو (قصر سے) پڑھا ہے اور جو ابن غلبون طاہر ہیں انھوں نے (اس مد بدل کے) تمام باب کو قصر کے ساتھ کہا ہے اور (اس کو ورش کی طرف) منسوب بھی کیا ہے (اور بتایا ہے کہ یہی مذہب ورش کا ہے)

مطلب: فرماتے ہیں کہ وہ حرف مد بھی جو ہمزہ وصل کے بعد واقع ہو مثل ایت وایتونی وایذن لی وغیرہ ورش کے لیے طول وتوسط سے مستثنیٰ ہے۔ اس میں صرف قصر ہوگا۔ کیونکہ ہمزہ وصلی اور وہ حرف مد جو ہمزہ سے بدل کر آیا ہے دونوں عارضی ہیں یہ حکم اس وقت ہے جب کہ ہمزہ وصلی سے ابتداء کی جائے اور اگر اس کو ماقبل سے ملا کر پڑھا جائے گا تو پھر ہمزہ وصل گر جائے گا اور وہ ہمزہ کہ جس سے حرف مد بدل کر آیا ہے اپنی اصلی حالت پر قائم رہے گا اور ابدال نہ ہوگا۔ اسی طرح ناقلین ورش میں سے بعض نے یؤاخذکم اور لا تواء اخذنا اور یؤاخذ اللہ کو اور آلان کو جو استفہامیہ ہے اور سورۂ یونس میں دو جگہ آیا ہے۔ اور عادن الاولیٰ کو بھی ورش کے طول وتوسط سے مستثنیٰ کیا ہے پس استفہامیہ کی قید سے آلان جنت اور الان اور الحق وغیرہ نکل گئے کیونکہ ان میں علی الاصل ورش کے لیے قصر۔ توسط طول تینوں وجہ ہیں۔ ان کا الف مستثنیٰ نہیں ہے اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ابن غلبون ابوالحسن طاہر جو کہ علامہ دانیؒ کے شیخ اور تذکرہ فی الثمان کے مصنف ہیں اور جن کے والد ابوالطیب عبدالمنعم بن عبداللہ ابن غلبون ہیں وہ مد بدل کے تمام باب میں قصر کے قائل ہیں اور طول وتوسط کو غلط اور وہم بتاتے ہیں جیسا کہ انھوں نے اپنی کتاب تذکرہ میں بیان کیا ہے۔

تنبیہ: یاد رکھو کہ ناظمؒ کے قول بعضهم یؤاخذکم سے جو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس میں بعض کے قول پر قصر اور بعض دیگر کے قول پر تینوں وجہ ہیں ایسا نہیں ہے کیونکہ صاحب نشر نے بیان کیا ہے کہ مد بدل

میں جتنے حضرات مد کرتے ہیں ان سب نے بالاتفاق یؤاخذ کم کو ورش کے لیے طول توسط مستثنیٰ کیا ہے اور اس میں صرف قصر کیا ہے اور ناظمؒ نے جو وبعضھم کہا ہے وہ اس لیے کہ علامہ دانی نے اس کو تیسیر میں ذکر نہیں کیا ہے اس لیے ناظمؒ نے یہ سمجھتے ہوئے کہ باب یؤاخذ علامہ دانیؒ کے نزدیک مستثنیٰ نہیں ہے وبعضھم کہہ دیا پھر اگر یوں کہتے کہ جب اس میں طول وتوسط نہیں ہے تو علامہ دانیؒ نے اس کو تیسیر میں کیوں مستثنیٰ نہیں کیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ علامہ دانیؒ نے اس کا استثناء اپنی دوسری کتابوں میں کیا ہے اور غالبًا اسی وجہ سے تیسیر میں اس کے استثناء کرنے کو ضروری نہیں سمجھا، دوسرے یہ کہ ورش کے نزدیک یہ واخذت سے مشتق ہے یا لازم لبدل ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اس میں ہمزہ کا واؤ سے بدلنا ضروری ہے جیسا کہ یریٰ میں تمام قراء کے لیے نقل واجب ہے پس ان دونوں صورتوں میں الف سے پہلے ہمزہ سبب مد نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اب اس کے بعد ناظمؒ اس مد کو بیان فرماتے ہیں جو حروف مد ولین میں سکون کے سبب سے ہوتا ہے عام اس سے کہ سکون لازمی اصلی ہو یا عارضی چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَعَنْ كُلِّهِمْ بِالْمَدِّ مَا قَبْلَ سَاكِنٍ
وَعِنْدَ سُكُونِ الْوَقْفِ وَجْهَانِ أُصِّلَا

ش: قوله: وعن کلھم کی ضمیر ہم کا مرجع قراء سبعہ ہے **قوله**: بالمدّ ای الطویل وھو قدر ثلث الفات اور **قوله**: ما قبل ساکن ای حرف المد الّذی وقع قبل ساکن مبتداء اور دونوں جار میں سے ایک اس کی خبر اور دوسرا متعلق خبر ہے۔ اور **قوله**: عند سکون الوقف ترکیب میں **قوله**: وجھان کی خبر ہے اور قولہ اصّلا صفت ہے اور اس کی ضمیر تثنیہ (الف) کا مرجع وجہان ہے۔

ترجمہ: اور ان تمام (قراء سبعہ) سے مد طویل بقدر تین الف) کے ساتھ (پڑھا گیا) ہے۔ وہ حرف مد جو ساکن سے پہلے واقع ہو، اور سکون وقفی میں دو وجہ اصل قرار دی گئی ہیں (یعنی ان میں دو وجہ طول وتوسط اصل اور مختار ہیں۔ اور تیسری وجہ قصر کی بھی ہے لیکن یہ مختار نہیں ہے یا وجہان سے مراد مد وقصر ہے جو اصل ہیں اور توسط اس کی فرع ہے۔ کیونکہ مد کے دو درجہ ہیں طول سے بھی ہوتا ہے اور توسط سے بھی پس اس صورت میں بھی تین وجہ نکل آئیں۔ فافہم۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ وہ حرف مد جو سکون لازم سے پہلے وَاقع ہو اس میں کل قراء نے مد طویل کیا ہے جس کی مقدار تین الف ہے عام اس سے کہ یہ ساکن حرف جو حرف مد کے بعد ہے مدغم ہو یا غیر مدغم پھر مُدغم چاہے

واجب الادغام ہو جیسے دَآبَّةٍ وَالصَّاخَّة وغیرہ خواہ جائز ہو جیسے ابو عمرو کی قراءت پر الاَبْرَار لَفِيْ، نَصِيْب بِرَحْمَتِنا اور بزی کی قراءت پر ولا تعاونوا، اور ساکن غیر مدغم کی مثال آلان دو جگہ سورۃ یونس میں ایسے ہی وَاللّائی اور محیای ان حضرات کی قراءت پر جو یاء کو ساکن پڑھتے ہیں اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر حرف مد ولین کے بعد ایسا سکون آجائے جو وقف کی وجہ سے عارض ہو گیا ہو اور اصل کے اعتبار سے وہ متحرک ہو تو اس میں تمام قراء کے لیے قصر کے علاوہ دو وجہ طول و توسط بھی ہیں جو مد کے اعتبار سے اصل ہیں، کیونکہ مد طول اور توسط دونوں سے ہوتا ہے اور قصر تو پہلے ہی سے سب کے لیے تھا چاہے وقف ہوتا یا نہ ہوتا، لہٰذا اس سکون وقفی میں تین وجہ ہو گئیں طول و توسط و قصر لیکن یہ تینوں وجہ اس وقت پڑھی جائیں گی جبکہ وقف اسکان یا اشمام کے ساتھ کیا جائے، اور اگر روم کے ساتھ وقف کیا جائے گا تو پھر طول و توسط نہ ہوگا صرف قصر ہی کیا جائے گا کیونکہ روم میں حرکت کا بعض حصہ ادا ہوتا ہے جس سے سکون جو سبب مد ہے نہیں پایا جاتا، پس اسی وجہ سے ناظمؒ نے بھی عند سکون الوقف فرمایا عندالوقف نہیں کہا تاکہ وقف بالروم نکل جائے۔ واللہ اعلم۔

وَمُدَّ لَهُ عِنْدَ الْفَوَاتِحِ مُشْبِعًا
وَفِي عَيْنِ الْوَجْهَانِ وَالطُّوْلُ فُضِّلَا

ش: **قوله**: ومد فعل امر ہے اس کی دال پر تینوں حرکتیں جائز ہیں لیکن روایۃً فتح ہے اور **قوله**: لهٗ ای للساکن ای لاجله متعلق فعل کے ہے اور **قوله**: عند الفواتح ظرف ہے اور فواتح جمع فاتحہ کی ہے یعنی وہ حروف جن سے سورتوں کی ابتداء کی جائے جیسے الٓمٓ۔ الٓمٓصٓ کٓهٰیٰعٓصٓ وغیرہ اور **قوله**: مشبعًا ترکیب میں مد کے فاعل سے حال ہے، اور اگر بفتح الباء ہے تو مصدر مقدر کی صفت ہے ای مدًّا مشبعًا اور جائز ہے کہ مدّ فعل ماضی کا صیغہ ہو اور اس کی ضمیر کا مرجع حرف مد ہو (قاری) **قوله**: وفی عین الوجهان جملہ اسمیہ ہے اور عین کا متحرک ہونا اور اس پر تنوین کا آنا ضرورۃً ہے اور الوجهان سے وہی دو وجہ مراد ہیں جن کا اوپر ذکر آچکا ہے کما شان المعرفة بعد النكرة كقوله تعالىٰ اِلىٰ فِرْعَوْنَ رَسُوْلًا، فَعَصىٰ فِرْعَوْنَ الرَّسُوْل اور **قوله**: الطول فضلا ای علی التوسط کما قال الجعبریؒ یا اس کی تفسیر علٰی غیرہ ہے اور یہی زیادہ واضح اور ظاہر ہے کیونکہ یہ دونوں وجہ اکثر کے نزدیک مبہم ہیں جو عین مریم و شوریٰ میں تینوں وجہ کا فائدہ دیتی ہیں چنانچہ ملا علی قاریؒ نے اسی وجہ سے مصرع ثانی میں تغیر کر کے اس کو اس طرح بیان کیا ہے وفی عینها الانواع والطول فضلا اور یہ جملہ معترضہ بیانیہ ہے اور فضلا میں الف اطلاق کا ہے۔

ترجمه: اور تم مد کرو اس (سکون لازمی) کے سبب سے فواتح (سور کے حروف مقطعات) میں درانحالیکہ تم

(ان کے حرورف مدکو) دراز کرنے (اور کھینچ کر پڑھنے) والے ہواور عین (مریم وشوریٰ) میں وہی اوپر والی دووجہ (طول وتوسط) ہیں اور (ان میں سے) طول فضیلت دیا گیا ہے (یعنی ان میں سے طول افضل ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ جب حرف مدحروف مقطعات میں جوسورتوں کے شروع میں آئے ہیں پایا جائے تو ان میں بھی تمام قراء کے لیے مدطویل ہوگا اس سکون کی وجہ سے جو اس کے بعد آرہا ہے اور ایسے حروف مقطعات جن میں حرف مد ہے اور اس کے بعد سکون ہے۔ سات ہیں۔ کاف۔ لام۔ میم۔ صاد۔ قاف۔ سین۔ نون۔ اور ان ہی حروف مقطعات میں سے جو عین ہے اور سورۂ مریم وشوریٰ کے کٓھٰیٰعٓصٓ. حٰمٓعٓسٓقٓ میں آرہا ہے اس میں تمام قراء کے لیے وہی دونوں وجہ طول وتوسط ہیں جو اوپر مذکور ہیں اور ان میں سے طول افضل واولیٰ کہا ہے اور بعض نے اس میں سب کے لیے طول وتوسط اور قصر تینوں وجہ بیان کی ہیں اور طول کو افضل واولیٰ کہا ہے۔ اس کے بعد توسّط اور پھر قصر کا مرتبہ ہے واللہ اعلم۔

وَفِي نَحْوِ طٰهَ الْقَصْرِ إِذْ لَيْسَ سَاكِنٌ

وَمَافِي أَلِفْ مِنْ حَرْفِ مَدٍّ فَيُمْطَلَا

ش: **قوله**: وفی نحو طٰهٰ خبر مقدم اور **قوله**: القصر مبتداء مؤخر ہے والتقدیر فی طٰهٰ ونحوه اور **قوله**: لیس کی خبر محذوف ہے ای بعده اور **قوله**: وما فی الف میں ما نافیہ ہے اور الف کا سکون حکایۃً ہے اور **قوله**: فیمطلا بصیغة المجهول وبالف الاطلاق ای فیمد منصوب بان مقدرہ بعد الفاء جواب نفی ہے۔

ترجمه: اور طٰہٰ (اور اس) کے مثل میں قصر ہے اس لیے کہ (اس کے بعد) ساکن نہیں ہے اور الف میں نہیں ہے حرف مد کہ وہ کھینچا جائے (اور اس میں مد کیا جائے)۔

مطلب: یعنی وہ حروف مقطعات جو دوحرفی ہیں جیسے طاء وہاء وغیرہ تو اس میں تمام قراء سبعہ کے لیے قصر ہے کیونکہ ان کے بعد سکون نہیں ہے جس کی وجہ سے ان میں مد کیا جاتا ہے اور ایسے دوحرفی حروف مقطعات جن کے بعد سکون نہیں ہے پانچ ہیں، طا، ھا، رأ، یاء، حاء اور الف اگرچہ تین حرفی ہے اور اس کا آخر حرف بھی ساکن ہے لیکن اس میں سرے سے حرف مد ہی نہیں ہے۔

خلاصه: یہ ہے کہ حروف مقطعات چار قسم کے ہیں۔ ایک تو وہ ہیں کہ جو تین حرفی ہیں اور ان میں درمیانی حرف مدہ ہے اور اس کے بعد سکون ہے جیسے قاف، صاد وغیرہ ان میں بلا خلاف سب کے لیے مد ہی ہوگا، دوسرے وہ کہ تین حرفی ہے مگر اس میں درمیان کا حرف نہ مدہ ہے اور لین اور یہ الف ہے۔ پس اسکا مد

سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے اور نہ اس میں مد کا کوئی قاعدہ پایا جاتا ہے۔ تیسرے وہ حروف مقطعات ہیں جو تین حرفی تو ہیں مگر ان کا درمیانی حرف مدہ نہیں ہے بلکہ لین ہے اور یہ صرف عین ہے جو سورہ مریم وسورۃ شوریٰ کے شروع میں ہے اس میں دو وجہ طول وتوسط اور بقول بعض طول وتوسط وقصر تینوں وجہ ہیں۔ مگر طول اولیٰ وافضل ہے۔ چوتھے وہ حروف ہیں جو دو حرفی ہیں اور ان کے آخر میں حرف مد تو ہے لیکن ان کے بعد سکون نہیں ہے ان میں سب کے لیے صرف قصر ہی ہے جو ایک الف کے برابر کھینچا جائے گا اس سے کم کھینچنا جائز نہیں ہے۔ اس کو مد اصلی ذاتی اور طبعی بھی کہتے ہیں جیسے طَاء وھا وغیرہ۔

وَاِنْ تَسْكُنِ الْيَا بَيْنَ فَتْحٍ وَهَمْزَةٍ
بِكِلْمَةٍ او وَاوٍ فَوَجْهَانِ جُمِّلَا

ش: قوله: وان تسکن یاء بالقصر جملہ شرطیہ اور **قوله:** بین فتح وھمزۃ اور اس کا ظرف ہے اور **قوله:** بکلمۃ ترکیب میں فتح وہمزہ دونوں کی صفت ہے ای کائنین اور **قوله:** او واو کا عطف یاء پر ہے اور بیت کا وزن بنقل ہمزہ او ہے اور **قوله:** فوجھان جواب شرط مبتداء اور اس کی خبر محذوف ہے ای فیھما اور **قوله:** جملا صفت ہے۔

ترجمه: اور اگر ساکن ہو یاء درمیان فتحہ اور ہمزہ کے ایک کلمہ میں یا واؤ پس (ان دونوں میں ورش کے لیے) دو وجہ جمال دی گئی ہیں یعنی خوبصورت اور عمدہ مانی گئی ہیں۔

بِطُوْلٍ وَقَصْرٍ وَصْلُ وَرْشٍ وَوَقْفُهُ
وَعِنْدَ سُكُوْنِ الْوَقْفِ لِلْكُلِّ اُعْمِلَا

ش: قوله: بطول وقصر خبر مقدم اور **قوله:** وصل ورش الخ مؤخر ہے اور **قوله:** عند سکون ترکیب میں **قوله:** اُعملا بمعنی استعملا کا ظرف ہے اور ضمیر مثنی کا مرجع وجھان مذکوران ہے۔

ترجمه: طول اور قصر (ہر دو وجہ) کے ساتھ ہے ورش کا فصل اور ان کا وقف کرنا (یعنی ورش کے لیے وصل ووقف دونوں حالتوں میں اس واؤ اور یاء لین میں کہ جس کے بعد اسی کلمۃ میں ہمزہ آجائے دو وجہ طول وتوسط ہیں) اور سکون وقفی میں بھی دونوں وجہ کل قراء کے لیے استعمال کی گئی ہیں (یعنی حروف لین کے بعد والے حرف پر اگر سکون یا اشمام کے ساتھ وقف کریں تو اس وقت سب کے لیے اس واؤ ویاء لین میں طول وتوسط ہوگا۔

وَعَنْهُمْ سُقُوطُ الْمَدِّ فِيْهِ وَوَرْشُهُمْ
يُوَافِقُهُمْ فِيْ حَيْثُ لَا هَمْزَ مُدْخَلَا

ش: قولہ:مدخلا اسم مفعول من ادخل ای موجود ترکیب میں ہمز کی صفت ہے جو لاء نفی جنس کا اسم ہے اور لا کی خبر مقدر رہے ای **فیه** اور **مدخلا** میں الف اطلاق کا ہے اگر اس کو مثل اپنے موصوف کے مبنی قرار دیا جائے اور اگر اس کو معرب مانا جائے تو اس کا الف تنوین سے بدلا ہوا ہے اور یہ دونوں صورتیں بناو اعراب کی اس لفظ مفرد مبنی کی صفت میں جائز ہیں جو لا کے بعد ہو واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور ان (قراء) سے اسی (لین سکون وقفی) میں مد کا (بالکل) ساقط کر دینا بھی (ثابت) ہے (پس تین وجہ ہو گئیں) اور ان (قراء) میں کے ورش (لین کے قصر میں) ان (قراء) کی اس جگہ میں موافقت کرتے ہیں جس میں ہمزہ موجود نہ ہو (یعنی ورش نے ان قراء کی تینوں وجہ میں اس جگہ موافقت کی ہے کہ جہاں حروف لین کے بعد ہمزہ نہ ہو جیسے خوف، بیت وغیرہ اور اگر لین کے بعد اسی کلمۃ میں ہمزہ ہو جیسے شیٔ وسوء وغیرہ تو اس میں ورش کے لیے ہر دو حال وصل و وقف میں طول وتوسط دو وجہ ہیں قصر بالکل نہیں ہے اور باقی قراء کے لیے وصلاً صرف قصر اور وقفاً طول توسط اور قصر تین وجہ ہیں۔

وَفِي وَاوِ سَوْءَاتٍ خِلَافٌ لِوَرْشِهِمْ
وَعَنْ كُلٍّ الْمَوْءُودَةُ اقْصُرْ وَمَوْئِلاً

ش: قولہ: وعن کل متعلق **قولہ**: اقصر کے ہے اس میں تنوین عوض میں مضاف الیہ کے ہے ای عن کل القراء اور **قولہ**: الموؤدة وموئلا دونوں قصر کے مفعول ہیں اور **قولہ**: الموؤدة بناء برحکایت مرفوع یا منصوب علی الاعراب ہے وھو الاقرب الی لصواب.

ترجمہ: اور سوءات کی واؤ میں خلاف ہے ان (قراء) میں کے ورش کے لیے اور الموءودة اور موئلا (کے واؤ لین) کو کل قراء سے قصر کے ساتھ پڑھو۔

مطلب: ناظمؒ نے اشعار بالا وان تسکن الواو الخ سے یہاں تک حروف لین کے مد کا حکم بیان فرمایا ہے چنانچہ فرماتے ہیں کہ جب یاء ساکن سے پہلے فتحہ اور اس کے بعد ہمزہ ہو اور یہ دونوں ایک کلمۃ میں واقع ہوں جیسے شیٌٔ وشیئاً وظنَّ السَّوْءِ وغیرہ تو اس یاء و واؤ لین میں ورش کے لیے وصل و وقف دونوں حالتوں میں دو وجہ ہیں طول وتوسط کہ جس کو قصر سے تعبیر فرمایا ہے کیونکہ یہ طول کی مقدار سے کم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اگلے بیت میں جو سقوط المد کہا ہے اس سے بھی یہی سمجھا جاتا ہے کہ یہاں قصر سے مراد توسط ہی ہے ورنہ ورش اور دوسرے قراء کی قراءت میں کوئی فرق نہیں رہے گا اور اگر حرف لین کے بعد ہمزہ دوسرے کلمۃ میں ہو جیسے لو اٰمَنَ اهل الکتابِ تو اس واؤ لین میں ورش کے لیے مد نہ ہوگا بلکہ اس میں ان کے قاعدہ

کے موافق نقل ہوگی اور پھر مدبدل کے قاعدے سے ان کے لیے اس میں طول وتوسط وقصر تینوں وجہ ہوں گی اور یہی دونوں وجہ طول وتوسط اور تیسری وجہ قصر جس کو سقوط المد سے تعبیر کیا ہے۔ ورش کے علاوہ تمام قراء کے لیے ہے جب کہ لین کے بعد والے حرف پر وقف کیا جائے عام اس سے کہ یہ آخری حرف ہمزہ ہو جیسے شیئ وسوء یا کوئی دوسرا حرف ہو جیسے خوف وبیت وغیرہ اور ورش کے لیے بھی یہی تین وجہ ہیں اس جگہ میں کہ جہاں صرف لین کے بعد ہمزہ نہ ہو اور اگر ہمزہ ہوگا تو پھر وہی دو وجہ طول وتوسط وصل ووقف میں ہوں گی اور قصر اس صورت میں نہیں ہوگا جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں مگر لفظ سوآت قرآن میں جس طرح سے بھی آیا ہو خواہ ضمیر کے ساتھ یا بلا ضمیر کے اس کی واؤ لین میں ورش کے لیے خلاف ہے۔ بعض نے مد سے اور بعض نے قصر نقل کیا ہے۔ پس جو مد کرتے ہیں ان کے نزدیک ورش کے لیے دو وجہ ہوں گی طول وتوسط اور جو قصر کرتے ہیں ان کے نزدیک مد نہ ہوگا کیونکہ واؤ اصل کے اعتبار سے متحرک ہے پس خلاصہ یہ ہے کہ سوات کے واؤ لین میں تین وجہ ہیں اور الف میں جو مدبدل سے ہے اس میں بھی تین وجہ ہیں تو تین کو تین میں ضرب دینے سے نو وجہ ہوتی ہیں علامہ جزریؒ نے ان میں سے چار کو اختیار کیا ہے اور یہی صحیح ہیں کیونکہ جو حضرات لین میں طول کرتے ہیں انہوں نے بھی لفظ سوات کو مستثنیٰ کیا ہے یعنی اس کے واؤ لین میں طول نہیں کیا ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ لفظ سوات کے واؤ لین میں جو خلاف ورش کے لیے ہے وہ توسط اور قصر میں ہے طول کسی نے بھی نہیں کیا چنانچہ علامہ جزریؒ فرماتے ہیں۔

وَسوء ات قصر الواو والهمز ثلثين ❁ وَوَسْطُهما فَالْكُلُّ اَرْبَعَةٌ فَادْرِ

ش: یعنی سوٰات کے واؤ میں قصر کے ساتھ ہمزہ میں تینوں ہیں پھر دونوں میں توسط ہے، پس کل چار ہو گئیں اسکے بعد ناظمؒ فرماتے ہیں کہ لفظ الموؤدۃ (تکویر) اور من دونه موئلا (کھف) کے واؤ لین میں سب کے لیے صرف قصر ہے۔ ان میں طول وتوسط کسی کے لیے نہیں پس یہاں ورش کے لیے بھی ان کے قاعدہ کے خلاف قصر ہی ہوگا، طول وتوسط نہیں ہوگا۔

بَابُ الهمزتين من كلمة ﴿۱۹﴾

یعنی یہ باب حکم میں ان دو ہمزہ کے ہے جو ایک کلمۃ میں جمع ہوں

اور وہ دونوں یا تو مفتوح ہونگی یا اول مفتوح اور ثانی مکسور ہوگی اور اول ہمزہ ہر حال میں مفتوح ہی ہوتی ہے۔ ناظمؒ اولاً ہمزہ ثانیہ کا حکم بیان فرماتے ہیں۔

وَتَسْهِيْلُ أُخْرىٰ هَمْزَتَيْنِ بِكِلْمَةٍ
سَمَا وَبِذَاتِ الْفَتْحِ خُلْفٌ لِتَجْمُلاَ

ش: **قوله**: وتسهيل اخرىٰ مصدر مبتدا مضاف الى المضاف اور اخرىٰ کے معنی یہاں المتاخر یا الاخیرۃ کے ہیں۔ علیٰ حد. قوله تعالیٰ ﴿وَقَالَتْ أُخْرٰهُمْ﴾ تفضیل کے لیے نہیں ہے۔ مثل مرة اخرىٰ اور **قوله**: بکلمة تسهیل یا ہمزتین کی صفت ہے۔ اور **قوله**: سما بمعنی علی ترکیب میں مبتدا کی خبر ہے۔ ای قراءة قوم ارتفع ذکرهم اور

قوله: وبذات الفتح خلف جملہ اسمیہ اور **قوله**: لتجملا تسہیل کی علت یا لام عاقبت ہے۔ ای لتحسن الهمزه او الکلمة اور یہ منصوب بان مقدرہ ہے اور اس کا الف اطلاقیہ ہے۔

ترجمہ: اور تسہیل کرنا ایسے دو ہمزہ میں سے دوسرے میں جو ایک کلمہ میں ہوں (مدلول سما کے لیے) بلند (اور مشہور) ہے اور (اسی دوسرے) فتحہ والے (ہمزہ کی تسہیل) میں (صاحب لام لتجملا ہشام کے لیے) خلف ہے (یعنی تحقیق و تسہیل دونوں ہیں اور یہ تسہیل اس لیے ہے) تاکہ کلمہ (اس تسہیل کے سبب تخفیف کی بناء پر) خوبصورت اور حسین ہو جائے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ جب دو ہمزہ متحرکہ قطعیہ ایک کلمہ میں جمع ہوں جیسے: ءَاَنْذَرْتَهُم. ءَ انک. ءَانْزِلَ وغیرہ تو ان میں سے دوسرے ہمزہ کی نافع وابن کثیر اور ابوعمرو بصری نے جن کی طرف سما سے اشارہ کیا گیا ہے تسہیل کی ہے۔ یعنی اگر دوسرا ہمزہ مفتوح ہو تو اس کو بین الهمزة والالف، مکسور ہو تو بین الهمزة والیاء اور اگر مضموم ہو تو بین الهمزه والواؤ ادا کریں گے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اس قسم کے دوسرے ہمزہ مفتوحہ میں ہشام کے لیے خلاف ہے یعنی تسہیل و تحقیق دونوں کرتے ہیں اور تحقیق زیادات میں سے ہے۔ باقی قراء کے لیے ہر دو ہمزہ کی تحقیق ہے یعنی انھوں نے دونوں ہمزہ خوب صاف اور اصلی حالت پر قائم رکھتے ہوئے پڑھا ہے۔

وَقُلْ أَلِفًا عَنْ أَهْلِ مِصْرَ تَبَدَّلَتْ
لِوَرْشٍ و فِيْ بَغْدَادَ يُرْوىٰ مُسَهَّلاَ

ش: **قوله**: الفا ترکیب میں تبدلت کا مفعول ہے اور اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع ذات الفتح ہے اور **قوله**: عن یا تو قل کے متعلق ہے یا تبدلت کے اور فی بغداد متعلق یروىٰ بصیغة المجهول کے ہے اور یروی کا نائب فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع بتاویل ذو الفتح یا المفتوح یا المذکور ہمزہ ہے

تاکہ یہ اپنے حال (قافیہ) کے جو مسھلاً ہے مطابق ہو جائے۔

ترجمہ: اور کہو تم کہ (یہ دوسرا ہمزہ مفتوحہ) اہل مصر سے تو ورش کے لیے الف سے بدل ہوا ہے اور بغداد میں (یہی دوسرا مفتوحہ ان ہی ورش کے لیے) روایت کیا جاتا ہے اس حال میں کہ وہ تسہیل کیا گیا ہے (یعنی دو ہمزہ مفتوحہ کے ایک کلمہ میں جمع ہونے کی صورت میں اہل مصر نے جو اصحاب ورش میں سے ہیں دوسرے ہمزہ مفتوحہ کا ورش کے لیے الف سے ابدال اور اہل بغداد نے ان کے لیے تسہیل سے پڑھنا نقل کیا ہے)۔

وَحقّقَهَا فِيْ فُصِّلَتْ صُحْبَةٌ ءَ أعْـــ

جَمِيٌّ وَالْاُوْلىٰ أَسْقِطَـــنَّ لِّتَسْهُلاَ

ش: قوله: وحققها. اس کی ضمیر کا مرجع ذات الفتح ہے اور **قوله**: ءَ اَعجميٌّ یا تو فصلت سے بدل البعض ہے۔ یا اس کا رفع حکایۃ ہے یا ھی مقدرہ کی خبر ہے اور **قوله**: لتسهلاَ بضم التاو كسر الهاء من اسهل اذا اتى السهل. منصوب بان مقدره بعد لام تعليل الحذف ہے ای لتركب الطريق الاسهل على الخطاب اور اس میں تا کا فتحہ اور ہا کا ضمہ بھی درست ہے ای لتخفف الكلمة اور اس کا الف دونوں تقدیر پر اطلاق کے لیے۔

ترجمہ: اور اسی (دوسرے ہمزہ مفتوحہ) کو تحقیق سے (یعنی صاف بلا تغیر کے) پڑھا ہے صحبة نے (سورہ) فصلت میں (جو لفظ ءَ اعجمی ہے اور تم (اس لفظ کی ہمزہ) اولیٰ کو (صاحب لام لتسہلا ہشام کے لیے حذف کر دو تاکہ (یہ کلمہ سہل ہو جائے (یا یہ معنی تاکہ سہل طریق پر چل سکو۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ سورۃ فصلت (حٰم سجدہ) میں جو لفظ ءاعجمی آیا ہے اس کے دوسرے ہمزہ کو مثل پہلے ہمزہ کے مدلول صحبۃ حمزہ وکسائی اور ابو بکر شعبہ نے تحقیق سے اور ہشام نے اس کے پہلے ہمزہ کو حذف کر کے صرف ایک ہمزہ سے پڑھا ہے پس ضد سے نکل آیا کہ باقی چار قاریوں نے پہلے ہمزہ کو ثابت رکھتے ہوئے تحقیق سے اور دوسرے کو تسہیل سے پڑھا ہے۔

وَهَمْزَةُ أَذْهَبْتُمْ فِي الْاَحقافِ شُفِّعَتْ

بِأُخْرىٰ كَمَا دَامَتْ وِصَالًا مُوَصَّلَا

ش: قوله: وهمزة مبتدا مضاف اور **قوله**: شفعت بتشديد الفا ای جعل وترها شفعا بزيادة اخرىٰ اس کی خبر ہے اور **قوله**: كما دامت میں ما مصدریہ اور کاف متعلق باخرىٰ کے ہے اور دامت کی

ضمیر ہمزہ کی طرف راجع ہے۔ ای دائمة کدوامها. اور **قوله**: وصالا. مصدر محذوف تشفیع کی صفت ہے۔ ای تشفیعاً ذا وِصَالٍ اور **قوله**: مُوَصَّلًا مبالغه موصولا ترکیب میں وصالاً کی صفت ہے ای منقولاً بوصلِ بعض القراء الیٰ بعض (قاری)

ترجمه: اور اَذھبتم کا (اکیلا) ہمزہ (سورۃ) احقاف میں (صاحب کاف کما و دال دامت وشامی وابن کثیر کے لیے) جفت کیا گیا ہے (ایک دوسرے ہمزہ دائمی زیادہ کرنے) کے ساتھ جیسا کہ وہ اذھبتم کا اکیلا ہمزہ) دائمی ہے یہ جفت کرنا ایسا صاحب وصال ہے جو (بعض قراء سے بعض کی طرف نقلاً بعد نقل خوب اچھی طرح پہچانا گیا ہے۔

مطلب: یعنی سورۂ احقاف میں جو لفظ اذھبتم ہے اس میں ابن عامر شامی اور ابن کثیر مکی نے ہمزہ سے پہلے ایک دوسرا ہمزہ زیادہ کر کے اس کو دو ہمزہ سے پڑھا ہے اور اپنے اپنے قاعدہ کے موافق ہر ایک نے تحقیق وتسہیل کی ہے۔ باقی قراء کے لیے اس میں ایک ہمزہ اور اس کی تحقیق ہے۔

وفِيْ نُوْنَ فِيْ أَن كَانَ شفَّعَ حَمْزَةٌ
وشُعبَةُ ايْضًا والدِمَشْقِي مُسَهِّلَا

ش: **قوله**: وفي نون ای في سورة نون. اور نون میں دوسرا نون بوجہ اجتماع ساکنین مفتوح پڑھا گیا ہے اور **قوله**: في ان كان باعادة الجار اس سے بدل البعض ہے اور **قوله**: الدمشقي میں یاء نسبت بالتخفیف ہے اور **قوله**: مسهلا بکسر الهاء المشددة حال ہے۔

ترجمه: اور (سورہ) نون کے ان کان میں حمزہ نے (ہمزہ کو) جفت بنادیا ہے اور (ابوبکر) شعبہ نے بھی اور دمشقی (ابن عامر نے (بھی دراں حالیکہ یہ (دمشقی) اس کے دسرے ہمزہ میں تسہیل بھی کرنے والے ہیں۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ سورۂ ن میں جو ﴿اَنْ كَانَ ذَا مَالٍ وَّبَنِيْنَ﴾ ہے اس میں حمزہ اور ابوبکر شعبہ اور ابن عامر شامی نے ان کان کے ہمزہ سے پہلے ایک اور ہمزہ زیادہ کر کے ءاَن کان دو ہمزہ سے پڑھا ہے پس اس میں حمزہ اور ابوبکر شعبہ نے تو اپنے قاعدہ کے موافق دونوں ہمزہ کی تحقیق کی ہے۔ اور ابن عامر شامی نے اس کے دوسرے ہمزہ میں تسہیل کی ہے یہاں ابن ذکوان بھی اپنے قاعدہ کے خلاف تسہیل کرنے میں ہشام کے موافق ہیں باقی سب کے لیے ان کان ایک ہمزہ اور اس کی تحقیق سے ہے۔

وَفِيْ آلِ عِمْرَانَ عَنِ ابْنِ كَثِيْرِهِمْ
يُشَفَّعُ أَنْ يُّؤْتیٰ الیٰ مَا تَسَهَّلَا

ش: قوله: وفی آل عمران یہ اور **قوله**: عن ابن کثیرھم دونوں **قوله**: یشفع کے متعلق ہیں اور **قوله**: ان یوتی ای ھمزہ ان یوتی ترکیب میں یشفع کا نائب فاعل ہے اور **قوله**: الیٰ ما تسھلا صلہ موصول مجرور بالی ہے اور یہ حال مقدرہ کے متعلق ہے ای یشفع مضمومًا إلی مواضعه المسھلة اور تسھلا میں الف اطلاقیہ ہے۔

ترجمہ: اور (سورۂ) آل عمران میں ان (قراء) میں کے ابن کثیر سے جفت کیا جاتا ہے ان یوتی (کا ہمزہ) اس حال میں کہ یہ (ان یوتیٰ کا ہمزہ جفت کئے جاتے کے بعد) ان مواضع کی طرف (ملایا گیا ہے) جن میں دو ہمزہ کے جمع ہونے کی صورت میں دوسرے ہمزہ کی تسہیل ہوئی ہے (یعنی) ابن کثیر نے سورۃ آل عمران کے ان یوتیٰ میں ایک اور ہمزہ زیادہ کر کے دو ہمزہ سے پڑھا ہے اور اس میں اپنے قاعدہ کے موافق اول کی تحقیق اور ثانی کی تسہیل کی ہے۔ باقی قراء کے لیے ایک ہمزہ اور اس کی تحقیق ہے۔

وَطٰــهٰ وَفِیْ الْاَعْــرَافِ وَالشُّعَرَابِهَــا
ءآمَنْتُمْ لِلْكُلِّ ثَــالِثًــا اُبْــدِلَا

ش: قوله: طٰہٰ مبتدا اور بھا ء امنتم مشعاً فبینما کلمة ء انتم جملہ اسمیہ اس کی خبر ہے۔ اور وفی الْاَعْرَافِ والشُّعَرَا مقصورا کا عطف بہا پر ہے اور **قوله**: للکل متعلق قوله ابد لابالف الاطلاق کے ہے اور ابدال کا نائب فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع ء آنتم ہے اور **قوله**: ثالثًا ای ھمزا او حرفاً فاعل سے حال ہے اور **قوله**: ثالثاً ابد لا بنقل حرکت الھمزہ الی التوین ہے ورنہ شعر کا وزن درست نہیں رہے گا۔ فافھم۔

ترجمہ: اور (سورۃ) طٰہٰ جو اس میں اور (سورۃ اعراف اور (سورۃ) شعراء میں (لفظ) ء آمَنْتُمْ ہے یہ تمام (قراء) کے لیے (الف سے بدلا گیا ہے درانحالیکہ وہ (الف سے بدل جانے والا اس کا) تیسرا (حرف ہمزہ) ہے یعنی لفظ ء آمنتم جو ان تینوں سورتوں میں آیا ہے اصل ءَ ا اَمَنْتُمْ تھا اس کے تیسرے ہمزہ کو تمام قراء نے وجوبا الف سے بدل دیا ہے۔

وَحَقَّــقَ ثَــانٍ صُحْبَــةٌ وَلِقُنْبُــلِ
بِــإِسْقَاطِــهِ الاُولىٰ بِطٰــهٰ تُقُبِّلَا

ش: قوله: ثانٍ ترکیب میں حقق کا مفعول ہے اور بوجہ وزن شعر منصوب منقوص کو مجرور پر محمول کر لیا گیا ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اگر بجائے حقق ثان کے وتحقیق ثان فرمادیتے تو اس سے نجات

حاصل ہو جاتی۔ اس طرح پر کہ وتحقیق ثانی مبتدا ہو جاتا اور اس کی خبر صحبةٌ بتقدیر مضاف ای قرائة اور روایة صحبة ہو جاتی۔ **قوله**: تقبلا اور **قوله**: باسقاطه الاولیٰ دونوں تقبلاً بالف الاطلاق کے متعلق ہیں۔ ای قبل آمنتم له بالحذف اور باسقاطه میں با سببیہ ہے اور (ہ) کا مرجع قنبل ہے اور الاولیٰ کی تقدیر الهمزه الاولیٰ ہے اور **قوله**: بطٰه کی با معنی میں فی کے ہے اور متعلق باسقاطه کے ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمه: اور تحقیق سے پڑھا ہے (اس ءَ امنتم کے دوسرے (ہمزہ) کو (مدلول) صحبۃ (حمزہ کسائی اور ابوبکر شعبہ) نے اور قنبل کے لیے یہ ء امنتم (سورۃ طٰہٰ میں ان (قنبل) کے پہلے (ہمزہ) کو حذف کر دینے کے سبب قبول کیا گیا ہے۔ (یعنی قنبل جو ابن کثیر مکی کے دوسرے راوی ہیں انھوں نے صرف سورۃ طٰہٰ میں اس کے پہلے ہمزہ کو حذف کر کے ایک ہمزہ مع تحقیق کے پڑھا ہے۔ باقی قراء نے علاوہ حفص کے جن کا بیان اگلے بیت میں آرہا ہے دو ہمزہ سے پڑھا ہے اور دوسرے ہمزہ میں تسہیل ہے۔

وَفِيْ كُلِّهَا حَفْصٌ وأَبْدَلَ قُنْبُلٌ
فِي الْاَعْرَافِ مِنْهَا الوَاوَ وَالْمُلْكِ مُوْصِلَا

ش: قوله: حفص فعل مقدر کا فاعل ہے جس پر الاسقاط دال ہے۔ ای اسقط حفص اور **قوله**: فی کلها اسی فعل مقدر کے متعلق ہے اور ضمیر ہا کا مرجع مواضع ثلٰثہ ہیں اور مفعول محذوف ہے۔ ای الهمزة الاولیٰ اور **قوله**: منها ای من الهمزة الاولیٰ دونوں ابدل کے متعلق ہیں اور **قوله**: الواو ترکیب میں ابدل کا مفعول اور **قوله**: الملک کا عطف الاعراف پر ہے اور **قوله**: موصلاً اسم فاعل من اوصلہ ترکیب میں قنبل سے حال ہے ای ابدلها موصلا الی ما قبلها (قاری)

ترجمه: اور ان کل (مواضع ثلاثہ) میں حفص نے (بھی پہلے ہمزہ کو حذف کر کے پڑھا ہے) اور قنبل نے ابدال کیا ہے (سورۃ) اعراف و ملک (کے لفظ ءَ امنتم اور ء امِنْتُم) میں اس پہلے ہمزہ سے واؤ کا۔ درانحالیکہ وہ وصل کرنے والے ہوں (یعنی انہوں نے حالت وصل میں ان دونوں سورتوں کے ان دونوں لفظ کے پہلے ہمزہ کو واؤ سے بدل کر پڑھا ہے جیسے فِرعَوْنُ وَاَمَنْتُمْ والنشور وامنتم پس اس سے معلوم ہوا کہ اگر فرعون یا النشور پر وقف کر دیں گے تو ان کے لیے پہلے ہمزہ کا واؤ سے ابدال نہ ہوگا۔

وَإِنْ هَمْزُ وَصْلٍ بَيْنَ لَامٍ مُسَكَّنٍ
وَهَمْزَةِ الإِسْتِفْهَامِ فَامْدُدْهُ مُبْدِلاً

ش: قولہ: وان همز وصل. ان شرطیہ اور اس کے بعد فعل محذوف ہے اور ہمزہ وصل اسی محذوف کا فاعل ہے اور گو یہاں اس کے بعد کوئی مفسر نہیں ہے جو ان شرطیہ کے حذف فعل کے لیے شرط ہے لیکن یہاں اس کے بجائے لفظ بین موجود ہے جو ظرف ہے اور ظرف عامل کو چاہتا ہے پس یہ خود فعل کے حذف ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔ ای ان وقع اور **قولہ:** فامدده جواب شرط اور ضمیر (ہ) کا مرجع ہمزہ وصل ہے اور **قولہ:** مبدلا ترکیب فاعل سے حال ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور اگر ہمزہ وصل (مفتوحہ) لام (تعریف) ساکن اور ہمزہ استفہام کے درمیان (واقع) ہو تو تم اس (ہمزہ) کو مد سے پڑھو درانحالیکہ تم (اس کا الف سے) ابدال کرنے والے ہو۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ ہمزہ وصلی مفتوحہ لام ساکن اور ہمزہ استفہامیہ کے درمیان واقع ہو جیسے آلذکرین. اللہ اور آلان وغیرہ تو یہ ہمزہ وصلی تمام قراء کے لیے الف سے بدل کر مد کر کے پڑھا جائے گا اور یہی وجہ ابدال سب کے لیے اولیٰ ہے اگر چہ ان کے لیے ایک دوسری وجہ قصر مع التسہیل بھی ہے جو اگلے بیت میں بیان کی گئی ہے وہ یہ ہے۔

فَلِلْكُلِّ ذَا اَوْلىٰ وَيَقْصُـــرُهُ الَّذِى

يُسَهِّـــلُ عَــنْ كُلٍّ كَالْاٰنَ مُثِّــلَا

ش: قولہ: ذا اولیٰ اي البدل ارجح من االتسهيل اور **قولہ:** يقصره کی (ہ) کا مرجع ہمزہ وصل ہے اور گو مد وقصر حروف علت کی صفات میں سے ہیں لیکن یہاں ان کا اطلاق ہمزہ پر مجازاً کیا گیا ہے کیونکہ ہمزہ اکثر حرف علت سے بدلتا رہتا ہے۔ چنانچہ یہاں بھی ہمزہ کا الف سے ابدال ہوا۔ اور پھر اس میں مد ہوا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ ابدال کے بعد ہوگا۔ **قولہ:** عن كل یا تو يقصر یا يسهل کے متعلق ہے اور **قولہ:** کالان منقولا. مبتدا محذوف ذلک کی خبر ہے اور **قولہ:** مثلاً بالف الاطلاق مستانفہ ہے، ای مثل المذکور اور ناظمؒ بالآن مثل فرما دیتے تو یہ مکمل ہو جاتا اور پھر مقدرات کی حاجت نہ ہوتی۔

ترجمہ: پس کل (قراء) کے لیے یہ ہمزہ کا الف سے ابدال کر کے مد کرنا (دوسری وجہ تسہیل سے) اولیٰ (وارجح) ہے اور قصر کرتے ہیں اس ہمزہ (وصل کا جو) کل قراء سے تسہیل (نقل) کرتے ہیں (کیونکہ تسہیل کی حالت میں بوجہ نہ پائے جانے حرف مد کے مد نہیں ہوتا ہے۔ یہ مثل الئن کے ہے (جس سے) وہ (مذکور) مثال دیا گیا ہے (یعنی ہم نے جو اوپر بیان کیا ہے وہ اس مثال سے حاصل اور واضح ہو گیا۔

وَلَا مَــدَّ بَيْنَ الْهَمْزَتَيْنِ هُنَا وَلَا
بِحَيْثُ ثَــلَاثٌ يَتَّفِقْنَ تَنَــزُّلَا

ش: قوله: بحیث با زائدہ ہے از قبیل من حیث خرجت یعنی جس طرح من حیث میں من لایا گیا ہے اسی طرح بحیث میں باء لائی گئی ہے۔ **قوله**: ثلاث مرفوع بالابتداء ہے حیث کا مضاف الیہ ہونے کی بنا پر مجرور نہیں ہے کیونکہ اس کی اضافت جملہ کی طرف ہوا کرتی ہے پس اسی وجہ سے الا تر حیث سُهیل طالعاً کو شاذ کہا ہے۔ **قوله**: یتفقن ترکیب میں ثلاث کی صفت ہے اور خبر محذوف ہے۔ ای مُجْتَمِعَةٌ اور **قوله**: تنزلاً بناء برتمیز منصوب ہے ای اتفق نزولهن.

ترجمه: اور نہیں ہے مد (یعنی ادخال الف) دو ہمزہ کے درمیان یہاں (ہمزہ وصل والی قسم میں جس کا ابھی اوپر ذکر ہوا ہے) اور نہ اس جگہ کہ (جہاں) ایسے تین (ہمزہ جمع ہو رہے ہو) جو باعتبار نزول کے متفق ہوں۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ جو حضرات دو ہمزہ کے درمیان ایک الف زیادہ کر کے پڑھتے ہیں جس کو ادخال الف کہتے ہیں انہوں نے نہ تو یہاں ہمزہ وصل کے لام تعریف ساکن اور ہمزہ استفہام کے درمیان واقع ہونے کی صورت میں ادخال الف کیا ہے اور نہ وہاں کہ جہاں اصل اور نزول کے اعتبار سے تین ہمزہ جمع ہوں جیسا کہ سورہ طٰہٰ و اعراف اور شعراء کے ء امنتم اور سورہ زخرف کے ء الهتنا میں ہیں پس ان دونوں قسم میں کسی کے لیے بھی ادخال الف نہیں ہے باقی جن دو ہمزہ کے درمیان ادخال الف ہوتا ہے اس کی قسمیں مع مثال کے اس آئندہ بیت میں مذکور ہیں۔

وَأَضْرُبُ جَمْعِ الْهَمْزَتَيْنِ ثَلَاثَــةٌ
ءَ اَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ اَئِنَّا اَءُ نْزِلَا

ش: قوله: و اضرب جمع ضرب بمعنی نوع مبتدا مضاف اور **قوله**: جمع معنی میں اجتماع کے ہے اور **قوله**: ثلاثة مبتدا کی خبر ہے اور **قوله**: ء انذرتهم ام لم الخ مبتدا مقدر کی خبر ہے۔ ای امثاله الاضرب اور ا ء نزلا میں الف اطلاقیہ ہے

ترجمه: اور دو ہمزہ کے جمع ہونے کے اقسام تین ہیں (جنکی مثالیں) ء انذرتهم ام لم اور ائنا اور ء انزل ہیں۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ دو ہمزہ متصلہ متحرکہ قطعیہ کا اجتماع قرآن عزیز میں تین قسم پر آیا ہے ایک یہ کہ دونوں مفتوح ہوں جیسے ءَ اَنْذَرتهم اَم لم. دوسرے اول مفتوح اور ثانی مکسور ہو جیسے ائنا لتارکوا تیسرے اول

مفتوح اور ثانی مضموم ہو جیسے ءَ اُنْزِلَ پس ان ہی تین قسموں میں قراء کا دو ہمزہ کے درمیان الف فاصل داخل کرنے اور نہ کرنے میں اختلاف ہے۔

وَمَدُّکَ قَبْلَ الْفَتْحِ وَالْکَسْرِ حُجَّةٌ
بِهَا لُذْ وَقَبْلَ الْکَسْرِ خُلْفٌ لَّهُ وَلَا

ش: قوله: ومدک مصدر مبتدا اور **قوله**: حجة ای ذو حجة خبر ہے اور **قوله**: لُذْ، لاذیلوذ سے امر کا صیغہ ہے اور یہ جملہ استینافیہ ہے اور قولہ بہا اس کے متعلق اور ضمیر ہا کا مرجع حجۃ ہے۔ ای الزم حجة الفصل فی القسمین لثبوتها اور **قوله**: له ولا ترکیب میں خلف کی صفت ہے۔

ترجمه: اور تمہارا مد (ادخال الف) کرنا فتحہ اور کسرہ (والے دوسرے ہمزہ) سے پہلے (صاحب حاء حجۃ اور باء بہا و لام لذ ابوعمرو وقالون اور ہشام کے لیے) ذی حجت ہے۔ یعنی دلیل والا ہے اس لیے کہ یہ ادخال الف دو ہمزہ میں جدائی اور فصل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے تا کہ اس سے کلمہ میں جو دو ہمزہ جمع ہونے کی صورت میں ثقل پیدا ہو گیا ہے وہ جاتا رہے دوسرے یہ کہ ادخال الف اس وجہ بھی کیا جاتا ہے تا کہ یہ معلوم ہو جائے کہ پہلا ہمزہ اس کلمہ کا نہیں ہے بلکہ اس سے علیحدہ اور جدا ہے پس اسی وجہ سے ائمہ میں ادخال الف کو قوی نہیں سمجھا گیا کیونکہ اس میں پہلا ہمزہ اسی کلمہ کا ہے) تم اس (دلیل وفصل) کو (ان دو قسموں میں بوجہ ثبوت) لازم پکڑ لو اور کسرہ (والے دوسرے ہمزہ) سے پہلے (اسی ادخال میں صاحب لام لہ ہشام کے لیے (ایسا خلاف ہے جس کے لیے نصرت ہے (یعنی یہ بھی مؤید بالنقل ہے اور اس کے لیے بھی دلائل ہیں پس ابو عمرو اور قالون کے لیے) تو ان دونوں قسموں میں صرف ادخال ہوگا۔ اور ہشام کے لیے پہلی قسم میں صرف ادخال اور دوسری قسم میں ادخال اور عدم ادخال دونوں وجہ ہیں۔

وَفِی سَبْعَةٍ لَا خُلْفَ عَنْهُ بِمَرْیَمِ
وَفِیْ حَرْفَیْ الْأَعْرَافِ وَالشُّعَرَا الْعَلَا

ش: قوله: وفی سبعة متعلق مبتدا مقدر کے ہے ای ومدک فی سبعة اور **قوله**: لا خلف عنه خبر ہے اور عائد محذوف ہے ای فیه اور ضمیر عنہ کا مرجع ہشام اور فیہ کا مد ہے اور **قوله**: بمریم مصروفاً للوزن ای بسورة مریم. ترکیب میں ہی مقدر کی خبر ہے اور **قوله**: العلا جمع علیا تینوں سورتوں کی صفت ہے۔

ترجمه: اور سات کلمات (کے ادخال الف) میں ان (ہشام) سے خلاف نہیں ہے (یعنی ان میں ان

کے لیے صرف ادخال ہے اور وہ کلمات) مریم ہیں (ءَ اذا مَامِتُّ) اور اعراف کے دو کلمے (ءَ اِنّکُمْ لَتَاتُونَ اور ء ان لنا. اور شعراء (کا أئنّ لنا یہ چار کلمات ایسی تین سورتوں میں ہیں جو (قرآنی ترتیب کے موافق آئندہ تین کلمات کی سورتوں صافات اور فصلت سے) بلند اور اوپر ہیں۔

أَئِنَّكَ أَئِفْكًا مَعًا فَـوْقَ صَادِهَـا
وَفِيْ فُصِّلَتْ حَرْفٌ وَبِالْخُلْفِ سُهِّلَا

ش: **قوله**: معاً پہلے دو کلموں سے حال ہے أی مصطحبین فی سورة اور **قوله**: فوق صادها ای السور الخاصة والعامة ترکیب میں معاً کے معنی کا ظرف ہے ای اصطحبا فوق صادها اور **قوله**: وفی فصلت حرف من السبعة جملہ اسمیہ ہے اور **قوله**: سهلا بالف الاطلاق وبصیغة المجهول کا نائب فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع حرف ہے اور عن هشام مقدر ہے اور اگر اس کو بصیغہ معروف پڑھا جائے اور اس کی ضمیر کا مرجع ہشام قرار دیا جائے تو یہ زیادہ ظاہر ہے والتقدیر وبالخلف سهله هشام اور اس کی تائید آئندہ بیت کے وآئمة بالخلف قدْمَدّ وحده سے بھی ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: (اور ان سات کلمات مذکورہ میں سے دو کلمے) ائنک (اور) ائفکاً (بھی میں درانحالیکہ: یہ دونوں (کلمے) مجتمع ہیں (اس سورۃ والصفات میں جو) ان (سور مذکورہ) کی (یا ان تمام قرآن کی سورتوں میں کی سورة) صاد کے اوپر ہے اور ان ہی سات کلمات میں سے ایک کلمہ ائنکم لتکفرون سورة) فصلت میں ہے اور یہ ساتواں کلمہ ہشام سے خلاف کے ساتھ تسہیل سے بھی پڑھا گیا ہے (یعنی اس کے دوسرے ہمزہ میں ہشام نے خلاف کے ساتھ تسہیل بھی کی ہے یعنی اور اس کو تحقیق و تسہیل دونوں طرح سے پڑھا ہے۔ اس کے علاوہ ہشام کے لیے ہمزہ مکسورہ بعد الفتح میں کہیں بھی تسہیل نہیں ہے) فافہم۔

وَآئِمة بِالْخُلْفِ قَـدْ وَحْدَهُ
وَسَهِّلْ سَمَا وَصْفًا وَفِي النَّحْوِ أُبْدِلَا

ش: **قوله**: وائمة علی قرأة هشام بالمد ہے ورنہ بیت کا وزن درست نہیں رہے گا اور یہ ترکیب میں **قوله**: قد مد کا مفعول ہے اور **قوله**: بالخلف مصدر مقدر (مدًا) کی صفت ہے اور مد کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع ہشام ہے اور **قوله**: وحده علی مذهب بصریین منفردًا حال ہے کیونکہ بصری معرفہ کا حال ہونا جائز نہیں بتاتے بخلاف کوفیین کے کہ ان کے یہاں معرفہ بلا کسی تاویل کے حال ہو سکتا ہے اور **قوله**:

وسھل امر ہے ای الھمزۃ الثانیہ اور **قولہ**: سما فعل اور اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع تسہیل ہے جو سہل سے سمجھی گئی ہے اور **قولہ**: وصفا تمیز ہے اور **قولہ**: وفی النحو ابدلا بالف الاطلاق جملہ فعلیہ ہے ای فی قیاس النحو ابدل الھمز وھٰذا ایضا تخصیص لعموم **قولہ**: حجّۃ بھا لذ (قاری)

ترجمہ: اور ائمہ کو اس (ہشام) نے ایسے مد (ادخال) سے پڑھا ہے جو (ان کے) خلاف کے ساتھ ہے درانحالیکہ وہ (ہشام اس میں) تنہا ہی ہیں۔ یعنی صرف ان ہی کے لیے اس میں خلاف کے ساتھ ادخال وعدم ادخال دونوں ہیں اور تم (مدلول سما نافع وابن کثیر اور ابوعمرو کے لیے) تسہیل کرد کہ یہ (تسہیل کرنا) باعتبار وصف کے بلند (اور مشہور) ہے اور (قیاس) نحو میں یہ دوسرا ہمزہ یاء سے) بدلا گیا ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ لفظ ائمہ قرآن میں جہاں کہیں بھی آئے اس میں صرف ہشام کے لیے ادخال وعدم ادخال دونوں ہیں جو بالخلف سے سمجھا گیا ہے۔ باقی قراء کے لیے اس میں عدم ادخال ہے کیونکہ اس کا پہلا ہمزہ اصلی اور اسی کلمہ کا ہے۔ نیز اس میں جو دوسرا ہمزہ ہے وہ پہلے اصل کے اعتبار سے ساکن تھا پھر حرکت اس کو عارض ہوگئی لیکن باوجود حرکت عارض ہونے کے پھر بھی اس میں کوئی ثقل نہیں پایا گیا جس کی وجہ سے الف فاصل لایا جاتا اس کے بعد فرماتے ہیں کہ مدلول سما۔ جو نافع ابن کثیر، ابوعمرو بصری ہیں ان کے لیے اس میں دوسرے ہمزہ کی تسہیل ہوگی اور گو اس کا حکم وتسہیل اخریٰ ہمزتین سے اوپر بھی معلوم ہو چکا تھا لیکن یہاں جو دوبارہ ذکر کیا ہے وہ اس لیے تاکہ محل خلاف میں ان کے مذہب پر تصریح ہو جائے باقی دوسرے قاریوں کے لیے اس کو تحقیق سے پڑھنا ظاہر ہے۔ اور **قولہ**: فی النحو ابدلا کا یہ مطلب ہے کہ بعض نحویین کے مذہب پر اس کے دوسرے ہمزہ کا یاء سے ابدال ہی ہے۔ صاحب نشر نے بھی اس کو مدلول سماء کے لیے جائز بتایا ہے اور وجہ ابدال اس میں دوسرے ہمزہ کا اصل میں ساکن ہوتا ہے پس یہ ابدال کو مقتضی ہے اور یاء سے ابدال اس لیے کیا ہے کہ ہمزہ پر فی الحال کسرہ ہے خلاصہ یہ ہے کہ اس لفظ ائمہ میں چار قرأتیں ہیں (اور ۲) نافع ابن کثیر اور ابوعمرو کے لیے، دوسرے ہمزہ کی تسہیل وبدل بلا ادخال (۳) ہشام کے لیے ہر دو ہمزہ کی تحقیق مع ادخال وبلا ادخال (۴) ابن ذکوان اور ہر سہ کوفیین کے لیے دونوں ہمزہ کی تحقیق بلا ادخال ہے۔ واللہ اعلم۔

وَمَدُّکَ قَبْلَ الضَّمِّ لَبّٰی حَبِیْبُہٗ
بِخُلْفِھِمَا بَرًّا وَجَاءَ لِیَفْصِلَا

ش: **قوله**: مدک مبتدا مضاف الی فاعلہ ہے اور **قوله**: قبل الضم ای قبل ذی الضم اس کا ظرف ہے اور **قوله**: لبّٰی بمعنی اجاب خبر ہے اور لبّٰی کا مفعول محذوف ہے ای لباہ یعنی لبّی المد اور **قوله**: بخلفھا کی ضمیر کا مرجع مدلول اور لام وحاء جو لبّٰی حبیبہ کے شروع میں ہے اور **قوله**: برًّا بمعنی بارًّا (موافقا) ترکیب میں فاعل سے حال ہے یا لبّی کا مفعول ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمه: اور تمہارا مد (ادخال) کرنا دوسرے ہمزہ) مضمومہ سے پہلے اس (مد) کے درست رکھنے والے (قاری) نے (اس کو) لبیک کے ساتھ جواب دیا (یعنی اس نے اس کو منظور کرلیا) ان دونوں (صاحب لام لبّی وحا حبیبہ ھشام وابو عمرو کے خلاف کے ساتھ (اور صاحب باء برّا قالون کے لیے بلا خلاف) درانحالیکہ وہ (حبیب قاری) بڑا نیک (اور اپنے موافق) ہے اور یہ (مد) آیا ہے (اس لیے) تاکہ دونوں ہمزہ کے درمیان فصل اور جدائی کردے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اجتماع ہمزتین کی تیسری قسم میں جس کا پہلا ہمزہ مفتوح اور دوسرا مضموم ہے ہشام اور ابوعمرو بصری کے لیے ادخال وعدم ادخال دونوں اور قالون کے لیے صرف ادخال ہی ہے اس کے علاوہ باقی قراء کے لیے عدم ادخال ہے۔

وَفِیْ اٰلِ عِمْرَانٍ رَوَوْا لِهِشَامِهِمْ
كَحَفْصٍ وَفِی الْبَاقِیْ كَقَالُوْنَ وَاعْتَلاَ

ش: **قوله**: رووا اس کی ضمیر کا مرجع ناقلین ہشام ہے اور تمام جار اسی کے متعلق ہیں اور **قوله**: واعتلا جملہ مستانفہ ہے۔ ای علی هٰذا الثالث وهو وجه التفصیل.

ترجمه: اور (سورۃ) آل عمران کے (قُلْ اَءُ نَبِّئُكُمْ) میں روایت کیا ہے۔ (ان ناقلین نے) ان (قراء) میں کے ہشام کے لیے مثل (روایت) حفص کے (یعنی تحقیق بلا ادخال) اور (اسی قسم کے) باقی (دوءَ اُنْزِلَ اور ئَاُلْقِیَ) میں مثل (قرأت) قالون تسہیل مع ادخال کے ہے اور یہ تیسری وجہ تفصیل جو اس بیت میں بیان کی گئی ہے) بلند اور مشہور) ہے پس باقی قراء کے لیے ان تینوں جگہ ہر ایک کے قاعدہ کے موافق ہمزہ ثانیہ کی تحقیق وتسہیل مع ادخال وبلا ادخال ہوگی اور پہلا ہمزہ ہر حال میں سب کے لیے تحقیق ہی سے پڑھا جائے گا۔

بَابُ الْهَمْزَتَیْنِ مِنْ كَلِمَتَیْنِ ﴿۱۲﴾

یعنی یہ باب حکم میں ان دو ہمزہ کے ہے کہ جو دو کلموں میں

اس طرح جمع ہوں کہ پہلا ہمزہ اول کلمہ کے آخر میں اور دوسرا ہمزہ دوسرے کے شروع میں واقع ہو

پھر یہ دونوں ہمزہ یا تو حرکت میں متفق ہوں گے یا مختلف چنانچہ ہر ایک کا حکم انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب اپنے اپنے موقع پر معلوم ہوگا۔اب ناظمؒ اولاً ان دو ہمزہ کا حکم بیان فرماتے ہیں جو دونوں حرکت میں متفق ہوں۔

وَأَسْقَطَ الْأُولَىٰ فِيْ اتِّفَاقِهِمَا مَعًا

إِذَا كَانَتَا مِنْ كِلْمَتَيْنِ فَتَى الْعَلَا

ش: قوله: اتفاقهما حال ہے اور اس کی ضمیر ہما کا اور **قوله**: كانتا کی ضمیر تثنیہ کا مرجع ہمزتین ہے جو اسی باب کے شروع میں مذکور ہے شعلہ اور ابو شامہ کے قول کے موافق اس سے پہلے باب کے اول بیت کا وتسهيل اخرىٰ همزتين نہیں ہے۔ **قوله**: معاً بعض کے قول پر تاکید کے لیے اور بعض کے قول پر تقیید کے لیے ہے اور **قوله**: العلا میں قصر وقفاً ہے جعبریؒ کے قول پر ضرورۃ نہیں ہے۔

ترجمہ: اور فتی العلا (ابوعمرو نے) دو ہمزہ میں سے) اول (ہمزہ) کو حذف کیا ہے ان دونوں (ہمزہ) کے ایک ساتھ (حرکت میں) متفق ہونے کی حالت میں جبکہ یہ دونوں (ہمزہ) دوکلموں سے ہوں (یعنی ابو عمرو بصری نے دو ہمزہ قطعی دوکلموں میں سے پہلے ہمزہ کو اس وقت حذف کر کے پڑھا ہے جبکہ دونوں ہمزہ حرکت میں متفق اور اکٹھے ہوں جیسا کہ وصل کی حالت میں ہوتے ہیں عام اس سے کہ یہ دونوں ہمزہ مفتوح ہوں یا مکسور یا مضموم ہر ایک کی مثال اگلے بیت میں مذکور ہے۔

كَجَا امْرُنَا مِنَ السَّمَـــا إِنَّ أَوْلِيَا

أُولٰئِكَ أَنْــوَاعُ اتِّفَـــاقٍ تَجَمَّلَا

ش: قوله: كجاء امرنا مبتدا محذوف کی خبر ہے ای المتفق اور دوسری مثال میں کاف محذوف ہے نہ کہ تیسری میں کیونکہ یہ قرآن مجید میں صرف ایک جگہ آیا ہے اور **قوله**: تجملا بالف الاطلاق یا تو جمال سے ہے ای تحسين وتزين یا اجمال اور جملۃ سے ہے ای تجمع واجتمع من غير كلمة ترکیب میں اتفاق کی صفت ہے اور **قوله**: انواع اتفاق هذه یا هی مقدر کی خبر ہے۔

ترجمہ: (همزتين متفقتين فى الحركة کی مثالیں) مثل جاء امرنا مِنَ السَّمآءِ انّ (اور صرف) اولیآءُ اولٰئک ہے (یہ تینوں) اتفاق (همزتين فى الحركة) کی قسمیں ہیں جو خوبصورت (حسین اور بغیر کلفت کے جمع ہوگئی ہیں) کیونکہ تماثل حرکت بھی جمعیت کے اعتبار سے مزین اور خوبصورت ہوا کرتی ہے۔

وَقَــالُـونُ الْبَـزِّيُّ فِي الْفَتْحِ وَافَقَا

وَفِي غَيْــرِهِ كَالْيَا وَكَالْــوَاوِ سَهَّلَا

ش: **قوله**: قالون مبتدا اور البزی اس کا معطوف ہے اور **قوله**: فی الفتح ای فی ذواتی الفتح متعلق **قوله**: وافقا کے ہے جو مبتدا کی خبر ہے اور وافقا کی ضمیر تثنیہ کا مرجع قالون و بزی دونوں ہیں اور مفعول محذوف ہے ای وافقاہ اور **قوله**: سھلا کا عطف وافقا پر ہے اور اس کی ضمیر تثنیہ کا مرجع بھی قالون و بزی ہے اور مفعول محذوف ہے۔ والتقدیر سھلا الھمزۃ الاولیٰ اور **قوله**: فی غیرہ اس کے متعلق ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع فتح ہے اور **قوله**: کالیاء بالقصر للوزن ترکیب میں اور اس کا معطوف۔ وکالواو مفعول سے حال ہے۔

ترجمه: اور قالون و بزی نے فتحہ (والے ہر دو ہمزہ میں سے پہلے ہمزہ کے حذف کرنے) میں (ابوعمرو کی موافقت کی ہے اور اس (غیر فتحہ والے ہر دو ہمزہ) کے مکسور و مضموم ہر دو ہمزہ میں) ان دونوں (قالون وبزی) نے ہر دو ہمزہ مفتوحہ میں سے پہلے ہمزہ کو مثل ابوعمرو حذف کیا ہے اور دونوں ہمزہ کے مکسور ہونے کی صورت میں پہلے ہمزہ کی تسہیل کالیاء اور دونوں ہمزہ کے مضموم ہونے کی صورت میں پہلے ہمزہ کی تسہیل کالواو کی ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ ہمزتین مکسورتین میں پہلے ہمزہ کو بین الہمزہ والیاء اور مضمومتین میں پہلے ہمزہ کو بین الہمزہ والواو پڑھا ہے۔

وَبِالسُّوْءِ اِلَّا اَبْـدَلَا ثُـمَّ اَدْغَمَا
وَفِيْـهِ خِلَافٌ عَنْهُمَا لَيْسَ مُقْفَـلَا

ش: **قوله**: وبالسُّوْءِ اِلّا ای ھمزۃ بالسوء الاوھی الاولیٰ. ابدلا یا تو جملہ اسمیہ ہے یا فعلیہ اور **قوله**: ابدلا ثم ادغما کی ضمیر تثنیہ قالون و بزی کی طرف راجع ہے وکذا ضمیر عنھما اور عنھما متعلق خلاف کے ہے جو کہ ترکیب میں مبتدا ہے اور اس کی خبر فیہ مقدم ہے ای وفی ابدالھا اختلاف اور **قوله**: مقفلا ای لیس الخلاف مشکلا ولا ممنوعًا معضلا بل ھو مشھور مذکور فی الکتب المبسوطۃ مفصلا.

ترجمه: اور ان دونوں (قالون و بزی) نے بالسوء الا (کے پہلے ہمزہ) کا (واؤ) سے ابدال کیا ہے پھر ان دونوں نے (اس بدلے ہوئے واؤ میں پہلے واؤ کا) ادغام کیا ہے اور اس میں ان دونوں سے خلاف ہے جو قفل لگا ہوا (یعنی بند اور ممنوع) نہیں ہے (جس سے کچھ مشکل اور دشواری پیش آئے بلکہ مشہور اور فن کی کتابوں میں بالتفصیل مذکور ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ بالسوء الا میں قالون اور بزی کے لیے دو وجہ ہیں ایک پہلے ہمزہ کا واؤ سے ابدال کر

کے واؤ کا واؤ میں ادغام کرنا دوسرے عام قاعدہ کے موافق پہلے ہمزہ کی تسہیل کالیاء کرنا)

وَالْأُخْرٰى كَمَدٍّ عِنْدَ وَرْشٍ وَقُنْبُلٍ
وَقَدْ قِيْلَ مَحْضُ الْمَدِّ عَنْهَا تَبَدَّلَا

ش: قوله: الاخرىٰ ای الهمزة الثانية مبتدا اور **قوله**: كمد اس کی خبر ہے اور **قوله**: محض المد مبتدا مضاف ای خالصة اور **قوله**: تبدلا بالف الاطلاق اس کی خبر ہے اور **قوله**: عنها ای عن الهمزة الاخرى اس کے متعلق ہے۔

ترجمه: اور (ان ہر سہ قسم کے حرکت میں متفق ہونے والے دو ہمزہ میں سے) دوسرا (ہمزہ) مثل مد کے ہے۔ ورش اور قنبل کے نزدیک (یعنی دونوں حضرات همزتين متفقتين في الحركة کی تینوں قسموں میں تسہیل کالمد کرتے ہیں جس کے یہ معنی ہیں کہ دو ہمزہ مفتوحہ میں سے دوسرے ہمزہ کو بين الهمزه والالف اور کسرہ والے کو بين الهمزة والياء اور ضمہ والے کو بين الهمزة والواو پڑھتے ہیں پس کالمد سے اسی کی طرف اشارہ ہے) اور (یہ بھی کہا گیا ہے کہ (یہ دوسرا ہمزہ) خالص (حرف) مد ہے جو اس (دوسرے ہمزہ) سے بدلا ہوا ہے (یعنی ان دونوں کے لیے خالص حرف مد الف اور یاء ساکنہ اور واؤ ساکنہ سے ابدال بھی ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان تینوں قسم کے همزتين متفقتين في الحركة میں ورش اور قنبل کے لیے پہلے ہمزہ کی تو تحقیق ہی ہے اور دوسرے ہمزہ میں دو وجہ ہیں ایک تسہیل کالمد اور دوسری وجه الف واؤ یا سے ابدال کر کے خالص حرف مد کی طرح پڑھنا تا کہ اعلیٰ درجہ کی تخفیف حاصل ہو جائے)۔

وَفِي هٰؤُلَآ إِنْ وَالْبِغَا إِنْ لِوَرْشِهِمْ
بِيَاءٍ خَفِيْفِ الْكَسْرِ بَعْضُهُمُ تَلَا

ش: قوله: وفی هولاء ان بحذف احدى الهمزتين ترکیب میں تلا یعنی قرأ کا ظرف ہے جو **قوله**: بعضهم باشباع الميم کی خبر ہے اور ضمیر ہم کا مرجع الاخذين عن ورش ہے اور **قوله**: بيا جعبریؒ کے قول پر تلا کا مفعول ہے اور باء زائدہ ہے لیکن اگر اس کو تلا کا متعلق کیا جائے تو زیادہ بہتر ہے اور اس صورت میں الشائلین مقدر اس کا مفعول ہوگا۔ واللہ أعلم بالصواب۔

ترجمه: اور هٰؤلاء ان (کنتم سورۃ بقرہ) میں اور (على) البغاء (ان اَرَدْنَ سورہ نور) میں ان (قراء) میں کے ورش کے لیے (دوسرے ہمزہ کو) ان (ناقلين عن ورش میں کے بعض نے خفیف کسرہ والی یاء کے ساتھ

پڑھا ہے (یعنی ان دونوں مثالوں میں ورش کے لیے ایک اور وجہ ان کے دوسرے ہمزہ کو یا مکسور سے بدل کر پڑھنے کی بھی ہے۔ علامہ دانیؒ فرماتے ہیں کہ میں نے یہ وجہ ابن خاقان سے پڑھی ہے اور یہ وجہ ورش سے اداءً مشہور ہے نصاً نہیں پس ان دونوں میں ورش کے لیے تین وجہ ہوگئیں (۱) دوسرے ہمزہ میں تسہیل (۲) یاء ساکنہ سے ابدال (۳) اس دوسرے ہمزہ کو یاء مکسورہ سے بدل کر پڑھنا اور قنبل کے لیے ان میں صرف دو وجہ اول کی ہیں یعنی دوسرے ہمزہ کی تسہیل اور اس کا یاء ساکنہ سے ابدال اور یہ بھی یاد رکھو کہ ناظمؒ نے جو بیاء خفیف الکسر کہا ہے جس سے یہ سمجھا جاتا ہے کہ مراد اس سے کسرہ مختلسہ والی یاء ہے تو یہ تیسیر کے علاوہ دوسروں کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے کہہ دیا ہے لیکن علی قول التیسیر مراد اس سے پورا کسرہ ہی ہے۔ واللہ أعلم.

وَإِنْ حَرْفُ مَدٍّ قَبْلَ هَمْزٍ مُغَيَّرٍ
يَجُزْ قَصْرُهُ وَالمَدُّ مَا زَالَ أَعْدَلَا

ش: قوله: وان حرف مد ان حرف شرط اور حرف مد فعل مقدر کا فاعل ہے ای وقع اور اس کا مفسر اس لیے بیان نہیں کیا کہ قبل جو ظرف ہے اس پر دلالت کر رہا ہے اور **قوله**: اعدلا بالف الاطلاق فعل ناقص کی خبر ہے اور یہ بوجہ وزن فعل اور وصف کے غیر منصرف ہے۔

ترجمه: اور اگر (کسی کلمہ میں) حرف مد ایسے ہمزہ سے پہلے واقع ہو جو حذف یا تسہیل وغیرہ کی وجہ سے) متغیر ہو گیا ہو تو اس (حرف مد) کا قصر سے پڑھنا (بھی) جائز ہے اور (اس میں) مد کرنا ہمیشہ (قصر) سے ارجح اور افضل ہے یعنی صورت مندرجہ بالا میں دونوں وجہ جائز ہیں لیکن مد کرنا اولیٰ ہے کیونکہ تسہیل و حذف وغیرہ عارضی ہے اور عارضی کا اعتبار نہیں ہوتا اور قصر اس لیے ہے کہ اس صورت میں سبب مد ہی باقی نہیں رہتا لہذا علامہ دانیؒ اور ناظمؒ کے قول پر اول مد پھر قصر ہے لیکن صاحب نشر کے نزدیک حذف کی صورت میں پہلے قصر پھر مد ہے اور بحالت تسہیل اول مد پھر قصر ہے۔ اس لیے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر تغیر کے بعد سبب کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا جیسا کہ حذف وغیرہ میں تب تو قصر اولیٰ ہے اور اگر اثر باقی رہے جیسا کہ تسہیل میں باقی رہتا ہے تو پھر پہلے مد ہے اور اس کے بعد قصر ہے۔ واللہ اعلم۔ اب اس کے بعد ناظمؒ ان دو ہمزہ کا حکم بیان فرماتے ہیں جو حرکت میں مختلف ہوں اور اس کی پانچ قسمیں ہیں (۱، ۲) پہلا ہمزہ مفتوح اور دوسرا مکسور یا مضموم ہو (۳، ۴) پہلا مضموم و مکسور اور دوسرا مفتوح (۵) پہلا مضموم دوسرا مکسور ہو پس ان پانچوں قسم کے ہر دو ہمزہ میں سے دوسرے ہمزہ میں تخفیف ہے۔

وَتَسْهِيْلُ الْأُخْرىٰ فِي اخْتِلَافِهِمَا سَمَا
تَفِيْٓءَ إِلىٰ مَعْ جَاءَ أُمَّةً أُنْزِلاَ

ش: قوله: في اختلافهما یا تو تسہیل کے متعلق ہے یا **قوله**: سما کے اور **قوله**: تفیٓءَ الیٰ مبتدا محذوف کی خبر ہے والتقدير كَتَفِيْئُ الیٰ وما بعده اور **قوله**: انزلا بالف الاطلاق بمعنی حصلا جملہ مستانفہ بیانیہ معترضہ ہے جو تفیٓء الی اور نشاء اصبنا کے درمیان ہے۔

ترجمه: اور دوسرے (ہمزہ) کی تسہیل (تخفیف) ان دونوں ہمزہ کی حرکت) کے مختلف ہونے کی صورت) میں مدلول سما نافع ابن کثیر اور ابوعمرو کے لیے) بلند (مشہور) ہے اور یہ مثل تفیٓء الي مع جاء اُمّته کے ہے (جن میں) تسہیل یعنی تخفیف قراء سے حاصل کی گئی ہے۔

نَشَاءُ أَصَبْنَا وَالسَّمَاءِ أَوِئْتِنَا
فَنَوْعَانِ قُلْ كَالْيَا وَكَالْوَاوِ سُهِّلاَ

ش: قوله: نشاء اصبنا وما بعده كا عطف بتقدیر عاطف یا تو تفیٓء الی یا جآءَ اُمّته پر ہے اور **قوله**: فنوعان مبتدا ای من الاربعة وهما الاولان كماصرّح به في البيت الثاني اور **قوله**: سهلا بصیغۃ المجہول اس کی خبر ہے پھر جملہ قل کا مقولہ ہے جو بنیۃً مقدم ہے اور **قوله**: کالیاء و کالواو فاعل سے حال ہے۔

ترجمه: (همزتين مختلفتين في الحركة مثل) نشاء اصبنا اور) والسماء اوئتنا (کے بھی) ہے پس تم کہہ دو کہ (دو قسمیں (جو ان چار میں سے اول کی ہیں ان دونوں کی آخر والی ہمزہ) تسہیل کالیاء وکالواو سے پڑھی گئی ہیں (یعنی تفیٓء الیٰ میں تو ان مدلول سما کے لیے تسہیل کالیاء اور جاء اُمّته میں تسہیل کالواؤ ہوگی جس کا مطلب یہ ہے کہ نوع اول کا دوسرا ہمزہ بین الهمزة والياء اور نوع ثانی کا بين الهمزة والواؤ پڑھا جائے گا۔

وَنَوْعَانِ مِنْهَا أُبْدِلَا مِنْهُمَا وَقُلْ
يَشَاءُ إِلىٰ كَالْيَاءِ أَقْيَسُ مَعْدِلَا

ش: قوله: نَوعان مبتدا وهما الاخيران اور **قوله**: منهما اس کی صفت ہے اور ضمیر کا مرجع الانواع الاربعہ ہے اور **قوله**: اُبدلا بصیغۃ المجہول خبر ہے اور اس کی ضمیر تثنیہ کا مرجع واؤ و یاء ہے اور **قوله**:

منهما کی ضمیر کا مرجع نوعان ہے ای من همزتي النوعين اور **قوله**: یشاء الی کالیاء جملہ اسمیہ مقولہ قول ہے اور **قوله**: اقیس افعل التفضیل مقدر کی خبر ہے اور **قوله**: معدلاً ای عدلاً تمیز ہے۔

ترجمه: اور دو قسمیں جو ان (ہی چار میں) سے (اخیر کی) ہیں ان دونوں (قسموں کے آخر والے دو ہمزہ) سے وہ دونوں (واؤ و یاء) بدلے گئے ہیں (یعنی نشاء اصبنا وغیرہ کے دوسرے ہمزہ کا واؤ مفتوحہ سے اور والسمآء اونتنا وغیرہ میں یاء مفتوحہ سے ان ہی مدلول سما کے لیے ابدال ہوگا) اور کہو کہ (همزتين مختلفين في الحركة) کی پانچویں قسم مثل یشاء الی (وغیرہ کے دوسرے ہمزہ کی تسہیل) کالیاء ہے (اور یہ ہی) **عدلا** قیاس کے زیادہ موافق ہے (کیوں کہ ہمزہ متحرکہ مکسورہ بعد متحرک کی تخفیف تسہیل کالیاء ہی سے ہوا کرتی ہے اگر چہ اس میں اخفش کے مذہب کی بناء پر تسہیل کالواؤ بھی جائز ہے جو اقیس سے سمجھی گئی ہے۔ صاحب نشر فرماتے ہیں کہ یہ وجہ نقلاً صحیح نہیں ہے اور ویسے بھی اس کا ادا کرنا دشوار ہے اس لیے ہمزہ مکسورہ کی ادائیگی میں واؤ کی رعایت رکھنا اور اس کو بین الهمزہ والواؤ ادا کرنا مشکل ہے۔ اب ناظمؒ اس کے متعلق قراء کا ایک اور مذہب بیان فرماتے ہیں وہ یہ ہے۔

وَعَنْ أَكْثَرِ الْقُرَّاءِ تُبْدَلُ وَاوُهَا
وَكُلٌّ بِهَمْزِ الْكُلِّ يَبْدَا مُفَصِّلَا

ش:قوله: کلٌّ اس کی تنوین عوض میں مضاف الیہ کے ہے ای کل القراء پس اسی وجہ سے اس کا مبتدا بنانا صحیح ہو گیا اور قولہ یبدأ اس کی خبر ہے اور یہ الف کے ساتھ ہے کہ جو سیا کی طرح ہمزہ ساکنہ بہ نیتِ وقت سے بدل کر آیا اور **قوله**: مفصلاً بکسر الصاد ای مبينا الهمزة ومحققالها۔ ترکیب میں یبدا کے فاعل سے حال ہے۔ وکذا همز الكل ای متلبسا بهمز كل الانواع۔

ترجمه: اور اکثر قراء سے بدلا جاتا ہے (یشاء الی کا دوسرا ہمزہ) اپنے (یا تمام حروف کے) واؤ سے اور کل (قراء سبعہ) ابتدا کرتے ہیں (اس باب کی) تمام قسموں میں دوسرے، ہمزہ (کی تحقیق) کے ساتھ دراں حالیکہ وہ (ہمزہ کو) ظاہر کرنے اور تحقیق سے پڑھنے والے ہیں۔

مطلب: یعنی دونوں ہمزہ کی حرکت مختلف ہونے کی جو پانچویں قسم یشاء الی وغیرہ ہے اس میں اکثر قراء سے کسرہ والے دوسرے ہمزہ کا واؤ مکسور سے ابدال بھی ثابت ہے پس اس میں تین وجہ ہو گئیں۔ (۱) دوسرے ہمزہ کی تسہیل کالیاء جو قیاس کے زیادہ موافق ہے۔ (۲) ہمزہ ثانیہ کا واؤ مکسور سے ابدال یہ مذہب اکثر قراء کا

ہے۔(۳) دوسرے ہمزہ کی تسہیل کا لواؤ جواقیس سے سمجھی گئی ہے کیوں کہ لفظ اقیس کہنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ایک اور وجہ غیر اقیس بھی ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ وجہ قیاسی تو ہے لیکن زیادہ قوی نہیں ہے اور یہ مذہب اخفش کا ہے صاحب نشر کے نزدیک یہ وجہ صحیح نہیں ہے جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں اس کے بعد ناظمؒ وکل بہمز الکل سے فرماتے ہیں کہ تمام قراء سبعہ نے خواہ وہ تسہیل کرنے والے ہوں یا ابدال یا ہر دو ہمزہ کی تحقیق سے پڑھنے والے ہوں، اس باب کے کل انواع ہمزتین میں سے عام اس سے کہ وہ دونوں ہمزہ حرکت میں متفق ہوں یا مختلف پہلے ہمزہ پر وقف کرنے کی صورت میں بحالت ابتداء دوسرے ہمزہ کو تحقیق سے (خوب ظاہر کر کے) پڑھا ہے۔ کیوں کہ ثقل دو ہمزہ کے جمع ہونے ہی کی صورت میں پیدا ہوتا ہے اور یہ وصل کی حالت ہی میں ہو سکتا ہے نہ کہ حالت وقف میں اس لیے کہ اگر پہلے ہمزہ پر وقف کر دیا اور دوسرے ہمزہ سے ابتداء کی تو اجتماع ہمزتین ہی نہیں پایا گیا۔ اس کے علاوہ ہمزہ مسہلہ حکم میں ساکن کے ہوا کرتا ہے جس سے ابتداء کرنا مشکل ہے اس لیے ہمزہ محققہ سے ہی ابتدا ہو سکتی ہے اور کسی سے نہیں اور یہ بھی یاد رکھو کہ پہلے ہمزہ پر جو سب کے لیے وقف ہوگا وہ بھی ہمزہ کی تحقیق ہی کے ساتھ ہوگا کیوں کہ ساکن میں تسہیل نہیں ہوا کرتی صرف حمزہ و ہشام وقف میں تخفیف کرتے ہیں جیسا کہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا۔ خلاصہ یہ ہے کہ پہلے ہمزہ پر وقف اور دوسرے ہمزہ سے ابتدا کرنے کی صورت میں سب کے لیے دونوں ہمزہ کی تحقیق ہی ہوگی۔ واللہ اعلم۔ اب اس کے بعد ناظمؒ اگلے بیت میں ابدال اور تسہیل کی تعریف بیان فرماتے ہیں تا کہ دونوں میں فرق معلوم ہو جائے۔

وَالاِبْدَالُ مَحْضٌ وَالْمُسَهَّلُ بَيْنَ مَا
هُوَ الْهَمْزُ وَالْحَرْفِ الَّذِىْ مِنْهُ اُشْكِلَا

ش: قوله: والابدال بالنقل مبتدا اور **قوله**: محض ای ذو حرف خالص اس کی خبر ہے اور **قوله**: والمسهّل مصدر میمی مبتدا اور **قوله**: بین الخ خبر ہے اور ما موصولہ مجرور بالاضافت ہے ای بین الهمز اور **قوله**: هو الهمز اس کا صلہ ہے اور **قوله**: الحرف بالجر کا عطف یا پر ہے اور **قوله**: اشكلا بصيغة المجهول وبالالف الاطلاق الىٰ ضبط الهمز يقال شكلت الكتاب ای قيدته بالاعراب واشكلتهٔ ازلت اشكالهٔ (قاری)

ترجمه: اور (ہمزہ کا) ابدال خالص (حرف علت) بنا دینا ہے (جس میں ہمزہ کا کچھ بھی شائبہ نہ رہے

بلکہ خالص الف یا واؤ یا یاء ساکن ما قبل متحرک ہو جائے) اور تسہیل درمیان اس کے کہ وہ ہمزہ ہے اور درمیان) اس (حرف) کے جس (کی جنس حرکت) سے یہ (ہمزہ) اعراب دیا گیا ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ میں نے چونکہ اکثر جگہ اس قصیدہ میں ابدال اور تسہیل کو بیان کیا ہے اس لیے یہاں ان کے معنی بیان کر دیئے ہیں تاکہ دونوں کا فرق سمجھ میں آجائے چنانچہ ہمزہ کا ابدال تو یہ ہے کہ ہمزہ کو خالص الف یا یاء یا واؤ ساکنہ یا متحرک سے بدل کر پڑھنا اور تسہیل یہ کہ ہمزہ کو ہمزہ اور اس حرف کے درمیان پڑھنا کہ جو ہمزہ کی جنس حرکت سے ہو یعنی اگر ہمزہ پر فتحہ ہے تو بین الهمزة و الالف اور اگر ضمہ ہے تو بین الهمزة و الواو اور اگر کسرہ ہے تو بین الهمزة و الیاء تسہیل ہوگی۔ فافہم۔

باب الهمز المفرد ﴿۱۲﴾

یعنی یہ باب اس ہمزہ منفردہ کے بیان میں ہے کہ جس کے ساتھ دوسرا ہمزہ نہ ہو

إِذَا سَكَنَتْ فَاءٌ مِنَ الْفِعْلِ هَمْزَةٌ
فَوَرْشٌ يُرِيهَا حَرْفَ مَدٍّ مُبَدَّلَا

ش: قوله: فاء ترکیب میں قولہ ہمزة سے حال ہے جو واجب التقدیم ہے بمعنی متقدمہ اور **قوله**: من الفعل متعلق اذا سکنت کے ہے ای من موزون الفعل الموضوع للوزن پس اس میں اسم بھی شامل ہو گیا۔

قوله: یریھامن الإرائة بمعنی الاعلام متعدی بہ سہ مفعول ہے اور اس کی اصل یریکھا ہے پس اول مفعول کو حذف کر کے ثانی کو اس کے ساتھ متصل کر دیا اور **قوله**: حرف مد تیسرا مفعول ہے اور ضمیر ہا کا مرجع ہمزہ ہے ای يُعْلِمُ ورش او ناقله السامع الهمزة حرف مدٍ اور یہ بھی جائز ہے کہ یریھا روایت بصر سے یبصر کے معنی میں ہو جس کو مجازاً بجائے السمیع کے استعمال کیا ہو پس اس صورت میں حرف مد مفعول سے حال ہوگا۔ **قوله**: مبدلا من بدل بمعنی ابدل کما قرئ بھما ترکیب میں یریھا کے فاعل سے حال ہے۔

ترجمه: جب ساکن ہو (وزن) فعل کے فاعل فاء (کلمة) سے ہمزہ تو ورش خبر دیتے ہیں اس (ہمزہ) کے حرف مد ہونے کی درانحالیکہ وہ (اس ہمزہ کو حرف مد سے) بدلنے والے ہیں (یعنی جب ہمزہ ساکنہ اسماء وافعال کے حروف اصلی میں جس کا وزن فاء، عین، لام سے کیا جاتا ہے فاء کلمہ کی جگہ واقع ہو تو ورش اس کو ما قبل کی حرکت کے موافق حرف مد سے بدل کر پڑھتے ہیں۔ جیسے یأکلون. اِیتِ. مؤمنون وغیرہ)

سِوىٰ جُمْلَةِ الإِيْوَاءِ وَالْوَاوُ عَنْهُ إِنْ
تَفَتَّحَ إِثْرَ الضَّمِّ نَحْوُ مُؤَجَّلاً

ش: **قولہ**: سویٰ اس کا استثناء ہمزہ فاء فعل سے ہے ای الا مجموع کلمة الایو آء اور **قولہ**: الواو عنہ جملہ اسمیہ اور عنہ کی ضمیر کا مرجع ورش ہے۔ والتقدیر مروية عن ورش فی الفاء یا ہمزہ ہے۔ ای مبدلة عن همزة فاء الفعل اور **قولہ**: اثر الضم ای بعد الضم اور **قولہ**: مؤجلا مضاف الیہ ہونے کی بناء پر محلا مجرور اور حکایۃً منصوب ہے۔

ترجمہ: سوائے تمام (کلمات) ایواء کے (ان میں ورش نے ابدال نہیں کیا ہے) اور (فاء کلمۃ کے ہمزہ کی جگہ میں) واؤ (مروی) ہے ان ہی (ورش) سے اگر یہ (فاء کلمہ کا ہمزہ) ضمہ کے بعد مفتوح ہو مثل مؤجلا کے یعنی جب فاء فعل کا ہمزہ مفتوح ہو اور ضمہ کے بعد واقع ہو تو ورش اس ہمزہ کو واؤ مفتوحہ سے بدل کر پڑھتے ہیں جیسے مؤجلا وغیرہ)

وَيُبْدَلُ لِلسُّوسِيِّ كُلُّ مُسكَّنٍ
مِنَ الْهَمْزِ مَدًّا غَيْرَ مَجْزُوْمٍ اُهْمِلَا

ش: **قولہ**: من الهمز مسكن کا عطف بیان ہے اور **قولہ**: مدا ترکیب میں یبدل کا مفعول ہے اور **قولہ**: غیر مجزوم کا استثناء کل مُسكنٍ سے ہیں اور **قولہ**: اهملا مجہول کا صیغہ ہے اور اس کا الف اطلاقیہ ہے ای أخرج اور اس کی ضمیر کا مرجع مجزوم ہے۔

ترجمہ: اور بدلا جاتا ہے سوسی کے لیے ہر ساکن ہمزہ (خواہ فا کلمہ میں ہو یا عین کلمہ میں یا لام کلمہ میں حرف) مد سے سوائے اس مجزوم (کلمہ کی ہمزہ) کے جو (اس قاعدہ ابدال سے) خارج کیا گیا ہے۔

مطلب: یعنی ہر ہمزہ ساکنہ خواہ اسماء میں ہو یا افعال میں فا یا عین یا لام کلمہ کی جگہ ہو سوسی کے لیے حرف مد سے بدل کر پڑھا جائے گا جیسے یؤمن و یالمون وغیرہ مگر ان کلمات میں ان کے لیے ابدال نہ ہوگا جن میں ہمزہ سبب عامل جازم حقیقۃً مجزوم ہے یا بوجہ سکون بنائی حکماً ساکن ہے پس ان میں ہمزہ تحقیق ہی سے پڑھا جائے گا ابدال وغیرہ کچھ نہیں ہوگا اور وہ کلمات یہ ہیں۔

تَسُؤْ وَنَشَأْ سِتٌّ وَعَشْرٌ يَشَأْ وَمَعْ
يُهَيِّئْ وَنَنْسَأْهَا يُنَبَّأْ تَكَمَّلاَ

ش: **قولہ**: تسؤ الخ مبتدا مقدر کی خبر ہے ای المُجزوم المهمل هو تسؤونحوہ اور **قولہ**: ست

ترکیب میں یا تو تسؤ و نشا دونوں کی صفت یا بدل یا کلتا مقدر کی خبر ہے والمعنی ان مجموعهما ست اور **قوله**:عشر یشاء دونوں کا عطف تسؤ پر ہے اور عشر مضاف ہے یشاء کی طرف تا کہ بوجہ استقامت وزن اس پر تنوین لانے سے یہ وہم نہ ہو کہ تسو چھ ہیں اور نشاء دس ہیں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس کا تعلق مابعد سے ہے ماقبل سے نہیں۔ **قوله**:مع یهیی ترکیب میں **قوله**:ینبًا کی صفت ہے اور تقدیر عبارت یوں ہے یُنبًا مع یهیی وتنسأها اور **قوله**: تکملا بمعنی تمّ مستانفہ ہے اور اس کا الف اطلاقیہ ہے۔

ترجمه: (وہ مجزوم جو سوسی کے قاعدہ ابدال سے خارج ہے) تسوٴ اور نشاء چھ ہیں (یعنی یہ دونوں تین تین جگہ آئے ہیں) اور یشأ کے دس (کلمات) ہیں اور (ام لم) ینبا جو یهیی اور ننسأها کے ساتھ ہے یہ (مجزوم) کامل اور تمام ہو گیا۔

مطلب: یعنی سوسی نے جن مجزوم کلمات میں ابدال نہیں کیا اور وہ ان کے اس قاعدہ ابدال سے مستثنیٰ ہیں ان میں سے ایک تسؤ ہے جو تین جگہ آیا ہے۔ دوسرا متن نشاء ہے یہ بھی جگہ میں آیا ہے پس مجموعہ کے اعتبار سے یہ دونوں چھ جگہ ہیں۔ چنانچہ قوله ست سے اسی کی طرف اشارہ ہے دس جگہ یشأ آیا ہے اور یهیئ لکم سورۃ کہف میں اور ننساها سورۃ بقرہ میں جو ابوعمرو اور ابن کثیر کی قراۃ پر ہمزہ کے ساتھ ہے کیونکہ ان کے علاوہ باقی قراء اور ننساها پڑھتے ہیں اور ام لم ینبا جو سورۃ نجم میں ہے یہ سب چھ کلمات ہیں جو انیس جگہ آئے ہیں اور مجزوم بعامل جازم ہیں اس کے بعد جو پانچ کلمات اگلے بیت میں بیان کئے گئے ہیں وہ بھی مستثنیات میں سے ہیں ان کا سکون بصریوں کے نزدیک بنائی ہے اگر چہ کوفیوں کے نزدیک یہ بھی مجزوم ہی ہیں کیونکہ یہ امر کے سکون کو بھی جزمی ہی سکون کہتے ہیں۔

وَهَيِّئْ وَأَنْبِئْهُمْ وَنَبِّئْ بِأَرْبَعٍ
وَارْجِئْ مَعًا وَاقْرَأْ ثَلَاثًا فَحَصِّلَا

ش: **قوله**:وهیئ ای غیر هیّئ اور **قوله**:وانبئهم ونبئ وارجئ واقرأ یہ سب معطوفات ہیں اور **قوله**:باربع ومعا وثلاثاً ان میں سے ہر ایک اپنے سابق سے حال ہے ای کائناً ومصاحبا اور **قوله**:فحصلا بکسر الصاد امر ہے اور اس کا الف بوجہ وقف نون خفیفہ کے بدلے میں ہے ای فحصلن هذه الکلمات من جملة الایات اور فحصل العلم والعمل (قاری)

ترجمه: اور (سوائے هیّئ اور انبئهم اور نبیئ کے درانحالیکہ یہ چار (جگہ آیا) ہے اور ارجئ کے جو دو جگہ (آیا) ہے اور اقرأ کے کہ یہ تین (جگہ) ہے پس تم (ان پانچ کلمات کو بھی جن کا سکون بنائی ہے اور گیارہ جگہ

آئے ہیں نیز سوسی کے قاعدہ ابدال سے مستثنیٰ ہیں (ضرور) حاصل کرو۔

وَتُؤْوِیْ وَتُؤْوِیْهِ أَخَفُّ بِهَمْزِهٖ
وَرِئْیًا بِتَرْکِ الْهَمْزِ یُشْبِهُ الْاِمْتِلَا

ش:قوله:وتُؤْوِی ای واستثنیٰ تُؤْوِیْ وتُؤْوِیْهِ بالاشباع اور **قوله**:اخف مبتدا محذوف ھو کی خبر ہے اور **قوله**:بهمزه بالضمیر ترکیب میں اخف کے فاعل سے حال ہے ای لفظ تووی اخف عن بدله حال تحقیقه اور مفرد کی ضمیر قطع نظر تعدد مواضع کے ماہیت فعل کے اعتبار سے لائی گئی ہے اور **قوله**:رِئیا ای واستثنی ایضاهم احسن اثاثاًورئیا کی خبر یا تو **قوله**:بترک الهمزة یا قوله یشبه ہے اور **قوله**:الامتلا میں لام کسرہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے اور قصر وقف کی بناء پر ہے اور ترکیب میں یشبہ کا مفعول ہے واللہ اعلم۔

ترجمه:اور تؤوی وتؤویه (بھی مستثنیٰ ہے کیونکہ یہ دونوں کلمے بہ نسبت ابدال کے) اپنے ہمزہ (کی تحقیق) کے ساتھ ہوتے ہوئے اخف ہیں اور (لفظ) رِئیًا (بھی مستثنیٰ ہے) یہ ہمزہ ترک کرنے کے سبب سے (ریا بمعنی) سیراب کردینے والے کے مشابہ ہوجاتا ہے۔

مطلب:یعنی سوسی کے لیے یہ الفاظ مذکورہ بھی ابدال سے مستثنیٰ ہیں کیونکہ تووی الیک اور التی تؤویه میں تحقیق ہمزہ ابدال ہمزہ سے اخف اور آسان تر ہے اس لیے کہ ابدال کرنے سے دو واؤ جمع ہوجائیں گے جو باعث ثقل ہے بخلاف تحقیق ہمزہ کے اس صورت میں ایک ہی واو رہتا ہے اسی وجہ سے سوسی نے اس میں ابدال نہیں کیا۔اسی طرح سورۂ مریم کے اثاثا ورئیا میں بھی ان کے لیے ابدال نہیں ہوگا کیونکہ اس میں ابدال کرنے سے دو یا جمع ہوجائے گی پھر پہلی یاء کا دوسری یاء میں ادغام کرنا ضروری ہوگا پس اس وقت یہ اس ریّا کے مشابہ ہوجائے گا جس کے معنی سیراب کرنے کے ہیں اور جو روئٌ سے مشتق ہے اور اس رئیا کے معنی خوش منظر کے ہیں یعنی ہر وہ چیز جو دیکھنے میں خوشنما معلوم ہو پس یہاں ابدال وادغام کرنے سے چونکہ ایک لغت کا دوسری لغت کے ساتھ التباس لازم آتا تھا اس لیے سوسی نے اس میں بھی ابدال نہیں کیا اور اس کو بھی مستثنیات میں شمار کیا ہے۔

وَمُؤْصَدَةٌ أَوْ صَدْتُ یُشْبِهُ کُلُّهُ
تَخَیُّرَهُ أَهْلُ الْاَدَاءِ مُعَلَّلَا

ش:قوله:مؤصَدَةٌ ای من المستثنیٰ مؤصدة **قوله**:یشبه ای یشبه لفظ مؤصدة بترک

الھمزا و صدت جملہ فعلیہ ہے۔ **قولہ**: کلہٗ ای کل ذٰلک المستثنیٰ تخیرہ اھل الاداء جملہ اسمیہ ہے اور ہر دو ضمیر کا مرجع مستثنیٰ ہے **قولہ**: **معللا بفتح اللام** ترکیب میں **تخیرہ** کے مفعول سے حال ہے اور اگر یہ بکسر اللام ہے تو اہل الاداسے حال ہوگا۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور (انہی مستثنیات میں سے) مؤصدۃ (بھی) ہے یہ (بھی) ترک ہمزہ کے سبب سے) اوصدت کے مشابہ ہو جاتا ہے (یعنی اس میں ابدال کرنے سے یہ وہم ہوتا ہے کہ آیا یہ **مہموز الفاء** ہے یا امثال واوی ہے) اس (مستثنیٰ) کا تمام (باب) جو ہے اس کو اہل ادا نے اختیار کیا ہے اس حال میں کہ یہ معلل ہے (یعنی ان تمام الفاظ کے مستثنیٰ ہونے کے دلائل بھی بیان کئے گئے ہیں۔

مطلب: یعنی لفظ مؤصدۃ جو سورہ بلد اور ھُمزَہ میں ہے یہ بھی ابدال سے مستثنیٰ ہے کیونکہ اس میں ابدال کے بعد لفظ کے اعتبار سے ایک لغت کے ساتھ التباس لازم آتا ہے اس لیے کہ یہ ابوعمرو کے نزدیک آصد مہموز الفاء سے ہے اور باقی حضرات کے لیے اوصد مثال واوی سے ہے پس اگر اس میں ابدال کیا گیا تو شبہ ہوگا کہ یہ بھی ابوعمرو کے لیے اوصد ہی سے ہے اس لیے اس میں ابدال نہیں کیا گیا اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ تمام مستثنیات جو بیان کئے گئے ہیں ان کو اکثر اہل ادا مثل ابن مجاہد و ابن غلبون وغیر ہما نے ان علل مذکورہ کی وجہ سے سب کو معلل قرار دیتے ہوئے تحقیق ہمزہ ہی کے ساتھ اختیار کیا ہے اور اسی کو پسند فرمایا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ابوعمرو سے ہمزہ ساکنہ میں تحقیق مطلقاً اور تخفیف مقیداً دونوں مروی ہیں پس ابن مجاہد وغیرہ نے روایت تقیید علی الاطلاق کو اختیار کیا ہے۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ انھوں نے اپنی رائے سے اس کو پڑھا ہے جیسا کہ اس کا وہم ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

وَبَارِئْكُمْ بِالْهَمْزِ حَالَ سُكُوْنِهٖ
وَقَالَ ابْنُ غَلْبُوْنٍ بِيَاءٍ تَبَدَّلَا

ش: قولہ: بارئکم ای واستثنیٰ ایضاً بارئکم المقروء بالھمزۃ اور **قولہ**: **بالھمز** ترکیب میں مفعول سے حال ہے وکذا **قولہ**: **حال سکونہ** اور ضمیر کا مرجع ہمزہ ہے **قولہ**: **بیاء** متعلق **تبدلا بالف** الطلاق کے ہے اور اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع ہمزہ ہے۔

ترجمہ: اور بارئکم (بھی ابدال سوسی سے مستثنیٰ ہے) اس حال میں کہ یہ ہمزہ (کی تحقیق) کے ساتھ ہوتے ہوئے اپنے سکون کی حالت میں ہے (یعنی ہمزہ کو ساکن پڑھا ہے ابدال نہیں کیا) اور ابن غلبون نے کہا ہے کہ یہ (ہمزہ) یاء سے بدلا ہوا ہے۔

مطلب: یعنی لفظ بارئکم جو سورہ بقرہ میں دوجگہ آیا ہے اس کو سوسی نے ہمزہ ساکنہ کے ساتھ پڑھا ہے اس میں ابدال نہیں کیا اور یہی راجح واولیٰ ہے اگر چہ ابوالحسن ابن غلبون نے اپنی کتاب التذکرۃ میں سوسی کے لیے ابدال بھی بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ بروایت سوسی اس میں ہمزہ کا یاء سے ابدال ہے مگر یہ اس بارہ میں منفرد ہیں۔ علامہ دانیؒ نے بھی غالباً ان ہی کا اتباع کرتے ہوئے اس کو مستثنیٰ نہیں کیا۔صاحب نشر فرماتے ہیں کہ اس میں ابدال مختار اور پسندیدہ نہیں ہے اس لیے کہ ہمزہ کا سکون عارضی ہے جو لائق اعتبار نہیں کیونکہ سوسی جب جزم وسکون بنائی والے ہمزہ میں ابدال نہیں کرتے حالانکہ یہ سکون تو لازم بھی ہے اور قوی بھی تو اس سکون عارض میں جو تخفیف کی بنا پر ہے بدرجہ اولیٰ ابدال نہ ہونا چاہئے۔اس کے علاوہ اگر اس کا سکون لازم بھی مان لیا جائے تب بھی اس میں ابدال خلاف سوسی ہے۔اس لیے کہ بصورت ابدال یہ شبہ ہوگا کہ یہ بری ہے تحقیق جس کے معنی مٹی کے ہیں چنانچہ اسی شبہ کی وجہ سے مؤصدۃ میں بھی باوجود اس کے اس کا سکون اصلی ہے سوسی کے لیے ابدال نہیں ہوا پس اس میں بدرجۂ اولیٰ تحقیق ہی ہے اور یہی صحیح ہے اب ناظمؒ ان کلمات کو بیان فرماتے ہیں جن میں بعض دیگر قراء وروات نے بھی اپنے قاعدہ کے خلاف ابدال ہمزہ میں سوسی کی موافقت کی ہے وہ یہ ہیں۔

وَوَ الاَهُ فِي بِئْرٍ وَفِيْ بِئْسَ وَرْشُهُمْ
وَفِي الذِّئْبِ وَرْشٌ وَالْكِسَائِي فَابْدَلَا

ش: **قوله**: ووالاہ ای تابعہ اور ضمیر (ہ) کا مرجع سوسی ہے اور **قوله**: ورشھم اس کا فاعل ہے اور ضمیر ھم کا مرجع قراء ہیں اور **قوله**: فابدلا تثنیہ ہے اور اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ اس کا اشتقاق من الھمزۃ اصح ہے یعنی الذئب اصل میں مہموز ہے۔چنانچہ بولا جاتا ہے تذابت الریح اذا اتت من کل مکان یعنی ہوا ہر طرف سے آ گئی اور بعضوں نے کہا ہے یہ ذاب یذوب سے مشتق ہے اور بعض یہ کہتے ہیں کہ یہ مشتق ہی نہیں ہے۔واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور موافقت کی ہے ان (ہی سوسی) کی لفظ بئر وبئس (کے ہمزہ کا یاء سے ابدال کرنے) میں ان (قراء میں) کہ ورش نے اور الذئب میں ورش اور کسائی نے پس ان دونوں نے (اس کے ہمزہ کا یاء سے) ابدال کیا ہے (یعنی لفظ بئر اور بئس اور بئسما میں صرف ورش نے اور الذئب میں ورش وکسائی دونوں نے ہمزہ کا یاء سے ابدال کرنے میں سوسی کا اتباع کیا ہے پس سوسی نے تو ان میں اپنے قاعدہ کے موافق ابدال کیا ہے اور ورش نے اپنے قاعدہ کا خلاف کیونکہ ورش اس ہمزہ ساکنہ میں ابدال کرتے ہیں جو فاء کلمہ میں ہو اور یہ عین کلمہ ہے اور کسائی کے لیے ابدال کا کوئی قاعدہ ہی نہیں ہے اس لیے انہوں نے بھی اپنے قاعدہ کے خلاف

الذئب میں ابدال کیا ہے۔ (فافہم)

وَفِیْ لُؤْلُوءٍ فِی الْعُرْفِ وَالنُّکْرِ شُعْبَةٌ
وَیَأْلِتْکُمُ الدُّورِی وَالْاِبْدَالُ یُجْتَلَا

ش: **قوله**: شعبة ترکیب میں فعل مقدر کا فاعل ہے ای والاہ اور **قوله**: فی لؤ لؤ اسی فعل مقدر کے متعلق ہے اور دوسرا فی متعلق ابدال مقدر کے ہے اور **قوله**: العرف والنکر دونوں مصدر ہیں اور **قوله**: یألتکم الدوری بتخفیف یاء النسبة وسکونھا جملہ فعلیہ ہے۔ ای زاد ھمزھا یا اسمیہ ہے ای قراءته.

ترجمہ: اور لؤ لؤ (کے پہلے ہمزہ کا واؤ سے ابدال کرنے) میں شعبہ نے (ان ہی سوسی کی موافقت کی ہے اس کے) معرفہ (الف لام کے ساتھ) ہونے اور نکرہ (بلا الف لام ہونیکی صورت میں (یعنی سوسی اور شعبہ دونوں نے لؤلؤ کے پہلے ہمزہ کا واؤ سے ابدال کر کے پڑھا ہے عام اس سے کہ وہ معرف باللام ہو یا نہ ہو) اور یألتکم (بزیادتی ہمزہ ساکنہ اور اس کی تحقیق) دوری (کی قراءت) ہے اور اس ہمزہ ساکنہ کا الف سے) ابدال (صاحب یاء یجتلا سوسی کے لیے ظاہری طور پر) دیکھا جاتا ہے (یعنی لا یلتکم جو سورہ حجرات میں ہے ابوعمرو نے اس کو یاء کے بعد ہمزہ ساکنہ زیادہ کر کے لا یألتکم پڑھا ہے جو تلفظ سے سمجھا گیا ہے اور یہ باب استغناء سے ہے پھر دوری نے اس ہمزہ ساکنہ کو تحقیق سے اور سوسی نے اپنے قاعدہ کے موافق اس کا الف سے ابدال کر کے پڑھا ہے پس ضد سے نکل آیا کہ باقی قراء کے لیے یا اور لام کے درمیان ہمزہ نہیں ہے کیونکہ یہ اختلاف از قبیل اثبات وحذف ہے فافہم)

ف: اگر کوئی یوں کہے کہ والابدال یجتلا میں اصل کے بغیر فرع کا ذکر لا زآ رہا ہے کیونکہ اس سے پہلے یہ نہیں کہا گیا ہے کہ سوسی کے لیے بھی ہمزہ ہے اس لیے (ویالتکم البصری) کہنا اولیٰ تھا اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں ایسا اس لیے نہیں کیا تا کہ والابدال الخ میں سوسی کا ذکر دوبارہ آجانے سے کہیں یہ شبہ نہ ہو جائے کہ ان کے لیے اس میں تحقیق اور ابدال دونوں ہیں حالانکہ ان کے لیے صرف ابدال ہی ہے جو ان کے قاعدہ کے موافق ہے تحقیق ہمزہ دوری کے لیے ہے ان کے لیے نہیں۔

وَوَرْشٌ لِئَـلَّا وَالنَّسِیُّ بِیَائِـهِ
وَأَدْغَـمَ فِیْ یَاءِ النَّسِیِّ فَثَقَّـلَا

ش: **قوله**: وورش فعل مقدر کا فاعل ہے۔ ای قرأ وابدل اور **قوله**: لئلا مفعول ہے اور النسیٓ معطوف ہے اور اس میں رفع حکایۃ ہے **قوله**: بیائه ترکیب میں ورش سے حال ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع یا

تو ورش ہے یا صرف النسیٔ ہے یا کل واحد کی تقدیر پر لئلا و النسیْ دونوں ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے اور **قولہ**: ادغم کا مفعول مقدر ہے ای یاء فعیل کیونکہ جب ہمزہ سے بدلی ہوئی یاء مدغم فیہ ہے تو اس سے معلوم ہوا کہ یاسین کے بعد جو ہے وہ مدغم ہے **قولہ**: فثقلا میں الف اطلاقیہ ہے ای فشددا اور اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ ادغام مشدد بنا دینے سے حاصل ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور ورش نے لئلا اور النسیٔ کو (پڑھا ہے) اس حال میں کہ (ان دونوں میں سے) ہر ایک اپنی یاء کے ساتھ ہے (یعنی ورش نے ان دونوں لفظوں کے ہمزہ کا یاء سے ابدال کیا ہے) اور (پھر) ادغام کیا ہے (انما) النسیٔ کی (پہلی یا کا دوسری بدلی ہوئی) یا میں پس (اس کو) مشدد پڑھا ہے (باقی قراء کے لیے دونوں میں ہمزہ اور اس کی تحقیق ہے)

وَإِبْدَالُ أُخْرَى الْهَمْزَتَيْنِ لِكُلِّهِمْ
إِذَا سَكَنَتْ عَزْمٌ كَآدَمَ أُوهِلَا

ش: **قولہ**: و ابدال مصدر مبتدا مضاف اور **قولہ**: لکلھم اس کے متعلق ہے اور ضمیر ہم کا مرجع قراء سبعہ ہے اور **قولہ**: اذا ظرف ابدال مستغنی عن الجواب ہے اور **قولہ**: عزمٌ ای حتمٌ معزوم علیه واجب اور ذو عزم مبتدا کی خبر ہے۔ **قولہ**: کآدم یا تو مبتدا مقدر کی خبر ہے یا ظرف کی بناء پر محلاً منصوب ہے اور **قولہ**: اوھلا بصیغة المجھول وبالالف الاطلاق یا تو آدم کا بحذف عاطف معطوف ہے یا جملہ مستانفہ ہے اور **قولہ**: اوھلا فلان لکذا ای جعل له اھلاً سے ہے ویجوز ان یکون من قولھم آھلک اللہ فی الجنة ایھا لا ادخلکھا وزوّجک فیھا حکاہ الجوھریُّ عن أبی زید.

ترجمہ: اور ابدال کرنا دو ہمزہ میں سے دوسرے (ہمزہ) کا ان تمام (قراء سبعہ) کے لیے جب کہ یہ (دوسرا ہمزہ) ساکن ہو واجب (اور ضروری) ہے مثل آدم واُوہل کے (یا یہ معنی کہ یہ مثل آدم کے ہے جو دو ہمزہ کے ہونے کے سبب مثال یا ابدال کا اہل بنایا گیا ہے)

مطلب: یعنی جب دو ہمزہ ایک کلمہ میں اس طرح جمع ہوں کہ ان میں سے پہلا متحرک اور دوسرا ساکن ہو تو اس صورت میں تمام قراء سبعہ کے لیے دوسرے ہمزہ کا پہلے ہمزہ کی حرکت کے موافق حرف مد سے ابدال کرنا ضروری ہے پس اگر پہلا ہمزہ مفتوح ہے تو دوسرے ہمزہ ساکنہ کو الف سے اور مکسور ہے تو یاء سے اور مضموم ہے تو واؤ سے بدل کر پڑھیں گے جیسے ادم وامن واُوذینا وایمانًا وغیرہ کہ یہ اصل میں اٴ دم واٴ مَن وأُئذِینَا واِءْ مَانًا تھے پھر اگر یہ دونوں ہمزہ جو ایک کلمہ میں جمع ہو رہے ہیں قطعی ہوں تو ان میں سب کے لیے

وصل وقف دونوں حالتوں میں دوسرے ہمزہ کا پہلے ہمزہ کی حرکت کے موافق حرف مد سے ابدال ضروری ہے لیکن اگر پہلا ہمزہ وصلی اور دوسرا قطعی ہو تو ابتداء کی حالت میں تو یہی حکم ہے لیکن اگر اس کو پہلے کلمہ سے ملا کر پڑھیں گے تو یہ ہمزہ وصلی حذف ہو جائے گا اور اس صورت میں ورش اور سوسی کے لیے ابدال ہوگا کسی اور قاری کے لیے نہیں جیسے الذی اؤتمن وغیرہ اور یہ بھی یاد رکھو کہ ناظمؒ جو دوسری مثال غیر قرآن میں سے لائے ہیں وہ اس لیے تا کہ معلوم ہو جائے کہ دو ہمزہ کے جمع ہونے کی صورت میں دوسرے ہمزہ ساکنہ کا ابدال صرف قراء ہی کے لیے مخصوص نہیں بلکہ لغت عرب میں بھی دونوں ہمزہ کا ثابت رکھنا درست نہیں ہے اس کے علاوہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ناظمؒ کے سامنے برائے تکمیل قافیہ کوئی ایسی مثال نہیں تھی جو قرآن سے ہوتی اس لیے انہوں نے کلام عرب سے اوہلا کی مثال لا کر اس کو پورا فرما دیا۔ واللہ اعلم۔

باب نقل حَرکة الْهمزةِ إلَی السَّاکِن قَبْلَها ﴿۹﴾

یعنی یہ باب ہمزہ کی حرکت ساکن ماقبل کی طرف نقل کرنے اور اس ساکن پر سکتہ کرنے کے بیان میں ہے اور یہ بھی ہمزہ منفردہ ہی کے انواع تخفیف میں سے ہے نیز اسی کے ضمن میں ناظمؒ نے اختلافات رواۃ حمزہ در باب سکتہ اور مسئلہ آلآن اور عادن الاولیٰ اور ردءا کا حکم بھی بیان فرمایا ہے۔

وَحَرِّک لِوَرْشٍ کُلَّ سَاکِنٍ اٰخِرٍ
صَحِیْحٍ بِشَکْلِ الْهَمْزِ وَاحْذِفْهُ مُسْهِلَا

ش: قوله: وحرک فعل امر اور **قوله:** لورش اور **قوله:** بشکل الهمز ای بحرکتها دونوں اسکے متعلق ہیں اور **قوله:** کل ساکن ای کل حرف ساکن اس کا مفعول ہے اور **قوله:** اٰخر صحیح ملا علی قاری کے نزدیک حرفِ مقدر کی اور ابو شامہ کے قول پر ساکن کی صفت ہے اور **قوله:** واحذفه جملہ امر یہ اور اس کی ضمیر (ہ) کا مرجع ہمزہ ہے اور **قوله:** مسهلا فاعل سے حال ہے ای راکبًا طریق السهل وهو التخفیف.

ترجمه: اور متحرک بنا دو تم ورش کے لیے ہر (حرف) ساکن آخر صحیح کو ہمزہ کی حرکت (نقل کرنے کے ساتھ اور حذف کر دو تم اس (ہمزہ) کو درانحالیکہ تم طریق سہل اختیار کرنے والے ہو۔

مطلب: یعنی ورش نے بغرض تخفیف اس ہمزہ قطعی کی حرکت جو کلمہ کے شروع میں واقع ہو اس حرف ساکن صحیح (غیر حرف مد) کی طرف نقل کر کے اس کو متحرک پڑھا ہے جو اس ہمزہ کے متصل ہی پہلے کلمہ کے آخر میں

ہو اور ہمزہ کو حذف کیا ہے عام اس سے کہ یہ سکون اصلی ہو یا زائد مرسوم ہو یا غیر مرسوم جیسا کہ تنوین اور خواہ یہ پہلا کلمہ جس کے آخر میں حرف صحیح ساکن ہے دوسرے کلمہ سے جس کے شروع میں ہمزہ ہے مقطوع ہو یا موصول جیسے قد افلح. من امن و الارض وغیرہ لیکن اگر یہ ساکن حرف مدہ یا میم جمع کا ہوگا تو ورش کے لیے نقل نہیں ہوگی جیسے قالوا امنا. علیکم انفسکم وغیرہ نقل نہ ہونے کی وجہ ظاہر ہے۔

وَعَنْ حَمْزَةٍ فِيْ الْوَقْفِ خَلْفٌ وعِنْدَهُ
رَوىٰ خَلَفٌ فِي الْوَصْلِ سَكْتًا مُقَلَّلا

ش: قوله: وعن حمزة بالصرف للوزن ترکیب میں **قوله**: خلف مبتدا کی خبر ہے اور **قوله**: وعنده کی ضمیر کا مرجع ساکن مذکور ہے حمزہ نہیں ہے کیوں کہ اس صورت میں محل سکتہ معلوم نہیں ہوگا اور ویسے بھی یہ معنی ضعیف ہے اور **قوله**: مقللا بفتح اللام ای قلیلاً صفت مؤکدہ ہے ای سکتالطیفاً من غیر تنفسٍ (قاری)

ترجمه: اور حمزہ سے (اس حرف ساکن صحیح آخر مذکور پر) وقف (کی حالت) میں خلاف ہے (یعنی ان کے لیے بحالت وقف نقل اور عدم نقل دونوں ہیں) اور اس (حرف ساکن آخر صحیح) میں خلف نے وصل (کی حالت) میں سکتہ بلکہ (لطیفہ بغیر تنفس کے بھی) روایت کیا ہے۔ (یعنی جس جگہ ورش کے لیے نقل ہوگی وہاں خلف کے لیے سکتہ ہوگا۔

وَيَسْكُتُ فِيْ شَيْئٌ وَشَيْئًا وَبَعْضُهُمْ
لَدَى اللَّامِ لِلتَّعْرِيْفِ عَنْ حَمْزَةٍ تَلاَ
وَشَيْئٌ وَشَيْئًا لَمْ يَزِدْ وَلِنَافِعٍ
لَدىٰ يُوْنُسٍ الْاٰنَ بِالنَّقْلِ نُقِلاَ

ش: قوله: ویسکت اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع خلف ہے اور **قوله**: بعضهم ای بعض النقلة مبتدا اور **قوله**: تلا ای قرأ بالسکت اس کی خبر ہے اور **قوله**: للتعریف ترکیب میں اللام سے حال ہے اور **قوله**: شیئ و شیئاً دونوں کا عطف اللام پر ہے اور اسی شیئا کا اور اس سے پہلے شیئا کا نصب حکایۃ ہے اور **قوله**: لم یزد ترکیب میں تلا کے فاعل سے حال ہے ای مقتصرا او غیر متجاوزٍ وقال ابو شامہ ای لم یزد بعضهم علیٰ ذٰلک شیئا وقال السخاویؒ المراد لم یزد المذکور. خلاصہ یہ ہے کہ اگر متعدی ہے تو اس کی ضمیر کا مرجع بعضهم ہے اور اگر لازمی ہے تو مذکور ہے **قوله**: لنافع اور لدیٰ

یونس دونوں **قوله**: نقلا کے متعلق ہے کذا ذکرہ الجعبریؒ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اظہر یہ ہے کہ لدی ترکیب میں نقلا کا ظرف ہے نُقِّلا بالف الاطلاق مجہول کا صیغہ ہے اور اس میں تشدید تکثیر کے لیے ہے اور **قوله**: بالنقل اس کے فاعل سے حال ہے ای روی الاٰن حال نقل همزه. واللہ اعلم)

ترجمہ: اور یہی (خلف) شیئ وشیئا میں بھی (بحالت وصل) سکتہ کرتے ہیں اور ان (ناقلین) میں سے بعض نے (الف) لام تعریف میں حمزہ سے سکتہ پڑھا ہے اور شیئ شیئًا میں (بھی) اس حال میں کہ (بعض نے) (لام تعریف اور شیئ وشیئا پر اور کوئی لفظ) زیادہ نہیں کیا ہے (یعنی ان بعض نے ان الفاظ مذکورہ کے علاوہ اور کہیں بھی ہمزہ سے پہلے ساکن پر سکتہ نہیں کیا ہے) اور نافع کے لیے (سورۃ) یونس میں جو الاٰن ہے وہ روایت کیا گیا ہے اس حال میں کہ وہ نقل کے ساتھ ہے (یعنی روایات کثیرہ سے ثابت ہے کہ نافع نے لفظ الاٰن کو جو سورہ یونس میں دو جگہ ہے ہمزہ کی حرکت لام کی طرف نقل کر کے الاٰن پڑھا ہے پس یہاں قالون نے بھی قاعدہ کے خلاف باتباع روایت ہمزہ کی حرکت لام کی طرف نقل کر کے ہمزہ کو حذف کیا ہے۔

وَقُلْ عَادًا نِالْاُوْلیٰ بِاِسْكَانِ لَامِهٖ
وَتَنْوِيْنُهٗ بِالْكَسْرِ كَاسِيْهِ ظَلَّلَا

ش: **قوله**: عادًا حکایۃً منصوب ہے اور **قوله**: تنوینه مبتدا اور **قوله**: بالکسر اس کی خبر ہے اور ضمیر کا مرجع عادًا ہے۔ یا تنوینہ مبتدا اور کاسیه ظللا بمعنی اظلّ ای ستر جملہ ہو کر اس کی خبر ہے۔ اور بالکسر حال ہے کاسیه سے مراد قاری ہے اور ظللا میں الف اطلاقیہ ہے۔

ترجمہ: اور کہو تم کہ عادا نِالاولیٰ (صاحب کاف کاسیه وظاء ظلّلا ابن عامر، ابن کثیر اور تینوں کوفیوں کے لیے) اپنے اسکان لام کے ساتھ ہے اور اس کی تنوین کسرہ کے ساتھ ہے (جس پر) اس کے لباس چھپانے والے (ہر ایک قاری) نے سایہ ڈالا ہے (یعنی اس کو ہر طرح کے اعتراضات سے بچالیا اور محفوظ کر دیا ہے خلاصہ یہ ہے کہ ابن عامر وابن کثیر اور تینوں کوفیوں نے بحالت وصل عادا نِالاولیٰ کو جو سورہ نجم میں ہے دو ساکن جمع ہونے کی وجہ سے عادًا کی تنوین کو زیر دے کر اس کے بعد لام کو ساکن کر کے پھر ہمزہ مضمومہ بعدہٗ واو ساکن کے ساتھ پڑھا ہے اور عادًا پر وقف کرنے کی صورت میں ان پانچوں حضرات کے لیے تنوین کو الف سے بدل کر پڑھیں گے اور ابتدا یعنی اعادۂ اصل کے موافق الاولیٰ سے کریں گے اور چونکہ یہ اصل کے موافق ہونے کی وجہ سے ظاہر تھا اس لیے اس کو بیان نہیں فرمایا۔

وَأَدْغَمَ بَاقِيهِمْ وبالنَّقْلِ وصْلُهُمْ
وَبَدْؤُهُمو والْبَدْؤُ بالْاَصْلِ فُضِّلَا
لِقَالُونَ وَالْبَصْرِى وتُهْمَزُ وَاوُهُ
لِقَالُونَ حَالَ النَّقْلِ بَدْءً ا وَمَوْصِلَا

ش: قوله: وادغم اس کی تقدیر نقل وادغم ہے کیونکہ اصل اور بدأ دونوں کا تعلق نقل سے ہے ادغام سے نہیں اس لیے کہ ادغام کا حصول اصل ہی کے ساتھ ہوتا ہے۔ **قوله**: باقیهم ای من بقی منهم مفرد ہے اور باقوهم اس لیے نہیں لائے کہ باقی قراء صرف دو ہی ہیں۔ **قوله**: وصلهم وبدؤهم ان میں ضمیر جمع کا لانا (دو کے لیے) یا تو اس معنی کر ہے کہ جمع کا اطلاق مافوق الواحد پر بھی ہوتا ہے یا اس لیے کہ ان دونوں کے دو دو راوی ہیں جو چار ہو گئے ہیں۔ **قوله**: بالاصل یا تو متعلق بدأ کے ہے یا بقول جعبریؒ حال ہے اور **قوله**: واوہ ضمیر کا مرجع الاولی ہے اور **قوله**: النقل ظرف ہے اور **قوله**: بدءً ا وموصلا مصدر بدأ وصل حال کی جگہ ہے ای بادیاً وواصلاً (قاری)

ترجمه: اور بعد نقل حرکت ہمزۃ الی اللام تنوین کا لام میں) ادغام کیا ہے ان میں کے باقی (دو نافع وابو عمرو) اور ان ہی (باقیین) کا وصل کرنا اور ان کا ابتداء کرنا (دونوں) نقل کے ساتھ ہے اور ابتدا کرنا اصل (الاولی) کے ساتھ افضل مانا گیا ہے۔ قالون اور بصری کے لیے اور ہمزہ (سے بدلکر) پڑھا جاتا ہے اس (الاولی) کا واؤ قالون کے لیے نقل کی حالت میں ابتداء کرتے ہوئے بھی اور وصل کرتے ہوئے بھی۔

مطلب: یعنی نافع وابوعمرو بصری نے جن کی طرف باقیهم سے اشارہ فرمایا ہے بحالت وصل الاولی کے ہمزہ کی حرکت لام کی طرف نقل کر کے عادًا کی تنوین کا لام میں ادغام کیا ہے اور اسی طرح عادا لُّولیٰ پڑھا ہے نیز ان کے لیے عادًا پر وقف کرنے کی صورت میں ہمزہ کی حرکت لام کی طرف نقل کر کے الاولیٰ مع ہمزہ وصلی کے اور لولی بلا ہمزہ وصلی کے ابتدا یا اعادہ کرنا لیکن قالون اور ابوعمرو کے لیے اصل کے موافق الاولی سے ابتداء کرنا افضل واولی ہے۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ قالون نے حالت نقل میں الاولیٰ کے واؤ کو ہمزہ سے بدل کر پڑھا ہے عام اس سے کہ عاداً پر وقف کر کے الاولیٰ سے ابتدا یا اعادہ کیا جائے یا اس کو عاداً سے ملا کر پڑھا جائے دونوں صورتوں میں اس کا واؤ ان کے لیے ہمزہ سے بدلکر پڑھا جائے گا۔

ف: جاننا چاہئے کہ اس دوسری ادغام والی قراءت پر جو بعض نے اعتراض کیا ہے کہ لام کی طرف جو نقل حرکت کی گئی ہے وہ عارضی ہے اور عارضی کا کوئی اعتبار نہیں کیا جاتا لہذا لام اب بھی ساکن ہی ہے اور ساکن

میں ادغام جائز نہیں ہے اس کا جواب یہ ہے کہ ادغام ساکن حقیقی میں ممتنع ہے نہ کہ ساکن تقدیری میں اور یہ لام تقدیراً ساکن ہے۔ دوسرے یہ کہنا کہ عارضی کا اعتبار نہیں ہوتا یہ کوئی قاعدہ کلیہ نہیں ہے چنانچہ اس کی بہت سی مثالیں اوپر گذر چکی ہیں کہ وہاں عارضی کا اعتبار کیا گیا ہے جیسے مد سکون عارض وغیرہ میں طول وتوسط کو اور یہاں بھی الاولیٰ میں بصورت ابتدا الاولی پڑھنا جائز ہے۔ جیسا کہ اگلے بیت میں بیان کیا ہے۔

وَتَبْدَا بِهَمْزِ الْوَصْلِ فِي النَّقْلِ كُلِّهِ
وَإِنْ كُنْتَ مُعْتَدًّا بِعَارِضِهِ فَلاَ

ش: قوله: تبدا اس میں ہمزہ کو بہ نیت وقف ساکن کر کے الف سے بدل لیا ہے اور یہ خبر بمعنی امر ہے اور **قوله**: همز الوصل اس کے متعلق ہے یا مبتدا محذوف کی خبر ہے ای انت تبدأ یا یہ مبتدا اور اس کی خبر بھمز الوصل ہے علی تقدیر ان تبدا بمعنی ابتدا تک بهمز الوصل اور **قوله**: في النقل ظرف ہے اور **قوله**: كله اس کی تاکید ہے اور **قوله**: بعارضه میں اضافت صفت کی موصوف کی طرف ہے ای بالنقل العارضی اور **قوله**: فلا لا ناهیہ یا نافیہ ہے اس کے بعد فعل محذوف ہے ای فلا تبدأ بهمز الوصل .

ترجمه: اور ابتداء کرو تم ہمزہ وصل کے ساتھ تمام مواقع) نقل میں اور اگر تم اس عارضی نقل کا اعتبار کرنے والے ہو (تو پھر اس ہمزہ وصل سے ابتدا) نہ کرو (یعنی تم کو اختیار ہے کہ بعد نقل خواہ ہمزہ وصل سے ابتدا کر دیا صرف لام سے دونوں طرح صحیح ہے)۔

مطلب: یعنی جب تم ایسے کلمات سے ان قراء کے لیے جو ہمزہ قطعی کی حرکت لام تعریف کی طرف نقل کرتے ہیں ابتدا یا عادہ کرنا چاہو تو بعد نقل حرکت الی اللام یہ خیال کرتے ہوئے کہ یہ نقل عارضی ہے اور لام اب بھی حکماً ساکن ہے ہمزہ وصل مفتوحہ سے بھی ابتدا کر سکتے ہو اور اگر تم نے اس نقل عارضی کا اعتبار کر لیا اور لام کو حقیقۃً متحرک سمجھ لیا اور یہ خیال کیا کہ ہمزہ وصل تو ابتداء بالسکون کی وجہ سے لایا جاتا ہے اب یہاں سکون نہیں رہا بلکہ لام متحرک ہو گیا تو بلا ہمزہ وصل کے بھی ابتداء کرنا درست ہے جیسے لانسان اور لارض وغیرہ کہ ان میں بعد نقل حرکت ہمزہ وصلی کے ساتھ بھی ابتداء کر سکتے ہیں جیسے الانسان اور الارض اور بلا ہمزہ وصلی کے لانسان لارض سے بھی ابتدا کر سکتے ہیں (دونوں طرح درست اور صحیح ہے) واللہ اعلم۔

وَنَقْلُ رِدًا عَنْ نَافِعٍ وَكِتَابِيَهْ
بِالاِسْكَانِ عَنْ وَرْشٍ اَصَحُّ تَقَبُّلاَ

ش: قوله: رِدًا بالنقل عن نافع جملہ اسمیہ اور **قوله**: کتابیه ای هاؤهٗ بالاسکان منقولاً دوسرا جملہ ہے اور **قوله**: اصحُّ مبتدا محذوف ہوگی یا کتابیہ کی خبر ہے اور بالاسکان خبر کے فاعل سے حال ہے ای کتابیه ساکنًا اصحُّ قُبُولاً مِنْهُ حَالَ کَوْنه مُتَحَرِّکًا بالنَّقْلِ.

ترجمہ: اور لفظ رِدًا (کے ہمزہ) کی حرکت دال کی طرف) نقل (کر کے ہمزہ کو حذف کر دینا صرف نافع سے (ثابت) ہے اور کتابیہ (انی جو سورہ الحاقہ میں ہے اس کی ہاء) ورش سے بحالت سکون قبولیت کے اعتبار سے زیادہ صحیح ہے (اس سے کہ یہ متحرک بالنقل ہو یعنی اس میں بعض نے اسکان کو اور بعض نے نقل کو قبول کیا ہے لیکن ان میں سے اسکان کی قبولیت بلحاظ (دلائل اور اکثریت کے زیادہ قوی اور اصح ہے اگر چہ نقل کرنا بھی صحیح اور درست ہے۔

بابُ وقف حمزة وهشام على الهمز ﴿۲۰﴾

یعنی یہ باب امام حمزہ و ہشام کے ہمزہ پر وقف کرنے کے بیان میں ہے

اس سے پہلے باب میں ناظمؒ نے امام حمزہ کا مذہب ہمزہ مبتداء میں فرمایا ہے کہ حمزہ سے حالت وقف میں ہمزہ کی حرکت ماقبل ساکن کی طرف نقل کرنے میں خلف ہے۔ اب اس باب میں ہمزہ متوسطہ و متطرفہ کا حکم بیان فرماتے ہیں کہ کہیں حمزہ کے مذہب میں بحالت وقف تسہیل بین بین ہے اور کہیں ابدال اور کہیں نقل وحذف ہے یہ سب ان شاء اللہ تعالیٰ عنقریب اپنے اپنے موقع پر ذکر کیے جائیں گے اور چونکہ ہشام بھی ہمزہ متطرفہ کے احوال ہمزہ میں امام حمزہ کے موافق ہیں اس لیے یہ باب ان دونوں ہی کے لیے مخصوص ہے۔

وَحَمْزَةُ عِنْدَ الْوَقْفِ سَهَّلَ هَمْزَهُ
إِذَا كَانَ وَسْطًا أَوْ تَطَرَّفَ مَنْزِلَا

ش: قوله: وحمزة مبتدا اور جملہ سهل همزه اس کی خبر ہے اور **قوله**: عند الوقف ظرف ہے اور ہمزہ کی ضمیر کا مرجع حمزہ ہے کیونکہ ان ہی کے نزدیک ہمزہ مخففہ ہے اس لیے اضافت بسبب ادنیٰ ملابست کے ہے اور **قوله**: اذا كان اذا شرطیہ اور کان تامہ ہے اور **قوله**: وسطاً اس کا ظرف ہے ای بين حروف الكلمة اور **قوله**: او تطرّف کا عطف جملہ کے معنی پر ہے ای اذا توسط اور تطرف اور قولہ منزلاً تمیز ہے ای تطرف موضعه.

ترجمہ: اور حمزہ جو ہیں انہوں نے وقف میں اپنے ہمزہ کی تسہیل (تخفیف) کی ہے جبکہ وہ (ہمزہ کلمہ

کے) وسط میں ہو یا وہ جگہ کے اعتبار سے طرف (یعنی کلمہ کے آخر) میں واقع ہو۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ امام حمزہ جب کسی ایسے ہمزہ والے کلمہ پر وقف کرتے تھے کہ جس میں ہمزۃ یا تو کلمہ کے درمیان میں یا کلمہ کے بالکل آخر میں واقع ہو رہا ہو تو وہ اس ہمزہ میں تخفیف کرتے تھے پس یہاں تسہیل سے مراد تخفیف ہے تاکہ ہر سہ قسم کی تخفیف کو شامل ہو جائے اس لیے کہ تخفیف تین طرح پر ہوتی ہے ابدال سے اور نقل وحذف سے اور تسہیل بین بین سے ہمزہ متوسطہ کی مثال یؤمنون. شئت یالمون وغیرہ اور ہمزہ متطرفہ یعنی جو کلمہ کے بالکل آخر میں ہو اس کی مثال سوء بشيئ ،قروء وغیرہ ہے۔

فَأَبْدِلْهُ عَنْهُ حَرْفَ مَدٍّ مُسَكِّنًا

وَمِنْ قَبْلِهِ تَحْرِيْكُهُ قَدْ تَنَزَّلَا

ش: قوله: عنه مشبعاً فی روایة اور **قوله**: مسکنا فاعل سے حال ہے ای حال کونه ایها القاری مسکنا لهٗ اوراياه اعم من ان یکون ساکناً قبل النطق او یصیر ساکنا عند الوقف علیه اور **قوله**: تحریکه مبتدا اور ضمیر (ہ) کی مرجع حرف مدلول علیہ بمن قبله ہے۔ اور **قوله**: تنزلا بالف الاطلاق بمعنی حصل اس کی خبر ہے اور اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع تحریک ہے پھر جملہ ابدلہ کے پہلے مفعول سے حال ہے ای ابدل الهمز محرکا قبله.

ترجمه: پس تم اس (ہمزہ) کو ان (حمزہ) کے لیے حرف مد سے بدل دو درانحالیکہ تم (اس ہمزہ کو) ساکن پڑھنے والے ہو اور اس (ہمزہ) سے پہلے جو حرف ہے اس کا متحرک ہونا حاصل ہوا ہو۔

مطلب: یعنی حمزہ بحالت وقف ہر ہمزہ ساکنہ کا جبکہ اس سے پہلے والا حرف متحرک ہو ماقبل کی حرکت کے موافق حرف مد سے بدل کر پڑھتے ہیں پس فتحہ کے بعد الف سے اور کسرہ کے بعد یاء سے اور ضمّہ کے بعد واؤ سے ابدال کریں گے عام اس سے کہ ہمزہ کا سکون اصلی ہو جیسے اقرأ و نبّئ وهيّئ وبئس والمؤتفكة ویالمون وغیرہ یا عارضی ہو جو وقف کی وجہ سے آیا ہو جیسے قال الملأ ،لكل امرئٍ ، ملجا وغیرہ۔

وَحَرِّكْ بِهِ مَا قَبْلَـــهُ مُتَسَكِّنًا

وَاسْقِطْهُ حَتّٰى يَـــرْجِعَ اللَّفْظُ أَسْهَلَا

ش: قوله: به اس کی ضمیر کا مرجع بحذف مضاف ہمزہ ہے۔ ای بحركة الهمز اور **قوله**: ما قبله صلہ وموصول ترکیب میں **قوله**: حرک کا مفعول ہے اور ضمیر کا مرجع ہمزہ ہے اور **قوله**: متسکنًا موصول

سے حال ہے اور **قولہ**: اسھلا بالف الاطلاق من السھولة افعل التفضیل ہے ای حتی یصیر لفظ المنقول اخف من المحقق. (قاری)

ترجمہ: اور تم متحرک کر دو اس (حرکت ہمزہ) کے ساتھ اس (حرف) کو جو اس (ہمزہ) سے پہلے ہو درانحالیکہ وہ (حرف) ساکن ہو اور اس (ہمزہ) کو حذف کر دو تا کہ (اس نقل کئے گئے کلمہ کا) تلفظ (بہ نسبت غیر نقل کئے گئے کلمہ کے) سہل تر ہو جائے (یعنی جب ہمزہ متحرکہ ساکن کے بعد واقع ہو تو اس ہمزہ کی حرکت ساکن ماقبل کی طرف نقل کر کے ہمزہ کو حذف کر دو جیسے یسئلون. ومسئولا. القرآن. دف الخبٔ، المرء وغیرہ لیکن اس ہمزہ سے پہلے ساکن حرف اگر الف ہے تو اس ہمزہ کی حرکت اس کی طرف نقل نہیں کی جائے گی۔ اور وہ قاعدہ سے مستثنیٰ ہوگا جیسا کہ ناظمؒ نے اگلے بیت میں بیان فرمایا ہے۔

سِوَىٰ أَنَّهُ مِنْ بَعْـدِ مَا أَلِفٍ جَرىٰ
يُسَهِّلُهُ مَهْمَا تَوَسَّـطَ مَـدْخَلَا

ش: **قولہ**: سویٰ اس کا استثناء حرکت سے ہے اور **قولہ**: انہ میں انّ کی ہمزہ کا فتح اس بنا پر ہے کہ یہ مفرد کی جگہ پر واقع ہو رہا ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع حمزہ ہے اور **قولہ**: یسھلہ ترکیب میں انّ کی خبر ہے اور اس کی ضمیر (ہ) کا مرجع ہمزہ ہے اور **قولہ**: من بعد ما اس کے متعلق ہے اور ما زائدہ ہے اور **قولہ**: جریٰ ترکیب میں الف کی صفت مؤکدہ ہے اور **قولہ**: مھما توسط ای الھمز شرطیہ ہے اور بسبب دلالت ماقبل جواب سے مستغنی ہے۔

ترجمہ: سوائے اس (صورت) کے کہ وہ (ہمزہ) الف کے بعد آ رہا ہو (کہ اس صورت میں نقل نہیں ہوگی بلکہ) وہ (حمزہ) اس (ہمزہ) کی (بجائے نقل کے) تسہیل کرتے ہیں جب کہ وہ (ہمزہ) جگہ کے اعتبار سے (کلمہ کے) درمیان واقع ہو رہا ہو۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ امام حمزہ ہر ہمزہ متحرکہ، متوسطہ و متطرفہ کی حرکت ساکن ماقبل کی طرف نقل کر کے ہمزہ کو حذف کرتے ہیں مگر وہاں نہیں کہ جہاں یہ ہمزہ الف زائدہ یا مبدلہ کے بعد کلمہ کے درمیان میں واقع ہو رہا ہو آخر میں نہ ہو پس اس صورت میں ان کے لیے اس میں تسہیل بین بین ہوگی ہمزہ کی حرکت الف کی طرف نقل نہیں کی جائے گی کیونکہ الف ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اور حرکت کو قبول نہیں کرتا جیسے لقد جاء کم وجاء نا وخائفین وغیرہ۔ اب رہا وہ ہمزہ متحرکہ جو الف کے بعد طرف یعنی آخر میں واقع ہو اس کا حکم اگلے بیت میں بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے۔

وَيُبْدِلُهُ مَهْمَا تَطَرَّفَ مِثْلَهُ
وَيَقْصُرُ أَوْ يَمْضِي عَلَى المَدِّ أَطْوَلَا

ش: قوله: ویبدله یا تو یہ استثناء کے سیاق میں داخل اور شامل ہے ای سوی توسّطه وتطرّفه یا بغیر استثناء کے مخصص ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو بطور استیناف کے ماقبل کے حکم سے جدا کر دیا گیا ہے نحو قام الناس الابکر، عمرو لم یقم اور قوله مثله ترکیب میں یبدله کا دوسرا مفعول ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع الف ہے اور **قوله**: اطولا ترکیب میں مد سے حال ہے۔

ترجمہ: اور ابدال کرتے ہیں وہ (حمزہ) اس (ہمزہ) کا جب کہ اس (ہمزہ کلمہ کے) آخر میں (الف کے بعد) واقع ہو اس (الف) کے مثل دوسرے الف) سے اور وہ (اس ابدال کے بعد اس الف میں یا تو) قصر کرتے ہیں یا اوپر مد کے گذرتے ہیں داراں حالیکہ وہ (مد) اطول ہے۔

مطلب: یعنی امام حمزہ متحرکہ کا بحالت وقف الف سے ابدال کرتے ہیں جو الف کے بعد طرف میں واقع ہو جیسے السَّماء، یَشَاء و جآء وغیرہ پھر بعد ابدال قصر بھی کرتے ہیں اور مد طویل بھی۔ قصر تو اس وجہ سے کیا جاتا ہے کہ ہمزہ پر وقف کیا تو وہ ساکن ہو گیا۔ پھر اس کو الف سے بدل لیا بعدہ دو الف جمع ہو گئے جن میں سے ایک کو بوجہ اجتماع ساکنین حذف کر دیا۔ اب اگر اوّل کو حذف کیا ہے تو اس صورت میں چونکہ حرف مد ہی باقی نہیں رہا جو مد کیا جائے اس لیے قصر ہی ہوگا اور اگر دوسرے الف کو جو ہمزہ سے بدل کر آیا ہے حذف کیا ہے تو اس وقت بھی بوجہ زوال ہمزہ جو سبب مد ہے قصر ہی ہوگا اور اگر دونوں میں سے کسی کو بھی حذف نہ کریں جیسا کہ اجتماع ساکنین علی حدہ وقف میں جائز ہے تو مد طویل و مد متوسط دونوں کر سکتے ہیں۔

جیسا کہ باب المد والقصر میں گذر چکا ہے کہ سکون وقفی میں یہ دونوں وجہ اصلی ہیں اور قصر بھی جائز ہے اور اگر دوسرے الف کو حذف کر دیں تو یہ خیال کریں کہ حرف مد قبل ہمزہ مغیرہ کے واقع ہے اور زوال ہمزہ عارضی ہے اور ہمزہ منویہ ہے تو اس وقت بھی مد کرنا درست ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ امام حمزہ کے لیے اس میں جو مد ہوگا وہ مد اطول ہوگا جیسا کہ ہم اوپر بیان کر چکے ہیں مد متوسط نہیں ہوگا۔

وَيُدْغِمُ فِيهِ الْوَاوَ وَالْيَاءَ مُبْدِلاً
إِذَا زِيدَتَا مِنْ قَبْلُ حَتَّى يُفَصَّلَا

ش: قوله: یدغم اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع حمزہ ہے اور **قوله**: فیه کی ضمیر کا مرجع ہمزہ ہے اور **قوله**: مبدلا فاعل سے حال ہے اور **قوله**: اذا الخ یا تو شرطیہ ہے جو بسبب دلالت ماقبل جواب سے

مستغنی ہے کما ذکرہ الجعبریؒ یا صرف ظرفیہ ہے اور **قولہ**: یفصلا بکسر الصاد وبالف الاطلاق کی ضمیر کا مرجع یا تو ہمزہ ہے یا ادغام اور بفتح الصاد ہے تو اس کا الف تثنیہ کا ہے جو واؤ و یا زائدتان کی طرف راجع ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور وہ (حمزہ) ادغام کرتے ہیں اس (ہمزہ) میں واؤ و یاء کا اس حال میں کہ وہ (اس ہمزہ کو واؤ و یاء سے) بدلنے والے ہیں جبکہ یہ دونوں (واؤ و یاء) اس (ہمزہ) سے پہلے زائد ہوں۔ (اصلی نہ ہوں) یہاں تک کہ وہ (حمزہ واؤ و یا اصلی وزائد میں) فرق کر دیتے ہیں (یا یہ معنی تاکہ یہ دونوں واؤ و یا زائدہ واؤ و یا اصلی کے حکم سے جدا ہو جائیں کیونکہ واؤ اصلی و یاء اصلی کے بعد جو ہمزہ ہوتی ہے اس میں نقل بھی جائز ہے بخلاف واؤ و یاء زائدہ کے کہ ان میں صرف ادغام ہی ہوتا ہے نقل نہیں ہوتی۔ خلاصہ یہ ہے کہ امام حمزہ اس واؤ و یاء کا جو زائدہ ہوں اور ہمزہ سے قبل واقع ہوں تو اس ہمزہ کو واؤ و یا سے بدل کر واؤ کا واؤ میں اور یاء کا یا میں ادغام کرتے ہیں جیسے خَطِیَّۃٌ وقُرُوٌّ وغیرہ کہ اصل میں خَطِیْئَۃٌ اور قروءٌ ہے پس اول میں ہمزہ کو یا سے بدل کر یاء کا یا میں اور دوسرے میں ہمزہ کو واؤ سے بدل کر واؤ کا واؤ میں ادغام کیا گیا ہے۔

وَيُسْمِعُ بَعْدَ الْكَسْرِ وَالضَّمِّ هَمْزَهُ
لَــدَىٰ فَتْحِهِ يَاءً وَوَاوًا مُحَوَّلَا

ش: **قولہ**: ویسمع من الاسماع کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع حمزہ ہے اور یہ متعدی بہ مفعول ہے یا تو اس بناء پر کہ جن حضرات نے یہ کہا کہ سمع متعدی بدو مفعول ہوتا ہے پس یہ اسمع متعدی بسہ مفعول ہو گیا اس لیے کہ یہ متضمن بمعنی یُعْلِمُ ہے اور اس کا پہلا مفعول محذوف ہے ای السامع اور دوسرا مفعول **قولہ**: همزہ ہے اور اس کی ضمیر (ہ) کا مرجع بادنیٰ ملابست حمزہ ہے اور تیسرا مفعول **قولہ**: یاءً وواوً ہے اور واؤ بمعنی او ہے اور **قولہ**: بعد الکسر والضم اور ایسے ہی **قولہ**: لدی فتحہ دونوں یسمع کے ظرف ہیں اور فتحہ کی ضمیر کا مرجع حمزہ یا ہمزہ ہے اور **قولہ**: محولا بکسر الواؤ ترکیب میں یسمع کی ضمیر سے حال ہے ای مبدلا من الھمز المفتوح بعد الکسر یاءً وبعد الضم واواً پس اس میں لف ونشر مرتب یہ حق تعالیٰ کے قول ﴿مِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ﴾ کے قبیل سے ہے لہٰذا جو سمجھدار ہو گا وہ خود سمجھ لے گا کہ یاء کا تعلق بعد الکسر سے اور واؤ کا بعد الضم سے ہے اور اگر **قولہ**: محولا بفتح الواؤ ہے جیسا کہ ابو شامہ کے قول سے معلوم ہوتا ہے کہ روایۃً واؤ کا فتحہ ہے تو اس صورت میں یہ ہمزہ سے حال ہو گا۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور وہ (حمزہ) سناتے ہیں کسرہ اور ضمہ کے بعد اپنے (تخفیف والے) ہمزہ کو اس سے مفتوح ہونے کی صورت میں یاء یا واؤ درانحالیکہ وہ (حمزہ اس ہمزہ کو یاء یا واؤ سے بدلنے والے ہیں (یعنی جب ہمزہ مفتوحہ کسرہ کے بعد واقع ہو جیسے خاطئۃ و فئۃ و ناشئۃ وغیرہ یا ضمہ کے بعد واقع ہو جیسے یُؤَیِّد و یؤلف و مُؤَجَّلا وغیرہ تو امام حمزہ اس ہمزہ مفتوحہ کا بعد کسرہ کے یاء سے اور بعد ضمہ کے واؤ سے ابدال کر کے پڑھتے ہیں۔

وَفِیْ غَیْرِ ھٰذَا بَیْنَ بَیْنَ وَمِثْلُـــهُ
یَقُـــوْلُ هِشَامٌ مَا تَطَـــرَّفَ مُسْهِلاً

ش: قولہ: فی غیر ھٰذا متعلق مقدر کے ہے ای خفف الھمزۃ اور ہذا سے اشارہ ہمزہ مفتوحہ بعد الحرکتین کی طرف ہے اور **قولہ**: بین بین کی تقدیر بین الھمزۃ وبین حرف المد المجانس لحرکتھا ہے پس یہاں مضاف الیہ اور حرف عاطف محذوف ہے اور پہلا بین درمیان میں واقع ہونے کی بناء پر اور دوسرا بوجہ متضمن ہونے معنی حرف کو یا بوجہ مقطوع الاضافت فتحہ پر مبنی ہے اور یہ ترکیب میں یا تو مقدر کا یا یُسمع کا ظرف ہے جو اس سے پہلے بیت میں مذکور ہے اور **قولہ**: مثلہ بالرفع مبتدا اور ضمیر کا مرجع حمزہ تخفیف ہے اور یقول ہشام خبر ہے ای فی الھمز نیز مثلہ میں لام کا فتحہ بھی مروی ہے ابو شامہ کے نزدیک یہی اولیٰ ہے پس اس صورت میں یہ مصدر مقدر کی صفت ہوگا ای قولا مثل قولہ اور **قولہ**: ما تطرف ای الھمز ظرفیہ زمانیہ ہے اور ما معنی میں مھما کے ہے کقولہ تعالیٰ ﴿فما استقاموا لکم﴾ اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ یقول کو اپنے معنی میں مانا جائے اور اگر معنی میں یقرأ کے لیا جائے تو ما موصولہ ہو کر اس کا مفعول بہ ہوگا **قولہ**: مسھلا بکسر الہا ہشام سے حال ہے ای راکبا السھل (قاری)

ترجمہ: اور اس (ہمزہ مفتوحہ بعد الکسر والضم) کے علاوہ میں (تسہیل) بین بین ہے اور مثل ان (ہی حمزہ) کے ہشام (بھی) کہتے ہیں اس ہمزہ میں جو (کلمہ کے آخر) میں واقع ہو (یعنی ہمزہ متطرفہ میں ہشام بھی بعینہ وہی تخفیف کرتے ہیں جو امام حمزہ کرتے ہیں) درانحالیکہ وہ (ہشام سہل طریق اختیار کرنے والے ہیں)

مطلب: یعنی امام حمزہ اس ہمزہ مفتوحہ کے علاوہ جو کسرہ اور ضمہ کے بعد واقعہ ہو اور جس کا حکم اوپر کے شعر میں معلوم ہو چکا ہے باقی ہمزہ کی سات قسموں میں جس کی تفصیل یہ ہے کہ ہمزہ مفتوحہ فتح کے بعد واقع ہو اور ہمزہ مکسورہ تینوں حرکات کے بعد نیز مضمومہ بھی ہر سہ حرکات کے بعد ہو تو تسہیل بین بین کرتے ہیں یعنی ہمزہ اور اس حرف کے درمیان پڑھتے ہیں جو ہمزہ کی جنس حرکت سے ہو۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ہشام کے لیے بھی اس ہمزہ میں جو اس کلمہ آخر میں واقع ہو وہی قواعد ہیں جو حمزہ کے لیے اوپر مذکور ہوئے پس ان کے لیے بھی ہمزہ

متطرفہ میں وہی تخفیف ہوگی جو حمزہ کے لیے ہوتی ہے۔ فافہم۔

وَرِئْيًا عَلٰى إِظْهَارِهٖ وَادِّغَامِهٖ
وبعْضٌ بِكَسْرِ الْهَا لِيَاءٍ تَحَوَّلَا
كَقَوْلِكَ أَنْبِئْهِمْ وَنَبِّئْهُمْ وَقَدْ
رَوَوْا أَنَّهُ بِالْخَطِّ كَانَ مُسَهِّلَا

ش: قوله: رئیا مبتدا اور مابعد اس کی خبر ہے ای مَقْرُوْءٌ اَوْ قَرَاَ عَلٰی اظھارہ اور وادّغامہ میں دال مشدد ہے اور **قوله**: بکسر الھا بھی قرأ مقدر کے متعلق ہے اور **قوله**: تحولا بالف الاطلاق ترکیب میں یاء کی صفت ہے اس لیے کہ حروف مذکر بھی ہوتے ہیں اور مونث بھی ای لیاء محرکۃ عن الھمز اور اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع یاء یا ہمزہ ہے ای تحول الھمز الیھا. اور **قوله**: کقولک میں کاف زائدہ ہے کیونکہ ان دوکلموں کے علاوہ اور کوئی کلمہ نہیں آیا ہے پس اگر بجائے کقولک کے بقولک فرمادیتے تو یہ اولیٰ تھا اسی طرح اگر قد کے بجائے معاً لے آتے تو بہتر تھا تاکہ اس سے نَبِئْھُم کا دوجگہ ہونا بخوبی معلوم ہوجاتا قوله بالخط اس میں با کتبتُ بالقلم کی طرح استعانت کے لیے ہے واللہ اعلم۔

ترجمه: اور لفظ رِئیا اپنے اظہار پر (بھی) اور اپنے ادغام پر (بھی پڑھا گیا) ہے اور بعض نے (ضمیر جمع مذکر غائب ھم کو ہا کے) کسرہ کے ساتھ پڑھا ہے اور بسبب اس یاء کے جو (ہمزہ (سے بدل کر آئی ہے (اور یہ) مثل قول تمہارے انبئھم اور نبئھم کے ہے اور ناقلین حمزہ نے (یہ بھی) رویت کیا ہے کہ وہ (حمزہ) رسم خط عثمانی کے موافق بھی (ہمزہ کی) تخفیف کرنے والے تھے یعنی امام حمزہ ہمزہ میں تخفیف قیاسی کے طرح رسم خط کے موافق بھی تخفیف کیا کرتے تھے)

مطلب: یعنی سورہ مریم میں جو لفظ رِئیا آیا ہے اس میں امام حمزہ کے لیے ہمزہ کا بحالت وقف یاء ساکنہ سے ابدال ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا پھر ابدال کے بعد اس میں اظہار و ادغام دونوں ہیں اور دونوں ہی صحیح ہیں۔ اس طرح انبئھم ونبئھم میں بھی ان کے لیے وقف میں ہمزہ کا یاء ساکنہ سے ابدال ہے پھر ابدال کے بعد بعض حضرات نے یاء کی مناسبت سے جس سے پہلے کسرہ ہے ضمیر ہم کی ہاء کو بھی کسرہ دیکر پڑھا ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ بعض دیگر کے لیے اصل کے موافق یاء کا ضمہ ہے اور صحیح دونوں ہیں بلکہ ضمہ قیاس کے زیادہ موافق ہے اس لیے کہ ہم کی ہا میں اصل ضمہ ہی ہے اس کے بعد ناظمؒ فرماتے ہیں کہ امام حمزہ کے ناقلین نے یہ بھی روایت کیا ہے کہ بحالت

وقف ہمزہ کی تخفیف رسم خط قرآنی کے موافق بھی کیا کرتے تھے۔اب اگلے بیت میں کیفیت اتباع رسم خط کو بیان فرماتے ہیں کہ وہ کس طرح اور کیونکر رسم خط قرآنی کے موافق ہمزہ میں تخفیف کرتے تھے۔

فَفِي الْيَايَلِيْ وَالْوَاوِ وَالْحَذْفِ رَسْمَهُ
وَالَاخْفَشُ بَعْدَ الْكَسْرِ ذَا الضَّمِّ أَبْدَلَا
بِيَاءٍ وَعَنْهُ الْــوَاوُ فِيْ عَكْسِهٖ وَمَنْ
حَكیٰ فِيْهِمَا كَالْيَا وَكَا الْوَاوِ أَعْضَلَا

ش: **قوله**: ففي الياء متعلق قوله يلي بمعنی یتبع کے ہے اور اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع حمزہ ہے اور **قوله**: والواو کا عطف یاء پر ہے وکذا الحذف اور **قوله**: رسمه کی ضمیر کا مرجع ہمزہ ہے اور ترکیب میں یلی کا مفعول ہے اور **قوله**: والاخفش بالنقل مبتدا ہے اور **قوله**: ابدلا بالف الاطلاق اس کی خبر ہے اور **قوله**: ذا الضم ای الهمز المضموم ابدال کا مفعول ہے اور **قوله**: بعد الکسر ظرف اور **قوله**: عنه کی ضمیر کا مرجع اخفش ہے اور **قوله**: فی عکسه کی ضمیر کا مرجع ذالضم بعد الکسر ہے اور **قوله**: اعضلا بالف الاطلاق معنی میں اتی بمشکل کے ہے یعنی ایسا امر اختیار کرنا جس سے نکلنا اور نجات پانا دشوار اور مشکل ہو جائے۔

ترجمه: پس حمزہ اتباع کرتے تھے یاء میں اور واؤ میں وحذف میں اس (ہمزہ) کی رسم (خط) کا (یعنی اگر ہمزہ رسم خط میں بصورت یا لکھا ہوا ہوتا تھا تو اس کو یا سے اور جو بصورت واؤ لکھا ہوتا تھا تو واؤ سے اور اگر الف کی شکل میں لکھا ہوا ہوتا تھا تو الف سے بدل لیتے تھے اور اگر ہمزۃ تینوں شکلوں میں سے کسی بھی شکل میں لکھا ہوا نہیں ہوتا تھا تو اس کو حذف کر دیتے تھے) اور اخفش (نحوی) نے ہمزہ مضمومہ کا کسرہ کے بعد یاء سے ابدال کیا ہے اور ان (ہی اخفش سے) اس (صورت مذکورہ کے) عکس میں واؤ ہے (یعنی ہمزہ مکسورہ کا ضمہ کے بعد واؤ سے ابدال کیا ہے) اور جس نے ان دونوں (صورتوں) میں روایت کیا ہے (ہمزہ کو) اس حال میں کہ وہ تسہیل) کالیاء وکالواؤ ہے اس نے امر مشکل (قابل اعتراض بات کو) اختیار کیا ہے (کیونکہ یہ روایت نقلاً صحیح نہیں ہے اور نہ اداءً اس پر عمل ہو سکتا ہے اس لیے کہ ہمزہ مکسورہ میں واؤ کا اور مضمومہ میں یاء کا لحاظ رکھنا مشکل ہے اور یہ اس کو مقتضی ہے کہ یا تو کسرہ کو ضمہ سے اور ضمہ کو کسرہ سے بدل لیا جائے یا پھر ہر دو حرکت میں اشمام کیا جائے اور یہ دونوں ثابت نہیں ہیں)

ف: جاننا چاہئے کہ ناظمؒ نے جو ہمزہ بصورت الف کو ذکر نہیں کیا ہے، حالانکہ یہ اکثر ہے وہ اس وجہ سے کہ

اس کی تخفیف ہر جگہ قواعد مذکورہ بالا کے موافق ہی ہوتی ہے جس سے رسم خط کی مخالفت لازم نہیں آتی کیونکہ اس قسم کے ہمزہ میں یا تو تسہیل بین الہمزۃ والالف ہوگی جیسے سأل یا ہمزہ الف سے بدلا جائے گا جیسے ملجأ اور یہ رسم خط کے موافق ہے خلاف نہیں ہے یا یوں کہوں کہ جب یاء واؤ کا حکم بیان کر دیا تو اس سے خود سمجھ لیا جائے گا کہ ہمزہ بشکل الف کا بھی یہی حکم ہوگا۔ کیونکہ یہ بھی حرف علت اور مدہ ہونے میں ان دونوں کے ساتھ ہے۔ واللہ اعلم۔

وَمُسْتَهْزِءُونَ الْحَذْفُ فِيهِ وَنَحْوِهِ
وَضَمٌّ وَكَسْرٌ قَبْلُ قِيلَ وَأُخْمِلَا

ش: قولہ: مستهزءُ ون مبتدا ای ہمزہ اور **قولہ**: الحذف فیہ جملہ اسمیہ اس کی خبر ہے اور فیہ کی ضمیر کا مرجع ہمزہ ہے اور **قولہ**: نحوہ بلا اعادہ جار کوفیوں کے مذہب کی بنا پر مجرور بالعطف ہے یا جار مقدر ہے یا یہ عطفاً علی مستهزؤن مرفوع ہے اور اس کی خبر محذوف ہے ای کذلک لیکن روایۃً واؤ مکسور ہی ہے **قولہ**: وضمّ مبتدا اور اس کی خبر قبل۔ ای قبل الهمزة مقدر ہے جس کو بسبب ذکر کرنے ثانی کے نہیں بیان کیا اور **قولہ**: قیل ترکیب میں **قولہ**: و کسرٌ کی خبر ہے اور **قولہ**: اخملا بصیغة المجهول و بالف الاطلاق ای وجد خاملاً ونُسِبَ الی الخمول اور خمول کے معنی ضعیف غیر مشہور اور پوشیدہ ہونے کے ہیں۔

ترجمہ: اور مستهزء ون اور اس کے مانند دوسرے کلمات) میں (ہمزہ کا حذف ہے اور (اس جیسے کلمات میں بعد حذف ہمزہ سے پہلے حرف پر) ضمہ ہے اور ان جیسے کلمات میں ہمزہ سے) پہلے حرف پر) کسرہ (بھی کہا گیا ہے اور یہ (وجہ ماقبل کسرہ کی) ضعیف (اور غیر مشہور) پائی گئی ہے۔

مطلب: یعنی جن کلمات میں ہمزہ مضمومہ کسرہ کے بعد واقع ہو اور اس کے بعد واؤ ہو جیسے مستهزؤن وفمالئون و خاطؤن وغیرہ تو ان میں ہمزہ رسماً محذوف ہے اور اس سے پہلے حرف پر بجائے کسرہ کے ضمہ ہے جو قیاس اور اداء کے لحاظ سے صحیح ہے اور بعض نے جو یہ کہا ہے کہ ہمزہ سے پہلے حرف پر کسرہ بدستور باقی رہے گا یہ ضعیف اور متروک ہے کیونکہ یہ نہ تو نقلاً صحیح ہے اور نہ قیاس کے موافق ہے اس لیے کہ کلام عرب میں کسرہ کے بعد واؤ ساکن نہیں آتا پس اسی وجہ سے ناظمؒ نے بھی و اخملا سے اس وجہ کو ضعیف اور متروک بتلایا ہے۔

ف: جاننا چاہیے کہ بعض شراح نے تبعا للسخاویؒ بیان کیا ہے کہ اخملا میں الف تثنیہ کا ہے اور اس کا مرجع ضمہ و کسرہ دونوں ہیں یعنی اخمل الوجهان یہ صحیح نہیں ہے اس لیے کہ پہلی وجہ موافق رسم و لغت عربیہ مشہور

ومنقول ہے۔ دوسرے یہ کہ اگر ناظمؒ کی مراد یہ ہوتی تو وہ قیلا و اخملا فرماتے اور اس طرح ذکر کرنے سے وزن میں بھی کوئی خرابی لازم نہیں آتی تھی لیکن اس کے باوجود واحد کا صیغہ لانا اس کو ظاہر کرتا ہے کہ اخملا میں الف تثنیہ کا نہیں بلکہ اشباع کا ہے اور اس سے صرف کسرہ ہی ضعیف ہونے کی طرف اشارہ ہے اور یہ بھی یاد رکھو مستہزؤن وغیرہ میں حذف رسمی تخفیف کے ماتحت معلوم ہو گیا لیکن چونکہ اس میں بعد حذف پہلے حرف کے ضمہ و کسرہ میں اختلاف تھا اس لیے اس کو بیان کرنے کی حاجت پیش آئی۔ فافهم۔

وَمَافِيــهِ يُلفٰى وَاسِطًا بِزَوائِدٍ
دَخَلْـنَ عَلَيْـهِ فِيْهِ وَجْهَـانِ أُعْمِلَا

ش: **قوله**: وما فيه الخ ما موصولہ اس کا مابعد صلہ ہے اور فیہ کی ضمیر کا مرجع ما ہے جو مبتدا ہے۔ ای اللفظ الذی یوجد فیه الھمز اور **قوله**: واسطًا من وُسطت القوم ترکیب میں **قوله**: یلفی کی مفعول ثانی ہے یا اس کے فاعل سے حال ہے ای متوسطاً بزوائد بسبب حروفِ زوائدٍ علی الاصول.
اور **قوله**: علیه کی ضمیر کا مرجع ہمزہ یا ما ہے اور اس کے بعد جو فیہ ہے اس کی ضمیر کا مرجع ہمزہ ہے اور **قوله**: عملا بمعنی استعملا ترکیب میں وجھان کی صفت ہے پھر یہ تمام ما مبتدا کی خبر ہے۔

ترجمه: اور وہ (لفظ) کہ اس میں پایا جائے ہمزہ اس حال میں کہ متوسط ہو گیا ہو بسبب ایسے (حروف) زوائد کے جو اس (ہمزہ) پر داخل ہوئے ہوں تو اس میں ایسی دو وجہ ہیں جو مستعمل ہیں (یعنی جب ہمزہ متبداۃ کسی حرف زائد کی وجہ سے کہ جو اس پر داخل کیا گیا ہے متوسط ہو جائے تو امام حمزہ کے لیے اس میں دو وجہ ہیں ایک ہمزہ کی تحقیق اور دوسری قیاساً ورسماً جو بھی قاعدہ پایا جائے اس کی رو سے تخفیف اب ناظمؒ ان حروف زوائد کو بیان فرماتے ہیں کہ جو اصل حروف پر داخل ہوتے ہیں جن کے سبب سے ہمزہ متوسط ہو جاتی ہیں اور وہ یہ ہیں۔

كَمَا هَا وَيَا وَاللَّامِ وَالْبَا وَنَحْـوِهَـا
وَلَامَاتِ تَعْـرِيْفٍ لِمَنْ قَـدْ تَأَمَّلَا

ش: **قوله**: کماھا الخ مبتدا محذوف کی خبر ہے اور ما زائدہ ہے ای الحروف الزوائد کھا الخ اور **قوله**: لمن قد تامّلا متعلق مقدر کے ہے ای کرُرْتُ لِمَنْ تدبّر اور تامّلا میں الف اطلاقیہ ہے۔

ترجمه: (حروف زوائد) مثل ہاء اور یا اور لام اور با اور ان کے مانند (دوسرے حروف واؤ وفاء وغیرہ) اور ان لامات تعریف کے ہیں (جن کو میں) اس شخص کے لیے (باوجود ایک دفعہ باب النقل میں بیان کر دیئے

کے مکرر لایا ہوں) جو غور کرے اور سوچے (کہ الف لام تعریف کے بعد جو ہمزہ ہے وہ بھی متوسط بزوائد ہی ہو تی ہے کیونکہ الف لام تعریف کو جدا کر دینے کے بعد بھی کلمہ میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی اور وہ اس حالت میں بھی درست رہتا ہے پس غور وفکر کرنے والا خود سمجھ لے گا کہ یہ بھی حروف زوائد ہی میں سے ہے۔

وَأَشْمِمْ وَرُمْ فِيْ مَاسِوىٰ مُتَبَدِّلٍ
بِهَا حَرْفَ مَدٍّ وَاعْرِفِ الْبَابَ مَحْفِلَا

ش: قوله: واشمم یا تو یہ خفف کے معنی پر معطوف ہے یا اس کا واؤ استینافیہ ہے یا عاطفہ ہے اس معنی کر کہ ایک قاعدہ کا دوسرے قاعدہ پر عطف ہے وھذا بالقبول احری (قاری) اور **قوله**: فی ما دونوں فعلوں میں سے کسی ایک کے متعلق ہے اور دوسرے کے لیے ایک ایسا ہی مقدر مان لیا جائے گا اور ما یا تو موصولہ ہے ای الھمز الذی غیر متبدل یا موصوفہ ہے ای فی ھمز غیر متبدل اور **قوله**: متبدل اسم فاعل بدل کا مطاوع ہے پس اسی وجہ سے اس میں ایک مفعول کم ہو گیا اور **قوله**: بھا کی ضمیر کا مرجع اطراف کلمات ہیں ای فیھا شعلہ کے قول پر ہمزہ نہیں ہے **قوله**: واعرف ای افھم اصول ھذا الباب الذی یذکر فیه الاشمام والروم اور **قوله**: محفلا بفتح المیم وکسر الفاء فاعل سے حال ہے بمعنی محتفلا ای مھتما به یا یہ مفعول سے حال ہے من محفل القوم مجتمعھم ای حال اجتماعه.

ترجمه: اور اشمام کرو اور روم کرو تم اس (ہمزہ) کے ماسوا میں کہ جو ان (اطراف کلمات) میں حرف مد سے بدلنے والا ہو اور تم اس باب (کے قواعد) کو سمجھ لو (جس میں روم واشمام بھی ذکر کیا گیا ہے) درانحالیکہ تم (اس کا) اہتمام کرنیوالے ہو (یا اس حال میں کہ یہ باب اقسام تخفیف ہمزہ کے اجتماع کا ہے اس معنی کر کہ اس باب میں، ہمزہ کی تخفیف کے تمام قاعدے اور اشامام وروم سب پوری طرح بیان کئے گئے ہیں)

مطلب: فرماتے ہیں کہ ہمزہ کی تخفیف کے متعلق جس قدر قواعد اس باب میں بیان کئے گئے ہیں اس کے موافق ہمزہ میں تخفیف بھی کرو اور اس ہمزہ میں جو کلمہ کے آخر میں واقع ہو قطع نظر اس کے کہ اس کی تخفیف قواعد مذکورہ بالا میں کسی بھی قاعدہ سے کی گئی ہو حرکت کے لحاظ سے ہمزہ مضمومہ میں اشمام وروم دونوں اور ہمزہ مکسورہ میں صرف روم بھی کر سکتے ہو سوائے اس جگہ کے جہاں ہمزہ خالص حرف مد سے بدلا گیا ہو کہ اس میں روم واشمام جائز نہیں ہے اس کے علاوہ ہر جگہ روم واشمام جائز ہے اور تخفیف، ہمزہ ان دونوں کے لیے مانع نہیں ہے۔

وَمَا وَاوٌ اصْلِيٌّ تَسَكَّنَ قَبْلَهُ
اَوْالْيَا فَعَنْ بَعْضٍ بِالْاِدْغَــــامِ حُمِّلَا

ش: **قولہ**: وما مبتدا متضمن معنی شرط او **قولہ**: **فعن** میں عموم کے لیے ہے اور **قولہ**: **بالادغام منقولا** ترکیب میں قولہ حملا کے فاعل سے حال ہے ای متلبسا **بالادغام** اور حملا میں الف اطلاقیہ ہے۔

ترجمہ: اور وہ (ہمزہ) کہ جس سے پہلے واؤ یا یاء اصلی ساکن ہو پس وہ (ہمزہ) بعض اہل ادا سے (ابدال و) ادغام کے ساتھ ہوتے ہوئے نقل کیا گیا ہے (یعنی جس ہمزہ سے پہلے واؤ اصلی، یا اصلی ساکن ہو عام اس سے کہ وہ ہمزہ متوسطہ ہو یا متطرفہ تو اس میں اصل تو قاعدہ کلیہ نقل حرکت کا ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے مگر بعض اہل ادا نے بحالت وقف امام حمزہ کے لیے اس میں مثل واو یا اس یاء زائدہ کے ہمزہ کا واؤ اصلی کے بعد واؤ سے اور یاء اصلی کے بعد یاء سے ابدال کر کے واؤ کا واؤ میں اور یاء کا یاء میں ادغام بھی کیا ہے پس اس قسم کے ہمزہ میں دو وجہ نقل اور بعد ابدال ادغام اور واؤ یا یاء زائدہ کے بعد والے ہمزہ میں صرف بعد ابدال ادغام ہی ہوگا۔

وَمَا قَبْلَهُ التَّحْرِيكُ أَوْ أَلِفٌ مُحَرْ
رَكًا طَرَفًا فَالْبَعْضُ بِالرَّوْمِ سَهَّلَا

ش: **قولہ**: قبلہ التحریک جملہ اسمیہ یا ظرفیہ ہے اور **قولہ**: **او الف** کا عطف التحریک پر ہے عام اس سے کہ یہ (التحریک) مبتدا ہو یا ظرف کا فاعل ہو۔ قولہ **محرکا** اور **طرفا** دونوں ضمیر سے جو ہمزہ کی طرف راجع ہے حال ہیں اور یہ بھی جائز ہے کہ طرفا احوال متداخلہ میں سے ہو۔ اس وقت یہ محرکا کی ضمیر سے جس کا مرجع ہمزہ ہے حال ہوگا **فالبعض** اس میں بھی فاء عموم کے لیے ہے اسی طرح جیسا کہ **فعن بعض** میں اوپر گذر چکا ہے۔

ترجمہ: اور وہ (ہمزہ) جس کے پہلے (حرف پر) حرکت ہو یا (اس سے پہلے) الف ہو درانحالیکہ یہ (ہمزہ خود بھی) متحرک (اور کلمہ کے) آخر میں ہو تو بعض نے (اس ہمزہ کو) روم کے ساتھ (پڑھتے ہوئے) تسہیل کی ہے۔

مطلب: یعنی جو ہمزہ متحرکہ متطرفہ حرف متحرک یا الف کے بعد واقع ہو تو اس میں بعض نے حمزہ کے لیے روم کے ساتھ تسہیل بھی کی ہے اگر چہ اس میں مذہب جمہور الف کے بعد الف سے اور حرف متحرک کے بعد اس حرف کی حرکت کے موافق حرف مد سے ابدال کرنے کا ہے جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے مثل **بدأ** و **السماء** وغیرہ کے۔

وَمَنْ لَمْ يَرُمْ وَاعْتَدَّ مَحْضًا سُكُونَهُ
وَأَلْحَقَ مَفْتُوحًا فَقَدْ شَذَّ مُوغِلَا

ش: **قولہ**: ومن لم یرم من شرطیہ اور لم یرم کا مفعول محذوف ہے ای **الهمزة فی الاحوال الثلاث**

اور **قولہ**: اعتدّ معنی میں عدد، حسب اور اعتبر کے ہے اور **قولہ**: محضا اس کا دوسرا اور **قولہ**: سکونہ اول مفعول ہے اور ضمیر کا مرجع ہمزہ یا من ہے پھر جملہ فاعل سے حال ہے کما ذکرہ الجعبری ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اگر وَاعْتَدَّ کو لم یرم کا معطوف قرار دیا جائے تو اولیٰ ہے **قولہ**: والحق کا عطف من پر ہے ای من الحق **قولہ**: مفتوحا اس کا مفعول اوّل ہے اور دوسرا محذوف ہے ای بالضم والکسر فی الروم اور **قولہ**: فقد شذ جواب شرط اور **قولہ**: موغلا اس فاعل بمعنی مبتدا ترکیب میں فاعل سے حال ہے والتقدیر ومن لم یرم الاحوال الثلاث ومن رامها مطلقا ابعد کل بعد فی شذوذہ والثانی منهما ابعد لضعف روم الفتح (قاری)

ترجمہ: اور جس نے (ہمزہ کی حرکات ثلٰثہ میں سے کسی حرکت میں بھی تسہیل کے ساتھ) روم نہیں کیا اور اس آخری حرف کے سکون کو محض اور خالص سکون سمجھا ہے اور جس نے (ہمزہ) مفتوحہ کو (مکسورہ و مضمومہ کے ساتھ لاحق کیا ہے (اور ہر سہ حرکات میں تسہیل مع الروم کو جائز بتایا ہے) پس ان دونوں میں سے ہر ایک کا) یہ (مذہب شاذ ہے درانحالیکہ وہ (شاذ ہونے میں) ابعد البعد ہے۔

مطلب: ناظمؒ نے اس سے پہلے شعر میں اس امر کو بیان فرمایا تھا کہ حمزہ کے لیے بعض اہل ادا نے اس ہمزہ متحرکہ متطرفہ میں جو حرف متحرک یا الف کے بعد واقع ہو روم کے ساتھ تسہیل بھی کی ہے اور اس کو جائز و صحیح بتایا ہے اس کے علاوہ دو مذہب اس بیت میں بیان فرماتے ہیں اور ان کا رد کرتے ہیں ان میں سے ایک مذہب تو یہ ہے کہ اس ہمزہ متذکرہ بالا کی ہر سہ حرکات میں تسہیل کے ساتھ روم کو ناجائز بتاتے ہیں اور سکون وقفی کو خالص اور اصلی سکون سمجھتے ہیں اور ساکن حرف میں روم نہیں ہوتا ہے اس لیے اس میں بھی نہیں کیا۔ دوسرا مذہب یہ ہے کہ وہ تینوں حرکتوں میں تسہیل مع الروم کو جائز بتاتے ہیں پس انھوں نے ہمزہ مضمومہ و مکسورہ کے ساتھ مفتوحہ کو بھی شامل کر لیا اور یہ دونوں مذہب ضعیف اور شاذ ہیں اور ان میں سے دوسرے مذہب کا ابعد ہونا فتحہ میں روم کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ظاہر ہے۔

وَفِي الْهَمْزِ أَنْحَاءٌ وَعِنْدَ نُحَاتِهِ
يُضِيئُ سَنَاهُ كُلَّمَا اسْوَدَّ أَلْيَلَا

ش: **قولہ**: انحاءٌ جمع نحو کی ہے جو مقصد یا طریق یعنی انواع آخر کے معنی میں آتا ہے فی القاموس ہو الطریق والجهة والقصد اور کبھی ظرف بھی ہوتا ہے اور اسم بھی **قولہ**: عند چنانچہ نحو العربیہ بھی اسی قبیل سے ہے نحاتہ اس کی تقدیر عند علماء النحو ہے اور **قولہ**: یُضِیئُ مفعول ہے اور ما موصوفہ ہے ای کل

شیٔ مسودٍ اور اگر یہ لازم ہے تو کلما اس وقت اس کا ظرف ہوگا کیونکہ ہوسکتا ہے کہ ما ظرفیہ ہو اور لفظ کل جب ظرف کی طرف مضاف ہوتا ہے تو یہ بھی ظرف ہو جاتا ہے کقولہ تعالیٰ. کُلَّ یوم ھو فی شان پس اس تقدیر پر اس کے معنی یہ ہوں گے کلّما اِسْوَدَّ الھمز عند غیر النحاۃ اضاء عندھم سناہ ای کثر ضوءہ اور اگر یضییٔ سناہ کو جَدّ جدّہ کے قبیل سے کہیں تو یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے **قولہ**: الیلا ترکیب میں اسود کے فاعل سے حال ہے ای مشبھا لیلا لیلاً اللیل لیلا یقال لیلٌ الیل شدید السواد ویوم ایوم شدید الضوء. واللہ اعلم.

ترجمہ: اور ہمزہ میں (اس کے علاوہ جو ہم نے بیان کیا ہے اس کی تخفیف میں اور بھی بہت سی) قسمیں ہیں اور اس (ہمزہ) کے نحوی علماء کے نزدیک اس (ہمزہ) کی روشنی ہر اس شیٔ کو روشن کردیتی ہے جو تاریک اور سیاہ ہو درانحالیکہ وہ سخت اندھیری رات کے مشابہ ہو (یا یہ معنی کہ اس ہمزہ کی روشنی اس کے نحاۃ کے نزدیک روشن ہوگئی جبکہ وہ ان کے غیر کے لیے سیاہ اور تاریک ہے کیونکہ انہوں نے اس کے معلومات کرنے میں بہت اہتمام کیا ہے پس ہمزہ کے جملہ قواعد جو دوسروں پر پوشیدہ اور ان کو بہت مشکل نظر آتے ہیں وہ ان پر بخوبی ظاہر اور روشن ہیں۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ کیفیت تخفیف ہمزہ میں مذکورہ کے علاوہ اور بھی مذاہب ہیں جن کو) ہم نے غیر مشہور یا شاذ ہونے کی بناء پر نہیں ذکر کیا ہے البتہ یہ علوم عربیہ کی بڑی بڑی کتابوں میں تفصیل سے مذکور ہیں اور علماء نحو کے نزدیک بوجہ ان کی معرفت وتشریح کے روز روشن کی طرح واضح اور ظاہر ہیں جبکہ وہ ان کے غیر کے لیے اندھیری رات کی طرح ناواقفیت کی وجہ سے پوشیدہ اور سخت مشکل ہیں کیونکہ جب تک کسی شیٔ مجہول کا علم نہیں ہوتا وہ اس کے جاہل کے نزدیک مثل تاریک اور اندھیری کے ہوتی ہے پس یہاں سیاہی اور اندھیرے سے جہالت اور روشنی سے علم مراد ہے یعنی جس طرح روشنی سے اندھیرا دور ہو جاتا ہے اسی طرح علم سے جہالت اور ناواقفیت بھی دور ہو جاتی ہے۔

بَابُ الإظهارِ وَالإدغام ﴿٤﴾

یعنی یہ باب اظہار اور ادغام کے بیان میں ہے

اور یہاں ادغام سے مراد ادغام صغیر ہے ادغام صغیر وکبیر کی تعریف اوپر معلوم ہو چکی ہے اور ضابطہ اس پورے باب کا یہ ہے کہ اس میں اس حرف ساکن کا بیان ہے جو اپنے قریب المخرج یا قریب الصفات یا ہم مخرج حرف متحرک

میں مدغم ہوتا ہے اور اس کی تین قسمیں ہیں ایک یہ کہ کلمہ کے آخر حرف ساکن کا بہت سے کلمات میں بطور قاعدہ کلیہ ہر جگہ ادغام کرنا مثل اذ، وقد، وتاء تانیث وغیرہ کے کہ ان کا ادغام اختلافی بھی ہے اور اتفاقی بھی دوسرے ایک حرف کا ادغام ایک کلمہ میں یا دو کلموں میں یا قاعدہ کلیہ کے طور پر ہر جگہ کرنا اور یہ باب حروف قربت مخارجہا میں آئے گا۔ تیسرے نون ساکن اور تنوین کا ادغام اور اس کو علیحدہ اس لیے بیان کیا ہے کہ ان میں اظہار وادغام کے علاوہ دوسرے احکام بھی مثل قلب واخفا کے ہیں اور یہ باب احکام النون الساکنہ والتنوین میں انشاء اللہ بیان کیا جائے گا۔ غرضیکہ یہاں سے باب الامالۃ تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ اسی باب کے متعلق ہے اس کے بعد امالہ کا باب شروع ہوگا۔

سَأَذْكُرُ أَلْفَاظًا تَلِيهَا حُرُوفُهَا
بِالإِظْهَارِ وَالإِدْغَامِ تُرْوىٰ وَتُجْتَلَا

ش: قوله: حُروجها أی حروف کلما تها او کلمات حروفها اس میں اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے اور **قوله**: بالاظهار والادغام متعلق تروی کے ہے یا اس کی ضمیر سے حال ہے اور تروی ترکیب میں الفاظاً کی دوسری صفت ہے اور **قوله**: یجتلا کا عطف ترویٰ پر ہے۔

ترجمه: میں عنقریب ایسے کلمات کا ذکر کروں گا جن کے تابع (اور متصل ہوں گے) ان (کلمات) کے (وہ حروف (جن میں ان کلمات کے آخری حروف ساکنہ کا ادغام ہوگا یا اظہار) نیز وہ (کلمات) ایسے ہیں کہ جو اظہار وادغام (دونوں) سے روایت کئے جاتے ہیں اور (ان ہی دونوں طرح سے کتابوں میں بھی) دیکھے جاتے ہیں۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ میں ابھی چند اشعار کے بعد ایسے کلمات بیان کروں گا جن کا ساکن آخر حرف مدغم ہوتا ہے مظہر اور وہ کلمات اذ اور قد اور تاء تانیث ولام بل وهل ہیں۔ پھر ان کے بعد متصل ہی کلمات بیان کئے جائیں گے جن کے اوّل حروف میں ان کلمات کے آخری حروف مدغم یا مظہر ہوتے ہیں اور ان کلمات اذ قد اور تاء تانیث وغیرہ کا جو ادغام یا ان میں اظہار ہو رہا ہے ان دونوں کا ثبوت روایات اور کتب دونوں سے ہے۔

فَدُونَكَ إِذْ فِيْ بَيْتِهَا وَحُرُوفَهَا
وَمَا بَعْدُ بِالتَّقْيِيدِ قُدْهُ مُذَلَّلَا

ش: قوله: فدونک فا زائدہ یا فصیحیہ ہے اور **قوله**: دونک اسم فعل بمعنی الزم یا خذ ہے اور **قوله**: فی بیتها میں اضافت بادنیٰ ملابست ہے اور **قوله**: وما بعد صلہ وموصول کا عطف یا تو اذ پر ہے ای فخذ رموز البیت الذی بعد بیتها یا مبتدا ہے اور اس کی خبر **قوله**: بالتقیید قدہ الخ ہے و التقدیر مغل فیه قدہ ای جرہ الیک اور بالتقیید ای بالضبط میں الف لام عہد کا ہے جس سے مراد یا تو وہ

اصطلاح ہے جو خطبہ میں درمیان اضداد ادغام اور اس کی ضد اظہار اوپر گذر چکی ہے یا آئندہ آنے والے شعر ہیں جو سَاُسمِي الخ سے بیان کی ہے وہ مراد ہے خلاصہ یہ کہ تقیید سے مراد تقیید سابق ہے یا تقیید لاحق ہے جیسا کہ بعض کا قول **قوله**: مذلّلا بفتح اللام ای مسھّلا ترکیب میں مفعول سے حال ہے اور یہ بَعِيرٌ مذلّل سے ہے جو اس اونٹ کے لیے بولا جاتا ہے جس کی ناک میں نکیل ڈالتے ہیں جس کی وجہ سے وہ ہانکنے والے کے تابع رہتا ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: پس لو تم اذ کو اس بیت میں اور اس کے (ان کلمات کے) حروف کو (جن میں اس کا ادغام یا ان سے پہلے اظہار ہوتا ہے،) اور وہ کہ جو (اظہار یا ادغام کا حکم اس کے) بعد (والے بیت) میں ہو تو اس کو (بھی) قید (اصطلاح سابق یا لاحق) کے ساتھ کھینچ لو درانحالیکہ وہ تسہیل کیا گیا ہو (یعنی دونوں اصطلاحوں میں سے کسی ایک پر عمل کرنے سے مطلب آسانی سے سمجھ میں آجائے گا کیونکہ جب اصطلاح سابق سے جو خطبہ میں بیان کی گئی ہے یہ معلوم ہو گیا کہ ادغام کی ضد اظہار ہے یا اس کا عکس اور اصطلاح لاحق جس کو آئندہ بیان کیا ہے خوب سمجھ میں آجائے گی تو پھر کوئی اشکال باقی نہیں رہے گا اور مسئلہ بخوبی سمجھ میں آجائے گا۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ میں اولاً ایک شعر میں مثلاً اذ کو بیان کروں گا اور اس کے بعد ہی اس شعر میں اس کے ان کلمات کا ذکر کروں گا جن کے اوائل حروف میں اذ کی ذال مدغم یا مظہر ہوتی ہے جس طرح کہ شفا لم تضق الخ میں اوپر گذر چکا ہے پھر اس کے بعد دوسرے شعر میں رموز بیت یعنی قراء کے مذاہب اس قید اور ضابطہ کے موافق بیان کروں گا جس کو خطبہ میں اوپر بتلا چکا ہوں یا جو اگلے بیت میں بیان کروں گا۔

سَأُسْمِي وَبَعْدَ الْوَاوِ تَسْمُوْ حُرُوْفُ مَنْ
تَسَمّٰى عَلٰى سِيْمَا تَرُوْقُ مُقَبَّلَا

ش: **قوله**: سَاُسمِي ای ساذکر اور اس کا مفعول مقدر ہے ای قراءَ ہ اور **قوله**: بعد الواو ترکیب میں **قوله**: تسمو بمعنی تعلو کا ظرف ہے اور **قوله**: من تسمى بصیغہ معروف موصول صلہ ہے ای الذی قبل التسمِيَةَ عِنْدَ الرَّمْزِ اور **قوله**: علىٰ سيما ای علامة متعلق تسمىٰ کے ہے یا بقول ابوشامہ اذکر مقدر کے متعلق ہے اور **قوله**: تروق ای تَصفُو وتعجبُ اس کی صفت ہے اور **قوله**: مُقَبَّلا اسم مفعول حال یا تمیز ہے ای موضع تقبیل کنایة عن الکلام بذکر المحل وارادة الحال واللہ اعلم (قاری)

ترجمہ: بیان کروں گا میں (اولاً اس کے قراء کو رمزاً پھر واؤ فاصل لاؤں گا) اور بعد واؤ کے بلند ہوں گے حروف اس شخص (قاری) کے جس نے (رمز کے ذریعہ) نام پایا ہے ایسی علامت (اور ایسے طریقے) پر

جو بوسہ اور چوم لینے کی جگہ کے اعتبار سے صاف اور عجیب ہوگا (یعنی تم یہ خیال نہ کرنا کہ اس نئی اصطلاح کے سبب سمجھنے میں کوئی دقت ہوگی کیونکہ یہاں ضرورت کی بناء پر ایک مزید واؤ فاصل لانے کی حاجت پیش آگئی ہے لیکن اس پر بھی ہم اس باب میں قراء کے اختلافات کونہایت ہی خوبی اور عمدگی کے ساتھ بیان کریں گے جس سے مطلب آسانی سے سمجھ میں آجائے گا۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ بیت اذ کے بعد دوسرے بیت میں اولاً ان قراء کو جن کے لیے بعض حروف سے پہلے اظہار اور بعض میں ادغام ہے رمزاً بیان کروں گا اس کے بعد واؤلاؤں گا تا کہ اس کے سبب سے قراء کی رموز اور ادغام یا اظہار کے حروف میں جدائی ہوجائے اس کے بعد وہ حروف ذکر کئے جائیں گے جن سے پہلے ان قراء نے جو واؤ سے قبل بیان ہو چکے ہیں اظہار یا ادغام کیا ہے اور یہ سب ایسے عمدہ طریقے سے بیان کئے جائیں گے کہ جس سے مطلب بخوبی واضح ہوجائے گا۔

تنبیہ: یادرکھو کہ واؤ فاصل اس وقت لایا جائے گا جبکہ قاری کو رمزاً ذکر کریں گے لیکن جہاں کہیں قاری کا نام صراحۃً ذکر کیا جائے گا وہاں واؤ فاصل نہیں لایا جائے گا کیونکہ اس صورت میں جو حروف نام کے بعد ذکر کئے جائیں گے وہ وہی حروف سمجھے جائیں گے کہ جن میں اس (قاری) نے ادغام یا (ان سے قبل اظہار) کیا ہے اس وقت ان میں رمز بننے کا کوئی احتمال نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ ناظمؒ کا یہ دستور ہے کہ جب کسی مسئلہ میں قاری کے نام کو صراحۃً ذکر کرتے ہیں تو اس مسئلہ کے ختم ہونے تک رمز بالکل نہیں لاتے البتہ جب مسئلہ ختم ہوجائے گا تب ایک واؤ فاصل اور لایا جائے گا بشرطیکہ دو مسئلوں کے ملا دینے سے التباس لازم آتا ہو ورنہ واؤ فاصل نہیں لایا جائے گا اور ایسا ہر جگہ ہوگا جیسا کہ خطبہ میں اس کا پورا حال معلوم ہو چکا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ جن قراء کے لیے بعض حروف میں ادغام اور بعض حروف سے پہلے اظہار ہے جب ان قراء کے ناموں کے بجائے رمز لائیں گے تو وہاں دو واؤ فاصل آئیں گے ان میں سے ایک تو قاری کی رمز اور اس کے حروف ادغام یا اظہار کے درمیان جدائی کرنے کے لیے ہوگا اور دوسرا وہ ہوگا جو مسئلہ کے ختم ہونے پر التباس کے موقعہ پر ہر جگہ آیا کرتا ہے۔ اب رہا یہ کہ باقی قراء کے لیے اظہار ہوگا یا ادغام یہ ضد سے خود بخود سمجھ میں آجائے گا اس لیے کہ اگر ناظمؒ نے اظہار والوں کا ذکر کیا ہے تو باقی کے لیے ان حروف میں ادغام ہوگا اور اگر ادغام والوں کو بیان کیا ہے تو باقی کے لیے ان حروف سے پہلے اظہار ہوگا عام اس سے کہ اظہار کرنے والے تمام حروف سے پہلے اظہار کرتے ہوں یا بعض حروف سے پہلے اسی طرح ادغام کرنے والے تمام حروف میں ادغام کرتے ہوں یا بعض حروف میں پس یہی باقی کے لیے سمجھا جائے گا یعنی اگر مذکورین کے لیے سب حروف سے پہلے

اظہار کیا گیا ہے تو غیر مذکورین کے لیے سب حروف میں ادغام ہوگا اور اگر مذکورین کے لیے بعض حروف سے پہلے اظہار ہے تو باقی کے لیے ان میں ادغام ہوگا و برعکس اس کو سمجھ لو۔

وَفِیْ دَالِ قَدْ اَیْضًا وَتَاءِ مُؤَنَّثٍ
وَفِیْ هَلْ وَبَلْ فَاحْتَلْ بِذِهْنِکَ اُحْیَلاَ

ش: قولہ: وفی دال قد متعلق محذوف کے ہے ای افعل مثل ذلک فی دال قد اور **قولہ**: ایضاً حال ہے ای راجعاً اور **قولہ**: تاء مؤنث وما بعدہ کا عطف قد کی دال پر ہے **قولہ**: فاحتل یا تو طلب الحیلۃ سے ہے یا قبول الحوالۃ سے اور **قولہ**: بذھنک ای بفھمک احیلا بالف الطلاق من الحیلۃ ترکیب میں فاعل سے حال ہے یقال رجل احیل ای صادق الحیلۃ

ترجمہ: اور (میں) قد کی دال اور تانیث کی تا اور ھل وبل (کے لام) میں بھی (ایسا ہی کروں گا جیسا کہ میں نے اذ میں بیان کیا ہے یعنی ایک بیت میں تو ان کو اور ان کے حروف کو لاؤں گا اس کے بعد دوسرے بیت میں ان کا حکم اظہار یا ادغام بیان کروں گا غرضیکہ اذ کے متعلق جو اصطلاح اوپر بیان کی گئی ہے وہ ہی ان میں جاری ہوگی اور اسی اصطلاح کے موافق یہ بھی بیان کیے جائیں گے) پس تم اپنی فہم اور سمجھ کے ساتھ (ان کے سمجھنے اور مقصد حاصل کرنے کے لیے) حیلہ کرو درانحالیکہ تم صادق الحلیہ (سچے مدبر اور نہایت ہی سمجھ دار) ہو۔

ذکر ذالِ إذ ﴿۳﴾

نَعَمْ إِذْ تَمَشَّتْ زَیْنَبٌ صَالَ دَلُّهَا
سَمِیَّ جَمَالٍ وَاصِلاً مَنْ تَوَصَّلاَ

ش: قولہ: نعم سوال مقدر کا جواب ہے پس گویا کسی نے سوال کیا کہ آپ نے جو الفاظ اور ان کے حروف بیان کرنے کا وعدہ فرمایا تھا۔ وہ کہاں ہیں اس کے جواب میں فرمایا نعم ھو ھذا (ہاں وہ یہ ہیں) اور **قولہ**: اذ مضاف ہے تمشت کی طرف اور **قولہ**: زینب جنت کی عورتوں میں سے ایک عورت کا نام ہے اور **قولہ**: صال دلھا ای استطال دلالھا جملہ فعلیہ مظروف اذ ہے اور اصل استطالت ہی ہے اور اسناد الی الدل تعظیما ہے اور نیز اس لیے تا کہ اس کے ناز کی کثرت ظاہر ہو جائے **قولہ**: سمی جمال ای رفیع حسن ترتیب میں یہ اور **قولہ**: واصلا ای مواصلا دونوں فاعل سے حال ہیں اور **قولہ**: من توصلا صلہ وموصول ترکیب میں واصلا کا مفعول ہے۔

ترجمہ: ہاں میں نے جن الفاظ اور حروف کے بیان کرنے کا وعدہ کیا تھا ان میں ایک اذ ہے اور اس کے وہ حروف جن میں اس کی ذال مدغم یا مظہر ہوتی ہے تمشت سے جمال تک چھ کلمات کے اوائل یعنی شروع کے حروف ہیں اور واصلا میں جو واؤ ہے وہ فصل کا ہے اور معنی ان کلمات کے یہ ہیں)

جب چلی زینب تو اس کا ناز زیادہ ہوا (یعنی اس نے چلتے وقت اپنے عاشقوں کو ناز ونخرہ زیادہ دکھلایا تا کہ اس کے اور بھی گرویدہ اور اس کی ملاقات کے مشتاق ہو جائیں) درانحالیکہ وہ (ناز) بڑا ہی حسین اور اس شخص (عاشق) کو ملا دینے والا ہے کہ جو (اس محبوبہ سے) ملنے کا ارادہ کرے اور اس کے وصل کا خواہاں ہو۔

فَإِظْهَارُهَا أَجْرِىٰ دَوَامَ نَسِيمِهَا
وَأَظْهَرَ رَيًّا قَوْلِهٖ وَاصِفٌ جَلَا

ش: قوله: فاظهارها مبتدا اور ضمیر ہا کا مرجع مراد اذ کی ذال اور ظاہر از زینب ہے اور **قوله**: اجری کی ضمیر اظہار کی طرف راجع ہے۔ اور **قوله**: ریًّا ای طیب کلامه ترکیب میں **قوله**: اظهر کا مفعول ہے اور ریّا بالقصر کے اصل معنی الرائحه الطیّبه یعنی عمدہ خوشبو کے ہیں اور **قوله**: کی ضمیر کا مرجع واصف ہے جو بوجہ فاعل رتبۃ مقدم ہے اور واصف کے لغوی معنی ذاکر الصفات کے ہیں اور **قوله**: جلا بمعنی کشف اس کی صفت ہے۔

ترجمہ: پس اذ کی ذال کا اظہار ان چھ حروف مذکورہ سے پہلے صاحب ہمزہ اجریٰ و دال دوام، ونون نسیمها نافع وابن کثیر اور عاصم کے لیے ہے اور واظہر کا واؤ فاصل ہے اور صاحب راء ریّا وقاف **قوله**: کسائی اور خلاد نے صرف جیم سے پہلے اظہار اور باقی پانچ حروف میں ادغام کیا ہے اور واصف میں جو واؤ ہے وہ فصل کا ہے معنی ظاہری اس بیت کے یہ ہیں کہ اس (زینب) کے عمدہ اور بہترین حسن و جمال کے) اظہار نے جاری کر دیا ہے اس کی ہمیشہ رہنے والی عمدہ نرم ہوا (اثر) کو (یعنی اس محبوبہ کے بہترین اور حسن و جمال کے اظہار نے اس کے عاشقوں کے دلوں میں اس قدر اثر پیدا کر دیا کہ وہ مثل نسیم دائمی کے ہمیشہ کے لیے اس کے گرویدہ اور شیدائی بن گئے) اور اس مدح نے اپنے کلام کی عمدہ خوشبو کو ظاہر کر دیا جس نے (اس کے بہترین (اوصاف) کو ظاہر اور بیان کیا ہے (یعنی اس تعریف کرنے والے کا کلام بھی اس محبوبہ کے اوصاف بیان کرنے سے عمدہ اور خوشگوار ہو گیا جس کے سننے سے لذت محسوس ہوتی ہے اور اسکے عاشقوں کے دلوں میں ایک خاص اثر پیدا ہو جاتا ہے)

وَأَدْغَمَ ضَنْكًا وَاصِلٌ تُومَ دُرِّهِ
وَأَدْغَمَ مُوْلٍ وُجْدُهُ دَائِمٌ وِلَا

ش: **قولہ**: ضنکا ای ضیقًا ترکیب میں ادغم کا مفعول ہے اور قولہ واصل فاعل ہے اور **قولہ**: **توم درہ** ترکیب میں واصلٌ کا مفعول ہے اور توم جمع تؤمئۃ کی ہے تومۃ چاندی کے اس ریزے کو کہتے ہیں کہ جو موتی کی طرح گول ہوتا ہے اور اس کی اضافت در کی طرف مصاحبت کی وجہ سے ہے کیونکہ لڑی میں چاندی کے دانوں کے ساتھ موتی ہوتے ہیں **قولہ**: مولیٰ فاعل ادغم اور **قولہ**: وجدہ میں روایۃً واؤ کا ضمہ ہے اور کسرہ بھی جائز ہے ومنہ روایۃ روح عن یعقوب من وجد کم بالکسر اور لغۃً اس میں فتحہ درست ہے (قاری) وجد کے معنی غنی کے ہیں اور یہ ترکیب میں مبتدا مضاف ہے اور ضمیر (ہ) کا مرجع مولیٰ ہے اور **قولہ**: دائم اس کی خبر ہے اور **قولہ**: **ولا بالکسر** متابعۃً تمیز ہے اور اس میں قصر وقفًا ہے ضرورۃً نہیں پھر جملہ مولی کی صفت ہے ابو شامہ فرماتے ہیں کہ اگر ولا بفتح الواؤ ہو تو یہ اس وقت درستی کے معنی میں ہو کر دوسرے ادغم کا مفعول ہو جائے گا اور جس طرح پہلے ادغم کا مفعول مذکور ہے اسی طرح اس کا بھی مفعول مذکور ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: یعنی صاحب ضاد ضنکا خلف نے اذ کی ذال کا حرف تاء و دال میں جو توم درہ کے شروع میں ہیں ادغام کیا ہے باقی چار حرف سے پہلے اظہار اور واصل میں واؤ فصل کا ہے اور صاحب میم مولیٰ ابن ذکوان نے صرف دال میں جو دائم کے شروع میں ہے ادغام اور باقی پانچ حروف سے پہلے اظہار کیا وجدہ اور ولا کا جو واؤ ہے وہ فصل کا ہے اس بیت کے ظاہری معنی یہ ہیں) اور چھپالیا (اپنے قلب کی تنگی کو اپنے موتی کی طرح چاندی کو گول دانوں کے ملانے اور پرونے والے نے (یعنی اس محبّ نے جو برابر ہمیشہ اپنے محبوب کی تعریف میں لگا ہوا ہے) اور اس بندہ (عاشق) نے بھی (اپنے عشق ومحبت کو) چھپالیا جس کی غنا باعتبار متابعت کے دائمی ہے۔

ذِكْرُ دَالِ قَدْ ﴿٤﴾

وَقَدْ سَحَبَتْ ذَيْلًا ضَفَا ظَلَّ زَرْنَبٌ
جَلَتْهُ صَبَاهُ شَائِقًا وَمُعَلِّلَا

ش: **قولہ**: سحبت واؤ استینافیہ یا تمشت سے حالیہ ہے اور سحبت بمعنی جرت کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع زینب ہے اور **قولہ**: ضفا بمعنی طال ترکیب میں **قولہ**: ذیلا کی صفت ہے اور **قولہ**:

ظل بمعنی دام جملہ مستانفہ ہے اور **قولہ**: زرنب جو ایک عمدہ اور خوشبودار گھاس ہوتی ہے اپنی صفت سے مل کر اس کا اسم اور **قولہ**: شائقا معللا معطوف و معطوف علیہ اس کی خبر ہے اور **قولہ**: جلتہ ای کشفتہ کو جو مؤنث ذکر کیا ہے وہ اس لیے کہ اس کا فاعل صباہ بھی مؤنث ہے اور صبا اس ہوا کو کہتے ہیں جو مشرق سے چلتی ہے یہ نام اس کا اس لیے ہے کہ یہ کعبہ کی طرف چلتی اور اس کی طرف مائل ہوتی ہے شائقاً یہ شاقنی حبّہا ھا جنی کشوقنی سے ہے اور اس کا حاصل مشتاقاً ہے اور معللا عَلَّلَ سے یا تو معنی میں سعی مرۃً بعد اخریٰ کے ہے ای مرویا یا بمعنی مُلْھِیًا عن غیرہ کے ہے یقال عللہ بالشیٔ اذا الھا ہ بہ.

ترجمہ: (یعنی قد کی دال جن حروف میں مدغم و مظہر ہوتی ہے وہ آٹھ ہیں جو اس بیت کے آٹھ کلمات سحبت سے شائقا تک کے کلمات کے شروع میں ہیں اور ومعللا سے پہلے جو واؤ ہے وہ فصل کا ہے معنی ظاہری اس بیت کے یہ ہیں) اور زینب نے (ناز سے چلتے وقت اپنے) دامن طویل کو کھینچا زرنب جس کی خوشبو) کو اس (دامن) کی ہوا نے ظاہر کیا ہے ہمیشہ (عاشق کو) مشتاق اور سیراب کرنے والی (یا دوسروں سے غافل بنا دینے والی ہے) یعنی جب یہ عاشق زرنب کی خوشبو کو جس کو محبوبہ کے دامن کی ہوا نے ظاہر کیا ہے سونگھتا ہے تو اس محبوبہ کی یاد اور بھی تازہ ہوتی ہے اور پہلے سے زیادہ اس کے وصل کا مشتاق ہو جاتا ہے اور اس سے اس کو تسکین بھی ہو جاتی ہے یا پھر ہر شی سے غافل ہو کر ہمہ تن اسی کی طرف متوجہ ہو جاتا ہے یا یہ معنیٰ کہ جب یہ عاشق زرنب کی خوشبو کو جو محبوبہ ہی کے دامن کی ہوا سے پیدا ہوئی ہے سونگھتا ہے تو اس سے محبوبہ کی یاد اور بھی تازہ ہو جاتی ہے اور یہ اس کو اس کے وصل کا پہلے سے زیادہ مشتاق بنا دیتی ہے اور چونکہ اس کی خوشبو محبوبہ ہی کے دامن کی خوشبو سے ظاہر ہوتی ہے اس لیے یہ اس کو سیراب کر دیتی اور تسکین دیدیتی ہے یا وہ اس کو ایسا غافل اور بے خود بنا دیتی ہے جس سے وہ کسی دوسری طرف متوجہ نہیں ہوتا۔ اور ہمہ تن اسی کا گرویدہ بن جاتا ہے۔

فَأَظْهَرَهَا نَجْمٌ بَدَا دَلَّ وَاضِحًا
وَأَدْغَمَ وَرْشٌ ضَرَّ ظَمْآنَ وَامْتَلَا

ش: **قولہ**: فاظھر ھا فا عاطفہ ہے اور ضمیر ھا کا مرجع لفظاً قد کی دال اور معنیً زینب ہے **قولہ**: بدا بالالف بدا یبدو سے معتل لام ہے بمعنی ظھر مھموز اللام نہیں ہے **قولہ**: دلّ من الدلالۃ ای عرف جملہ مستانفہ ہے اور اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع نجم ہے **قولہ**: واضحاً ای ظاھرا حال ہے

اور **قولہ**: ورش اس کے لغوی معنی تناول کے ہیں اور یہ حقیقت میں راوی کا نام ہے **قولہ**: ضر رواۃ بالضم ہے **قولہ**: ظمان ای عطشان مجرور بالاضافت ہے اور وصف والف نون زائدتان کی بناپر غیر منصرف ہے اور **قولہ**: و امتلا مہموز مغیر وقفاً کا عطف فعل مقدر پر ہے ای شرب وارتوی شعلہ کے نزدیک اس کا عطف ادغم پر ہے وھو قریب المبنی غریب المعنی کما لا یخفیٰ۔ (قاری)

ترجمہ: (یعنی صاحب نون نجم و باء بداو دال دلّ عاصم وقالون وابن کثیر نے ان آٹھ حروف مذکورہ سے پہلے قد کی دال کا اظہار کیا ہے اور و اضحا و ادغم کا واؤ فاصل ہے اور ورش نے صرف ضاد وظاء میں جو ضرّ ظمآن کے شروع میں ہیں ادغام باقی چھ حرفوں سے قبل اظہار کیا ہے اور و امتلا کا واؤ فصل کا ہے۔ ظاہری معنی اس بیت کے یہ ہیں) پس اس (زینب کے حسن و جمال) کو ایسے روشن ستارہ عالم) نے ظاہر کیا ہے جو اس کی آمد سے پہلے ظاہر اور طلوع ہوا ہے اس روشن ستارہ عالم نے ظاہر ہو کر اس کی پہچان کرائی ہے (کہ وہ ایسی اور ایسی ہے) اور تناول (وصل زینب) نے (اس محبوبہ کے) پیاسے (عاشق) کی تکلیف کو چھپالیا (یعنی اس نے جب اس کو حاصل کرلیا) اور سیراب ہو گیا تو اس کی پیاس بجھ گئی اور تمام تکلیفیں دور ہو گئیں اور اس کا منظر اچھا ہو گیا۔

وَأَدْغَمَ مُرْوٍ وَّاكِفٌ ضَيْرَ ذَابِلٍ
زَوَىٰ ظِلَّـهُ وَغْرٌ تَسَدَّاهُ كَلْكَلَا

ش: **قولہ**: واکف من وکف سال ترکیب میں **قولہ**: مرو کی صفت ہے **قولہ**: ذابل بمعنی نحیف مجرور بالاضافت ہے اور **قولہ**: زوی معنی میں جمع کے ہے ومنه ما ورد زُويت فی الارض فَرَايتُ مشارقها ومغاربها ومنه الزواية التی تزوی الفقراء ان تجمعهم اور **قولہ**: ظلّہ ای خیاله اس کا مفعول ہے **قولہ**: وغر بقول ملا علی قاری وغیرہ اسم جنس ہے ای شدۃ توقد اسم جنس اور ابوشامہ کے نزدیک یہ وغرۃ کی جمع ہے ترکیب میں ذابل کی صفت ہے **قولہ**: تسداہ ای علاہ ترکیب میں وغر کی صفت ہے اور اس کی ضمیر (ہ) کا مرجع ذابل ہے **قولہ**: کلکلا اس کے معنی سینہ کے ہیں اور یہ تسداہ کی ضمیر ھا سے بدل البعض ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: (یعنی صاحب میم مرو ابن ذکوان نے قد کی دال کی ضاد وذال وزاء وظاء میں جو ضیر، ذابل، زوی، ظلہ کے اوائل میں مذکور ہیں ادغام کیا ہے لیکن ان کے لیے سورۂ ملک کے وَلَقَدْ زَيَّنَّا میں خلاف ہے

یعنی ادغام واظہار دونوں ہیں جیسا کہ آئندہ بیت میں بیان کیا ہے باقی اس کے علاوہ چار حرف جیم، سین شین، ضاد سے پہلے ان کے لیے صرف اظہار ہے واکفّ و وغر کا واؤ فاصل ہے معنی ظاہری اس بیت کے یہ ہیں) اور سیراب کرنے بہنے والے وصل زینب) نے اس (محبّ) نحیف کے ضرر وتکلیف) کو چھپالیا جس کے خیال کو (شوق کی) ایسی شدید بھڑکتی ہوئی کثیر حرارت نے جمع کیا تھا جو اس کے سینہ پر بلند (اور سوار) ہوگئی تھی (یعنی اس محبوبہ کی محبت میں جس عاشق کو اس کے دل کی شدید حرارت اور سوزش نے لاغر اور نحیف بنادیا تھا اور جو ہمہ تن اسی کی طرف متوجہ ہوگیا تھا اور ہمیشہ اسی کے خیال میں رہتا تھا اس کی ان تمام تکالیف کو اس پے درپے سیراب کرنے اور حاصل ہونے والے وصل زینب نے دور کردیا)

وَفِیْ حَـــرْفِ زَیَّنَا خِلَافٌ وَمُظْهِرٌ
هِشَامٌ بِصَادٍ حَـــرْفُـــهُ مُتَحَمَّلَا

ش: قوله: خلاف. مبتدا مؤخر اور اس کا ماقبل اس کی خبر ہے و کذا ومظهر وهشام اور **قوله**: حرفه کی ضمیر کا مرجع ہشام ہے کیونکہ اس ایک کلمہ میں قد کا دال کا اظہار کرنا صرف ان ہی ہشام کے لیے مخصوص ہے۔ **قوله**: متحملا اسم فاعل ای ناقلا ترکیب میں فاعل سے حال ہے۔

ترجمہ: اور (ولقد) زَیَّنَا (سورہ ملک کے لفظ میں (ان ہی ابن ذکوان کے لیے) خلاف ہے (یعنی اظہار وادغام دونوں ہیں) اور ہشام اظہار سے پڑھتے تھے اپنے ایک لفظ (ولقد ظلمک) کو (سورۃ) صاد میں درانحالیکہ وہ (اپنے اساتذہ سے) نقل (بھی کرنے والے ہیں (یعنی وہ اپنے اساتذہ سے نقل کرتے ہوئے سورہ صاد کے ولقد ظلمک میں دال کا ظاء سے پہلے اظہار کرتے تھے۔

ذکر تاء التأنیث ﴿٤﴾

وَأَبْدَتْ سَنَا ثَغْرٍ صَفَتْ زُرْقُ ظَلْمِهِ
جَمَعْنَ وُرُوْدًا بَارِدًا عَطِرَ الطَّـــلَا

ش: قوله: وابدت بمعنی اظهرت کا واؤ استینافیہ یا حالیہ ہے ای تمشت زینت متبسمة **قوله**: ثغر بمعنی مقدم الاسنان مجرور بالاضافت ہے **قوله**: زرق جمع ازراق کی ہے بمعنی الماء الصافی **قوله**: ظلمه. بفتح الاول کے معنی ماء الاسنان وریقها کے ہیں اور اس کی ضمیر کا مرجع ثغر

ہے **قولہ**: وروداً مصدر ورد الماء ای اتاہ ترکیب میں **قولہ**: جَمَعْنَ کا مفعول ہے ومنہ **قولہ**: تعالیٰ ولما ورد ماء مدین **قولہ**: عطر الطلا باب حسن الوجہ سے ہے اور الطلاء کے معنی ما یطلی بہ ویستشفی بسببہ کے ہیں۔

ترجمہ: (یعنی تاء تانیث جن حروف میں مدغم ومظہر ہوتی ہے وہ چھ حروف ہیں جو سنا سے جمعن تک چھ کلموں کے شروع میں ہیں اور وروداً کا واؤ فصل کا ہے اور اس بیت کے ظاہری معنی یہ ہیں۔ اور اس (زینب) نے چلتے وقت مسکراتے ہوئے اپنے) ان سامنے کے دانتوں کی چمک کو ظاہر کیا۔ جن کا لعاب صاف پانی (اور عمدہ ہے) ان ہی (صاف پانیوں) نے ایسے آنے والے (لعاب) کو جمع کیا ہے جو ٹھنڈا اور خوشبودار اور موجب شفاء ہے (یعنی اس محبوبہ کے حسین وجمیل ہونے کے علاوہ دانت بھی نہایت چمکدار ہیں اور ان کا لعاب بھی صاف وشفاف ٹھنڈا نہایت ہی خوشبودار اور حصول شفاء کے لیے بہترین اور عمدہ ہے)۔

فَــــإِظْهَــــارُهُ دُرٌّ نَمَتْــــهُ بُــــدُورُهُ
وَأَدْغَــــمَ وَرْشٌ ظَــــافِــــرًا وَمُخَوَّلَا

ش: **قولہ**: دُرٌّ کدرّ علیٰ حد زیدٌ اسدٌ ای کالاسد ویسمی تشبیہا بلیغا ویحتمل المبالغۃ کرجل عدل **قولہ**: نمتہ ای رفعتہ کی ضمیر (ہ) اور **قولہ**: بدورہ کی ضمیر (ہ) کا مرجع دُرٌّ ہے اور اس میں اضافت ادنیٰ ملابست کی بناء پر ہے۔ **قولہ**: ادغم الخ جملہ فعلیہ کا عطف جملہ اسمیہ پر ہے **قولہ**: ظافرا ای فائزا اور **قولہ**: مخوّلا بکسر الواو ای مملکا دونوں فاعل سے حال ہیں۔

ترجمہ: (یعنی تاء تانیث کا ان چھ حروف مذکورہ سے پہلے صاحب دال دُرٌّ ونون نمتہ وباء بدورہ ابن کثیر وعاصم وقالون نے اظہار کیا ہے اور وادغم میں جو واؤ ہے وہ فصل کا ہے اور ورش نے صرف ظا میں جو کلمہ ظافرا کے شروع میں ہے اس تاء تانیث کا ادغام کیا ہے باقی پانچ حروف سے پہلے ان کے لیے اس میں اظہار ہے اور واؤ ومخولا) فصل کا ہے ظاہری معنی اس بیت کے یہ ہیں) کہ پس اس (زینب کے دانتوں) کا اظہار (صاف اور چمکدار ہونے میں ایسے) موتی (کی طرح) ہے جس (کی صفائی) کو اس کے کامل بدور (اشخاص نے) بلند اور مشہور کیا ہے اور ورش (یعنی ہم وصل ہونے والے عاشق) نے (ان لطائف واسرار کو غیروں سے) چھپالیا (جو اس کو حاصل ہوتے تھے) درانحالیکہ وہ (اس میں) کامیاب ہونے والا اور (اپنی محبوبہ کو اپنے نفس کا (مالک بنادینے والا ہے۔

وَأَظْهَرَ كَهْفٌ وَافِرٌ سَيْبُ جُودِهِ
زَكِيٌّ وَفِيٌّ عُصْرَةً وَمُحَلَّلَا

ش: **قوله**: اظهر كهف ای قوی مالک لنفسه نافع لغیره جملہ فعلیہ ہے اور اس کا عطف وادغم الخ پر ہے **قوله**: وافر اسم فاعل وفر بمعنی کثر سے ہے **قوله**: سیب جودہ ای عطاء کرمہ ترکیب میں وافر کا فاعل ہے اور یہ نیز ایسے ہی **قوله**: زکی بمعنی طهور نقی اور **قوله**: وفی ای صادق الوعد سب کہف کی صفت ہیں **قوله**: عصرة بالضم کے معنی ملجا لعباد الله کے ہیں اور **قوله**: محللا بفتح اللام معنی میں کثیر الحلول بمنزلۃ کے ہے ترکیب میں یہ دونوں کہف سے حال ہیں اور گو یہ نکرہ ہیں لیکن اس سے ان دونوں کو حال بنانا قافیہ کی وجہ سے ہے اگر یہ مجبوری نہ ہوتی تو یہ دونوں بھی اس کی صفت ہونے کی بنا پر مرفوع ہوتے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: یعنی صاحب کاف ابن عامر نے تانیث کی تاء کا سین وجیم وزاء سے پہلے جو سیب جودہ زکی کے شروع کے حروف ہیں اظہار کیا ہے اور وافر کا واؤ فصل کا ہے۔ اسی طرح وفی کا واؤ بھی فصل کا ہے جو حروف اظہار کے ختم ہونے کو ظاہر کر رہا ہے (ظاہری معنی اس بیت کے یہ ہیں) اور ایسے (عالم) قوی مالک لنفسہ لغیرہ نے (زینب کے حال کو) ظاہر کیا ہے جس کے کرم کی عطا کثیر ہے جو (گناہوں سے) پاک صاف (اور) وعدہ کا سچا ہے درانحالیکہ وہ (بندگانِ خدا وطلبہ کے لیے) جائے پناہ اور (مہمانوں کے لیے کثرت سے) نازل ہونے (اور ٹھہرنے کی جگہ ہے (یعنی حق تعالیٰ کے بندے اور علم کے طلباء کثرت سے ارادہ کر کے اس کے پاس آتے ہیں اور ٹھہرتے ہیں)۔

وَأَظْهَرَ رَاوِيهِ هِشَامٌ لَهُدِّمَتْ
وَفِي وَجَبَتْ خُلْفُ ابْنِ ذَكْوَانَ يُفْتَلَا

ش: **قوله**: راویہ بالا شباع کی ضمیر لفظاً ومعنیً کہف کے کاف کی طرف راجع ہے جس سے مراد ابن عامر ہے **قوله**: ہشام یا تو بدل یا عطف بیان ہے۔ **قوله**: یفتلا بصیغة المجهول من فَلَيْتُ الشِّعْرَ اذا تدبّرته جملہ مستانفہ یا حالیہ ہے۔

ترجمہ: اور اظہار کیا ہے اس (ابن عامر) کے راوی ہشام نے لَهُدِّمَتْ (کی تاء) کا صوامع کے صاد سے پہلے سورہ حج میں) اور وَجَبَتْ (جنوبها) میں ابن ذکوان کا خلاف ہے درانحالیکہ یہ غور وتدبر سے دیکھا جاتا ہے (یعنی اس میں ابن ذکوان کے لیے ادغام نکلتا ہے اس کے متعلق بحث کی جاتی ہے کہ آیا یہ صحیح ہے یا نہیں کیونکہ نہ تو

یہ مشہور ہے اور نہ علامہ دانی نے اس کو تیسیر میں بیان کیا ہے پس یفتلا سے اس کی طرف اشارہ ہے کہ وجبت جنوبھا میں جیم سے پہلے تاء تانیث کا ابن ذکوان کے لیے اظہار ہی ہے اور یہی مشہور اور اولیٰ ہے اگرچہ ادغام بھی منقول ہے مگر وہ صحیح نہیں ہے۔ بلکہ قابل تدبر اور غور طلب ہے۔

ذکر لام هَلْ وَبَلْ ﴿٤﴾

اَلا بَلْ وَهَلْ تَرْوِی ثَنَا ظَعْنِ زَيْنَبٍ
سَمِيرَ نَوَاهَا طِلْحَ ضُرٍّ وَمُبْتَلا

ش: **قوله**: الابل وهل الخ الاَحرفِ تنبیہ ہے جو شروع کلام میں آیا کرتا ہے اور بل انتقال کے لیے اور ہل استفہام کے لیے آتا ہے **قوله** ثنا بمعنی صرف جعبری کے قول پر قولی مقدر کا مقولہ ہے جو تروی کا مفعول ہے اور ملا علی قاری کے نزدیک یہ بنا بر مفعولیت محلاً منصوب ہے پس ان کی رائے میں یہ خود تروی کا مفعول ہے **قوله**: ظعن زینب ای رحیلھا ترکیب میں ثنا کا فاعل ہے اور **قوله**: سمیر نواھا مفعول ہے سمیر کے معنیٰ سامر (المحدث باللیل) اور مسافر ومعاشرے کے ہیں اس میں اضافت ادنیٰ ملابست کی بناء پر ہے ای المحدث باللیل فی نواھا **قوله**: طلح بکسر اوله وفتحه والکسر هو الروایة کے معنیٰ عیی یعنی تھکے ہوئے کے ہیں ترکیب میں مفعول سے حال ہے اور اس کی اضافت جو ضر کی طرف کی گئی ہے وہ اس لیے کہ ضرّ اس کا سبب ہے اور اگر ثنا متضمن بمعنی صیّر ہے تو اس کا دوسرا مفعول ہوگا۔ **قوله**: مبتلا ای مختبرا بمعنی مکلّفا ہے۔

ترجمہ: یعنی ہل وبل کے لام کا مجموعی طور پر جن حرفوں میں ادغام واظہار ہوتا ہے وہ آٹھ حروف ہیں جو تروی سے ضرّ تک کلمات کے شروع میں مذکور ہیں اور مبتلا کا واؤ فصل کا ہے معنی ان کلمات کہ یہ ہیں) خبردار بلکہ اور کیا تم (میرے اس قول کو) بیان کرو گے کہ زینب کے کوچ نے اس کے شب فراق کے قصہ گو کو (قصہ گوئی کی طرف پھر) لوٹا دیا ہے درانحالیکہ وہ درماندہ ضرر اور (طریق محبت میں مشاق بلا کا مکلّف ہے)

فَأَدْغَمَهَا رَاوٍ وَأَدْغَمَ فَاضِلٌ
وَقُورٌ ثَنَاهُ سَرَّ تَيْمًا وَقَدْ حَلا

ش: قولہ: فَاَدْغَمَهَا راوٍ جملہ فعلیہ ہے اور ضمیر ھا کا مرجع ظاہراً لام ہل اور بل اور باطناً کلمات ہیں۔ **قولہ**: وادغم فاضل دوسرا جملہ فعلیہ ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے ای ادغمھا فی المبنی وستر حالہ فی المعنی. **قولہ**: ثناہ بالاشباع ای مدحہ مصدر مبتدا اور مفعول کی طرف مضاف ہے **قولہ**: سرّ بمعنی فرّح مشدداً خبر ہے **قولہ**: تیما یہ ایک قبیلہ ہے جس کی طرف امام حمزہ منسوب ہیں یا یہ تیمہ اَلْحُبُ اذا عَبَدَہ وَعشقہ وَقیّدہ سے ہے **قولہ**: حلاالمدح والادغام جملہ فعلیہ مستانفہ ہے یا سرّ کے فاعل سے حال ہے۔

ترجمہ: (یعنی صاحب راء راوِ کسائی نے لام ہل وبل کا آٹھ حروف مذکورہ میں ادغام کیا ہے اور واوادغم کا واؤ فاصل ہے جو مسئلہ کے تمام ہونے کو بتلا رہا ہے۔ اور صاحب فاء فاضل حمزہ نے ثاء وسین وتاء صرف ان تین حروف میں جو ثناہ سرّ تیما کے شروع کے ہیں ادغام کیا ہے باقی پانچ حروف سے پہلے اظہار اور وقورا ایسے ہی وقد حلا کا واؤ فصل کا ہے۔ پہلا واؤ رمز اور حروف ادغام میں جدائی کرنے کے لیے ہے اور دوسرا واؤ مسئلہ کے تمام ہونے پر دال ہے۔ اس بیت کے ظاہری معنی یہ ہیں) پس اس زینب کے کلمات) کو (اس کے) راوی (صفات) نے چھپالیا اور ایسے (عالم) فاضل ذی عزت نے بھی (اس کے کلمات کو چھپالیا جس کی مدح نے قبیلہ تیم کو (جو حمزہ کا قبیلہ ہے) مسرور کیا ہے اس حال میں کہ یہ (مدح شیریں (اور عمدہ) ہے۔

وَبَلْ فِي النِّسَا خَلَّادُهُمْ بِخِلَافِهِ
وَفِيْ هَلْ تَرَى الْإِدْغَامُ حُبَّ وَحُمِّلَا

ش: قولہ: بل فی النساء ای ادغم بل فی سورۃ النساء خلادھم بخلافہ قولہ حملا اکثر نسخوں میں حاء سے ہے اور بعض نسخوں میں جیم سے ہے جو زیّن کے معنی میں ہے۔

ترجمہ: اور بل (کے لام کا سورۃ) نساء (کے بل طبع اللہ) میں ان قراء) میں کے خلاد نے اپنے خلاف کے ساتھ (ادغام کیا) ہے (پس اس میں ان کے لیے اظہار وادغام دونوں وجہ ہیں) اور ہل تری (سورہ ملک والحاقہ) میں ادغام کرنا (صاحب حاء حب ابوعمرو کے لیے) پسند کیا گیا ہے اور نقل (بھی) کیا گیا ہے۔

وَأَظْهِرْ لَدَى وَاعٍ نَبِيْلٍ ضَمَانُهُ
وَفِي الرَّعْدِ هَلْ وَاسْتَوْفِ لَا زَاجِرًا هَلَا

ش: قولہ: اظہر فعل امر ہے اور اس کا عطف جملہ اسمیہ الادغام حبّ کے معنی پر ہے ذکرہ الجعبری اور ملا علی قاری کے نزدیک واؤ استینافیہ ہے یا ایک قاعدہ کا دوسرے قاعدہ پر عطف کے لیے ہے اور یہ بھی کچھ

بعید نہیں ہے کہ اس کا عطف ادغم ماضی پر ہو۔ **والمعنی فادغمها راوِ واظهر انت قوله**: **نبیل** ای جلیل صفت ہے اور **قوله**: **ضمانه ای التزامه** اس کا فاعل ہے۔ **قوله**: **لا زاجرًا** حال ہے اور **قوله**: **هلاای سهل باب الحذف والایصال** سے ہے ھلا ایک ایسا کلمہ ہے جس سے جانور وغیرہ کو جھڑکتے ہیں اور ڈانٹتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ترجمه: اورتم اظہار کرو (ہل وبل کے لام کا نون اور ضاد سے پہلے جو نبیل ضمانہ کے شروع میں ہیں) ایسے (علم قراءت کے) حافظ (قاری ہشام مرموز لام لدیٰ) کے لیے جس کا التزام بہت بڑا ہے اور (سورۃ) رعد میں **هل (تستوی الظلمات)** کے لام کا ان ہشام کے لیے اظہار کرو) اور تم (ان قواعد کو) بالاستیعاب (پوری طرح لے لو (اور یاد کرلو) اس حال میں کہ تم (کلمہ) ہلا کے ساتھ جھڑکنے (اور بُرا بھلا کہلانے) والے نہ ہو (یعنی تم ان کو بلا کسی کے کہنے سننے کے اپنے شوق سے حاصل کرو کیونکہ میں نے ان کو بہت ہی آسان اور خوب وضاحت سے بیان کردیا ہے جس کے سمجھنے میں کوئی دقت اور دشواری پیش نہیں آئے گی بلکہ بلا تکلیف اور دقت کے آسانی سے سمجھ میں آجائیں گے)

باب اتفاقهم فیْ ادغام اِذْوقَدْ وتاء التانیث وهل وبل ﴿۳﴾

یعنی یہ باب اذ وقد وتاء تانیث اور ہل وبل کے اس ادغام کے بیان میں ہے کہ جو متفق علیہ ہے اور گو یہاں اس باب کے بیان کرنے کی ضرورت نہ تھی کیونکہ اس قصیدہ میں مسائل مختلفہ ہی کے بیان کرنے کا التزام کیا گیا تھا نہ کہ متفقہ کا مگر چونکہ بعض حضرات نے ان میں سے بعض حروف میں اظہار بھی کیا ہے جو قراۃ شاذہ میں سے ہے اس لیے بطور تنبیہ کے اس متفق علیہ باب کو ذکر کردیا ہے اس کے علاوہ ناظمؒ کی یہ بھی عادت ہے کہ کہیں فائدہ کی تکمیل کی غرض سے اختلافی مسائل کے ساتھ اتفاقی مسائل کو بھی بیان کردیتے ہیں اور چونکہ مسائل مختلفہ کی بہ نسبت متفقہ زیادہ ہیں اس لیے ہر جگہ ایسا نہیں کیا تا کہ یہ قصیدہ طویل نہ ہوجائے بلکہ جہاں ضرورت سمجھتے ہیں وہیں بیان فرمادیتے ہیں۔

وَلَا خُلفَ فِی الْاِدْغَامِ اِذْ ذَلَّ ظَالِم
وَ قَدْ تَیَّمَتْ دَعْدٌ وَسِیمًا تَبَتَّلا

ش: قولہ: اذ ظرف ادغام اور **قولہ**: ذل کی طرف مضاف ہے جو مجرور بالاضافت ہے **قولہ**: قد تیمت الخ ای مرحنت من الحب جملہ فعلیہ ہے اور اس کا عطف اس سے پہلے جملہ اسمیہ پر ہے **قولہ**: دعد محبوبہ کا نام ہے جس سے جنت کی حور کی طرف اشارہ ہے۔ **قولہ**: وسیمًا ای حسناً عظیما اور **قولہ**: تبتلا بالف الاطلاق کے معنی انقطع کے ہیں ومنہ قولہ تعالیٰ ﴿وَتَبَتَّلْ اِلَيْهِ تَبْتِيْلًا﴾ ترکیب میں وسیما کی صفت ہے۔

ترجمہ: یعنی اذ کی ذال اور ظاء میں جو ذل ظالم کے شروع میں ہیں اور قد کی دال کا تاء اور دال میں جو تَيَّمتْ اور دعد کے اول کے حروف ہیں سب کے لیے بلا خلاف ادغام ہے اور وسیما کا واوٗ جو ہے وہ فصل کا ہے معنی ظاہری اس بیت کے یہ ہیں اور اخفاء (محبت) میں (ذرا بھی) خلاف نہیں بلکہ (بسبب اظہار اپنے نفس پر) ظلم کرنے والا (محبّ) ذلیل ہوجائے (یعنی اگر عشق ومحبت کے سبب جان جانے یا کسی نقصان کے پہنچنے کا خطرہ ہوتو ایسی صورت میں سب کا فیصلہ یہ ہے کہ حتی الامکان اس کو چھپایا جائے) اور (محبوبہ) دعد نے ایسے خوبصورت (اور حسین آدمی) کو (عشق کا) بیمار بنادیا جو (سب سے تعلق) منقطع (کرکے اسی کا) ہوگیا ہے۔

وَقَامَتْ تُرِيـــهِ دُمْيَةٌ طُيِّبَ وَصْفِهَا
وَقُـــلْ بَـلْ وَهَـــلْ رَاٰهَا لَّبِيْبٌ وَيَعْقِلَا

ش: قولہ: دمیۃ ہاتھی دانت وغیرہ کی ایک تصویر ہے جو عورت کے مشابہ ہوتی ہے اسی وجہ سے اس سے خوبصورت اور حسین عورت مراد لیتے ہیں اس کی فاعلیت میں قامت اور تریہ دونوں کا تنازع ہے **قولہ**: ویعقلا ہے۔

ترجمہ: (یعنی تاء تانیث ودال وطاء میں جو تریہ دمیۃ طیب کے شروع میں ہیں بلا خلاف ادغام ہے اور وصفہا کا واوٗ فاصل ہے اور ایسے ہی ھل وبل کے لام کا بھی راء اور لام میں جو راھا لبیبٌ کے شروع کے حروف ہیں) اور کھڑی ہوئی محبوبہ (مثل تصویر کے ایک اور دوسری محبوبہ (درانحالیکہ وہ اس (عاشق) کو اپنے وصف کی خوشبو (اور پاکیزگی) بھی دکھلائے اور تم کہہ دو بلکہ اور (اس کے ساتھ یہ بھی دریافت کرو کہ) کیا کسی عاقل نے اس (محبوبہ) کو دیکھا ہے اور پھر وہ (اپنی) عقل پر قائم رہا ہے (یعنی محبوبہ کے دیکھنے کے بعد اس کے ہوش وحواس بھی درست رہے ہوں ایسا نہیں ہوسکتا کیونکہ یہ دونوں باتیں ضدین کی طرح ہیں جن کا ایک جگہ جمع ہونا محال ہے لہٰذا ایسی صورت میں یہ ناممکن ہے کہ عاشق صادق اپنے محبوبہ کو دیکھے اور پھر اس کی عقل اور ہوش وحواس بھی قائم رہ سکیں۔

وَمَا أَوَّلُ الْمِثْلَيْنِ فِيهِ مُسَكَّنٌ
فَلَا بُدَّ مِنْ إِدْغَامِهِ مُتَمَثِّلَا

ش: قوله: وما الخ موصولہ اور اول المثلین فیہ مسکن جملہ اسمیہ صلہ ہے۔ **قوله:** متمثلا ای متشخصا ترکیب میں **قوله:** من ادغامه کی ہاء ضمیر سے حال ہے۔

ترجمہ: اور وہ لفظ کہ مثلین کا پہلا حرف اس میں ساکن ہو پس اس (پہلے حرف ساکن) کا ادغام (دوسرے حرف میں ہر جگہ کرنا) ضروری ہے درانحالیکہ یہ (ساکن حرف) متشخص ہو (یعنی اس کا مخرج متعین اور ظاہر ہو مقدر نہ ہو جیسا کہ حروف مدہ کہ ان میں کسی کے لیے بھی ادغام نہیں ہے جیسے قالوا وهم فی یوم وغیرہ کیونکہ ان میں ادغام کرنے سے حروف مدہ کی مدیت جو مستلزم بالذات ہے باقی نہیں رہے گی بلکہ صفت عارضہ (ادغام کی) وجہ سے معدوم ہو جائیگی اس لیے ان میں سب کے لیے اظہار ہی ہوگا اسی طرح مثلین کا وہ پہلا حرف ساکن منوی الوقف نہ ہو جیسے ہاء سکتہ کہ اس میں ان قراء کے لیے جو اس ہاء کو وصل وقف دونوں حالتوں میں ثابت رکھتے ہیں ادغام واظہار دونوں ہیں لیکن اظہار اولیٰ وارجح ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ حُرُوفٍ قَرُبَتْ مَخَارِجُهَا ﴿۹﴾

یعنی یہ باب ان حروف کے ادغام کے بیان میں ہے

جو قریب المخرج ہیں ناظمؒ نے اس باب کو باوجود اس کے کہ اس سے پہلے باب میں بھی حروف قریب المخرج ہی کے ادغام کا بیان تھا علیحدہ اس لیے بیان فرمایا کہ اس سے پہلے باب میں تو ان حروف کے ادغام کا بیان تھا جن کا کئی کئی حرفوں میں ادغام ہوا ہے اور اس باب میں ان حروف کے ادغام کا بیان ہے کہ جن کا صرف ایک یا دو حروف میں ادغام ہوتا ہے کیونکہ اس باب میں آٹھ حرفوں کا بیان ہے اس کے علاوہ یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ اس سے پہلا باب متقاربین ہی کے لیے مخصوص نہیں تھا بلکہ متقاربین و مثلین دونوں کو شامل تھا بخلاف اس باب کے کہ یہ متقاربین ہی کے لیے خاص ہے۔ لیکن ناظمؒ حروف کے بعد اُخر کا لفظ لے آتے اور یوں فرمادیتے باب ذکر حروف اُخر تو یہ زیادہ بہتر تھا اور اس سے یہ اشکال بھی رفع ہو جاتا کہ اس سے پہلے باب میں بھی حروف قریب المخرج کا بیان تھا اور اس باب میں بھی ان ہی کے ادغام کا بیان ہے تو اس باب کو علیحدہ ذکر کرنے کی کیا ضرورت تھی۔

وَإِدْغَامُ بَاءِ الْجَزْمِ فِي الْفَاءِ قَدْ رَسَا
حَمِيدًا وَخَيِّرْ فِي يَتُبْ قَاصِدًا وَلَا

ش: قوله: باء الجزم اس میں اضافت ادنی ملابست کی بناء پر ہے اور فی الفاء متعلق ادغام کے ہے جو مبتدا ہے اور **قوله**: قد رسا ای ثبت خبر ہے **قوله**: حمیداً ای محمودًا او حامدًا ترکیب میں قد رسا کے فاعل سے حال ہے **قوله**: ولا اصل میں وَلَاءً تھا۔ جعبری فرماتے ہیں کہ اس میں لغت رأیت زید کے موافق اولاً وقف بلا الف کے کیا گیا پھر بوجہ وزن ہمزہ کو حذف کر دیا لیکن جب کہ اس میں قصر حمزہ اور ہشام کی صحیح قرأت فی وقفھما علی الھمز کے موافق لغۃً ہے تو پھر ضرورت شعری پر محمول کرنے کی کیا حاجت ہے۔

ترجمه: اور ادغام کرنا جزم والی باء کا فاء میں صاحب قاف قد وراء رسا وحاء حمیداً خلاد وکسائی اور ابوعمرو کے لیے) ثابت ہے درانحالیکہ وہ (ادغام) محمود (اور پسندیدہ بھی) ہے اور تم یتب (فاولئک) کے ادغام) میں (صاحب قاف قاصدًا خلاد کے لیے) اختیار دیدو درانحالیکہ تم (اس وجہ تخییر کی) مدد کا قصد کرنے والے ہو۔

مطلب: یعنی باء ساکنہ جو فاء سے پہلے ہو اور یہ پانچ جگہ آئی ہے ایک یَغْلِبْ فَسَوْفَ سورہ نساء میں دوسری وان تَعْجَبْ فعجب سورۂ رعد میں تیسری قال اذھب فَمَنْ سورۂ بنی اسرائیل میں۔ چوتھی فاذھب فَإِنَّ سورۂ طٰہٰ میں۔ پانچویں ومن لم یتب فاولئک سورہ حجرات میں ان سب میں ابوعمرو اور کسائی کے لیے تو صرف ادغام ہی ہے اور خلاد کے لیے ان میں سے اول کی چار میں صرف ادغام اور پانچویں میں اظہار وادغام دونوں وجہ ہیں۔ جو قولہ خیر سے سمجھی گئی ہیں اور دونوں وجہ صحیح اور درست ہیں ان کے علاوہ باقی قراء کے لیے ان پانچوں میں صرف اظہار ہے جو کہ ادغام کی ضد سے سمجھا گیا ہے۔

وَمَعْ جَزْمِهِ يَفْعَلْ بِذٰلِكَ سَلَّمُوا
وَنَخْسِفْ بِهِمْ رَاعَوْا وَشَذَّ تَثَقُّلَا

ش: قوله: یفعل بذالک ای وادغام لام یفعل فی ذالک اور **قوله**: مع جزمه ترکیب میں یفعل کے لام سے حال ہے ای صاحب الجزم اور ضمیر (ہ) کا مرجع یفعل ہے جو مبتدا ہونے کی وجہ سے رتبۃً مقدم ہے **قوله**: سَلَّمُوا مبتدا کی خبر ہے اور عائد محذوف ہے ای مسلموہ. **قوله**: تثقلا ترکیب میں شذا کے فاعل سے تمیز ہے۔ ای شذ ادغامهما وعبّر عن الادغام بمسببه (قاری)

ترجمه: اور لیفعل کے لام کا ادغام) درانحالیکہ وہ اپنے (لام کے) جزم کے ساتھ ہو ذالک کی ذال)

میں جو (صاحب سین سلموا ابو الحارث کے لیے) ہے (اس کو) انھوں نے (جو قراۃ کی توجیہ اور علت بیان کرنے والے ہیں اعتراضات سے) بچالیا ہے اور نخسف (کی فاء کا ادغام) بھم کی باء میں صاحب راء راعوا کسائی کے لیے) ان ہی (اہل ادا) نے محفوظ کیا ہے (اور معترض کے اعتراض کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اس کو ادغام کے ساتھ پڑھا ہے اور یہ دونوں (یفعل ویخسف) مشدد ہونے کے اعتبار سے شاذ ہیں (یعنی ان دونوں کا ادغام لغت کے اعتبار سے شاذ ہے پس یہاں تشدید جو مسبب ہے بول کر سبب (ادغام مراد لیا ہے)

مطلب: یعنی ومن یّفعل بسکون اللام کا ادغام ذلک کی ذال میں صرف ابو الحارث کے لیے ہے باقی کے لیے اظہار ہے اور یخسف بھم جس میں رولیۂ یاء ہے اور بعض نسخوں میں نون بھی ہے اس میں صرف کسائی نے فاء کا باء میں ادغام کیا ہے باقی کے لیے اظہار ہے اور شذا تثقلا سے اس طرف اشارہ ہے کہ بعض نے ان دونوں کے ادغام کو لغوی وصرفی قیاس کے اعتبار سے شاذ کہا ہے حالانکہ یہ تواتر نقل کے منافی نہیں ہے جیسا کہ ابی یابی کو اہل صرف شاذ کہتے ہیں پھر بھی کثیر الاستعمال ہے قرآن میں بھی سورۂ توبہ واحزاب میں آیا ہے لہٰذا اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ان دونوں میں ادغام کرنا قراء کی اصطلاح پر یا مطلقاً نحاۃ کی اصطلاح پر شاذ ہے کیونکہ قراء کے نزدیک شاذ وہ ہوتا ہے جو تواتر سے ثابت نہ ہو اور یہ دونوں ایسے نہیں ہیں بلکہ ان دونوں میں ادغام متواتر اور مشہور ہے اور نحاۃ کے یہاں شاذ وہ ہے جو خارج عن القیاس یا قلیل الاستعمال ہو اور ان دونوں میں سے کوئی بھی کوفیوں کے نزدیک نہ خارج من القیاس ہے اور نہ نادر البتہ بصریوں کے خیال میں ان دونوں میں ادغام کرنا خارج عن القیاس ہے جس کی تردید کی گئی ہے جعبریؒ فرماتے ہیں کہ ناظمؒ کے لیے ایسی صورت میں اس قسم کا اطلاق جو وہم میں ڈالے مناسب نہیں تھا بلکہ یہاں کوئی ایسی قید بڑھا دیتے جس سے یہ بات واضح ہو جاتی کہ ان دونوں میں ادغام کرنا لغت اور بعض نحاۃ کے قول پر شاذ ہے۔ واللہ اعلم۔

وَعُذْتُ عَلٰى إِدْغَامِهٖ وَنَبَذْتُهَا
شَوَاهِدُ حَمَّادٍ وَاُوْرِثْتُمُوْ حَلَا
لَهُ شَرْعُهُ وَالرَّاءُ جَزْمًا بِلَامِهَا
كَوَاصْبِرْ لِحُكْمِ طَالَ بِالْخُلْفِ يَذْبُلَا

ش: قوله: ونبذ تها اس کا عطف یا تو ادغامہ کی ہاء پر یا عذت پر ہے پس اس صورت میں ہا مرجع کا کل

واحد ہوگا یا یوں کہو کہ اس کی تقدیر نبذتها كذالک ہے یا یہ باب اکتفاء سے ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ پہلے مبتدا کی جو خبر ہے وہی دوسرے کی بھی ہے **قوله**: لهٗ اس کی ضمیر کا مرجع حماد اور **قوله**: شرعه ای طریقه کی ضمیر کا مرجع ادغام ہے كما ذكره الجعبری وغیرہ اور ملا علی قاریؒ کے نزدیک اس کا عکس ہے اور لهٗ متعلق شرعه کے ہے جو **قوله**: حلا کا فاعل ہے **قوله**: جزماً ای مجزومة او ذات جزمٍ ترکیب میں راء سے حال ہے اور **قوله**: بلامها میں اضافت بادنیٰ ملابست ہے ای بلامها المعهود ادغامها فیها. **قوله**: یذبلا بالف الطلاق ہے اس لیے کہ یہ وزن فعل اور علیت کی بنا پر غیر منصرف ہے تنوین سے بدلا ہوا نہیں ہے ترکیب میں حال مقدر کا معمول ہے ای مشبها یذبل یا جعبریؒ کی رائے پر طال کا مفعول بہ ہے مگر چونکہ طال فعل لازم ہے اس لیے اس صورت میں یہ کہا جائے گا کہ طال یذبلا معنیٰ میں علاوہ کے ہے۔

ترجمہ: اور عزت جو ہے اس کے اور نبذ تها کے ادغام پر (صاحب شین شواهد وحاء حماد، حمزه، وکسائی ابوعمرو کے لیے) کثرت سے حمد کرنے والے (قاری) کے دلائل ہیں اور اور ثتموها (کی ثاء کا تاء میں) جو (صاحب حاء حلاء اور لام له وشین شرعه ابوعمرو، ہشام وحمزہ، وکسائی کے لیے ادغام ہے) اس (قاری حماد) کے لیے اس (ادغام) کا طریق شیریں (اور عمدہ) ہے (کیونکہ ثاء وتاء قریب المخرج ہونے کی وجہ سے متقاربین ہیں جو ادغام کے لیے نہایت ہی نفیس دلیل ہے) اور راء بحالت جزم (کا ادغام بھی) اپنے لام میں مثل واصبر لحكم کے خلاف کے ساتھ ہوتے ہوئے طویل یعنی مشہور ہے درا حالیکہ وہ قوی وبلند ہونے میں) یَذْبُل (مشہور پہاڑ) کے مشابہ ہے (یعنی یہ جو ادغام راء کا لام میں ہے۔ وہ صاحب طاء طال دوری کے لیے خلاف کے ساتھ ہے یعنی ان کے لیے اس میں اظہار وادغام دونوں ہیں اور یذبل پہاڑ کی طرح مشہور قوی وبلند ہے اور صاحب یاء یذبلا سوسی کے لیے بلا خلاف صرف ادغام ہی ہے باقی قراء کے لیے اظہار ہے۔

وَيَاسِيْنَ أَظْهِرْ عَنْ فَتًى حَقُّهُ بَـدَا
وَنُوْنَ فِيهِ الْخُلْفُ عَنْ وَرْشِهِمْ خَلَا

ش: **قوله**: ویاسین ترکیب میں **قوله**: اظهر کا مفعول ہے اور اس کے نون کا فتحہ ایسے ہی طسٓ کے نون کا فتحہ اور صاد کی دال کا فتحہ جو آئندہ آنے والے ہیں اور **قوله**: نون کا فتحہ جو اس شعر میں ہے ضرورت شعری کی وجہ سے ہے ورنہ اچھا تو یہی تھا کہ ان کو اعراب حکائی کی بنا پر ساکن ہی پڑھا جاتا۔

قولہ: نٓ اس کا عطف یٰسٓ پر ہے اور فیہ کی ضمیر کا مرجع نون ہے اور فیہ اور **قولہ**: عن ورشھم دونوں **قولہ**: خلا بمعنی مضیٰ کے متعلق ہیں۔

ترجمہ: اور یٰسٓ (والقرآن) اور نٓ (والقلم) میں صاحب عین عن وفاء فتی ومدلول حق وباء بدا، حفص، حمزہ ابن کثیر، ابوعمرو، قالون کے لیے واؤ سے پہلے نون) کا اظہار کرو اس جوان (قاری) سے جس کا حق (پر) ہونا ظاہر ہے اور اسی (ن والقلم) میں ان (قراء) میں کے ورش سے خلاف گذرا ہے (خلاصہ یہ ہے کہ ورش کے لیے یٰسٓ والقران میں تو مثل باقی قراء کے صرف ادغام ہے اور نٓ والقلم میں اظہار وادغام دونوں وجہ ہیں والاول اشھر وعلیہ الاکثر باقی قراء کے لیے اس میں ادغام ہے۔

ف: اور ابو شامہ فرماتے ہیں کہ مناسب تو یہ تھا کہ ناظمؒ ان حروف کے نون کا ذکر باب احکام النون الساکنۃ والتنوین میں فرماتے کیونکہ ان میں بھی نون ساکن ہے اور اس کے بعد واؤ ہے اور میم جیسا کہ طٰسٓمٓ میں آئندہ آرہا ہے یہ بھی اس کی فروعات میں سے ایک فرع ہے لیکن ایسا جو نہیں کیا وہ اس لیے تاکہ سب حروف مقطعات ایک ہی جگہ بیان ہو جائیں علیحدہ علیحدہ ذکر نہ ہوں کیونکہ اگر ان حروف کے نون کو نون ساکن اور تنوین کے باب میں اور سورۂ مریم کے صاد کو یہاں ذکر کرتے تو یہ سب مقطعات ایک جگہ نہ رہتے صاحب تیسیر نے ان حروف کو ان کی سورتوں میں علیحدہ علیحدہ بیان فرمایا ہے۔ یہاں ذکر نہیں کیا۔ باقی ان میں ادغام کی وجہ تو ظاہر ہے کیونکہ نون ساکن کے بعد واؤ و میم آرہے ہیں جن میں قاعدہ کے موافق ادغام ہی ہوتا ہے جیسا کہ آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا اور اظہار اس لیے ہے کہ حروف ہجا فواتح سور یا ان کے علاوہ جہاں کہیں بھی آئیں ان کا حق یہ ہے کہ ان کی اصلی حالت پر ساکن رکھتے ہوئے وقف کیا جائے کیونکہ یہ سب اصل کے لحاظ سے الگ الگ ہیں ان سے نہ تو کوئی کلمہ بنایا گیا ہے اور نہ یہ ترکیب میں اپنے مابعد سے کوئی تعلق رکھتے ہیں اسی وجہ سے یہ سب مبنی ہوتے ہیں معرب نہیں ہوتے۔ واللہ اعلم۔

وَحِرْمِيُّ نَصْرٍ صَادَ مَرْيَمَ مَنْ يُرِدْ
ثَوَابَ لَبِثْتَ الْفَرْدَ وَالْجَمْعَ وَصَّلَا

ش: وحرمی نصر ترکیب میں اظہر مقدر کا فاعل ہے جس پر **قولہ**: أَظْهِر جو اس سے پہلے شعر میں مذکور ہے دلالت کر رہا ہے۔ **قولہ**: صاد مریم مع اپنے معطوفات کے، جن میں حرف عاطف محذوف ہے اسی فعل مقدر کا مفعول ہے۔ **قولہ**: الفرد والجمع دونوں قولہ لبثت کی صفت ہونے کی بنا پر منصوب ہیں **قولہ**: وصّلا جملہ مستانفہ اور الف اطلاقیہ ہے اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع باعتبار لفظ

حرمی نصر ہے کیونکہ یہ لفظاً مفرد ہے اگر چہ معنیً تثنیہ ہے لیکن یہاں چونکہ تین قاری مذکور ہیں اس لیے وصلا کا الف تثنیہ کے لیے نہیں ہوسکتا۔

ترجمہ: اور (مدلول) حرمی و (نون) نصر (نافع ابن کثیر۔ عاصم) جو ہیں انھوں نے مریم کے (کٓھٰیٰعٓصٓ کے) صاد (کی دال) کو (ذکر کی ذال سے پہلے اور ومن) **یرد ثواب** (میں دال کو) ثاء سے پہلے اور لبثت واحد (متکلم اور واحد حاضر) اور جمع (حاضر کی ثاء) کو (تاء سے پہلے اظہار سے پڑھا ہے (اور اس اظہار کے ساتھ ہم تک) پہنچایا (بھی) ہے۔

وَطَاسِيْنَ عِنْدَ الْمِيْمِ فَازَ اتَّخَذْتُمُو
أَخَذْتُمْ وَفِي الإِفْرَادِ عَاشَرَ دَغْفَلَا

ش: قوله: وطٰسٓ ای اظهار نونه مبتدا اور **قوله**: عند المیم ای مصدر مقدر کا ظرف ہے اور **قوله**: فاز اس کی خبر ہے **قوله**: اتخذتم مع اپنے ظرف اور مصدر مقدر کے مبتدا ہے اور **قوله**: عاشر ای صَاحَبَ خبر ہے اور **قوله**: دغفلا ای خصباً واسعاً ترکیب میں عَاشَرَ کا مفعول بہ ہے۔ **قوله**: فی الافراد بکسر الھمزہ مصدر جملہ اسمیہ ہے ای وفی حال افرادہ کذالک اور اگر بفتح الھمزہ ہے تو یہ فرد بمعنی مفرد کی جمع ہے اس صورت میں تقدیر عبارت یوں ہوگی وفی مفردھما کذلک (قاری)

ترجمہ: اور طٰسٓ (کے نون کا اظہار) میم کے نزدیک (صاحب فاء فاز حمزہ کے لیے) کامیاب ہے (اور) اتخذتم اور اخذتم اور (ان دونوں کے مفرد (یعنی اتخذت و اخذت) میں ذال کا اظہار تاء سے پہلے) جو (صاحب عین عاشر و دال دغفلا حفص و ابن کثیر کے لیے) ہے اس نے عیش وسیع کی مصاحبت اختیار کی ہے (یعنی ان مذکورین کے لیے یہ اظہار خوب مشہور و معروف ہے اور بہت ہی دلائل والا ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ باقی کے لیے ان سب میں ادغام ہے)

وَفِي ارْكَبْ هُدًى بَرٍّ قَرِيْبٍ بِخُلْفِهِمْ
كَمَا ضَاعَ جَا يَلْهَثْ لَهُ دَارِ جُهَّلَا

ش: قوله: فی ارکب ای فی اظهار باء ارکب عند میم معنا ترکیب میں **قوله**: ھدیٰ مبتدا کی خبر ہے جو بَرّ بمعنی بارٍّ اور ذی برّ کی طرف مضاف ہے **قوله**: قریب معنی میں مُتَلَطِّفٍ یا متواضعٍ کے ہے اور **قوله**: کما ترکیب میں **قوله**: ضاع ای فاح وشاع کے مصدر کی صفت ہے اور **قوله**: جا مقصود للوزن ہے ای ورد وھو اولیٰ من قول جعبری. **قوله**: یلھث ای

اظہار ثاء یلھث فی ذال ذلک مبتدا اور **قولہ**: لَہٗ متعلق دار کے ہے جو داری یداری سے فعل امر ہے اور ضمیر (ہ) کا مرجع اظہار ہے اور **قولہ**: جھلا جمع جاہل مفعول ہے اور پھر جملہ مبتدا کی خبر ہے۔

ترجمہ: اور ارکب (کی باء کے اظہار) میں (معنا کے میم سے پہلے) ایسے نیک مرد کی ہدایت ہے جو مہربان اور متواضع ہے درانحالیکہ یہ اظہار صاحب ھاء ھدی وباء برّ وقاف، قریب بزی، قالون اور خلاد کے لیے) ان کے خلاف کے ساتھ ہے (یعنی انھوں نے اس میں اظہار بھی کیا ہے اور ادغام بھی اور صاحب کاف کما وضاد ضاع وجیم جا ابن عامر وخلف وورش کے لیے اس میں بلا خلاف اظہار ہے) یہ (اظہار ان مذکورین کے لیے خلاف اور بلا خلاف کے ساتھ اسی طرح ہم تک پہنچا اور وارد ہوا ہے جیسا کہ یہ (قراء کے درمیان) پھیلا ہوا (اور مشہور) ہے (اور) یلھث (کی ثاء کا اظہار) جو ذلک کی ذال سے پہلے صاحب لام لہٗ ودال دار وجیم جھلا ھشام ابن کثیر ورش کے لیے) ہے۔ اس (کی حفاظت) کے لیے جاہلوں (کے اعتراضات) کو (جو اس کے اظہار پر کرتے ہیں) اور اس کو صحیح نہیں بتاتے اور یہ کہتے ہیں کہ ثاء اور ذال متجانسین ہیں۔ اور پہلا حرف ساکن ہے) لہٰذا اس میں ادغام کرنا واجب ہے تو انھوں نے اس میں اظہار کیوں کیا ہے، اس کو دفع کرو اور ان معترضین سے کہہ دو کہ اس میں اظہار کرنا بھی صحیح نقل سے ثابت ہے جس سے معلوم ہوتا ہے اس میں ادغام کرنا واجب نہیں بلکہ جائز ہے۔ باقی قراء کے لیے سوائے قالون کے اس میں صرف ادغام ہے اور قالون کے لیے اس میں ادغام واظہار دونوں ہیں جیسا کہ اگلے بیت میں ذُو خُلْفٍ سمجھا گیا ہے واللہ اعلم۔

وَقَالُوْنُ ذُوْ خُلْفٍ وَفِی الْبَقَرَہْ فَقُلْ
يُعَذِّبْ دَنَا بِالْخُلْفِ جُوْدًا وَ مُوْبِلاً

ش: قولہ: فی البقرۃ اس میں تاء کا سکون اور ہا سے ابدال وصل بہ نیت وقف ہے ضرورۃ نہیں ہے جیسا کہ بعض کا قول ہے کیونکہ اس صورت میں صرف تاء کا ساکن ہی کر دینا کافی تھا یا یوں کہا جائے کہ ہاء کا ابدال لغت شاذہ کی بناء پر ہے نحو ومریم ابنة عمران التی کہ اس میں قراءۃ شاذۃ کی بنا پر بحالت وصل تاء کا ابدال ہاء ساکنہ سے ہوا ہے **قولہ**: یعذب ای اظھارہٗ مبتدا اور **قولہ**: دنا اس کی خبر ہے پھر جملہ قل کا مقولہ ہے جو منوی التقدیم علی الظرف ہے ای فقل فی البقرة یعذب الخ. **قولہ**: جوداً بفتح الجیم ای اَلْمَطَرَ العزیزُ منصوب بنا بر حال ہے ای مشبھاً جودًا او ذا جَودٍ اور **قولہ**: موبلا اس کا معطوف ہے اور یہ اَوْبَلَ سے ہے جس کی اصل وَبَلٌ ہے اس کے معنی بھی بہت بارش

کے ہیں اور اس میں افعال کا ہمزہ صیرورۃ کے لیے ہے ای صار ذا وبل۔

ترجمہ: اور (اسی یلھث ذلک کے اظہار میں) قالون صاحب خلاف ہیں اور تم کہہ دو کہ (سورۃ) بقرہ میں یعذب (کی باء کا اظہار صاحب دال دنا ابن کثیر کے لیے) خلاف کے ساتھ (اور صاحب جیم جوداً ورش کے لیے بلا خلاف ہوتے ہوئے (ہم سے) قریب ہو گیا ہے درانحالیکہ یہ (اظہار) بہت تیز اور بہت برسنے والی بارش کے مشابہ ہے (یعنی نہایت قوی اور بڑی دلیلوں والا ہے خلاصہ یہ ہے کہ یعذب من یشاء جو سورۂ بقرہ میں ہے اس میں جو حضرات باء کا جزم پڑھتے ہیں ان میں سے ابن کثیر کے لیے خلاف کے ساتھ اظہار ادغام دونوں اور ورش کے لیے بلا خلاف اظہار ہے باقی کے لیے صرف ادغام ہے اور جو اس کی باء پر پیش پڑھتے ہیں ان کے لیے چونکہ اس میں ادغام کا قاعدہ ہی نہیں پایا جاتا کیونکہ گفتگو ساکن حروف کے ادغام کے بیان میں ہے نہ کہ متحرک کے اس لیے ان کے لیے اس میں ادغام نہیں ہوگا۔

بَابُ احکامِ النُّونِ السَّاکنۃِ وَالتّنوین ﴿۵﴾

یعنی یہ باب احکام نون ساکن وتنوین کے بیان میں ہے

یہ باب بھی اصل میں باب حروف قربت مخارجھا ہی سے ہے اگر چہ اس میں تبعاً مثلین کو بھی ذکر کر دیا ہے اور چونکہ اس باب کے احکام کا تعلق ان ہی دونوں نون سے ہے اس لیے اس باب کو علیحدہ بیان کیا ہے نون ساکن وتنوین میں یہ فرق ہے کہ نون ساکن اسم وفعل وحرف کے وسط وآخر میں آتا ہے اور وصل ووقف دونوں حالتوں میں باقی رہتا ہے بخلاف تنوین کے کہ یہ ہمیشہ اسم کے آخر میں آتا ہے وصل میں قائم رہتا ہے وقف میں حذف ہو جاتا ہے یا الف سے بدل جاتا ہے۔ چنانچہ اسی وجہ سے یہاں تنوین کو بھی صراحۃ ذکر کیا ہے ورنہ اصل کے لحاظ سے یہ بھی نون ہی ہے۔ جو ہمیشہ ساکن ہی ہوتا ہے اس لیے اس کے ساتھ کوئی قید نہیں لگائی گئی۔ البتہ نون ساکن بھی ہوتا ہے اور متحرک بھی اسی وجہ سے اس کے ساتھ ساکن کی قید لگائی گئی تا کہ نون متحرک نکل جائے نون ساکن وتنوین کے چار حکم ہیں۔ اظہار، ادغام مع الغنہ وبلا غنہ، قلب واخفا۔ اسی کو اکثر ائمہ نے بیان کیا ہے ناظمؒ نے بھی یہی چار حکم بیان کئے ہیں۔ اگر چہ بعض کے نزدیک ان دونوں کے تین حکم ہیں۔ ایک اظہار دوسرے ادغام تام وناقص تیسرے اخفاء مع القلب وبلا قلب لیکن چونکہ اس تیسری قسم کے اخفاء مع القلب میں اخفاء قلب ہی سے پیدا ہوتا ہے اس لیے قلب کو مستقل قسم قرار دینا اور اس کو علیحدہ بیان کرنا ہی اولیٰ ہے۔

وَكُلُّهُمْ التَّنوِيْنَ وَالنُّـونَ أَدْغَمُـوْا
بِلاغُنَّـةٍ فِي اللَّامِ وَالـرَّا لِيَجْمُلا

ش: **قوله**: بلاغنہ مصدر مقدر کی صفت ہے ای ادغاماً خالیًا من الغنة **قوله**: لیجملا منصوب باضمار ان بعد لام کی ہے اور اس کی ضمیر تثنیہ کا مرجع لام وراء یا دونوں نون ہیں۔

ترجمہ: اور ان تمام (قراء سبعہ) نے نون (ساکن) اور تنوین کا ادغام کیا ہے بغیر غنہ کے لام اور راء میں تاکہ یہ دونوں نون یا لام وراء تلفظاً واداءً) جمیل اور خوبصورت ہوجائیں۔

وَكُلٌّ بِيَنْمُـوْ أَدْغَمُـوا مَعَ غُنَّـةٍ
وَفِي الْـوَاوِ وَالْيَا دُونَهَـا خَلَفٌ تَـلَا

ش: **قوله**: وکل اس کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے ای کل القراء اور **قوله**: مع غنة مصدر مقدر (ادغامًا) کی صفت ہے اسی طرح **قوله**: دونها بھی مقدر کی صفت ہے ای تلاوةً خالیة من الغنة (قاری)

ترجمہ: اور تمام (قراء سبعہ) نے ینمو (کے چار حروف) میں ان ہی دونوں نون کا) ادغام مع الغنہ کیا ہے اور (ان چار حروف میں سے صرف) واؤ اور یاء میں (ادغام کرکے) بغیر غنہ کے خلف نے پڑھا ہے دونون کا صرف واؤ اور یاء میں ادغام بلاغنہ یعنی ادغام تام کیا ہے۔

وَعِنْدَهُمَـا لِلْكُلِّ أَظْهِـرْ بِكِلْمَةٍ
مَخَافَـةَ إِشْبَاهِ الْمُضَاعَفِ أَثْقَـلَا

ش: **قوله**: وعندهما ای عند الواؤ والیاء ترکیب میں **قوله**: اظہِرْ کا ظرف ہے **قوله**: بکلمة ضمیر ہما سے حال ہے **قوله**: مخافة مفعول لہٗ ہے **قوله**: اشباه المضاعف اس میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے **قوله**: اثقلا بالف الاطلاق مفعول سے حال ہے تقدیرہ خوف ان يُشبه المُدغَمُ المُضَاعَفُ حال تشديده. (قاری)

ترجمہ: اور ان دونوں (واؤ ویاء) کے نزدیک تمام (قراء) کے لیے (نون ساکن کا) اظہار کر درانحالیکہ یہ دونوں (واؤ یاء نون ساکن کے ساتھ) ایک کلمہ میں (جمع) ہوں اس خوف سے کہ کہیں (مدغم) مضاعف کے مشابہ نہ ہوجائے اس حال میں کہ یہ (مضاعف) ہمیشہ مشدد ہی ہوکرتا ہے۔

مطلب: یعنی نون ساکن کا ادغام واؤ اور یاء میں اس شرط پر ہوگا کہ نون ساکن کے بعد یہ دونوں حروف واؤ اور یاء دوسرے کلمہ کے شروع میں واقع ہوں اسی کلمہ میں نہ ہوں جس میں یہ نون ہے ورنہ ادغام نہ ہوگا کیونکہ اس

صورت میں اگر ادغام کیا گیا تو یہ اس مضاعف کے مشابہ ہو جائے گا جس میں دو حروف ایک ہی طرح کے مکرر، مشدد ہوتے ہیں۔ اس قسم کے الفاظ جن میں نون ساکن اور واؤ و یاء ایک کلمہ میں جمع ہو رہے ہیں قرآن مجید میں صرف چار آئے ہیں۔ قِنْوَان، بُنْيَان، صِنْوَانٌ، دنیا ان میں سب کے لیے اظہار ہی ہے ادغام نہیں ہے۔

وَعِنْدَ حُرُوفِ الْحَلْقِ لِلْكُلِّ أُظْهِرَا

أَلَا هَاجَ حُكْمٌ عَمَّ خَالِيهِ غُفَّلَا

ش: **قوله**: الاهاج یا تو حروف سے بدل ہونے کی بناء پر محلاً مجرور ہے ای همزة الا الخ یا مبتدا مقدر کی خبر ہے ای هو اول الا وما بعده اور الا حرف تنبیہ ہے هاج بمعنی حرک اور عمّ بمعنی اشمل ہے خالیه بمعنی ماضیه اور غُفَّلا جمع غافل ترکیب میں هاج یا عمّ کا مفعول ہے۔

ترجمه: اور حروف حلق کے نزدیک (جو الا سے غفلا تک چھ کلموں کے اول میں آ رہے ہیں) یہ دونوں (نون ساکن وتنوین) تمام (قراء) کے لیے اظہار سے پڑھے گئے ہیں (اور معنی ان چھ کلمات (الاهاج الخ کے یہ ہیں۔ خبردار اس کا حکم (موت) نے جس کا گذشتہ (ازلی) زمانہ (سب کو) شامل ہے (یعنی کوئی اس سے بچنے والا نہیں ہے بہت سے) غافلین کو لرزا دیا ہے جس سے وہ بے چین اور بے قرار ہوئے ہیں اور ان کی تمام غفلتیں دور ہو گئیں اور رات دن اس فکر میں رہنے لگے نیز ان کا سب راحت و آرام خاک میں مل گیا پس ای کلام الاهَاج حكم الخ سے موت یا قیامت اور اس کی طرف اشارہ ہے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کے مطابق جزا ملے گی تو ظاہر ہے کہ یہ ایک ایسا عظیم الشان حکم ہے جس سے غافل تک بھی چونک گئے اور ہوشیار ہو گئے كقوله تعالىٰ ﴿قُلْ هُوَ نَبَؤٌا عَظِيْمٌ وَاَنْتُمْ عَنْهُ مُعْرِضُوْنَ﴾ حسن بصریؒ کے مواعظ میں ہے ايها الناس ان هٰذا الموت قد فضح الدنيا فلم يبق لذى لبّ فرحاً یعنی اے لوگو اس موت نے دنیا کو رسوا کر دیا پس اس نے کسی عاقل کے لیے کوئی خوشی اور راحت نہیں چھوڑی۔ کسی نے کیا ہی اچھا کہا ہے يا عفلة شاملة للقوم . كانّما يرونها فى النوم ميّتٌ غَدٍ يحمل ميت اليوم. یعنی لوگوں کی غفلت بھی کس قدر بڑھ گئی ہے گویا کہ وہ اس بیداری میں آنے والے معاملہ کو خواب میں دیکھ رہے ہیں جو کل مرنے والا ہے وہ آج مرنے والے کا جنازہ لے جا رہا ہے كما روى الناس ينام فاذا ماتوا نبهوا. اور حق تعالیٰ کا قول۔ اقترب للناس الخ (اسی معنی میں ہے)

وَقَلْبُهُمَا مِيمًا لَدَى الْبَا وَأَخْفِيَا

عَلَىٰ غُنَّةٍ عِنْدَ الْبَوَاقِي لِيَكْمُلَا

ش: **قولہ**: قلبھما مبتدا اور ضمیر ھما کا مرجع نونین ہے۔ **قولہ**: میما اس کا دوسرا مفعول ہے **قولہ**: لدی الباء ترکیب میں ثابت مقدر کا ظرف ہے جو مبتدا کی خبر ہے۔ **قولہ**: اخفیا اس کا عطف **قلبھما** کے معنی پر ہے ای قُلِبَا و اخفیا. **قولہ**: علیٰ غنة مصدر مقدر کی صفت ہے اور **قولہ**: **عند البواقی** ترکیب میں اخفیا کا ظرف ہے **قولہ**: لیکملا منصوب بان مقدرہ بعد **لام** کے **والعاقبة** ای لیحسن لفظ النون بالتجا فی من الطرفین او لتکملة احکامھما فالفه للاطلاق (قاری)

ترجمہ: اوران دونوں (نون ساکن وتنوین) کا باء کے نزدیک میم سے بدلنا (ثابت) ہے اور یہ دونوں (نونین) باقی (پندرہ حروف) کے نزدیک ایسے اخفاء سے پڑھے گئے ہیں جو غنہ پر (مشتمل) ہے تا کہ دونوں تلفظاً خوبصورتی میں یا (ان دونوں کے احکام) کامل ہو جائیں۔

مطلب: یعنی نون ساکن اور تنوین کے بعد جب باء آئے تو جمیع قراء نے ان دونوں کو میم سے بدل کر غنہ سے پڑھا ہے جیسے من بعد و صمٌّ بکمٌ وغیرہ اس کو اقلاب اور قلب کہتے ہیں اور اگر نون ساکن وتنوین کے بعد ان حروف مذکورہ کے علاوہ جو کہ چھ حروف ادغام کے لیے اور چھ اظہار کے لیے ایک قلب کے لیے ہے باقی پندرہ حروف میں سے کوئی حرف آئے تو اس وقت ان دونوں میں تمام قراء کے لیے اخفاء مع الغنہ ہوگا جیسے ﴿مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهَارُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ﴾ وغیرہ اور الف چونکہ ہمیشہ ساکن ہوتا ہے اس لیے یہ نون ساکن وتنوین کے بعد نہیں آتا اور یہ یاد رکھو کہ اخفاء میں چونکہ نون اپنے مخرج اور اپنے مابعد کے مخرج سے جدا ہو کر خیشوم سے ادا ہوتا ہے اس لیے اس کے تلفظ میں خوبصورتی آجاتی ہے اور اس میں کچھ اثر اظہار کا اور کچھ ادغام کا ہوتا ہے لیکن اس قدر نہیں کہ وہ اظہار یا ادغام کی طرح سنائی دے اس لیے اس کی مشق کسی قاری ماہر مشاق سے ضرور کر لینی چاہیے تا کہ اخفاء صحیح ادا ہو سکے۔

بَابُ الفتح والامَالة وبین اللفظین ﴿۴۸﴾

یعنی یہ باب فتحہ و امالہ محضہ اور امالہ بین بین کے بیان میں ہے

یہاں فتح سے مراد ضد امالۃ ہے اور یہی اصل ہے کیونکہ یہ کسی سبب پر موقوف نہیں ہے امالہ اس کی فرع ہے پس ہر وہ لفظ جس میں امالہ کیا جاتا ہے اس میں فتح بھی جائز ہے بخلاف اس کے عکس کے کہ اس میں امالہ جائز نہیں ہے۔ امالہ کے لغوی معنی میلان اور جھکاؤ کے ہیں۔ اور اصطلاح میں یہ معنی ہیں کہ الف کو یاء کی طرف اور فتحہ کو کسرہ کی طرف مائل کر کے پڑھنا پھر امالہ کی دو قسمیں ہیں کبریٰ وصغریٰ۔ اگر پوری طرح

میلان وانحراف پایا گیا تو اس کو امالہ کبریٰ امالہ محضہ اور اضجاع کہتے ہیں اور اگر فتحہ کا کسرہ کی طرف اور الف کا یاء کی طرف جھکاؤ اور میلان مثل امالہ کبریٰ کے زیادہ نہ ہو بلکہ متوسط درجہ کا ہو تو اس کو امالہ صغریٰ و بین بین اور تقلیل وتلطیف بھی کہتے ہیں اور یہ فتحہ سے اور امالہ کبریٰ کسرہ سے زیادہ قریب ہوتا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر کسرہ غالب ہو تو امالہ کبریٰ اور فتحہ غالب ہو تو امالہ صغریٰ و بین بین ہے واللہ اعلم۔

وحَمزَةُ مِنهُم وَالكِسَائِىُّ بَعدَهُ
أَمَالَا ذَوَاتِ اليَاءِ حَيثُ تَأَصَّلَا

ش: قوله: منهم ای من القراء كقولهم انت منهم الفارس الشجاع ای من بينهم. **قوله**: ذوات الياء اس کی تقدیر الالفات ذوات الياء المنقلبة منها ہے **قوله**: حيث ظرف أمالا اور **قوله**: تاصلا فعل ماضی کا صیغہ ہے ای صار اصلا اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع یاء ہے اور الف اطلاقیہ ہے یا اس کا الف حمزہ وکسائی کے لیے ہے اس لیے کہ یہ دونوں اس بارے میں اصل ہیں اور انھوں نے جس طرح ذوات الیاء میں بالاستیعاب امالہ کیا ہے کسی دوسرے نے اس طرح نہیں کیا بلکہ جس کسی نے بھی امالہ کیا اس نے ان دونوں کے یا ان میں سے ایک کے تابع ہو کر کیا ہے۔

ترجمه: اور حمزہ جو ان ہی (قراء سبعہ) میں سے ہیں اور کسائی (جو ان کے شاگرد اور ان سے پڑھ کر قراءت کے اختیار کرنے اور رتبہ میں) ان (حمزہ) کے بعد ہیں ان دونوں نے ذوات الیاء (یعنی وہ یاء جس سے الف بدل کر آیا ہے لام کلمہ کی اصل ہو زائدہ نہ ہو یا یہ معنیٰ کہ ان دونوں نے امالہ اس لیے کیا ہے کہ یہ یاء اسباب امالہ میں سے اصل ہے اور بہ نسبت دوسرے اسباب کے یہی اکثر جگہ مستعمل ہے اس لیے بدلے ہوئے الف میں امالہ اسی اصلی یاء پر دلالت کرنے کے لیے ہوتا ہے یا یہ کہ ان دونوں نے امالہ اس صورت میں کیا ہے جب کہ وہ یاء جس سے الف بدل کر آیا ہے اصل یاء ہو یعنی اس الف کی جگہ اسماء میں تثنیہ کرنے سے اور افعال میں متکلم کا صیغہ بنانے سے یاء آتی ہو نہ کہ واؤ جیسا کہ ناظمؒ نے اگلے بیت میں بیان کیا ہے یا یاء کے اصلی ہونے کے یہ معنی ہیں کہ جس الف میں ان دونوں نے امالہ کیا ہے وہ بصورت یاء لکھا ہوا ہو نہ کہ بصورت واؤ پس اس میں امالہ موافقت رسم کی وجہ سے ہوگا۔ واللہ اعلم۔

ف: جاننا چاہیے کہ امالہ کے اصلی سبب تو دو ہی ہیں کسرہ و یاء لیکن قراء نے تفصیل کے لحاظ سے اس کے آٹھ سبب بیان کئے گئے ہیں جن کو ہم بھی طلبہ کے فائدہ کی غرض سے یہاں بیان کرتے ہیں (۱) کسرہ لفظ میں موجود ہو خواہ پہلے ہو یا بعد میں جیسے الرِّبوا، كلا، مشكوٰة، الناس النار. (۲) وہ کسرہ جو بعض احوال میں عارضہ ہو جیسے طاب وشاء وجاء وزاد کہ ان کا فا کلمہ اس حالت میں جب کہ ان کے ساتھ ضمیر

مرفوع متصل ہو مکسور پڑھا جاتا ہے (۳) یاء لفظ میں موجود ہو جیسے لاخیر کہ اس کی راء میں ورش کے لیے یاء کی وجہ سے ترقیق ہے جس کو کبھی امالہ بھی کہہ دیتے ہیں (۴) یاء سے الف کا بدلا ہوا ہونا جیسے رمیٰ والھدیٰ (۵) یاء سے بدلے ہوئے الف سے مشابہ ہونا جیسے تانیث کا الف جو ذکریٰ وبشریٰ وغیرہ میں ہے (۶) یاء سے بدلے ہوئے الف کے مشابہ ہونا جیسے موسیٰ وعیسیٰ وغیرہ (۷) امالہ کی مجاورت کی وجہ سے امالہ کا ہونا جیسے تراءا کہ اس میں پہلے الف کا امالہ دوسرے الف کی مجاورت کی وجہ سے ہوا ہے وکذا امالہ نون نا وراء را (۸) الف کا یاء کی صورت میں مرسوم ہونا اگرچہ وہ واؤ سے بدلا ہوا ہو نہ کہ یاء سے جیسے والضحیٰ وغیرہ۔

تنبیہ: یادرکھو کہ حمزہ وکسائی نے جس الف منقلب بیا میں بحالت وصل ووقف امالہ کیا ہے وہ وہ ہے جو کلمہ کے آخر میں لام کلمہ کی جگہ ہو اور تحقیقاً یاء سے بدلا ہوا ہو خواہ وہ اسم میں ہو جیسے الھدیٰ والھویٰ وغیرہ یا فعل میں جیسے رمیٰ وسعیٰ ویرضیٰ وغیرہ پس آخر کلمہ کی قید سے زائد اور وہ کہ آخر میں نہ ہو جیسے قائم ونائم اور من قلب بیاء کی قید سے وہ الف نکل گیا جو واؤ سے بدلا ہوا ہو جیسے دعا وعصا وغیرہ اور یاء تحقیقاً کی قید سے مثل الحیوٰۃ ومنواۃ وغیرہ نکل گئے ان دونوں کے الف میں اختلاف ہے بعض کے قول پر ان کا الف واؤ سے اور بعض کے قول پر یاء سے بدلا ہوا ہے اور چونکہ اس کی پہچان کہ یہ الف یاء سے بدلا ہوا ہے یا واؤ سے مشکل تھی اس لیے ناظم اس کے پہچاننے کا ایک ضابطہ بیان فرماتے ہیں وہ یہ ہے۔

وَتَثْنِيَــةُ الأَسْمَــآءِ تَكْشِفُهَا وَإِنْ
رَدَدْتَ اِلَيْكَ الْفِعْلَ صَادَفْتَ مَنْهَلَا

ش: **قولہ**: تکشفھا اس کی ضمیر ہا کا مرجع ذوات الیاء ہے ای تمیز ھا عن ذوات الواؤ **قولہ**: صادفت ای وجدت اور **قولہ**: منھلا بفتح المیم والھاء اس کا مفعول ہے ای مطلوبًا من منھل الماء موضع الشرب الاول تشبیھًا للطالب بالظمآن (قاری)

ترجمہ: اور اسماء کا تثنیہ کرنا (ذوات الیاء) کو کھول دیتا اور ذوات الواؤ سے ممتاز کر دیتا) ہے اور اگر تم فعل کو اپنی طرف لوٹا لوگے (یعنی متکلم کا صیغہ بنا لوگے) تو تم پانی پینے کی جگہ (یعنی مطلوب) کو پالوگے (اور تم کو معلوم ہو جائے گا کہ یہ الف یاء سے بدلا ہوا ہے یا واؤ سے مثال اگلے بیت میں مذکور ہے۔

هُدًى وَاشْتَرَاهُ وَالْهَوىٰ وَهُــدَاهُــمُ
وَفِيْ أَلِفِ التَّأْنِيْثِ فِيْ الكُلِّ مَيَّلَا

ش: **قولہ**: ھدیٰ ترکیب میں مبتدا محذوف کی خبر ہے ای الممال مثل ھدیٰ الخ **قولہ**: واشتراہ

بالاشباع اور **قولہ**:ھداھم بالصلہ ہے **قولہ**: فی الکل یا تو **قولہ**: وفی الف التانیث سے بدل ہے یا اس کی تاکید ہے **قولہ**:میلا اس کو متعدی بھی اس لیے لائے ہیں کہ یہ واقعا کے معنیٰ کو متضمن ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: (یاء سے بدلا ہوا الف ممال مثل) ھدیٰ واشتراہ اور الھوی و ھداھم (کے) ہے اور کل الف تانیث میں (بھی) ان دونوں حمزہ وکسائی) نے امالہ کیا ہے (یعنی اس میں بھی ان دونوں کے لیے امالہ واقع ہوا ہے)

وَكَيْفَ جَرَتْ فَعْلَىٰ فَفِيهَا وُجُودُهَا

وَإِنْ ضُمَّ أَوْ يُفْتَحْ فَعَالَىٰ فَحَصِّلَا

ش: **قولہ**:وکیف ترکیب میں جرت کے فاعل سے حال کی جگہ ہے والتقدیر ثبوت الف التانیث فی فعلی حال اختلافھا مفتوحۃ الفاء اور مضمومھا او مکسورھا. **قولہ**:فحصلا ای فحصل الف التانیث منہ اس میں الف نون خفیفہ کے (کہ جو امر کے آخر میں لاحق ہوتا ہے) بدلے میں ہے۔

ترجمہ: اور فعلیٰ جس حالت (پر) بھی (واقع) ہو (یعنی خواہ اس کی فاء مفتوح ہو یا مضموم یا مکسور) پس اس (میں) بھی اس (الف تانیث) کا وجود ہے اور گر فعالیٰ (کی فاء) مضموم یا مکسور ہو تو تم (اس میں بھی الف تانیث کو) ضرور حاصل کرو (یعنی جو کلمات فعلیٰ بحرکاتِ ثلثہ فی الفاء اور فعالیٰ مضموم یا مفتوح الفاء کے وزن پر آئیں تو چونکہ ان کے آخر میں بھی الف تانیث ہے اس لیے اس میں بھی ان دونوں کا حمزہ وکسائی کے لیے امالہ ہوگا)

ف: جاننا چاہیے کہ تانیث کا الف وہ کہلاتا ہے جو اصلی حروف میں سے نہیں ہوتا بلکہ زائد اور کلمہ کے آخر میں ہوتا ہے مؤنث حقیقی یا مجازی پر دلالت کرتا ہے اور چونکہ اس کا سمجھنا ناواقف کے لیے دشوار تھا اس لیے اس کی شناخت بتلادی کہ تانیث کا الف وہ ہوتا ہے جو بوزن فعلی بحرکات ثلثۃ فی الفاء کے یا بوزن فُعالیٰ مفتوح الفاء یا مضموم الفاء کے آخر میں ہوتا ہے جیسے دعویٰ، ذکریٰ، بشریٰ، الایامیٰ النصاریٰ، سکاریٰ، کسالیٰ وغیرہ۔

وَفِي اسْمٍ فِي الْاِسْتِفْهَامِ أَنَّىٰ وَفِي مَتَىٰ

مَعًا وَعَسَىٰ أَيْضًا أَمَالَا وَقُلْ بَلَىٰ

ش:**قولہ**:فی اسم متعلق امالا کے ہے اور **قولہ**:فی الاستفھام متعلق کائن یا مستعمل مقدر کے ہے جو اسم کی صفت ہے **قولہ**: انّی ترکیب میں اسم سے بدل البعض ہے۔ **قولہ**:متیٰ باعادۃ الجار کا عطف بدل یا مبدل منہ پر ہے **قولہ**:معاً یا تو ممالین انّی ومتیٰ سے یا ممیلین یعنی امالا کے فاعل سے حال ہے **قولہ**: وعسیٰ کا عطف متی پر ہے **قولہ**: بلیٰ کی تقدیر یا تو بلیٰ کذلک ہے یا امالا بلیٰ

ایضًا ہے پھر جملہ قل کا مقولہ کا ہے۔

ترجمہ: اور (اس) اسم انّٰی میں جو (استفہام (کے معنی میں) ہے اور متیٰ میں (بھی) درانحالیکہ یہ دونوں (اسم امالہ اور استفہام میں) ایک دوسرے کے ساتھ ہیں اور عسیٰ میں بھی ان دونوں حمزہ وکسائی) نے امالہ کیا ہے اور کہو تم کہ بلیٰ (بھی ایسے ہی) ہے (یعنی اس میں بھی ان ہی دونوں حضرات نے امالہ کیا ہے۔

وَمَا رَسَمُوْا بِالْیَاءِ غَیْرَ لَدیٰ وَمَا
زَکیٰ وَاِلیٰ مِنْ بَعْدُ حَتّٰی وَقُلْ عَلیٰ

ش: **قولہ**: وما رسموا صلہ وموصول ترکیب میں امالہ سابق کا مفعول ہے **قولہ**: بالیاء متعلق رسموا کے ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے اس سے کہ اس کو ما کے عائد مقدر سے حال مانا جائے **قولہ**: غیر کا نصب مفعول سے استثناء کی بناء پر ہے **قولہ**: من بعد اس میں دال کا ضمہ مشہور روایت کی بناء پر ہے ای والیٰ کائنا من بعد السابقین اور **قولہ**: حتیٰ کا عطف بواؤ مقدر ان ہی دونوں پر ہے اور دوسری روایت پر دال کا جر بھی ہے ای والی کائنا من بعد حتی فی الذکر ابوشامہ فرماتے ہیں کہ من بعد حتی کی دال مجرور ہے اور بعض کے نزدیک ضمہ مختار ہے **قولہ**: علیٰ بالیاء مبتدا محذوف الخبر ہے ای کذلک او غیر ممال پھر جملہ قل کا مقولہ ہے۔

ترجمہ: اور ان (الفات) کا (بھی ان ہی دونوں حمزہ کسائی نے امالہ کیا ہے) جن کو اہل رسم نے یاء کے ساتھ لکھا ہے سوائے لدیٰ اور زکی اور (اس) الیٰ کے جو حتیٰ کے استثناء کے بعد ہے اور تم کہہ دو کہ علیٰ (بھی ایسے ہی ہے یعنی یہ بھی پہلے چار الفاظ کی طرح مستثنیٰ ہے اور اس میں اور اس سے پہلے چار الفاظ میں کسی نے بھی امالہ نہیں کیا ہے)

وَکُلُّ ثُلَاثِیٍّ یَزِیْدُ فَاِنَّہُ
مُمَالٌ کَزَکّٰھَا وَاَنْجیٰ مَعَ ابْتَلیٰ

ش: **قولہ**: کل ای کل لفظ ثلاثی مبتدا اور **قولہ**: یزید صفت ہے اور **قولہ**: فانہ ممال جملہ اسمیہ موکدہ بانّ خبر ہے اور فاء سببیہ ہے اور (ضمیرہ) کا مرجع جعبریؒ کے قول پر ثلاثی اور ملا علی قاری کے قول پر لفظ کل ہے **قولہ**: کزکّٰھا مبتدا مقدر کی خبر ہے ای وذلک کزکّٰھا وانجیٰ اور **قولہ**: مع ابتلیٰ حال ہے اور عامل تشبیہ کے معنی میں ہے۔

ترجمہ: اور ہر وہ لفظ ثلاثی جو کسی حرف زائد کے داخل ہونے کی وجہ سے) مزید ہو جائے یعنی تین سے زیادہ حروف ہو جائیں گو باب کے لحاظ سے ثلاثی مجرد ہی (ہے یا مزید کے کسی باب میں داخل ہو جائے) وہ بھی ممال ہے یعنی

اس کے الف میں بھی ان دونوں کے لیے امالہ کیا گیا ہے اور یہ) مثل زکّٰھا اور انجیٰ مع ابتلیٰ کے (ہے)

وَلٰكِنَّ أَحْيَا عَنْهُمَا بَعْدَ وَاوِهِ
وَفِيمَا سِوَاهُ لِلْكِسَائِيِّ مُيِّلاَ

ش: **قوله**: ولکن حرف استدراک اور **قوله**: احیای امالته اس کا اسم اور **قوله**: عنهما اس کی خبر ہے **قوله**: بعد واوه ظرف کون اور ہا کا مرجع لفظ احیا ہے **قوله**: فیما اس میں ما زائدہ ہے اور دونوں جار متعلق **قوله**: میلا بالف الاطلاق کے ہیں **قوله**: سواه بالا شباع کی ضمیر کا مرجع احیا مقید ہے۔

ترجمه: اور لیکن (لفظ) احیا کا (امالہ) اس کے واؤ کے بعد ہونے کی حالت میں ان دونوں (حمزہ وکسائی) سے (ثابت) ہے اور اس کے سوا (دیگر احیاء میں (جو واؤ کے بعد نہ ہو صرف) کسائی کے لیے امالہ کیا گیا ہے (پس واحیاء میں تو حمزہ کسائی دونوں کے لیے اور باقی میں صرف کسائی کے لیے امالہ ہوگا۔

وَرُءْيَايَ وَالرُّءْيَا وَمَرْضَاتِ كَيْفَمَا
أَتَىٰ وَخَطَايَا مِثْلُهُ مُتَقَبَّلاَ

ش: **قوله**: رؤیای و مابعده کا عطف مُیّلا کی ضمیر پر ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر بجائے ورؤیای کے کرؤیای فرمادیتے تو زیادہ بہتر تھا کہ واؤ کی صورت میں اس کے مبتدا ہونے اور پھر اس کے لیے تقدیر لہ کی حاجت پیش آنے کا جو وہم ہوتا ہے وہ رفع ہو جاتا۔ **قوله**: کیف ما ما میں زائدہ ہے اور یہ مرضات جس کی تاء کا فتحہ حکائی ہے حال ہے ای متنوعاً **قوله**: خطایا الخ ای امالته مثل مرضات فی التنویع جملہ اسمیہ ہے **قوله**: متقبلا ترکیب میں مثله کی ھا سے یا خطایا سے حال ہے اور عامل تشبیہ کے معنی ہیں یا یہ قبولا کے معنی میں ہو) کہ تمیز ہے۔ مثل قولهم علی التمرة مثلها زبداً۔

ترجمه: اور رؤیای و الرّؤیا اور مرضات درانحالیکہ یہ جس طرح سے بھی آئے (یعنی خواہ اس کی تاء پر زبر ہو یا زیر اور خواہ اسم ظاہر کی طرف مضاف ہو یا ضمیر کی طرف جیسے مرضات ازواجک و مرضات اللہ و مرضاتی ان میں بھی صرف کسائی ہی کے لیے امالہ ہے) اور خطایا (بھی نوع بنوع ہونے اور امالہ میں مثل اسی (مرضات) کے ہے (یعنی یہ بھی عام ہے جس طرح سے بھی قرآن مجید میں واقع ہوا ہو اس میں بھی صرف کسائی کے لیے امالہ ہے) درانحالیکہ یہ (خطایا امالہ کے لیے) قبول کیا ہوا (اور پسندیدہ) ہے (یا یہ قبول اور پسندیدہ ہونے کے اعتبار سے مثل مرضات کے ہے۔

وَمَحْيَاهُمُ أَيْضًا وَحَقَّ تُقَاتِهِ
وَفِي قَدْ هَدَانِ لَيْسَ أَمْرُكَ مُشْكِلاَ

ش: **قوله**: ومحيا هم بالصلة کا عطف رؤیای پر ہے اور **قوله**: حق تقاته عطف آخر ہے اور **قوله**: وفي قد هدان متعلق محذوف کے ہے ای انفرد في قد هدان اور یہ شعر میں جعبریؒ کے قول پر بحذف الياء ہے تاکہ بطریق قبض کسائی کی قراءت کے موافق ہو جائے اور یہ وزن بھی درست رہے لیکن اصفہانی کے قول پر اثبات یا اتمام وزن کے لیے صرف جائز ہی نہیں بلکہ اولیٰ ہے پس ابوشامہ کا یہ فرمانا کہ اس کو شعر میں بغیر یاء کے لانا ہی صحیح ہے ٹھیک نہیں ہے۔ (واللہ اعلم)

ترجمه: اور محیاهم اور حَقَّ تقاته (کا امالہ) بھی (ان ہی کسائی کے لیے) ہے اور قد هدانی (کے امالہ میں (بھی) یہ کسائی منفرد ہیں یعنی اس میں بھی ان ہی کے لیے امالہ ہے) تمہارا (یہ) کام (کہ ان کے امالوں کو کسائی کے لیے خالص کر دینا تم کو) دشواری اور مشکل میں ڈالنے والا نہیں ہے (کیونکہ یہ خصوصیت بھی نقل سے ثابت ہے، لہٰذا تم پر کسی قسم کا کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا یا مطلب ہے کہ ان اشعار میں بعض حروف ایسے بیان کئے گئے ہیں کہ وہ رمز ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں سو وہ بھی تمہارے لیے باعث دشواری نہیں ہیں کیونکہ جب تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ ان اشعار میں جو الفاظ بیان کئے گئے ہیں ان کا امالہ صرف کسائی ہی کے لیے ہے دوسرے کے لیے نہیں تو پھر یہ حروف رمز کیسے مانے جا سکتے ہیں اور یہ تخصیص جو کسائی کے لیے بیان کی گئی ہے کیسے باقی رہ سکتی ہے پس جب یہ بات ہے کہ ان میں امالہ صرف کسائی کے لیے مخصوص ہے تو اب تمہارے لیے لفظاً و معنیً کوئی مشکل اور دشواری نہیں ہے)

وَفِی الْكَهْفِ اَنْسَانِیُ وَمِنْ قَبْلُ جَاءَ مَنْ
عَصَانِیُ وَاُوْصَانِیُ بِمَــــرْيَمَ يُجْتَــلَا

ش: **قوله**: انساني اى امالة انساني في الكهف جملہ اسمیہ ہے **قوله**: من قبل اى من قبل انسانی ترکیب میں **قوله**: جآء کا ظرف ہے **قوله**: عصانی ای اضجاع من عصانی ترکیب میں جآء کا فاعل ہے **قوله**: اوصانی ای امالة اوصانی بمريم يجتلا ای يُكْشَفُ جملہ اسمیہ ہے۔

ترجمه: اور (سورۂ) کہف میں أنساني (کا امالہ) اور اس سے پہلے (سورہ ابراہیم میں) من عصانی (کا امالہ جو) آیا ہے (ان ہی کسائی کے لیے ہے) اور اوصانی (کا امالہ بھی سورہ) مریم میں (انہی کے لیے) دیکھا (اور بیان کیا جاتا ہے)

وَفِيْهَـــا وَفِیْ طٰسٓ اٰتَـــانِیَ الَّـــذِی
اَذَعْتُ بِـــهٖ حَتّٰی تَضَــوَّعَ مَنْدَلَا

ش: **قوله**: اٰتانی ای امالة اٰتانی فی مريم وفی طٰسٓ ای النمل جملہ اسمیہ ہے **قوله**: الذی

اذعت به صلہ وموصول خذ مقدر کا مفعول ہے اور اس کو مفعول اس لیے بنایا گیا ہے تا کہ اس سے مخاطب کو حق بالوصف معلوم ہو جائے جس کا اس کو پہلے سے علم نہیں تھا اور اب اس کو صلہ سے معلوم ہوا ہے یعنی تم اس اٰتانی کو لے لو جس کو میں نے اس سے پہلے جملہ میں ظاہر اور بیان کر دیا ہے۔ **قوله**: حتی معنی میں الیٰ ان کے ہے **قوله**: تضوع یا تو ماضی کا صیغہ یا ایک تاء کے حذف سے مضارع کا ہے۔ **قوله**: مندلا تمیز ہے ای طیبًا یا حال ہے ای مشبهًا مندلاً اور مندل ایک خوشبودار لکڑی ہوتی ہے جس کو غالبًا عود ہندی کہتے ہیں یا ایک قسم کی خوشبو ہے۔ واللہ اعلم

ترجمہ: اور اسی (سورۂ مریم) میں طٰسٓ (سورۂ نمل) میں اٰتانی (کا امالہ بھی ان ہی (کسائی کے لیے) ہے (تم اس اٰتانی کو لے لو) جس کو میں نے ظاہر (اور صراحۃً بیان) کر دیا ہے یہاں تک کہ یہ (اٰتانی اپنے امالہ کے ساتھ) باعتبار ایک قسم کی خوشبو کے مہکا ہوا ہے (یعنی خوب مشہور ومعروف ہے)

وَحَرْفُ تَلٰهَا مَعْ طَحٰهَا وَفِیْ سَجٰی
وَحَرْفُ دَحٰهَا وَهْيَ بِالْــوَاوِ تُبْتَلَا

ش: **قوله**: وحرف تلٰها مرفوع مقدر اور **قوله**: مع طحٰها حال ہے ای مُیل له حرف تلٰها کائنا مع الف طحٰها **قوله**: وفی سجیٰ اس کی تقدیر ومیّل الالف فی سجیٰ ہے **قوله**: وحرف دحٰها اس کا عطف اول پر ہے **قوله**: وهی بسکون الهاء تبتلا جملہ اسمیہ ہے ای وهذه الالفات تُخْتَبَرُ بالواو. (قاری)

ترجمہ: اور لفظ تلٰها مع طحٰها کے (الف کا امالہ بھی ان ہی کسائی کے لیے کیا گیا ہے) اور سجیٰ (کے الف میں (بھی) اور لفظ دحٰها (کا الف بھی ان ہی کسائی کے لیے امالہ سے پڑھا گیا ہے) اور یہ (چاروں الفاظ) آزمودہ بالواو ہیں (یعنی جب ان الفاظ کو اس قاعدہ کے موافق جس کو ناظمؒ نے اس باب کے دوسرے شعر میں بیان کیا ہے متکلم کا صیغہ بنا کر دیکھا اور آزمایا تو بجائے یاء کے واؤ آتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ان کا الف واؤ سے بدلا ہوا ہے نہ کہ یاء سے پس اسی وجہ سے تنبیهاً للاصل حمزہ نے ان میں امالہ نہیں کیا ہے اور کسائی نے جو ان میں امالہ کیا ہے وہ اس لیے کہ رؤس آیۃ میں سے ہیں اور ان میں امالہ کرنے سے یہ پہلے اور بعد والے ان رؤس آیۃ کے تلفظ میں موافق ہو جاتے ہیں جن میں امالہ کیا گیا ہے پس یہ امالة للامالة کے قبیل سے ہے یا یوں کہو کہ کسائی نے ان میں امالہ اس لیے کیا ہے کہ یہ مرسوم بالیاء ہیں۔ واللہ اعلم)

وَأَمَّا ضُحٰهَا وَالضُّحٰی وَالرِّبَا مَعًا
قُــوَی فَأَمَالَاهَــا وَ بِالْــوَاوِ تُخْتَلَا

ش: **قولہ**: فاما لا ھا کی ضمیر ہا کا مرجع یہی کلمات اربعہ مذکورہ ہیں اور ضمیر تثنیہ کا مرجع حمزہ وکسائی ہے اور **قولہ**: بالواو تختلا ای تجتنی یا تو جملہ مستانفہ ہے یا فاما لاھا کی ضمیر ہا سے حالیہ ہے اور یہ خَلَوْتُ الْحَشِيْشَ سے ہے جس کے معنی گھاس کاٹنے اور اس کے حاصل کرنے کے ہیں۔

ترجمہ: اور لیکن لفظ ضُحٰها اور الضحیٰ اور الرّبوا مع القوی کے (جو یہ چار کلمات ہیں) پس ان (چاروں کے الفات) کا (حمزہ وکسائی) دونوں نے امالہ کیا ہے حالانکہ یہ (چاروں کلمات بھی) واؤ کے ساتھ حاصل کئے (اور چنے) جاتے ہیں (یعنی ان کا الف بھی باوجود اس کے کہ واؤ سے بدلا ہوا ہے۔ لیکن ان میں صرف کسائی ہی نے نہیں بلکہ حمزہ وکسائی دونوں حضرات نے امالہ کیا ہے۔

ف: یاد رکھو کہ ان کلمات مذکورہ بالا میں حمزہ وکسائی دونوں کے امالہ کرنے کی وجہ یہ ہے کہ جن واوی کلمات کے پہلے حرف پر ضمہ یا کسرہ ہوتا ہے ان کا تثنیہ کوفیوں کے مذہب کی بناء پر یاء سے کرتے ہیں جیسا کہ مکیؒ نے بیان فرمایا ہے پس چونکہ یہ دونوں بھی کوفی ہیں اس لیے انہوں نے اصل کا لحاظ نہ کرتے ہوئے ان میں امالہ کیا ہے اور ناظمؒ نے باوجود اس کے کہ یہ رؤس آیات کے کلیہ میں داخل تھے (جن کا بیان آئندہ آنے والا ہے) ان کو جو علیحدہ ذکر کیا ہے وہ اس لیے کہ ان میں الرّبوا رؤس آیۃ میں سے نہیں تھا۔ دوسرے یہ بتانا تھا کہ یہ چاروں کلمات ذوات الواؤ ہیں ذوات الیاء نہیں ہیں اور العلیٰ بھی اگرچہ ان ہی میں سے ہے مگر چونکہ یہ علیا کی جمع ہے اور اس میں واؤ یاء سے بدلا گیا ہے پس گویا یہ بھی ذوات الیاء ہی میں سے ہو گیا اور ذوات الیاء میں ان دونوں کے لیے علی الاصل امالہ ہی ہے اس لیے اس کو ذکر نہیں کیا۔ نیز یہ آئندہ آنے والے رؤس آیۃ کے کلیہ میں بھی داخل ہے۔ واللہ اعلم۔

وَرُؤْيَاکَ مَعْ مَثْوَایَ عَنْهُ لِحَفْصِهِمْ
وَمَحْيَایَ مِشْكٰوةٍ هُدَایَ قَدِ انْجَلَا

ش: **قولہ**: رؤیاک ای وامالۃ رؤیاک مبتدا اور **قولہ**: عنہ اس کی خبر ہے ای مرویۃ عن الکسائی. **قولہ**: قد انجلا المذکور جملہ فعلیہ مستانفہ ہے۔

ترجمہ: اور رؤیاک مع مثویٰ کے اور محیای (و) مشکوۃ (اور) ھُدایَ (ان پانچوں کلمات کے الف کا امالہ) ان (قراء میں) کے حفصؒ (دوری) عن الکسائی کے لیے ہے یہ (مذکورہ مثالوں سے واضح اور (خوب ظاہر ہو گیا (یعنی ہم نے اس کو خوب (وضاحت سے بیان کر دیا ہے کہ حفص دوری عن الکسائی کے لیے امالہ ان میں اس وقت ہو گا جب کہ رؤیاک مضاف الی الکاف اور مثوای ومحیای اور ھُدای مضاف الی الیاء ہو اور اگر ان میں سے اول الذکر مضاف الی الیاء اور معرف باللام ہو گا تو ان دونوں میں پورے کسائی کے لیے امالہ

ہوگا جیسے رؤیای والرؤیا جیسا کہ اوپر معلوم ہو چکا ہے۔ اسی طرح مثویٰ جب کسی دوسری ضمیر کی طرف مضاف ہوگا جیسے مثواہ ومثواکم اور مثواھم تو اس میں حمزہ وکسائی دونوں کے لیے امالہ ہے ایسے ہی محیاھم میں صرف پورے کسائی کے لیے امالہ ہے اسی طرح فبھدا ھم وھداھا والھدیٰ وغیرہ بھی بغیر یاء کی طرف مضاف اور معرف باللام ہونے کی صورت میں حمزہ وکسائی دونوں کے لیے امالہ سے پڑھے جائیں گے۔ اور کمشکوٰۃ جو سورہ نور میں ہے اس میں امالہ کا سبب یا تو کسرہ بعد الالف وکسرہ میم دونوں ہیں یا صرف میم کا کسرہ ہے جیسا کہ عرب شملال میں کسرہ ہی کے سبب امالہ کرتے ہیں واللہ اعلم۔

وَمِمَّا أَمَالاهُ أَوَاخِرُ آيِ مَا
بِطٰهٰ وآيِ النَّجْمِ كَيْ تَتَعَدَّلَا

ش: قوله: ومما امالا صلہ موصول اور الف تثنیہ کا مرجع حمزہ وکسائی اور ضمیر (ہ) کا مرجع یاء ہے اور مذکر کی ضمیر لفظ ما کی وجہ سے لائے ہیں اگرچہ معنیٰ اس سے مراد الفات ہیں **قوله**: اواخر جمع آخر مبتدا اور اس سے ماقبل اس کی خبر ہے اور اواخر مضاف ہے ای جمع آیۃ کی طرف جو مابطٰہ صلہ وموصول کی طرف مضاف ہے **قوله**: آی النجم مجرور بالعطف ہے والتقدير من الفات الممالة لحمزة والكسائی الفات اواخر فاصل ای القرآن المذکور فی طٰه واواخر ای النجم **قوله**: کَیْ تتعدلا بالف الاطلاق منصوب بکیٔ تعلیلیہ ہے واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور ان (الفات) میں سے جن کو (حمزہ وکسائی) دونوں نے امالہ سے پڑھا ہے (فواصل آیات (قرآنی کے) آخر والے وہ (الفات) بھی ہیں جو (سورۃ) طٰہٰ اور (سورۃ) نجم کی آخر آیات میں (مذکور) ہیں (یعنی ان سورتوں کی آیات کے آخر الفات خواہ وہ واؤ سے بدلے ہوئے ہوں یا یاء سے سب میں ان دونوں حمزہ، کسائی نے امالہ کیا ہے اس وجہ سے) تاکہ یہ (سب اداء بوجہ امالہ یکساں اور برابر ہو جائیں اور یاء سے یا واؤ سے بدلے ہوئے الفات میں کوئی فرق نہ رہے۔

وَفِيْ الشَّمْسِ وَالْأَعْلىٰ وَفِي اللَّيْلِ وَالضُّحٰى
وفِي اقْرأْ وَفِي وَالنَّازِعَاتِ تَمَيَّلَا
وَمِنْ تَحْتِهَا ثُمَّ الْقِيَامَةِ ثُمَّ فِي الْ
مَعَارِجِ يَامِنْهَالُ أَفْلَحْتَ مُنْهِلَا

ش: قوله: فی الشمس الخ جعبریؒ کے قول پر تمیلا کا ظرف ہے ای حصل اضجاع الالف فی الشمس لهما اور اس کے بعد والے کلمات سب اس کے معطوفات ہیں ان میں سے بعض کے ساتھ حرف

جر کا اعادہ بھی کیا گیا ہے اور والنازعات میں واؤ تلاوۃ کا ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ وفی الشمس کا عطف بطہ پر ہے اور یہی زیادہ ظاہر ہے ای واما لا فی اواخر ای الشمس وما بعدھا من السور المذکورۃ. **قولہ**: تمیلا بالف الاطلاق جملہ مستانفہ ہے ای تمیل المذکور پس اس میں تاء کے رمز ہونے کا جو وہم ہوتا تھا وہ بھی اس سے رفع ہوگیا اور اس کی تائید **قولہ**: ومن تحتھا کے عطف سے بھی ہوتی ہے اور من تحتھا متعلق محذوف کے ہے ای وفی سورۃ کائنۃٍ کقولہ تعالی وَمامنّا الّا لہ مقام معلومٌ پس جار مجرور موصوف محذوف کی صفت ہے اور ضمیر ہا کا مرجع النازعات ہے ای واما عبس التی ھی بعد النازعات بتقدیر اوقعا الامالۃ فی عبس **قولہ**: ثم القیامۃ بتقدیر فی مجرور بالعطف ہے اور اس میں فی مقدر ہونے کا قرینہ **قولہ**: فی المعارج میں اس فی کا ظاہر کر دینا ہے اور ثم یہاں محض عطف کے لیے ہے یعنی بمعنی واؤ ہے۔ کقولہ تعالیٰ جَعَلَ نَسْلَهُ الأية **قولہ**: یا منھال بکسر المیم منادی مبنی علی الضم ہے اور اس سے مراد یا تو خود ناظمؒ ہیں یا ہر وہ شخص ہے جو عالم ہو اور وجوہ قراءت اور روایات ثابتہ سے بخوبی واقف ہوتا ای یا معطی العلم کیونکہ منھال کے معنی کثیر العطاء کے ہیں اور یہ من انھل الابل اوردھا الماء سے ہے یعنی ہر وہ شخص جو اونٹ کو بار بار پانی کی جگہ پر لائے اور **قولہ**: افلحت کے معنی فزت کے ہیں اور **قولہ**: منھلا اسم فاعل بمعنی مُعْطٍ ترکیب میں تاء خطاب سے حال ہے۔

ترجمہ: اور (سورۃ) شمس اور اعلیٰ میں اور (سورۃ) لیل (اور) والضحٰی میں اور اقراء میں اور والنازعات میں امالہ (مذکور) ہے (یعنی ان سب کے اواخر آیات کے الف کا بھی ان ہی حمزہ وکسائی نے امالہ کیا ہے) اور اس (نازعات) کے نیچے (سورہ عبس میں) اور (سورہ) قیامۃ اور سورہ معارج میں (ان کے آخر آیات کے الف کا امالہ بھی ان ہی دونوں کے لیے ہے) اے بہت عطا کرنے والے (علم کے) تو کامیاب ہے کیونکہ تیرے ہی بارے میں حدیث خیر کم من تعلم القرآن وعلمہ آئی ہے) درانحالیکہ تو (علم کا) عطا کرنے والا ہے۔

مطلب: یعنی جن گیارہ سورتوں طٰہ. نجم، شمس. اعلیٰ. لیل، ضحٰی، علق نازعات، عبس، قیامۃ، معارج کا ذکر اوپر کیا گیا ہے۔ ان کی آیات کے آخری الفات میں بھی حمزہ، کسائی دونوں کے لیے امالہ ہے عام اس سے کہ ان گیارہ سورتوں کی آیتوں کے آخری الفات یاء سے بدلے ہوئے ہوں یا واؤ سے اصلی ہوں یا زائدہ اسماء میں ہوں یا افعال میں ثلاثی ہوں یا غیر ثلاثی لیکن جو الفات تنوین سے بدلے ہوئے ہوں ان میں امالہ نہیں ہوگا ایسے ہی ان گیارہ سورتوں میں سے وہ کلمات بھی جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں ان میں

صرف کسائی کے لیے امالہ ہے یہ حمزہ کے لیے امالہ سے مستثنیٰ ہیں اور یہ بھی یادرکھو کہ آیتوں کے آخری کلمات کو رؤس آیات بھی کہتے ہیں اور فواصل آیات بھی اور اکثر جگہ اس سے یہی گیارہ سورتوں کی آیات کے آخری الفات مراد ہوتے ہیں اب اس کے بعد ناظمؒ ان کلمات کو بیان فرماتے ہیں جن میں ان دونوں کے علاوہ دوسروں نے بھی امالہ کیا ہے۔

رَمیٰ صُحْبَةٌ أَعْمیٰ فِي الْإِسْرَاءِ ثَانِيًا
سُوًى وَ سُدًى فِي الْوُقْفِ عَنْهُمْ تَسَبَّلا

ش: **قوله**: رَمیٰ مبتدا اور **قوله**: صُحْبَة بتقدیر ممال خبر ہے یا رمیٰ صحبة معمول مقدر ہے ای امال صحبة الف رمیٰ ذکرہ الجعبریؒ **قوله**: في الاسرآء بالنقل ترکیب میں فعل یا شبہ فعل یعنی امال یا ممال کا ظرف ہے اور **قوله**: ثانیًا ای متاخراً حال ہے **قوله**: سویً وسدیً ای وامالة سویً وسدیً مبتدا اور **قوله**: في الوقف ظرف ہے اور عنهم کی ضمیر کا مرجع مدلول صحبة ہے اور **قوله**: تسبّلا بالف الاطلاق تحبس ای ثبت مبتدا کی خبر ہے اور اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع اضجاع ہے جو امالہ کا مرادف ہے یا اس کا الف تثنیہ کا ہے اس بناء پر کہ یہ سویً یا سدیً دونوں کی خبر ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: (لفظ) رمی اور (سورۃ) اسراء میں (لفظ) اعمیٰ (کے الف کا امالہ) درانحالیکہ یہ (اس سورۃ کا) دوسرا ہے (مدلول) صحبة (حمزہ وکسائی اور ابوبکر شعبہ کے لیے) ہے (اور) سویً وسدیً (دونوں کا امالہ بھی صرف حالت) وقف میں ان ہی (مدلول صحبة) سے مقید (اور ثابت) ہوا ہے (یعنی ان دونوں لفظوں میں امالہ کرنا بحالت وقف صرف ان ہی حضرات کے لیے مخصوص ہے اور کسی کے لیے ان میں امالہ نہیں ہے)

وَرَاءُ تَرَاءٰی فَازَ فِي شُعَرَائِهِ
وَأَعْمیٰ فِي الْإِسْرَا حُكْمُ صُحْبَةٍ اوَّلا

ش: **قوله**: وراء ای اضجاع راء او تراء مبتدا مضاف اور **قوله**: فاز ای ظفر اس کی خبر ہے اور **قوله**: في شعرائه متعلق مصدر مقدر (اضجاع) کے ہے اور اس کی ضمیر (ہ) کا مرجع ترآءٰ ہے کیونکہ یہ اسی سورۃ میں ہے پس یہ کقولک غلام زید في دارہ کے ہے **قوله**: اعمیٰ ای اضجاء اعمیٰ مبتدا اور **قوله**: في الاسرا بالنقل مقصوراً اس کے متعلق ہے اور **قوله**: حکم صحبة ای محکومهم بالامالة خبر ہے اور صحبة روایةً منصرف ہے تاکہ اس طرف اشارہ ہو جائے کہ یہ اصل میں علم نہیں ہے **قوله**: اولا جعبریؒ کے قول پر اعمی سے حال ہے۔ ای متقدماً اور ملا علی قاریؒ کی رائے

پر ظرف ہے اور اس کا الف اطلاقیہ ہے یا تنوین سے بدلا ہوا ہے

ترجمہ: اور تو آئی را (کا امالہ صاحب فاء فاز حمزہ کے لیے اسی (سورہ) شعرآء میں کامیاب ہے اور (لفظ) اعمٰی (سورۃ) اسراء میں (صاحب حاء حکم ابوعمرو اور حمزہ وکسائی وابوبکر شعبہ (مدلول) صحبہ کا محکوم (بالامالۃ) ہے درانحالیکہ یہ (اعمٰی اس سورۂ اسراء کا) پہلا ہے (یعنی سورۃ بنی اسرائیل میں جو پہلا لفظ اعمیٰ ہے اس میں ابو عمرو اور حمزہ وکسائی وشعبہ کے لیے امالہ ہے پس مدلول صحبۃ کے لیے تو اس سورۃ اسراء کے دونوں لفظ اعمٰی میں امالہ ہیں اور ابوعمرو کے لیے صرف اول اعمٰی میں امالہ اور دوسرے میں فتحہ ہے۔ باقی قراء کے لیے سوائے ورش کے صرف فتحہ ہے اور ورش کے لیے فتحہ وتقلیل دونوں ہیں جیسا کہ آئندہ ان شاء اللہ معلوم ہوگا۔

وَمَا بَعْدَ رَاءٍ شَاعَ حُكْمًا وَحَفْصُهُمْ
يُوَالِيْ بِمَجْرَاهَا وَفِيْ هُوْدَ أُنْزِلَا

ش: **قوله**: وما بعد راء ما موصولہ مبتدا ای واضجاع الالف التی بعد راءٍ اور **قوله**: شاع اس کی خبر ہے اور **قوله**: حکماً تمیز ہے ای شاع حکم تلک الامالۃ حیث لم یختص بذوات الیاء بل یشمل الالفات الملحقه **قوله**: وحفصهم یوالی جملہ اسمیہ ای حفص القراء یوافق المذکورین اور یہ حفص امام عاصم کے راوی ہیں حفص دوری نہیں ہیں اس لیے کہ دوری مرموزین بالحکم العام میں شامل ہیں جو مجراها کے لیے ہے **قوله**: بمجراها میں باء بمعنی فی ہے اور **قوله**: وفی هود انزلا بالف الاطلاق ای انزل بمجراها جملہ فعلیہ ہے اور ہود کا یہاں غیر منصرف پڑھنا ضروری ہے کیونکہ یہاں عجمہ کے ساتھ تانیث اور علمیت بھی جمع ہوگئی ہے بخلاف قوم ھود وغیرہ کے کہ یہ منصرف ہے کیونکہ اس میں وہ تانیث جو سورۃ کے نام سے مستفاد ہے مفقود ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور (اس الف کا امالہ) جو راء کے بعد ہو (صاحب شین شاع وحاء حکم حمزہ وکسائی اور ابوعمرو کے لیے) حکم کے اعتبار سے عام (اور مشہور ہے) یعنی (اس کے امالہ کا حکم ذوات الیاء ہی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ ان الفات کو بھی شامل ہے جو ملحق بذوات الیاء ہوں پس ہر اس الف میں جو راء کے بعد یاء کی شکل میں لکھا ہوا ہو ان تینوں کے لیے امالہ ہے اور ان (قراء) میں کے حفص (بھی) مجراہا (کے امالہ کرنے) میں (ان تینوں مذکورین ومرموزین شاع وحکما کے موافق ہیں اور یہ (مجراہا سورۃ) ہود میں نازل کیا گیا ہے۔

مطلب: یعنی ہر وہ الف کہ جو راء کے بعد واقع ہو عام اس سے کہ منقلب بیاء ہو یا تانیث کے لیے یا ملحقہ متطرفہ لفظاً یا تقدیراً ہو افعال میں ہو یا اسماء میں تو اس میں ہر جگہ حمزہ وکسائی کے ساتھ ابوعمرو نے بھی امالہ محضہ (کبریٰ) کیا ہے جیسے اسری بعبده وما ارکم وافتریٰ واسمع واریٰ وقد نریٰ وترٰهم

ینظرون ویرک حین ویتواری وتتماریٰ ویفتی. والقریٰ الثری وسکریٰ وسکاری وذکرٰھم والکبریٰ والشعریٰ والنصاریٰ وغیرہ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ لفظ مجرٰھا جو سورۂ ہود میں ہے اس کے امالہ میں ان تینوں کے ساتھ حفص راوی عاصم بھی شریک ہیں پس اس لفظ کے سوا حفص کے لیے اور کہیں امالہ نہیں ہے۔

نَأَى شَرْعُ يُمْنٍ بِاخْتِلَافٍ وَشُعْبَةٌ
وَفِي الْإِسْرَا وَهُمْ وَالنُّونَ ضَوْءُ سَنًا تَلَا

ش: **قوله**:نا ای اضجاع ناشرع یمن ای طریق مبارک جملہ اسمیہ اور **قوله**:باختلاف متعلق مقدر کے ہے **قوله**:وشعبة کی تقدیر واضجاع شعبةٍ ہے اور **قوله**:فی الاسراء بالنقل والقصر متعلق مقدر کے ہے اور مفعول محذوف ہے ای نااور **قوله**:وھم ای مدلول شرع یمن معطوف ہے۔ **قوله**:والنون ای اضجاع نون نامطلقًا مبتدا اور **قوله**: ضوءُ سنًاای فھو ضوءُ سنًا اس کی خبر ہے اور سنا مقصورا بمعنیٰ ضوء ہے اور اضافت یا تو دولفظ کے مختلف ہونے کی وجہ سے ہے یا مبالغہ ہے اور بعض نے ان دونوں میں یہ فرق بیان فرمایا ہے کہ ضیاء نور سے اور نور سنا سے اقویٰ ہوتا ہے بدلیل قوله تعالیٰ ھو الذی جعل الشمس ضیاء وّالقمر نورًا ویکاد سنا برقہٖ **قوله**:تلا بمعنی تبع خبر بعد خبر ہے ای امیل تبعاً مما بعده لا بطریق الاصالة یاتلا خبر ہے اور ضوٴ سنا اس کا مفعول ہونے کی بنا پر منصوب ہے)

ترجمه: نا (کے الف کا امالہ صاحب شین شرع حمزہ کسائی کے لیے بلا اختلاف اور صاحب یاء یمن سوسی کے لیے اختلاف کے ساتھ مبارک طریقہ ہے اور (سورہ) اسراء میں (نا کے الف کا امالہ کرنا) شعبہ کے لیے) اور یہ تینوں جو مدلول شرع یمن ہیں ان کے لیے اور اسی طرح حمزہ کسائی کے لیے بلا اختلاف اور سوسی کے اختلاف کے ساتھ طریق مبارک ہے اور نا مطلقاً کے) نون (کا امالہ بھی صاحب ضاد ضوٴ وسین سنا وتاء تلا خلف ابوالحارث اور دوری یعنی پورے کسائی کے لیے) روشن چمکدار تابع (لما بعدہ) ہے (یعنی نون میں جو امالہ کیا گیا ہے وہ اصالةً نہیں ہے بلکہ اس کے مابعد کے امالہ کی وجہ سے تبعًا اس میں بھی امالہ کیا گیا ہے اور نا مطلقا کا یہ مطلب ہے کہ وہ خواہ سورہ فصلت کا ہو یا سورہ اسراء کا دونوں کے نون میں ان حضرات مذکورین کے لیے امالہ ہے۔

إِنَاهُ لَـــهُ شَافٍ وَقُلْ أَوْكِلَاهُمَا
شَفَا وَلِكَسْرِ أَوْلِيَـــاءِ تَمَيَّلَا

ش: **قوله**:اناہ ای اضجاع اناہ مبتدا اور **قوله**: لہ شافٍ جملہ اسمیہ اس کی خبر ہے اور ضمیر لہ کا مرجع

لفظ اناہ ہے والمعنی اناہ لہ فی الامالۃ وجہ شاف لان الفہ عن یاء **قولہ** او کلاھما ای واضجاع او کلاھما شفا دوسرا جملہ ہے اور دونوں جار متعلق **قولہ**: تمیلا بالف الاطلاق کے ہیں اور اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع لفظ او کلاھما ہے وھو الاصح الذی علیہ اکثر الشراح اذمع وجود السبب القوی فی اناہ لا ینبغی اعتبار السبب الضعیف فی میناہ پس جنھوں نے اس کے الف کو تثنیہ مانا ہے اور اس کو اناہ اور او کلاھما کی طرف راجع کیا ہے وہ خلاف اولیٰ ہے اس لیے کہ اناہ میں بلا ضرورت سبب قوی (یاء) کے ہوتے ہوئے سبب ضعیف (کسرہ) پر اعتماد کرنا لازم آتا ہے جو غیر مناسب ہے اور کلاھما میں جو سبب ضعیف (کسرہ) کا اعتبار کیا گیا ہے وہ ضرورت کی بناء پر ہے کیونکہ اس میں الف کا یاء سے بدلا ہوا ہونا بوجہ اختلاف قوی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اناہ کے الف کا (امالہ) جو (صاحب لام لہ و شین شاف ہشام و حمزہ و کسائی کے لیے) ہے اس کے لیے (وجہ) شافی و (کافی) ہے (اور وہ یہ ہے کہ اس کا الف یاء سے بدلا ہوا ہے اور تم کہہ دو کہ او کلاھما (کا امالہ جو (صاحب شین حمزہ و کسائی کے لیے ہے وہ (بھی دلیل کے اعتبار سے) شافی ہے اور یہ (کلاھما) کسرہ یا یاء کی وجہ سے امالہ والا ہو گیا ہے (یعنی او کلاھما میں سبب امالہ یا تو کاف کا کسرہ ہے یا لام کے بعد والا الف جو کہ یاء سے بدلا ہوا ہے اور اس کو علیحدہ جو بیان کیا ہے باوجود اس کے کہ اس میں امالہ حمزہ و کسائی ہی کے لیے ہے اور کوئی دوسرا ان کے ساتھ شریک نہیں ہے وہ اس لیے کہ اس کے یائی و واوی ہونے میں اختلاف ہے اور نیز یہ بتانا مقصود ہے کہ اس میں امالہ کا سبب کاف کا کسرہ ہے اگر چہ یہ واوی ہے ورنہ پھر یاء ہے اور اس وقت یہ قاعدہ مذکورہ بالا کے موافق ذوات الیاء میں سے ہے اب اس کے بعد ناظمؒ ورش کی تقلیل کا قاعدہ بیان فرماتے ہیں۔

وَذُو الرَّاءِ وَرْشٌ بَيْنَ بَيْنَ وفِيُ أَرٰىٰ
كَهُمْ وَذَوَاتُ الْيَا لَهُ الْخُلْفِ جُمِّلَا

ش. قولہ: ذو الرّاء مبتدا اور **قولہ**: ورش بتقدیر امال او ممال ورش اس کی خبر ہے **قولہ**: بین بین مصدر مقدر کی صفت ہے ای امالۃ کائنۃ بین الحرفین **قولہ**: الخلف جمّلا بضم الجیم و کسر المیم جملہ اسمیہ ہے اور الخلف میں ایک روایت نصب کی بھی ہے پس اس وقت جملا کا مفعول ہوگا اور جملا میں الف اطلاقی ہے اور اس کی ضمیر مستتر کا مرجع لفظ خلف ہے یا اس میں الف تثنیہ کا ہے اس معنی کر کہ خلف معنیٰ وجہان کا قائم مقام ہے۔

ترجمہ: اور (ذوات الیاء میں کا) راء والا (الف ایسا ممال) ورش ہے جو (فتحہ اور امالہ محضہ کے)

درمیان درمیان ہے اور ادریٰ کھم اور ذوات الیاء والے تمام الفات میں ان (ورش) کے لیے خلف (بسبب توجیہ) جمال دیا گیا ہے۔

مطلب: یعنی یائی کلمات کا ہر وہ الف جو راء کے بعد واقع ہو جیسے تریٰ الشریٰ وغیرہ تو اس میں ورش کے لیے امالہ بین بین ہے جس کو امالہ صغریٰ اور تقلیل بھی کہتے ہیں لیکن ان رائی کلمات میں سے صرف ادریٰ کھم میں اور یائی غیر رائی والے تمام الفات میں علاوہ رؤس آیات کے کہ جن کا حکم آئندہ بیت میں آرہا ہے خلاف ہے (فتحہ و تقلیل دونوں ہیں) جیسے فتلقی وموسیٰ وغیرہ۔

وَلٰكِنْ رُؤُسُ الْآیِ قَدْ قَلَّ فَتْحُهَا
لَهٗ غَیْرَمَا هَا فِیْهِ فَاحْضُرْ مُكَمَّلَا

ش: قوله: ولکن یہاں یہ استدراکیہ ہے عاطفہ نہیں ہے کیونکہ اس سے پہلے واؤ موجود ہے **قوله**: قد قل فتحها جملہ فعلیہ ہو کر **قوله**: رؤس الای مبتدا کی خبر ہے۔ **قوله**: غیرہ خبر سے استثناء ہونے کی بنا پر منصوب ہے اور **قوله**: ماهافیه صلہ موصول ہے ای الاالفاصلة التی فیها لفظة ها یعنی بالالف. **قوله**: مکملا یا تو **قوله**: فاحضر کے فاعل سے حال ہے یا مصدر کی صفت ہے ای حضورًا مکمّلًا یا مفعول بہ ہے ای ضابطًا مکملاً او معلماً مکملا پس اس کے دوسرے میم میں فتحہ و کسرہ دونوں کا احتمال ہے۔ (قاری)

ترجمه: اور لیکن رؤس آیات کے الفات) جو ہیں ان کا فتحہ ان (ورش) کے لیے قلیل ہے (یعنی ان میں ان کے لیے صرف تقلیل ہے دونوں وجہ نہیں ہیں) سوائے اس (آیت) کے کہ اس (کے آخر) میں (الف کے بعد) ہا ہو (جیسے طحٰها و جلّٰها و تلٰها کہ اس میں ان کے لیے فتحہ و تقلیل دونوں وجہ ہیں لیکن سورہ نازعات کے ذکراہا میں ذوالراء ہونے کی وجہ سے صرف تقلیل ہے) پس تم (ان قواعد کے سمجھنے اور حاصل کرنے کے لیے علمی مجالس میں) مکمل طور پر حاضر رہو (ایسا نہ ہو کہ تمہارا جسم تو حاضر رہے اور دل و دماغ منتشر ہو بلکہ پوری طرح مع قالب و قلب اور دماغ کے حاضر رہو یا یہ معنی کہ تم پوری حضوری سے حاضر ہو غائب نہ ہو یا یہ کہ تم مکمل ماہر عالم اور کامل بنا دینے والے معلم کی حضوری میں حاضر ہو تا کہ تم کو اچھی طرح ان قواعد کا علم ہو جائے۔

مطلب: یعنی جن گیارہ سورتوں کی آیات کے اواخر الفات کا اوپر ذکر ہو چکا ہے اور جن کو رؤس آیات بھی کہتے ہیں ان میں ورش کے لیے صرف ایک وجہ امالہ بین بین یعنی امالہ صغریٰ ہے اس کو تقلیل بھی کہتے ہیں عام اس سے کہ وہ واوی ہوں یا یائی مگر ان میں سے ان رؤس آیہ میں جن کے آخر میں ہا ہے اور وہ ذو الرّاء میں سے نہیں ہیں چاہے واوی ہوں یا یائی فتحہ اور امالہ بین بین دونوں وجہ ہیں۔ فافہم۔

وَكَيْفَ أَتَتْ فَعْلىٰ وَآخِرُ آيِ مَا
تَقَدَّمَ لِلْبَصْرِیْ سِوَا رَاهُمَا اعْتَلَا

ش: **قوله**: وكيف الخ الكلام معطوف على **قوله**: وذوالراء ورش بين بين **قوله**: فعلیٰ مرفوع مقدر ہے ای یمال بین بین فعلی لابی عمرو اور کیف اتت ترکیب میں فعلیٰ سے حال ہے اور **قوله**: اوراخرای معطوف مضاف الی ما تقدم ہے جو صلہ وموصول ہے اور **قوله**: سواراهما ان دونوں قسموں فَعْلیٰ اور آخر ای ما تقدم سے مستثنیٰ ہے اور **قوله**: اعتلا بمعنی ارتع مستانفہ ہے اور اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع راء یا اضجاع یا بصری۔ ہے اور یہ آخر کا زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمه: اور جس طرح (سے بھی) آئے فعلیٰ (یعنی اس کی فاء پر زبر ہو یا پیش یا زیر ہو) اور ان (گیارہ سورتوں) کی آیات کا آخری الف جس کا بیان اوپر ہو چکا ہے (ان دونوں قسموں میں) بصری کے لیے (امالہ بین بین ہے) سوائے ان دونوں (قسم) کی راء (والے کلمات) کے (کہ ان میں ان کے لیے امالہ کبریٰ ہے امالہ بین بین نہیں ہے جیسا کہ اوپر گذر چکا ہے) یہ (بصری اس بارے میں بہت بلند اور مشہور) ہیں۔

مطلب: یعنی جو کلمات فِعْلیٰ بحرکات ثلثہ فی الفاء کے وزن پر ہوں جیسے دعویٰ ضیزیٰ وسطیٰ وغیرہ تو ان کے الفات میں اور ان گیارہ سورتوں کی آیات کے آخری الفات میں جن کا بیان اوپر گذر چکا ہے۔ عام اس سے کہ ان کے بعد ہا ہو یا نہ ہو واوی ہوں یا یائی ہر حالت میں ابوعمرو بصری کے لیے ان دونوں قسموں میں صرف امالہ بین بین ہے مگر ان دونوں قسم کے ان الفات میں کہ جن سے پہلے راء ہے جیسے تتریٰ، ذکریٰ، بشریٰ، وافتریٰ وغیرہ تو ان میں ان کے لیے بجائے امالہ بین بین کے امالہ محضہ ہوگا جیسا کہ شعر وما بعد راءٍ شاع حكماً الخ میں اوپر معلوم ہو چکا ہے۔

وَيَاوَيْلَتیٰ أَنّیٰ وَيَاحَسْرَتیٰ طَوَوْا
وَعَنْ غَيْرِهِ قِسْهَا وَيَا أَسَفیٰ الْعُلاَ

ش: **قوله**: یٰویلتیٰ ای وتعلیل یا ویلتی ترکیب میں مع اپنے معطوفات کے **قوله**: طووا کا مفعول ہے اور **قوله**: یا اسفیٰ کی تقدیر الف یااسفیٰ مقللة ایضا له ہے اور **قوله**: العلا بالضم یا تو صرف یااسفیٰ کی صفت ہے ای ذات العلیٰ یا چاروں کلمات کی ہے ای ذوات العلا واللہ اعلم۔

ترجمه: اور یا ویلتیٰ (اور) انّیٰ اور یاحسرتیٰ (کے تقلیل امالہ) کو اہل ادا نے صاحب طاء طووا دوری بصری کے لیے) محفوظ کیا ہے اور ان دوری بصری) کے غیر سے دوسروں کے لیے) ان (کلمات کے امالہ وفتحہ) کو (ان کے قاعدہ کے موافق) قیاس کرو اور یااسفی (بھی ان کے لیے مقللہ) ہے جو (تلاوۃً یا

حسرتیٰ سے) بلند یعنی اوپر اور اس سے پہلے) ہے۔

ف: جاننا چاہئے کہ ناظمؒ نے یااسفیٰ کو جو آخر میں علیحدہ بیان فرمایا ہے اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ تیسیر میں دوری بصری کے لیے تقلیل والے الفاظ میں مذکور نہیں ہے پس اس سے معلوم ہوا کہ اس میں دوری کے لیے تیسیر کے موافق فتحہ ہے تقلیل نہیں ہے۔ لہٰذا ناظمؒ کے مناسب تو یہ تھا کہ اس میں فتحہ اور تقلیل دونوں بیان فرما دیتے تا کہ فتحہ تیسیر کے موافق اور تقلیل زیادات میں سے ہو جاتی خلاصہ یہ ہے کہ یااسفیٰ میں دوری بصری کے لیے فتحہ اور تقلیل دونوں صحیح ہیں لیکن اصح فتحہ ہے اس لیے کہ یہ جمہور کا مذہب ہے۔ علامہ دانیؒ نے بھی اس میں فتح ہی بیان فرمایا ہے اور ناظمؒ نے جو اس میں صرف تقلیل ہی بیان فرمائی ہے وہ غالبًا اس وجہ سے تا کہ یہ اپنے ہم جنس الفاظ یا ویلتیٰ ویحسرتیٰ کے موافق اور انھیں کے حکم میں داخل ہو جائے۔ واللہ اعلم۔

كَيْفَ الثُّلاَثِي غَيْرَ زَاغَتْ بِمَاضِي
اَمِلْ خَابَ خَافُوا طَابَ ضَاقَتْ فَتُجْمِلاَ

ش: **قوله**: وكيف الثلاثي اى وكيف جاء الفعل الثلاثي المعتل العين من اتصال ضمير او تاء تانيث ترکیب میں حال کی جگہ ہے اور **قوله**: غیر کا نصب استثناء کی بناء پر ہے **قوله**: بماضي ترکیب میں جاء مقدر کا ظرف ہے اور منقوص کو لفظًا اعراب دینا اصل کی طرف مراجعت کرتے ہوئے وزن شعر کی وجہ سے جائز ہے **قوله**: فتجملا من الاجمال بمعنی فعل جمیل بوجہ جواب امر منصوب بان مقدره بعد الفاء ہے اور الف اطلاقیہ ہے۔

ترجمه: اور جس طرح سے بھی (آئے فعل) ثلاثی مجرد ومعتل عین) ماضی (معروف) میں سوائے زاغت کے تو تم (اسی میں صاحب فاء فتجملا حمزہ کے لیے) خاب، خافوا، طاب ضاقت (کے الف) کا امالہ کرو تا کہ تم عمدہ کام کرنے والے کہلاؤ۔

وَحَاقَ وَزَاغُوْ جَاءَ شَاءَ وَزَادَ فُزْ
وَجَاءَ ابْنُ ذَكْوَانٍ وَفِيْ شَاءَ مَيَّلاَ

ش: **قوله**: وحاق الخ اور اس کے معطوفات علیٰ ما فی بیت السابق منصوب بالعطف ہیں **قوله** فز بمعنی اظفر جملہ مستانفہ ہے **قوله**: جاء بن ذكوان جملہ اسمیہ ہے ای الف جاء ممال ابن ذكوان. **قوله**: وفي شاء ميلا بالف الاطلاق جملہ فعلیہ ہے ای اوقع الامالة فيه اور میّلا کی ضمیر فاعل کا مرجع ابن ذکوان ہے۔

ترجمہ: اورحاق اورزاغو (اور) جاء (و) شاء اورزاد (کے الف) کا امالہ بھی صاحب فاءفز، حمزہ ہی کے لیے کرو۔ خدا کرے کہ (تم اپنے مقصد میں) کامیاب ہوجاؤ اور جآء (کا الف بھی) ابن ذکوان کے لیے (امالہ سے پڑھا گیا ہے) اورشاء (کے الف) میں (بھی) ان ہی ابن ذکوان) نے امالہ کیا ہے۔

فَزَادَهُمُ الْأُولىٰ وِفِى الْغَيْر خُلْفُهُ
وَقُلْ صُحْبَةٌ بَلْ رَّانَ وَاصْحَبْ مُعَدَّلَا

ش: قوله: فزادهم اس کا عطف بتقدیر واؤ اس سے پہلے شعر کے بعد والے کلمہ فی شاء پر ہے والتقدير وفی فزادهم الاولىٰ ايضاله الامالة اورفاء تلاوت کی ہے شعلہ کے قول پر عاطفہ نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں بلاضرورت فاء موصولہ کا مقطوع کرنا لازم آتا ہے دوسرے یہ کہ اگر یہ مقصود ہوتا تو بجائے فزادہم کے وزادہم فرماتے لہٰذا صحیح یہی ہے کہ یہاں حرف عاطف محذوف ہے **قوله:** الاولىٰ باعتبار کلمے کے اس کی صفت ہے ای الواقعة فی اول البقرة **قوله:** صحبة کی تقدیر یا تو امال صحبة الف بل رّان ہے پس اس صورت میں یہ جملہ فعلیہ ہوگا یاصحبة کذلک ہے اوراس وقت یہ جملہ اسمیہ ہے **قوله:** واصحب اس کا عطف قل پر ہے اور معدلا بصیغہ مفعول اس کا مفعول ہے ای ظاهر العدالة مزكیٰ فی الحالة.

ترجمہ: (اورسورہ بقرہ کے) اول فزادہم (میں بھی ابن ذکوان نے امالہ کیا ہے) اور (اس کے) غیر (لفظ زاد) میں ان (ابن ذکوان) کا خلاف ہے (یعنی فتح اور امالہ دونوں ہیں) اور تم کہدو کہ (مدلول) صحبۃ (حمزہ کسائی اور ابوبکر شعبہ) نے بل ران (کے الف) کا (بھی امالہ کیا ہے) اورتم ماہر معتبر بزرگ عالم کی صحبت اختیار کرو (یعنی تم ایسے شخص کی صحبت اختیار کرو جو صاحب کمال اور اقوالاً وافعالاً واخلاصاً نیک بزرگ اور لائق تعریف ہو اور جس کی علمیت اور تقویٰ کو صاحب فہم اور اونچے درجہ کے دیندار حضرات مانتے ہوں۔ ناظمؒ نے اس سے ان جیسے حضرات کی صحبت اختیار کرنے کا شوق دلایا ہے اور حقیقت میں ہے بھی یہ ایک بڑی نعمت چنانچہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُو اللهَ وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ﴾ وَقَال عزّ وجل ﴿وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ﴾ اور نیز نو اسی سے اس پر تنبیہ ہے کہ علم قراءت کسی ایسے معتبر عالم سے حاصل کریں جس کی سند قابل اعتماد ہو اور دیگر اس فن کے ماہر اور قابل ترین علماء اس کو مانتے ہوں)

وَفِىْ أَلِفَاتٍ قَبْلَ رَا طَـرَفٍ أَتَتْ
بِكَسْرٍ أَمِلْ تُدْعىٰ حَمِيْدًا وَتُقْبَلَا

ش: **قولہ**: وفی الفات متعلق **قولہ**: امل کے ہے اور **قولہ**: قبل را بالقصر اس کی صفت ہے اور طرف ترکیب میں راء کی پہلی صفت ہے اور **قولہ**: اتت بکسر دوسری صفت ہے ای مکسورۃ **قولہ**: تدعیٰ بمعنی تسمیٰ جواب امر کی بناء پر مجزوم ہے اور اس میں یاء کا اثبات اس وجہ سے ہے کہ اس کو قائم مقام صحیح کے مان لیا گیا ہے اور یہ بھی ایک لغت ہے چنانچہ متی تنقصی اٰتِیْک جو خطبہ میں اوپر گذر چکا ہے۔ اس کی یاء کا اثبات بھی اس لغت کی بناء پر ہے اور اسی سے روایت قنبل من یتقی ویصبر بھی ہے **قولہ**: حَمِیْدًا ای محمودًا اس کا دوسرا مفعول ہے اور اگر تدعی بمعنی تسمی نہیں ہے تو یہ حال ہے **قولہ**: تقبلا بھی مجزوم بالعطف ہے اور اس کا الف بدلے میں نون خفیفہ کے ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور ان الفات میں (بھی) جو (کلمہ کی) ایسی آخری والی راء سے پہلے ہوں جو کسرہ کے ساتھ آرہی ہو تو تم صاحب تاء تدعیٰ وحاء حمیداً (دوری علی اور ابوعمرو کے لیے) امالہ کرو تاکہ تم (اس کے سبب سے) محمود نام رکھے جاؤ (یا تم محمود ہونے کی حالت میں پکارے جاؤ) اور مقبول ہو جاؤ۔ (مثال اگلے بیت میں مذکور ہے۔

كَأَبْصَارِهِـمْ وَالـدَّارِثُمَّ الْحِمَارِ مَعْ
حِمَارِكَ وَالْكُفَّارِ وَاقْتَسْ لِتَنْضُلَا

ش: **قولہ**: کابصارھم ترکیب میں مبتدا مقدر کی خبر ہے۔ ای الالف الممالۃ قبل الرّاء الْمَذْکُوْرۃ کابصارھم الخ اور **قولہ**: مع حمارک حال ہے ای کائنات مع حمارک **قولہ**: الکفار اس کا عطف الحمار پر یا حمارک پر ہے **قولہ**: اقتس ای قس امر ہے **قولہ**: لتنضلا بضم الضاد المعجمۃ ای لتغلب علیٰ اَقْرَانِکَ من ناضلہ راماہ فنضلہ فی الرمی منصوب بان مقدرہ بعد لام کے ہے اور اس کا الف اطلاقیہ ہے۔

ترجمہ: (الف ممالہ قبل راء متطرفہ مکسورہ مذکورہ) مثل ابصارھم اور الدار اور الحمار مع حمارک اور الکفار کے ہے اور تم (ان مثالوں پر اس قسم کے دوسرے کلمات کو بھی) قیاس کرو (یعنی ان میں بھی اسی طرح ان مذکورین تدعیٰ حمیداً کے لیے امالہ محضہ کرو) تاکہ تم (اپنے ساتھیوں پر غالب آجاؤ (اور ان سے علم میں بڑھ جاؤ)

وَمَـعْ كَافِـرِيْنَ الْكَافِـرِيْنَ بِيَائِـهِ
وَهَـارِ رَوَىٰ مُرْوٍ بِخُلْفٍ صَـدٍ حَلَا

بَدَارِ وَجَبَّارِيْنَ وَالجَارِ تَمَّمُوا
وَوَرْشٌ جَمِيْعَ الْبَابِ كَانَ مُقَلِّلا

ش: **قوله**: الكافرين منصوب مقدر ہے اور **قوله**: مع الكارين اس سے حال ہے **قوله**: بيانه اس کی ضمیر کا مرجع لفظاً کافرين اور معنی دونوں ہیں ای وأمالا لفظ الكافرين كائنا مع كافرين بالياء **قوله**: هار ای امالة هار یاروی کا مفعول ہے یا مبتدا ہے.................. **قوله**: بخلف ترکیب میں مرو سے جوروی کا فاعل ہے حال ہے **قوله**: صدِ اصل میں صدئٌ على وزن حذِرٌ ہے صدی یصدی سے کرضي یرضي پس اس میں تعلیل مثل قاضٍ کے ہوئی ہے۔ ترکیب میں مرو کی صفت ہے اور معنی اس کے پیاسے کے ہیں اس سے اس حدیث کی طرف اشارہ ہے منهو مان لَا يَشْبَعَانِ طَالِبُ عِلْمٍ وَطَالب الدنيا یعنی دو بھوکے ایسے ہیں کہ وہ کبھی سیر نہیں ہوتے ہیں ایک علم کا طلب کرنے والا دوسرا طالب دنیا۔ قوله حلا جملہ مستانفہ ہے ای عذب نقله **قوله**: بدار اسم فعل معنی میں بادر ہے۔ ای سارع الى اخذه **قوله**: جبارين ای امالة جبارين مبتدا اور **قوله**: الجار اس کا معطوف اور **قوله**: تمَّمُوا خبر ہے اور عائد هما منصوب محذوف ہے ای الكلمتين یا یہ دونوں جبارين اور الجبار اس کے مفعول مقدم ہیں وهو اولىٰ كما لا يَخْفىٰ. والله اعلم.

ترجمه: اور الکافرين مع کافرين کے درانحالیکہ یہ (یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک) اپنی یاء کے ساتھ ہو (یعنی کافرون نہ ہو ان کے الف میں بھی ان ہی دونوں تدعیٰ حمیداً نے امالہ کیا ہے) اور ھا (کے الف کے امالہ محضہ) کو (صاحب راء رویٰ وصاد صدِ وحاء حلاو باء بدارِ کسائی۔ ابوبکر شعبہ۔ ابوعمرو قالون کے لیے بلا خلاف اور صاحب میم مرو ابن ذکوان کے لیے) خلاف کے ساتھ (ہوتے ہوئے) ایسے سیراب کرنے والے (عالم) نے روایت کیا ہے جو (باوجود دوسروں کو علم کی دولت سے سیراب کرنے کے خود بھی زیادتی علم کا) پیاسا (اور طالب) ہے یہ (نقل) شیریں ہے تم (اس کے حصول کی طرف) جلدی بڑھو اور جبارين اور الجار (دونوں کے الف کے امالہ) کو ان ہی (اہل ادا) نے صاحب تاء تمموا دوری علی کے لیے) تمام کیا ہے (یعنی بلا زیادتی وکمی کے پورا امالہ کیا ہے) اور ورش (اس) تمام باب یعنی راء مکسورہ متطرفہ سے پہلے والے الفات) کو تقلیل (امالہ بین بین) سے پڑھنے والے ہیں۔

مطلب: یعنی الکافرين بالياء نہ کہ بالواو خواہ معرف باللام ہو یا نہ ہو اس میں بھی ہر جگہ دوری علی اور ابوعمرو ہی کے لیے امالہ محضہ ہے اور لفظ ھا جو سورہ توبہ میں ہے اس میں کسائی، ابوبکر، شعبہ، ابوعمرو اور قالون

کے لیے بلا خلاف امالہ محضہ اور ابن ذکوان کے لیے فتحہ ومحضہ دونوں ہیں جیسا کہ مرو بخلف سے .... سمجھا گیا ہے۔ ان کے علاوہ ورش کے لیے صرف تقلیل اور باقی کے لیے صرف فتحہ ہے اور جبارین اور الجار میں صرف دوری علی کے لیے امالہ محضہ ہے ابوعمرو کے لیے نہیں اور ورش کے لیے ان تمام الفات میں صرف تقلیل ہے جن کے بعد آخر میں راء مکسورہ ہو اور الکافرین وھارٍ کا بھی یہی حکم ہے لیکن جبارین اور الجار میں ان کے لیے فتح اور تقلیل دونوں ہیں جیسا کہ ناظمؒ نے اس کو اگلے بیت میں بیان فرمایا ہے وہ یہ ہے۔

وَهَذَانِ عَنْهُ بِإِخْتِلَافٍ وَمَعْهُ فِي الْـ
بَوَارِ وَفِيْ الْقَهَّـــارِ حَمْزَةُ قَلَّــلا

ش: قوله: وھذان اس سے جبارین اور الجار دونوں کی طرف اشارہ ہے **قوله**: عنہ اس کی ضمیر کا مرجع ورش ہے **قوله**: باختلاف خبر مقدر سے جس کے متعلق عنہ ہے حال ہے **قوله**: حمزہ قللا بالف الاطلاق جملہ اسمیہ ہے اور مفعول محذوف ہے ای الامالۃ اور **قوله**: معہٗ ترکیب میں قلّلا کے فاعل سے حال ہے اور معہ کی ضمیر ورش کے لیے ہے۔

ترجمہ: اور یہ دونوں جبارین اور الجار) ان ہی (ورش) سے بحالت اختلاف (ثابت) ہیں اور اَلْبَوَار اور القھار میں ان (ورش) کے ساتھ حمزہ نے (بھی) تقلیل امالہ کیا ہے۔

وَإِضْجَاعُ ذِيْ رَائَيْنِ حَجَّ رُوَاتُهُ
كَالْاَبْـــرَارِ وَ التَّقْلِيْلُ جَادَلَ فَيْصَلا

ش: قوله: ذی رائین موصوف محذوف الف کی صفت ہے **قوله**: فیصلا بفتح الصاد فیصل بمعنیٰ قطع سے مبالغہ کا صیغہ ہے اور ترکیب میں جادل کے فاعل سے جو ضمیر ہے اور جس کا مرجع تقلیل ہے حال ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور امالہ محضہ دوراؤں (کے درمیان) والے (الف) کا جو (صاحب حاء حج وراء رواتہ ابوعمرو وکسائی کے لیے) ہیں مثل الابرار کے اور تقلیل (امالہ) جو صاحب جیم جادل وفاء فیصلا ورش وحمزہ کے لیے اس کے الف میں) ہے اس نے (بھی اپنے مخالفین اور منکرین سے) مجادلہ (مناظرہ) کیا ہے درانحالیکہ یہ (تقلیل قول) فیصل (اور جھگڑے کا قطع کر دینے والا) ہے (کیونکہ یہ متوسط بین الفتح والامالہ ہے جس میں دونوں کی رعایت ہے پس الابرار جیسے لفظ میں ابوعمرو اور کسائی کے لیے تو امالہ محضہ اور ورش وحمزہ کے لیے امالہ بین اللفظین ہوگا اور یہ بھی یاد رکھو کہ دو راء والے الف کا جو امالہ بتلایا گیا ہے وہ اس وقت ہے جب کہ دوسری راء

مکسور ہو کیونکہ اس قسم کے الف میں جو امالہ ہوتا ہے وہ راء کے کسرہ ہی کی وجہ سے ہوتا ہے جیسا کہ ایک راء والے الف کا امالہ بھی راء متطرفہ کے کسرہ ہی کے سبب سے ہوتا ہے لہٰذا ان الابرار اور فبئس القرار میں چونکہ دوسری راء مکسور نہیں ہے اس لیے ان میں کسی کے لیے بھی امالہ نہیں ہے۔ فافہم۔

وَإِضْجَـاعُ أَنْصَارِیْ تَمِیْمٌ وَّسَارِعُوْا
نُسَارِعُ وَالْبَـارِیْ وَبَارِئِکُـمْ تَـلَا

ش: **قوله**: واضجاع ای واضجاع الف انصاری تمیم ای لغة تمیم جملہ اسمیہ ہے اور تمیم ایک قبیلہ کا نام ہے **قوله**: سارعوا مبتدا اور بعد والے تینوں کلمات اس کے معطوفات ہیں اور **قوله**: تلا بمعنی تبع اس کی خبر ہے ای تبع ھذا المذکور ما قبله فی الامالة **قوله**: الباری میں ہمزہ کو ضرورۃً ساکن کر کے یاء سے بدل لیا گیا ہے۔

ترجمه: اور انصاری (کے الف) کا امالہ محضہ کرنا (صاحب تاء تمیم دوری علی کے لیے لغت) تمیم ہے اور سارعوا اور نسارع اور الباری اور بارئکم (کا الف بھی امالہ میں اپنے ماقبل کے) تابع ہے (یعنی ان چاروں الفاظ میں بھی ان ہی دوری علی کا امالہ ہے)

وَآذَانِهِـمْ طُغْیَانِهِمْ وَیُسَارِعُـوْ
نَ آذَانِنَا عَنْـهُ الْجَـوَارِیْ تَمَثَّلَا

ش: **قوله**: وآذانهم ای واضجاع آذانهم مبتدا و مابعدہ تینوں الفاظ معطوفات ہیں اور **قوله**: عنه ای من مدلول تمیم اس کی خبر ہے اور **قوله**: الجوار تمثلا ای تصور دوسرا جملہ ہے اور الف اطلاقیہ ہے۔

ترجمه: اور آذانهم (اور طغیانهم اور یسارعون (اور) آذاننا (کے الف کا امالہ بھی) ان ہی مدلول تاء تمیم دوری علی سے (ثابت) ہے اور الجوار (کے الف کا امالہ بھی) کے لیے متصور ہوا ہے (یعنی اس میں بھی ان ہی دوری علی نے امالہ کیا ہے)۔

یُوَارِیْ أُوَارِیْ فِیْ الْعُقُوْدِ بِخُلْفِهٖ
ضِعَافًا وَحَرْفَا النَّمْلِ آتِیْکَ قُوِّلَا
بِخُلْفٍ ضَمَمْنَاهُ مَشَارِبُ لَامِعٌ
وَآنِیَةٍ فِیْ هَلْ أَتٰکَ لِاَعْدَلَا

ش: **قوله**: یواری الخ ای اضجاع یواری او اری حاصل فی المائدة حال کونه بخلف

الدوری عن الکسائی **قولہ**: اتیک یا توحرفا النمل سے بدل الکل یا عطف بیان ہے اور تقدیر اتیک اتیک ہے ان میں سے ایک کو بوجہ دلالت ثانی حذف کر دیا ہے **قولہ**: قوّلا اس کا الف تثنیہ کا ہے اور یہ مقولین کی ہر دو جنس کے اعتبار سے لایا گیا ہے تعداد کے اعتبار سے نہیں ہیں (ای روی ضعافا واتیک بالامالۃ پس حرفا النمل اگرچہ تثنیہ ہے مگر اس کو واحد کے درجہ میں قرار دیا ہے کیونکہ ایتک ایک ہی لفظ ہے جو دو بار ذکر کیا گیا ہے پس گویا اس کی تقدیر ضعافا واتیک ہے اور جعبریؒ نے قوّلا کی تفسیر جو قیلا سے کی ہے وہ ضعیف ہے **قولہ**: شارب ای اضجاع شارب لامع طاھر جملہ اسمیہ ہے کالتالیۃ اور **قولہ**: لا عدلا بالف الاطلاق کی تقدیر لعالم زائد العدالۃ ہے اور یہ وزن فعل اور وصف کی بناء پر غیر منصرف ہے واللہ اعلم۔

ترجمہ: یواری (اور) اواری (کے الف کا امالہ بھی سورۃ) عقود (مائدۃ) میں (ان ہی دوری علی کے لیے) ہے درانحالیکہ وہ ان (دوری عن الکسائی) کے اختلاف کے ساتھ ہے (یعنی ان میں ان کے لیے فتح اور امالہ محضہ (دونوں ہیں) اور ضعافاً اور (سورۃ) نمل کے دونوں لفظ ایتک (اتیک) جو ہیں یہ دونوں (یعنی ضعافا اور ایتک صاحب قاف قولا خلاد کے لیے) خلاف کے ساتھ اور صاحب ضاد ضممناہ خلف کے لیے بلا خلاف امالہ کے ساتھ) روایت کئے گئے ہیں جس کو ہم نے (یہاں) جمع کر دیا ہے اور مشارب (کے الف کا امالہ صاحب لام لامع ھشام کے لیے) روشن (اور چمکدار یعنی (ظاہر اور مشہور) ہے اور لفظ انیۃ (کے الف کا امالہ بھی سورۃ) ھل اتک (غاشیہ) میں بہت زیادہ انصاف کرنے والے (عالم ھشام ہی) کے لیے ہے۔

وَفِي الْكَافِرُوْنَ عَابِدُوْنَ وَعَابِدٌ
وَخَلْفُهُمُ فِي النَّاسِ فِي الْجَرِّ حُصِّلَا

ش: **قولہ**: عابدون ای امالۃ عابدون وَعابدٌ مبتدا اور لہ مقدر اس کی خبر ہے اور **قولہ**: فی الکافِرون ای فی سورۃ الکافرون کا اعراب حکائی ہے اور متعلق مصدر کے ہے اور **قولہ**: خلفھم بالصلۃ ہے اور **قولہ**: فی الجر ترکیب میں الناس سے حال ہے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر بجائے فی الجر کے بالجر لے آتے تو اولیٰ تھا اس لیے کہ پھر فی مکرر نہ آتا۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور (سورۃ) کافرون میں عابدون وعابد (کے الف کا امالہ بھی ہو ان ہی ھشام کے لیے) ہے اور ان (ناقلین) کا اختلاف الناس میں ہے درانحالیکہ یہ مجرور (صاحب حاء حصلاء (ابوعمرو

وبصری کے لیے) حاصل کیا گیا ہے (یعنی ان کے لیے الناس مجرور کے امالہ میں جہاں کہیں بھی ہواختلاف ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دوراویوں میں سے پہلے راوی دوری کے لیے تو امالہ محضہ ہے اور دوسرے راوی سوسی کے لیے فتح ہے یہ مطلب نہیں کہ ان دونوں راویوں کے لیے دو دو وجہ ہیں جیسا کہ خلاف نسبت پورے ابوعمرو کی طرف کرنے سے سمجھ میں آتی ہے کیونکہ ان سے مشہور وہی ہے جس کو ہم نے اوپر بیان کیا ہے اور عمل بھی اسی پر ہے پس یہ خلاف مغرور ہے مرتب نہیں ہے۔ فافہم۔

حِمَارَکَ وَالْمِحْرَابِ إِكْرَاهِهِنَّ وَالْ
حِمَارِ وَفِي الْإِكْرَامِ عِمْرَانَ مُثِّلَا

ش: قوله: حمارک ای اضجاع حمارک مبتدا اور اس کے بعد کے تینوں کلمات اس کے معطوفات ہیں اور یہ سب مع حمار حکایةً مجرور ہیں اور **قوله**: مثلا بالف الاطلاق بمعنی صُوِّر خبر ہے **قوله**: وفی الاکرام عمران کذلک دوسرا جملہ ہے اور عمران سے پہلے واوٴ عاطفہ مقدر ہے۔

ترجمه: حمارک اور المحراب (اور) اکراھھنّ (اور) الحمار (کے الف کا امالہ صاحب میم مثلا ابن ذکوان کے لیے) بیان کیا گیا ہے (اور متعین کیا گیا ہے) اور (ایسے ہی) الاکرام (اور) عمران میں (بھی) ابن ذکوان کے لیے امالہ کیا گیا ہے)

وَكُلٌّ بِخُلْفٍ لِابْنِ ذَكْوَانَ غَيْرَ مَا
يُجَرُّ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاعْلَمْ لِتَعْمَلَا

ش: قوله: کل مبتدا اور تنوین عوض میں مضاف الیہ کے ہے ای کل واحد من الکلمات الستة المتقدمة **قوله**: بخلف ای ممال بخلف خبر ہے اور **قوله**: لابن ذکوان صفت ہے اور **قوله**: غیر کا نصب استثناء کی بناء پر ہے۔ **قوله**: من المحراب ترکیب میں یُجَرُّ کے فاعل سے حال ہے۔ **قوله**: فاعلم ای فافهم جملہ مستانفہ ہے **قوله**: لتعملا بالف الاطلاق ای لتؤدی انت منصوب بتقدیر ان ہے۔ اللہ اعلم۔

ترجمه: اور ان (چھ کلمات متقدمہ میں سے) ہر ایک (لفظ) ایسے خلاف کے ساتھ (امالہ سے پڑھا ہے) جو ابن ذکوان کے لیے سوائے (ان میں سے) اس (لفظ) کے وہ مجرور پڑھا جاتا ہے درانحالیکہ وہ المحراب ہے (یعنی لفظ المحراب مجرور میں ان کے لیے خلاف نہیں ہے بلکہ صرف امالہ محضہ ہی ہے) پس تم (اس کو اچھی طرح) سمجھ لو تاکہ تم (اس کے موافق عمل کرو) اور ان کو اسی طرح ادا کرو خلاصہ یہ ہے کہ حمارک اور

اکراھھن اور الحمار اور الاکرام اور عمران اور اس المحراب میں کہ جس کی باء پر جر نہ ہو ان چھ کلمات میں ابن ذکوان کے لیے فتح اور امالہ محضہ دونوں ہیں اور المحراب مجرور ہیں جو فی المحراب اور من المحراب ہے صرف ان کے لیے امالہ محضہ ہے ہر دو وجہ نہیں ہیں اس کے بعد ناظمؒ نے فاعلم سے اس بات پر تنبیہ فرمائی ہے کہ چونکہ امالہ کے تمام اختلافی مسائل ختم ہو گئے ہیں اس لیے سرسری طور پر ان کا پڑھ لینا اور مطالعہ کر لینا ہی کافی نہیں ہے بلکہ ان کا سمجھنا اور یاد کرنا بھی عمل کے لیے ضروری ہے۔

وَلَا يَمْنَعُ الْإِسْكَانُ فِي الْوَقْفِ عَارِضًا
إِمَالَةَ مَا لِلْكَسْرِ فِي الْوَصْلِ مُيِّلَا

ش: **قوله**: ولا یمنع الاسکان الخ جملہ فعلیہ منفیہ ہے۔ **قوله**: عارضا ترکیب میں فاعل سے حال ہے۔ اور **قوله**: فی الوقف متعلق عارضاً کے ہے اور اگر ہم اس کو الاسکان کے متعلق کریں گے تو اس صورت میں اس کا فائدہ کم ہو جائے گا کیونکہ اسکان وقفی تو ہمیشہ عارضی ہی ہوا کرتا ہے پس اس وقت یہ قید وضاحت کے لیے ہوگی احتراز کے لیے نہیں ہوگی اور پہلی صورت میں جب کہ فی الوقف کو عارضاً کے متعلق کریں گے تو چونکہ عارضی سکون وقفی بھی ہوتا ہے اور ادغامی بھی اس لیے یہاں فی الوقف کی قید احترازی ہوگی اور ادغامی سکون کا حکم اوپر باب الادغام میں گذر چکا ہے۔ **قوله**: امالۃ ترکیب میں لایمنع کا مفعول ہے اور **قوله**: ما میلا صلہ وموصول مجرور بالاضافت ہے اور **قوله**: فی الاصل ترکیب میں میلا بالف الاطلاق کا ظرف ہے اور مُیل کی ضمیر کا مرجع ما ہے اور للکسر میں لام تعلیلیہ ہے والتقدیر لا یمنع الاسکان العارضی فی الوقف امالۃ الالف الممالۃ فی وصل للکسر (قاری)

ترجمه: اور نہیں منع کرتا ہے اسکان درانحالیکہ وہ عارضی فی الوقف ہو اس (الف) کے امالہ کو جو (حالت) وصل میں بہ سبب کسرہ کے امالہ سے پڑھا گیا ہو (یعنی جس الف میں بحالت وصل کے بعد کسرہ کی وجہ سے امالہ کیا گیا تھا اگرچہ وہ سکون عارضی وقفی کی وجہ سے باقی نہیں رہا مگر چونکہ یہ سکون عارضی ہے اس لیے اس کا کوئی اعتبار نہیں کیا جائے گا اور کسرہ کو اب بھی حکماً موجود سمجھتے ہوئے اس میں جن کے لیے امالہ محضہ ہے ان کے لیے محضہ ہے اور جو امالہ بین بین کرتے ہیں ان کے لیے امالہ بین بین ہوگا جیسے النار وغیرہ یہی حکم اس سکون کا بھی ہے جو ادغام کی وجہ سے عارض ہو گیا ہو جیسا کہ باب الادغام میں اوپر معلوم ہو چکا ہے پس ان دونوں قسم کا سکون عارضی ہے لہٰذا اس کا اعتبار نہ کرتے ہوئے اور اصلی کسرہ کو یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ اب بھی حکماً موجود ہے محققین کے مذہب کی بناء پر امالہ محضہ (وامالہ بین بین ہی ہوگا)

وَقَبْلَ سُكُوْنٍ قِفْ بِمَا فِيْ أُصُوْلِهِمْ
وَذُو الرَّاءِ فِيْهِ الْخُلْفُ فِي الْوَصْلِ يُجْتَلَا

ش: قوله: بما في اصولهم صلہ وموصول قف کے فاعل سے حال ہے **قوله:** وذو الرّاء ای اصحاعه مبتدا اور **قوله:** فيه الخلف جملہ اسمیہ اس کی خبر ہے اور **قوله:** في الوصل اس کا ظرف ہے اور **قوله:** یجتلا مستانفہ ہے ذكره الجعبری ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اظہر یہ ہے کہ یجتلا خبر ہے اور جملہ فيه الخلف معترضہ حالیہ ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور تم سکون سے پہلے (امالہ والے الف پر) اس کے موافق عمل کرتے ہوئے) وقف کرو جوان (قراء سبعہ کے قواعد میں (فتحہ اور تقلیل اور امالہ محضہ سے اوپر بیان ہو چکا ہے اور ذوالراء (کے بعد والا الف) جو ہے وہ (یعنی اس کا امالہ صاحب یاء یجتلا سوسی کے لیے (حالت (وصل میں دیکھا جاتا ہے اس حال میں کہ (ان کے لیے) اس میں خلاف (بھی) ہے یعنی فتح اور امالہ محضہ دونوں ہیں)

مطلب: یعنی کسی ایسے الف کے بعد جس میں امالہ اور تقلیل کا قاعدہ پایا جاتا ہو ساکن حرف آجائے خواہ تنوین ہو یا اور کوئی حرف ساکن اور عام اس سے کہ یہ الف راء کے بعد ہو یا کسی اور حرف کے بعد تو چونکہ اس وقت ساکن کی وجہ سے وصل میں الف باقی نہیں رہتا اس لیے اس میں امالہ و تقلیل بھی نہیں ہوتا لیکن اگر ایسے الف پر جو ساکن کے سبب سے وصلا حذف ہو گیا تھا وقف کیا جائے گا تو پھر اس الف میں قراء سبعہ کے اصول کے موافق جو فتح رکھتے ہیں ان کے لیے فتح اور جو امالہ محضہ کرتے ہیں ان کے لیے محضہ اور جو امالہ بین بین کرتے ہیں ان کے لیے امالہ بین بین کیا جائے گا اس کے بعد بیان فرماتے ہیں کہ سوسی کے لیے الف میں جس سے پہلے راء ہو اور اس پر تنوین بھی نہ ہو حالت وصل میں خلاف ہے فتحہ اور امالہ محضہ دونوں ہیں اب اس کے بعد اگلے بیت میں سکون سے پہلے راء وغیر راء والے الف کی مثالیں بیان فرماتے ہیں وہ یہ ہیں۔

كَمُوْسَى الْهُدٰى عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ وَالْقُرَى الْـ
لَّتِي مَعَ ذِكْرَى الدَّارِ فَافْهَمْ مُحَصِّلَا

ش: قوله: كموسى الهدى مبتدا محذوف کی خبر ہے ای المذكور كموسى الهدى اور مابعد کے سب کلمات اس کے معطوفات ہیں **قوله:** محصلا بکسر الصاد ترکیب میں **قوله:** فافهم کے فاعل سے حال ہے۔

ترجمہ: (مذکورہ بالا الف) مثل موسى الهدىٰ. عيسى ابن مريم اور القرى الّتي مع ذكرى

الدار کے ہے پس تم (اس کو اچھی طرح) سمجھ لو درانحالیکہ تم (اس کو) حاصل کرنے والے ہو۔

وَقَدْ فَخَّمُوْا التَّنْوِيْنَ وَقْفًا رَقَّقُوْا
تَفْخِيْمُهُمْ فِي النَّصْبِ أَجْمَعُ أَشْمُلَا

ش: **قوله**: وقد فخموا اس کی ضمیر جمع کا مرجع اصحاب امالہ ہے **قوله**: التنوین ای ذا التنوین یعنی الالف المنون او الاسم المنون اور اس کی تقدیر الف التنوین نہیں ہے تاکہ اس سے علمًا ونسفاً وحکماً وغیرہ کے شامل ہونے کا وہم نہ ہو اور کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ تنوین سے بدلے ہوئے الف کا بھی یہی حکم ہے حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ اس میں بالاتفاق سب کے لیے فتح ہی ہے۔ **قوله**: وقفاً مصدر معنی میں واقفین کے ہے اور ترکیب میں فاعل سے حال ہے **قوله**: رققوا اس کا عطف فخموا القیدہ پر ہے **قوله**: اجمع اسم تفضیل ہے اور من مقدر ہے ای من غیرہ اور **قوله**: اشملا جمع شمل بمعنی وصل تمیز ہے **قوله**: تفخیمھم الخ اس کا معطوف بھی مقدر ہے ای وترقیقھم فی الرفع والجر اجمع. واللہ اعلم.

ترجمه: اور ان اصحاب امالہ نے تنوین (والے اسم مقصور سے الف) کو بحالت وقف تفخیم (فتح) سے بھی پڑھا ہے اور ترقیق (امالہ و تقلیل) سے بھی پڑھا ہے اور ان کا (اس الف کو) تفخیم (فتح) سے پڑھنا نصب (کی حالت) میں باعتبار شمول جماعت زیادہ جامع ہے۔

مطلب: یعنی وہ اسماء جن کے آخر میں الف مقصورہ ہے جب بحالت وصل منون واقع ہوں اور ان کا الف تنوین کی وجہ سے حذف ہو گیا ہو تو ان پر وقف کرنے کی صورت میں تین مذہب ہیں۔ ایک یہ کہ رفع ونصب وجر تینوں حالتوں میں تفخیم (فتح) جیسا کہ وقد فَخَّمُوْا سے سمجھا گیا ہے کیونکہ جو الف وقف کی حالت میں پایا گیا ہے وہ اصلی نہیں ہے بلکہ تنوین سے بدلا ہوا ہے اور اس میں امالہ نہیں ہوتا اس لیے قرآن جس لغت فصیح پر نازل ہوا ہے اس کے اعتبار سے تنوین کو وقفاً ہر سہ حالت میں الف سے بدل لینا پسندیدہ ہے اس وجہ سے کہ نصب کی تنوین جو الف سے بدل جاتی ہے وہ اس لیے کہ اس سے پہلے حرف پر فتحہ ہوتا ہے اور اسم مقصور معتل میں فتحہ تینوں حالتوں میں موجود رہتا ہے اور اسم فصیح میں پہلے حرف کی حرکت بدلتی رہتی ہے دوسرا یہ تینوں حالتوں میں ترقیق یعنی امالہ کرنا ان حضرات کے لیے امالہ محضہ یا تقلیل کرتے ہیں جیسا کہ رَقَّقُوْا سے معلوم ہوا ہے ابوشامہ فرماتے ہیں یہی زیادہ صحیح اور قوی ہے۔ تیسیر میں بھی صرف اسی قدر ہے مکی کے نزدیک بھی مختار ہے اور انھوں نے اپنے شیخ ابن غلبون سے بھی یہی وجہ پڑھی ہے اور فرماتے ہیں کہ ابن غلبون نے تصریح کی ہے کہ مصلی وغزی بحالت وقف حمزہ کسائی دونوں کے لیے امالہ کیا ہے حالانکہ یہ

دونوں کلمے نصب کی حالت میں ہیں اور دلیل ان کی یہ ہے کہ اسم مقصور ومنون پر وقف کرنے کی صورت میں جو الف پایا جاتا ہے وہ اس کا اصلی الف ہے جو وصلی کی حالت میں تنوین سے ملنے کی وجہ سے حذف ہوگیا تھا اب جب کہ بوجہ وقف تنوین ہی باقی نہیں رہی تو یہ الف پھر لوٹ آیا لہٰذا اس میں قاعدہ کے موافق امالہ اور تقلیل دونوں ہونی چاہئیں تیسرا مذہب یہ ہے کہ نصب کی حالت میں تو تفخیم (فتح) اور رفع وجر کی حالت میں ترقیق (امالہ کرنا) جیسا کہ تفخیم فی النصب اور اس کے معطوف مقدر سے سمجھا گیا ہے کیونکہ نصب کی حالت میں بحالت وقف عام قاعدہ کے موافق الف تنوین سے بدلا ہوا ہے اور رفع وجر کی حالت میں تنوین حذف ہوجاتی ہے پس اصلی الف باقی ہے اور اصلی الف میں امالہ والوں کے لیے محضہ اور تقلیل والوں کے لیے تقلیل ہوتی ہے اس لیے یہ بھی باعتبار شمول جماعت زیادہ جامع ہے جیسا کہ نصب کی حالت میں فتحہ پڑھنا جماعتوں کے اعتبار سے زیادہ جامع ہے کیونکہ یہ دو جماعتوں کا مذہب ہے بخلاف رفعی وجری حالت کے کہ اس میں فتح ایک ہی جماعت کا ہے اور یہ ضعیف ہے۔

ف: یاد رکھو کہ اس کا حکم ناظمؒ کے قول: وقبل سکون وقف سے اوپر معلوم ہوگیا تھا۔ اس لیے کہ اس میں سکون عام تھا جو تنوین اور دوسرے حرف ساکن دونوں کو شامل تھا چنانچہ تیسیر میں بھی اس کی تصریح ہے کہ الف کا بعد والا ساکن خواہ تنوین ہو یا کوئی دوسرا حرف ساکن ہو پس اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی اسی کا ایک حرف ہے اور دونوں کا حکم ایک ہی ہے مگر چونکہ اس میں اختلاف تھا اس لیے اس کو بطور فائدہ علیحدہ بیان فرمادیا اب اس کے بعد اگلے بیت، میں اس کی مثالیں بیان فرماتے ہیں۔

مُسَمًّى وَّمَوْلىً رَفْعُهُ مَعَ جَرِّهٖ
وَمَنْصُوْبُهُ غُزًّى وَتَتْرًا تَزَيَّلَا

ش: **قوله**: مسمیٰ مبتدا اور **قوله**: مولیً اس کا معطوف ہے اور **قوله**: رفعہ اس کی خبر ہے ای مثال رفعه .... **قوله**: مع جرّہ ای کائن مع جرّہ صفت ہے **قوله**: ومنصوبہ ای مثال منصوبه غزیً وتترًا جملہ اسمیہ ہے اور ہر دو ضمیر کا مرجع منون ہے **قوله**: تزیلا بالف الاطلاق ای تمیزًا مستانفہ ہے ای تبین انواع المقصود من غیرہ اور تمیز کل من المرفوع والمنصوب والمجرور بهذه الامثلة ومنه قوله تعالیٰ لو تزیلو لعذبنا وقوله تعالیٰ فزیلنا بینهم اور شعلہ کا تبعًا لابی شامه اس کے یہ معنیٰ بیان کرنا ظهر التنوین ای انواعه کسی عمدہ توجیہ کے بغیر اس کی وجہ ظاہر نہیں ہوتی۔ (قاری)

ترجمہ: اور مسمی و مولیٰ اس (اسم منون مقصور) کے رفع کی (مثال) ہے مع اس (اسم منون) کے جر کے (جیسے واجلٌ مسمیً اور لا یغنی مولًی عن مولیً اور اس (اسم منون) کے منصوب کی (مثال) غزًا وتترًا ہے یہ (منصوب اپنے غیر مرفوع و مجرور سے یا یہ تمام مرفوع و مجرور و منصوب ان مثالوں کے سبب ایک دوسرے سے ممتاز (اور جدا) ہوگیا۔

ف: جاننا چاہئے کہ تترا کا منصوب منون مقصور کی مثال ابوعمرو بصری کی قراءت پر ہے پس اس میں حمزہ کسائی کے لیے ہر دو حال میں امالہ محضہ اور ورش کے لیے صرف تقلیل ہے اور غزیً بروزن فُعَّلٌ جمع غاز تمام قراءتوں پر منصوب منون مقصور کی مثال ہے پس اس میں وقفاً حمزہ کسائی کے لیے امالہ محضہ اور ورش کے لیے فتح و تقلیل دونوں ہیں اور یہ اگرچہ اصلاً واوی ہے مگر اس میں امالہ اس لیے ہے کہ یہ وقولہ وکل ثلاثی یزید فانہ ممال کزکاھا میں داخل ہے کیونکہ یہ بھی جمع کے اعتبار سے چار حرفی ہونے کے سبب مزید بن گیا ہے اور یہ بھی یاد رکھو کہ اس باب میں جہاں کہیں باقی قراء کے لیے کچھ ذکر نہیں کیا گیا ہے وہاں ان کے لیے ضد سے فتح ہی سمجھا جائے گا۔

بَاب مذهب الكسائی

فی امالة هاء التانیث فی الوقف ﴿٤﴾

یہ باب خاص مذہب کسائی کا ہاء تانیث میں بحالت وقف امالہ کرنے کے بیان میں ہے ہاء تانیث سے مراد وہ تاء تانیث ہے جو وصلاً تاء سے پڑھی جاتی ہے اور وقفاً ہاء سے بدل جاتی ہے عام اس سے کہ اس کی رسم خط ہاء کے ساتھ ہو جیسے نعمةً ورحمةٌ وغیرہ یا تاء کے ساتھ نعمت اللہ وغیرہ کیونکہ کسائی سوائے یاابت کی تاء کے ہر تاء تانیث کو خواہ وہ محل اتفاقی ہو یا اختلافی وقف میں ہاء سے بدل لیتے ہیں پس اس میں اور اس پہلے فتحہ میں صرف ان ہی کسائی کے لیے امالہ ہے فتحہ میں تو بالاتفاق ہے اور ہاء میں دو قول ہیں ایک یہ کہ اس میں بھی امالہ ہے جیسا کہ ناظمؒ نے باب عنوان میں اس کی تصریح کی ہے۔ تیسیر کی عبارت سے بھی یہ مفہوم ہوتا ہے مہدوی اور ابن شریح وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں اور اکثر شارحین کا بھی یہی مسلک ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ ہاء میں امالہ نہیں ہے جعبریؒ فرماتے ہیں کہ یہی صحیح ہے (ہوازی اور ابویعلیٰ نے بھی اس کی تصریح کی ہے پس ناظمؒ نے باب عنوان میں اصل تیسیر کے موافق مذہب اول کی بناء پر امالہ کی نسبت ہاء کی طرف مجازاً کی

ہے اور دوسرے مذہب کے موافق نظم میں و قبلھا فرمایا ہے۔ حاصل یہ ہے کہ ناظمؒ اور دانیؒ اور۔

اکثر محققین کا یہی مذہب ہے کہ اس میں اور اس سے پہلے فتحہ دونوں میں امالہ ہے جس کے یہ معنی ہیں کہ فتحہ کو کسرہ کی طرف اور ہاء کو قدرے یاء کی طرف مائل کرنا جیسے کہ امالہ والے الف کو بھی یاء ہی کی طرف مائل کرتے ہیں پس فتحہ میں تو امالہ ظاہر ہے اور ہاء میں امالہ کے یہ معنی ہیں کہ اس میں ماقبل کے امالہ کے سبب ضعف آجاتا ہے۔ جس سے وہ اپنی حالت پر قائم نہیں رہتی جیسا کہ وہ اپنے پہلے فتحہ کی حالت میں تھی جو حضرات ہاء اور اس کے ماقبل دونوں میں امالہ کرتے ہیں یہی صحیح اور قیاس کے زیادہ موافق معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ جو حضرات ہاء میں امالہ نہیں کرتے ہیں وہ بھی ماقبل کے امالہ کے سبب ہاء میں ضعف آجانے کے قائل ہیں اور جو اس میں امالہ کرتے ہیں وہ بھی اس کو تسلیم کرتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اختلاف درحقیقت لفظی ہے حقیقی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

وَفِي هَاءِ تَأْنِيثِ الْوُقُوفِ وَقَبْلَهَا
مُمَالُ الْكِسَائِي غَيْرَ عَشْرٍ لِيَعْدِلَا

ش: قوله: وفی ھاء تانیث الخ فی معنی میں علی کے ہے اور یہ وقف مقدر کے متعلق ہے اور اضافت ہاء کی تانیث کی طرف تخصیص کے لیے ہے و کذا فی الوقف بمعنی الوقف اور اضافت جو وقوف کی طرف ہے وہ صرف لفظ تانیث ہی کی نہیں ہے بلکہ ہاء تانیث پورے مرکب اضافی کی ہے قوله قبلها ای قبل هاء التانیث ممال الكسائی ای امالة ثابتة قبلها جملہ اسمیہ فاعل قف سے حال ہے۔ ای ممیلا ذکرہ الجعبری. ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اگر قبلہا کی تقدیر ما قبلها نکالی جائے اور اس کا عطف ہاء تانیث پر کیا جائے تو یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے پس اس صورت میں فی سے الکسائی تک مجموعہ جملہ اسمیہ ہوگا **قوله**: غیر اس کا نصب قبلھا سے استثناء کی بناء پر ہے اور **قوله**: عشر سے تاء کا حذف جعبریؒ کے قول کی بناء پر اس لیے ہے کہ اس کا معدود فتحہ یا حرکت ہے اور مؤنث ہے اور ملا علی قاری کے نزدیک اس لیے ہے کہ حروف میں تذکیر و تانیث دونوں جائز ہیں **قوله**: لیعدلا منصوب بلام کئے ہے اور الف اطلاقیہ ہے اور اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع کسائی ہے اور اس میں اشارہ ہے اس طرف کہ کسائی نے ان دس حروف کو مستثنیٰ کر کے انصاف سے کام لیا ہے اور فتحہ کے سبب ان کو معتدل اور عمدہ بنا دیا ہے کیونکہ حروف حلقی اور حروف مستعلیہ فتحہ ہی کو چاہتے ہیں اور ان کے مناسب فتحہ ہی ہیں۔ واللہ اعلم

ترجمه: اور ہاء تانیث وقفی اور اس سے پہلے (تمام حروف) میں کسائی کا امالہ ہے سوائے دس (حروف)

کے یہاں تک کہ وہ (کسائی ان دس حروف کو اس فتحہ کے سبب سے جو ان حروف کے مناسب ہے) برابر (اور یکساں) کرتے ہیں۔

مطلب: یعنی کسائی نے بحالت وقف ہر اس ہاء میں جو وصلاً تاء پڑھی جاتی ہے اور وقفاً ان کی قراءت میں ہاء سے بدل جاتی ہے اور اس سے پہلے تمام حروف میں سوائے ان دس حروف کے کہ جن کو ناظمؒ نے اگلے بیت میں بیان فرمایا ہے اور امالہ کیا ہے اور ان دس حروف میں سے (جو مستثنیٰ ہیں) کوئی بھی حرف ہاء تانیث سے پہلے آئے تو اس میں ان کے لیے فتح ہے امالہ نہیں ہے پس اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ جب اس میں امالہ نہیں ہے تو ہاء میں بھی امالہ نہیں ہوگا کیونکہ اس کا امالہ پہلے حرف کے امالہ کے تابع ہے لہٰذا ایسی صورت میں نہ اس میں امالہ ہوگا اور نہ اس سے پہلے حرف میں بلکہ دونوں میں ان کے لیے صرف فتح ہی پڑھا جائے گا۔ دس حروف یہ ہیں۔

وَيَجْمَعُهَا حَقٌّ ضِغَاطُ عَصٍ خَظَا
وَاَكْهَرُ بَعْدَ الْيَاءِ يَسْكُنْ مُيِّلَا
أَوِ الْكَسْرِ وَالْإِسْكَانُ لَيْسَ بِحَاجِزٍ
وَيَضْعُفُ بَعْدَ الْفَتْحِ وَالضَّمِّ أَرْجُلَا

ش: **قوله**: ویجمعها ای یجمع العشر فعل ومفعول اور اس کا فاعل کلمات حق ضغاط عص الخ کا مجموعہ ہے **قوله**: ضغاط بکسر اوله جمع ضغط بمعنی تنگی مبتدا مضاف ہے اور **قوله**: عص بمعنی عاص صفت مشبہ ہے اور اس میں تعلیل مثل قاض کے ہوئی ہے اور **قوله**: حظًا معنی میں سمن یعنی موٹے کے ہیں اور یہ بھی صفت مشبہ ہے اور **قوله**: حق ای ثابت خبر مقدم ہے یا یہ اپنے مابعد میں عامل ہے ان حضرات کے قول پر جو قائم الزیدان کو جائز بتاتے ہیں **قوله**: اکهر ای حروف اکهر من الکهر بمعنی القهر ہے چنانچہ سورہ والضحیٰ میں جو فلا تقهر ہے وہ دونوں طرح پڑھا گیا ہے لیکن بالکاف قراءۃ شاذہ میں سے ہے ترکیب میں یہ مبتدا اور وزن فعل ووصف کی بناء پر غیر منصرف ہے اور **قوله**: میلا بصیغۃ المجہول وبالالف الطلاق اس کی خبر ہے اور اس کی ضمیر مستتر کا مرجع لفظ اکهر ہے۔ ابوشامہ فرماتے ہیں کہ اس کو جو مذکر ذکر کیا ہے وہ مضاف الیہ کی رعایت سے ذکر کیا ہے ورنہ مضاف (حروف) کے لحاظ سے تو میلت آنا چاہیے تھا مگر ناظمؒ نے جو ایسا کیا ہے یعنی بجائے میلت کے میل لائے ہیں وہ رعایت قافیہ کی وجہ سے ہے اور **قوله**: بعد الیاء اس کا ظرف ہے **قوله**: یسکن ترکیب میں یاء سے حال ہے

قوله:او الکسر عطفا علی الیاء مجرور ہے **قوله**:والاسکان لیس بحاجزٍ بالزّا ای مانع جملہ کبریٰ ہے اور لیس کی خبر میں باء تاکید کے لیے ہے قوله ارجلا بضم الجیم جمع رجل بکسر الراء.

ترجمه: اور ان (دس حروف) کو (جن میں کسائی کے لیے امالہ نہیں ہے) حقّ ضغاطٌ وعصٍ، حظًا (کا مجموعہ) جمع کر رہا ہے اور (حروف) اکھر (کا مجموعہ) یاء کے بعد درانحالیکہ یہ (یاء) ساکن ہو یا کسرہ کے بعد امالہ سے پڑھا گیا ہے اور اسکان (جو کسرہ اور ان حروف کے درمیان آجائے وہ امالہ کے لیے) مانع نہیں ہے اور فتحہ وضمہ کے بعد یہ (یعنی ان چاروں حروف اکھر کا امالہ باعتبار پیروں (چلنے کے) ضعیف ہے یعنی اس صورت میں امالہ صحیح تو ہے لیکن ایسا قوی نہیں ہے جیسا کہ یاء ساکنہ وکسرہ کے بعد ہے جیسے سَفَرَةٍ و التَّهْلُكَةِ وغیرہ پس اس میں ان کے لیے فتح ہی ہے ناظمؒ اور علامہ دانی کے نزدیک یہی مختار ہے اگر چہ بعض نے سب صورتوں میں سوائے الف کے ہائے تانیث اور اس سے پہلے ہر حرف میں کسائی کے لیے امالہ کیا ہے جیسا کہ ناظمؒ نے اس کو اگلے بیت میں بیان فرمایا ہے۔

لَعِبْرَهْ مِائَهْ وِجْهَهْ وَلَيْكَهْ بَعْضُهُمْ
سِوَىٰ أَلِفٍ عِنْـــدَ الْكِسَائِيِّ مَيَّلَا

ش: **قوله**: کعبره ومعطوفاته مبتدا محذوف کی خبر ہے ای مثال الممال لعبره الخ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر ناظمؒ بجائے لعبره کے لعبرة فرماتے جیسا کہ بعض نسخوں میں ہے تو یہ لعبره وغیرہ سب کو شامل ہو جاتا یہاں چاروں مثالوں میں وزن کی وجہ سے وقف کر کے تاء کو ہاء سے بدل لیا ہے۔ **قوله**: سِوىٰ الف یہ **قوله**: میلا بالف الاطلاق کے مفعول مقدر سے مستثنیٰ ہے ای میل الحروف سواها اور **قوله**:عند الکسائی متعلق میلا کے ہے ای عند الاداء للکسائی.

ترجمه: (مثال ممال حروف اکھر) (اور) مائة (اور) وجهه (اور) اَیکه ہے اور ان (اہل ادا) میں کے بعض حضرات نے سوائے الف کے جیسے الصَّلٰوۃ وغیرہ تمام حروف میں کسائی کے لیے امالہ کیا ہے۔

باب مذاهبهم فی الرائات.

یہ باب قراء کے مذاہب راءات کی تفخیم وترقیق کے بیان میں ہے تفخیم پر پڑھنے کو اور ترقیق باریک پڑھنے کو کہتے ہیں۔ راء میں اصل تفخیم ہے بدلیل انه لا یفتقرالی سبب من الاسباب اور ترقیق سبب پر موقوف ہے بعض کہتے ہیں کہ راء میں نہ تفخیم اصل اور نہ ترقیق۔ علامہ جزری فرماتے ہیں کہ دونوں مذہب کے درست اور حق ہونے کا احتمال ہے چنانچہ ورش کی قراءت پر دوسرا

مذہب زیادہ واضح ہے اور اختلاف کا فائدہ اس راء میں وقفاً ظاہر ہوتا ہے جو مکسور ہو اور اس سے پہلے سبب ترقیق نہ ہو پھر راء کے دو حکم ہیں ایک بحالت وصل دوسرے بحالت وقف، حکم وقف تو آخر باب میں بیان کیا گیا ہے۔اب کلام حکم راء بحالت وصل میں ہے پس راء حالت وصل میں متحرک ہوگی یا ساکن پھر متحرک مفتوح ہوگی یا مضموم یا مکسور راء مکسور کی ترقیق میں تو کسی کا اختلاف نہیں ہے البتہ راء مفتوحہ و مضمومہ کی ترقیق میں ورش کے لیے کئی مذہب ہیں اس لیے ناظمؒ سب سے پہلے اس کو بیان فرماتے ہیں۔

بابُ مذاهبهم فی الرَّاء اتِ ﴿١٦﴾

وَرَقَّقَ وَرْشٌ كُلَّ رَاءٍ وَقَبْلَهَا
مُسَكَّنَةً يَاءٌ أَوِ الْكَسْرُ مُوصَلَا

ش: قوله: وقبلها مسكنة ياءٌ ترکیب میں یہ تمام جملہ راء سے اور مسكنة یاء سے حال ہے جو ذوالحال سے نکرہ ہونے کی وجہ سے وجوباً مقدم ہے اور اگر یہ مؤخر ہوتا تو پھر یہ یاء کی صفت ہوتا۔ نیز وقبلها یاء جملہ فعلیہ ہے اس لیے کہ یاء کا رفع اس بناء پر ہے کہ یہ بوجہ اعتماد علیٰ ذی الحال او الموصوف فاعل کا ظرف ہے اور ضمیر ہا کا مرجع راء ہے۔**قوله:** موصلا بفتح الصاد ترکیب میں کل راء سے حال ہے ای حال اتصالها بسكر او ياءٍ (قاری)

ترجمہ: اور باریک پڑھا ہے ورش نے ہر راء کو درانحالیکہ اس (راء) سے پہلے یاء ساکن یا کسرہ متصلہ ہو (یعنی یاء ساکنہ اور کسرہ اسی کلمہ میں ہو جس کلمہ میں یہ راء ہے دوسرے کلمہ میں نہ ہو ورنہ پھر یہ راء ان کے لیے باریک نہ ہوگی بلکہ پُر ہوگی خلاصہ یہ ہے کہ ورش نے ہر اس راء مفتوحہ و مضمومہ و متوسطہ و متطرفہ منونہ وغیر منونہ کو باریک پڑھا ہے کہ جس سے پہلے یاء ساکنہ یا کسرہ لازمہ متصلہ یعنی اسی کلمہ میں ہو جس کلمہ میں یہ راء ہے جیسے خیر والآخرة باسرة وغیرہ پس اس سے معلوم ہوگیا کہ اگر اس قسم کی راء سے پہلے یاء دوسرے کلمہ میں ہو جیسے فی ربهم اور مقنعی رؤسهم وغیرہ یا کسرہ لازمہ متصلہ نہ ہو بلکہ عارضہ منفصلہ ہو جیسے امرء اور ابوک امراء وغیرہ تو اس صورت میں ان کے لیے راء باریک نہ ہوگی بلکہ پر ہوگی۔ایسے ہی لام وباء جارہ پر جو کسرہ ہے جیسے لربه وبرشید وغیرہ تو چونکہ یہ کسرہ اصل وضع اور معنی کے لحاظ سے لازمہ نہیں ہے اس لیے یہ راء بھی ان کے لیے ہی پر ہوگی باریک نہ ہوگی کیونکہ کسرہ لازمہ سے مراد یہ ہے کہ جس حرف پر یہ کسرہ داخل ہے اگر اس کو کلمہ سے جدا کر دیں تو وہ کلمہ مہمل ہو جائے اور درست نہ رہے جیسے فاقرة وغیرہ

کے بخلاف بربھم ولربھم کے کہ اگر ان میں باء ولام کو جدا کر دیں تو کلمہ میں کوئی خرابی لازم نہیں آتی ہے بلکہ اس صورت میں بھی کلمہ اپنی اصلی حالت پر قائم رہتا ہے واللہ اعلم

وَلَمْ يَرَفَصْلًا سَاكِنًا بَعْدَ كَسْرَةٍ
سِوَى حَرْفِ الْاِسْتِعْلَا سِوَى الْخَافَكَمَّلَا

ش: **قوله**: ولم یر رویت قلب سے ہے اور **قوله**: فصلا بمعنی فاصلا اس کا دوسرا اور ساکنا ای حرفا ساکنا پہلا مفعول ہے ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اگر فصلا کے بجائے منعاً لے آتے تو یہ زیادہ ظاہر تھا۔ **قوله**: بعد کسرۃ ترکیب میں ساکنا کا ظرف ہے اور چونکہ نکرہ سیاق نفی میں عام ہوا کرتا ہے اس لیے ناظمؒ نے اپنے قول سوی حرف الاستعلاء بالقصر کے ساتھ اس لیے مستثنیٰ کر دیا اور حرف سے مراد جنس ہے جو جمع کو بھی شامل ہے پس یہ معنی میں حرف کے ہے اس لیے سوی الخاء لا کر خاء کو اس سے مستثنیٰ کر دیا۔ **قوله**: فکملا بفتح المیم وبالف الاطلاق کا عطف لم یر کے معنی پر ہے اس لیے کہ لم مضارع کو ماضی منفی کے معنی میں کر دیتا ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے ای اصله یعنی فضمها الی المرفقات (قاری)

ترجمه: اور نہیں سمجھا ہے انہیں (ورش) نے ساکن (حرف) کو کسرہ کے بعد فاصل (یعنی اگر راء اور کسرہ کے درمیان کوئی حرف ساکن ہو تو اس کو ورش نے فاصل اور مانع ترقیق نہیں سمجھا ہے بلکہ اس صورت میں بھی انہوں نے یہ خیال کرتے ہوئے کہ گویا کہ کسرہ راء سے اب بھی متصل ہی ہے۔ راء کو باریک ہی پڑھا ہے جیسے اکرام وسدرہ وغیرہ کیونکہ حرف ساکن قوی فاصل نہیں ہے) سوائے (ساکن) حروف استعلاء کے (کہ یہ قوی فاصل ہیں چنانچہ اسی وجہ سے انہوں نے وقرا مصرا وغیرہ کی راء کو ان حروف کی قوی ہونے کی بناء پر ان کو فاصل سمجھتے ہوئے پر پڑھا ہے) سوائے (ان میں سے) خاء (ساکنہ) کے (کہ اس کو انہوں نے صفت ہمس وانفتاح کے سبب سے قوی فاصل نہیں سمجھا ہے اور اس صورت میں بھی راء کو باریک ہی پڑھا ہے جیسے اخراجھم وغیرہ) پس ان (ورش) نے (اس خاء کو جو مستعلیہ میں سے ہے مستثنیٰ کر کے اپنے قاعدہ کو) کامل کیا ہے (اور اس خاء کو بھی فاصل ضعیف سمجھتے ہوئے دوسرے حروف کو ساکن کی طرف مرفقات میں شامل کر لیا ہے اور صرف قوی ہی کو فاصل قرار دیا ہے جس سے ان کا یہ قاعدہ عمدہ اور کامل ہو گیا)۔

وَفَخَّمَهَا فِي الْاَعْجَمِيِّ وَفِيْ اِرَمَ
وَتَكْرِيْرِهَا حَتّٰى يُرٰى مُتَعَدِّلَا

ش: **قوله**: فی الأعجمی اس میں روایۃً ہمزہ کی تحقیق ہے اور وزن بھی اس صورت میں صحیح رہتا ہے لیکن

بطور قبض نقل بھی جائز ہے۔ **قولہ**: فی ارم بعادۃ العامل اس کا معطوف ہے اور چونکہ اس کے عجمی ہونے میں اختلاف ہے اس لیے اس کا عطف کرنا ضروری ہوگیا تا کہ کچھ تو معطوف علیہ سے جدائی ہو جائے **قولہ**: وتکریرھا مصدر معنی میں مفعول کے ہے ای فی الکلمۃ المکررۃ فیھا. **قولہ**: یریٰ بصیغۃ المجھول مجازاً معنی میں یسمع کے ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع لفظ ہے۔ **قولہ**: متعدلا بکسر الدال ترکیب میں یری من الابصار کے فاعل سے حال ہے اور اگر رویت قلب سے ہے تو اس کا دوسرا مفعول ہے۔

ترجمہ: اوران (ورش) نے پر پڑھا ہے اس (راء) کو کسرہ کے بعد ہونے کے باوجود (بھی) عجمی (غیر عربی الفاظ) میں اور ارم میں اور (کلمہ میں) اس (راء) کے مکرر آنے (کی صورت) میں بھی (پر پڑھا ہے) تا کہ یہ (لفظ) یکساں (اور برابر) سنا جائے۔

مطلب: یعنی ورش نے اس راء کو بھی پر پڑھا ہے جو عجمی غیر عربی اسموں میں ساکن فاصل کے ہوتے ہوئے کسرہ کے بعد ہو جیسے: ابراھیم، اسرائیل، عمران اسی طرح ارم جو سورہ فجر میں ہے اس کی راء کو بھی پر پڑھا ہے اور یہ بعض کے قول پر عجمی اور بعض کے نزدیک عربی ہے اور صحیح یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ عجمی ہی ہے کیونکہ یہ سام بن نوح کا نام ہے۔ ناظمؒ اور علامہ دانیؒ کے نزدیک اس میں بلا خلاف تفخیم ہی ہے علامہ حصریؒ اور ورش کے جلیل القدر اصحاب بھی اس کے قائل ہیں۔ اس کے بعد فرماتے ہیں جس کلمہ میں راء مکرر آرہی ہو یعنی اس میں دو راء ہوں عام اس سے کہ پہلی راء ساکن فاصل کے ہوتے ہوئے کسرہ کے بعد ہو یا صرف کسرہ کے بعد بلا فاصل ساکن کے ہو دونوں صورتوں میں ورش نے اس پہلی راء کو بھی دوسری کی وجہ سے پر پڑھا ہے تا کہ دونوں کا تلفظ یکساں اور برابر ہو جائے اور دونوں ایک ہی طرح پر سنی جائیں جیسے مدرارا افرارا اسرارا وغیرہ ان میں دوسری راء کا پر پڑھنا تو ظاہر ہے کیونکہ اس سے پہلے کوئی سبب ترقیق نہیں ہے پس ورش نے اس کی مناسبت سے پہلی راء کو پر ہی پڑھا ہے تا کہ دونوں کی آواز یکساں ہو جائے اور اگر اس کے خلاف کرتے کہ پہلی راء کو کسرہ کے سبب باریک اور دوسری راء کو پر پڑھتے تو پھر یہ برابری اور یکسانیت قائم نہیں رہتی اور اس کی وجہ سے جو خوبصورتی وعمدگی ان دونوں کے تلفظ میں پائی جاتی ہے وہ بھی ختم ہو جاتی پس اسی وجہ سے پہلی راء میں بہ نسبت کسرہ کی رعایت کے دوسری راء کا لحاظ رکھنا اولی ہے۔

وَ تَفْخِيمُهُ ذِكْرًا وسِتْرًا وَ بَابَهُ
لَدَى جِلَّةِ الْأَصْحَابِ أَعْمَرُ أَرْحُلَا

ش: **قولہ**: تفخیمہ مصدر مضاف الی الفاعل مبتدا اور اس کی ضمیر کا مرجع ورش ہے اور **قولہ**: ذکراً اس کا مفعول

ہے **قولہ**: ستراً وبابہ بوجہ عطف منصوب بالصدر ہیں۔ **قولہ**: لدیٰ مصدر تفخیم کا ظرف ہے۔ **قولہ**: جِلّۃ بکسر الجیم جلیل (عظیم) کی جمع ہے اور اس میں اضافت صفت کی موصوف کی طرف ہے ای الاصحاب الأجلاءِ. قولہ أعْمَر افعل التفضیل من عمر لمکان ترکیب میں مبتدا کی خبر ہے۔ **قولہ**: ارجلا بضم الحاء المھملۃ تمیز ہے اور یہ رحلاً بفتح الراء (منزلا) کی جمع ہے ای اعمر منزلاً من غیرہ.

ترجمہ: اور ان (ورش) کا پر پڑھنا ذکرا وستراً اور اس کے باب (بروزن فعلا منصوب غیر مشدد کی راءات) کو بڑے جلیل القدر اصحاب کے نزدیک منزلوں کے اعتبار سے (بہ نسبت باریک پڑھنے کے) زیادہ معمور (اور آباد) ہے۔

مطلب: یعنی ان کلمات کی راء جو فعلا کے وزن پر منصوب خالی از تشدید ہوں اور درمیان والا ساکن حرف مستعلیہ میں سے بھی نہ ہو تو اس میں ورش کے لیے دو وجہ ہیں تفخیم و ترقیق لیکن تفخیم اولیٰ ہے یہی مذہب جمہور کا ہے۔ ورش کے بڑے بڑے بڑے جلیل القدر اصحاب میں سے بھی یہی ثابت ہے) ترقیق صرف بعض کے نزدیک ہے اور یہ زیادات میں سے ہے قرآن مجید میں اس قسم کے کلمات صرف چھ آئے ہیں ذکراً، ستراً، اِمراً، وزراً، حجراً، جھراً باقی سراً وغیرہ تشدید کے سبب سے اور قطرا وغیرہ درمیان حرف مستعلیہ ہونے کی وجہ سے نکل گئے ان میں کے اول میں صرف ترقیق اور ثانی میں صرف تفخیم ہوگی۔

وَفِیْ شَـــرَرٍ عَنْــــهُ یُرَقِّقُ کُلُّهُمْ
وَحَیْـــرَانَ بالتَّفُخِیْمِ بَعْضٌ تَقَبَّلَا

ش: **قولہ**: عنہ ای عن ورش اور اس میں روایۃً صلہ ہے **قولہ**: کلھم اصحابہ مقدر کی تاکید ہے اور مفعول محذوف ہے ای الراء المفتوحۃ **قولہ**: حیران ای راء حیران مبتدا اور **قولہ**: بالتفخیم صفت ہے اور **قولہ**: بعض ای بعض النقلۃ دوسرا مبتدا ہے اور **قولہ**: تقبلا بالف الاطلاق اس کی خبر ہے پھر جملہ مبتدا اول کی خبر ہے۔

ترجمہ: اور شرر میں ان (ورش) سے (ان کے) تمام (اصحاب راء مفتوحہ کو بھی) باریک پڑھتے ہیں اور حیران (کی راء) جو تفخیم کے ساتھ ہے (ان کے) بعض (ناقلین) نے (اس کو اسی طرح تفخیم ہی کے ساتھ) قبول کیا ہے (یعنی اس میں ورش کے لیے دو وجہ ہیں اور دونوں صحیح ہیں لیکن اس میں ترقیق یاء کے سبب سے قیاس کے زیادہ موافق ہے اور تفخیم زیادات میں سے ہے۔ واللہ اعلم۔

وَفِی الرَّاءِ عَنْ وَرْشٍ سِوَیٰ مَا ذَکَرْتُهُ
مَذَاهِبُ شَذَّتْ فِی الْاَدَاءِ تَوَقُّلَا

ش: **قولہ**:عن فی الراء ترکیب میں **قولہ**:مذاھب ای معتقدات مبتدا کی خبر ہے اور **قولہ**: ورش اسی خبر کے متعلق ہے **قولہ**:سویٰ ما الخ استثناء مذاہب سے ہے اور **قولہ**:شذت صفت ہے اور **قولہ**:فی الاداء ای فی النقل والتادیۃ اس کے متعلق ہے اور **قولہ**:توقلا بضم القاف مصدر توقل فی الجبل ای صعد سے ہے اور یہ ترکیب میں شَذّتْ کی ضمیر سے تمیز یا حال ہے۔ای شذَّ تَوَقُّلُها وَارْتَفاعُهَا فِیْ طُرُقِ اِدَائِهَا اَوْ شذّتْ مُتَوقِّلَۃً فِیْهِ مُتَوَغِّلَۃً.

ترجمہ: اور راء میں ورش سے اس (مذہب) کے علاوہ جس کو میں نے بیان کیا ہے (اور بھی) مذاہب ہیں جو (ہم تک) نقل ہونے (اور پہنچنے میں) باعتبار بلندی (اور شہرت نہ حاصل کرتے) کے شاذ ہیں (یعنی جو الفاظ راء کی ترقیق سے مستثنیٰ ہیں اور جن کو ہم نے اس باب کے شعر (۲ تا ۵) میں بیان کیا ہے۔ان کے علاوہ دوسری روایات سے کچھ اور بھی الفاظ مستثنیٰ ہیں جو فن کی کتابوں میں مذکور ہیں مگر چونکہ یہ روایات بلند اور مشہور نہیں ہیں اس لیے ہم نے بھی ان الفاظ کو ان روایات کے غیر مشہور ضعیف اور شاذ ہونے کی بناء پر بیان نہیں کیا ہے)

وَلَا بُـــدَّ مِنْ تَرْقِيْقِهَا بَعْدَ كَسْرَةٍ
إِذَا سَكَنَتْ يَا صَاحِ لِلسَّبْعَةِ الْمَلَا

ش: **قولہ**:بُدَّ یہ اکثر نفی ہی میں استعمال ہوتا ہے اور **قولہ**:اذا یا تو صرف ظرفیہ ہے اور معنی میں وقت کے ہے یا شرطیہ ہے جو بوجہ اپنے ماقبل کے مستغنی عن الجواب ہے **قولہ**: یا صاح شاذ لغت کی بناء پر صاحب کی ترخیم ہے کیونکہ یہ علم نہیں ہے اور گو حق تعالیٰ کا قول یامالک سورۃ زخرف میں بھی شاذ قراءت پر ترخیم ہی کی بناء پر یامال ہے لیکن یہ علم ہے صحاح میں ہے کہ قولھم یا صاح کے معنی یا صاحبی کے ہیں اور مضاف کی ترخیم صرف اسی لفظ میں جائز ہے، جو سماعۃً ہے اور یاد رکھو کہ یا صاح ندا ہے جس کا جواب باقی تمام شعر ہے پس یہ نیۃً مقدم ہے **قولہ**:الملاء اصل میں الملأ تھا،ہمزہ کو حمزہ کی قراءت پر بحالت وقف ساکن کر کے الف سے بدل لیا۔جعبریؒ کے قول پر ضرورۃً نہیں ہے۔

ترجمہ: اور ضروری ہے اس (راء) کا باریک پڑھنا کسرہ کے بعد جب کہ ساکن ہو اے (میرے) صاحب ان تمام قراء) سبع کے لیے جو اشراف ہیں (یعنی جو راء ساکن ہو اور اس سے پہلے کسرہ لازمی اور متصل ہو عام اس سے کہ یہ راء کلمہ کے درمیان ہو یا آخر میں اور نیز اس کا سکون خواہ لازمی ہو یا عارضی جو وقف کی وجہ سے آ گیا ہو اور اس راء کے بعد اسی کلمہ میں حروف استعلاء میں سے کوئی حرف بھی نہ ہو تو یہ راء

تمام قراءِ سبعہ کے لیے باریک پڑھی جائے گی جیسے فِرْعَوْنُ فَانْتَصِرْ وغیرہ۔

وَمَا حَرْفُ الْاِسْتِعْلَاءِ بَعْدُ فَرَاءُ ہٗ
لِكُلِّهِمُ التَّفْخِيْمُ فِيْهَا تَذَلَّلَا

ش: قولہ: وما الخ ای اللفظ الذی حرف الاستعلا بعد راء مبتدا اول اور **قولہ**: فراء ہ مبتدا ثانی ہے اور فاء تعمیم کے لیے ہے اور ضمیر (ہ) کا مرجع فاء ہے **قولہ**: التفخیم مبتدا ثالث اور اس کی خبر۔ **قولہ**: تذللا بالف الاطلاق ہے بمعنی انقاد وتسھّل پھر جملہ مبتدا ثانی کی اور پھر مجموعہ مبتدا اول کی خبر ہے اور قولہ لکلھم اور فیھا متعلق تذللا کے ہیں اور ضمیر ہم کا مرجع قراء سبعہ اور ضمیر ہاء کا مرجع راء ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور وہ لفظ کہ جس (کی راء) کے بعد حرف استعلاء ہو پس اس (لفظ) کی جو راء ہے اس میں ان (قراء سبعہ) کے لیے تفخیم کرنا تابع (اور سہل ہے (کیونکہ تفخیم بہ نسبت ترقیق کے حروف مستعلیہ کے زیادہ مناسب ہے اس لیے کہ راء کی ترقیق کی حالت حروف مستعلیہ کو پُر پڑھنا اور پستی سے بلندی کی طرف پڑھنا خالی اور دشواری نہیں ہے خلاصہ یہ ہے کہ جو راء ساکنہ کسرہ کے بعد واقع ہو اگر اس راء کے بعد اسی کلمہ میں جس میں کہ یہ راء ہے حروف مستعلیہ میں سے کوئی حرف آجائے تو پھر یہ راء سب کے لیے پُر ہو گی باریک نہ ہو گی جیسے لبالمرصاد. قرطاس وغیرہ)

وَيَجْمَعُهَا قِظْ خُصَّ ضَغْطٍ وَخُلْفُهُمْ
بِفِرْقٍ جَرىٰ بَيْنَ الْمَشَائِخِ سَلْسَلَا

ش: قولہ: قظ امر ہے قیظ سے جس کے معنی سخت گرمی میں رہنے اور قیام کرنے کے ہیں اور خص اس گھر کو کہتے ہیں جو سرکنڈے وغیرہ سے بنایا گیا ہے **قولہ**: ضغطٍ ای ضیّقٍ مجرور بالاضافت ہے اور اس میں اضافت موصوف کی صفت کی طرف ہے اور تقدیر خصٌّ فی ضغطٍ ہے پس حذف والایصال کے قبیل سے ہے کقولہ تعالیٰ واختار موسیٰ قومه اور مقصود اس جملہ سے یہ ہے کہ تم سلف صالحین کی طرح دنیا کے تھوڑے ہی حصہ پر قناعت کرو چنانچہ عبدالملک ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ابو وائل شفیق بن سلمہؒ جو ابن مسعودؓ کے اصحاب میں سے تھے اور بڑے اونچے درجہ کے تابعی تھے وہ اسی طرح کی زندگی بسر کرتے تھے۔ موصوف نے سرکنڈے کا گھر بنا رکھا تھا جس میں وہ خود مع اپنے گھوڑے کے رہتے تھے۔ جب جہاد کے لیے جاتے تو اس کو گرا دیتے تھے اور جب لوٹ کر آتے تو پھر بنالیتے تھے **قولہ**: سلسلا ای طویلا مشبھا سَلْسَلا ای ماء سائغا سھلا سائلا ترکیب میں جریٰ کے فاعل سے حال ہے۔

ترجمہ: اوران (حروف مستعلیہ) کوقظ خص ضغط (کا مجموعہ) جمع کررہا ہے اوران (قراء) کا خلاف (کل) فرق میں مشائخ کے درمیان جاری (اور ثابت) ہے۔ درانحالیکہ فاء (خلف حلق میں) آسانی سے اترنے والے (اور بہنے والے طویل) پانی کے مشابہ ہے (یعنی بہت مشہور اور عمدہ ہے پس کل فرق کی راء میں قراء سبعہ کے لیے دووجہ ہوئیں۔ ایک راء کے بین الکسرتین واقع ہونے اور قاف حرف مستعلیہ میں کسرہ کے سبب ضعف آنے کی وجہ سے ترقیق اور حرف مستعلیہ قاف کی وجہ سے تفخیم ہے اور دونوں وجہ صحیح ہیں۔

وَمَا بَعْدَ كَسْرٍ عَارِضٍ أَوْ مُفَصَّلٍ
فَفَخِّمْ فَهٰذَا حُكْمُهُ مُتَبَذِّلَا

ش: قوله: وما بعد كسر الخ صلہ وموصول اور او تنویع کے لیے ہے اور **قوله:** مفصل کا عطف محذوف پر ہے ای كسر متصل عارضٍ او منفصلٍ **قوله:** فخم خبر ہے اور فاء عموم کے لیے ہے۔ **قوله:** حکمه کی ضمیر کا مرجع بسبب (کسرہ) ہے۔ **قوله:** مبتذلا اسم فاعل من تبذلا مطاوع بَذَلْتُه اَعْطَيْتُهُ ترکیب میں مفعول معنوی سے حال ہے یعنی اس فعل کے مفعول سے حال ہے جس پر اسم اشارہ دلالت کررہا ہے اور عامل اشارہ کے معنی ہیں ای هذا حكم سبب الراء من التفخيم والترقيق بَذَلْتُهُ لَكَ فَانْقَادَ سهلا وهذا البيت شرط سبب الاصلين (قاری)

ترجمہ: اور وہ (راء) جو کسرہ (متصلہ) عارضی کے بعد ہو یا (کسرہ) منفصلہ کے (بعد ہو خواہ یہ عارضی ہو یا لازمی) تو تم (ان دونوں صورتوں میں اس راء کو) پُر پڑھو پس یہ اس (سبب راء وکسرہ) کا حکم ہے درانحالیکہ یہ (حکم) خرچ ہونے والا ہے یعنی مستعمل اور مشہور ہے اور ہر زمانہ کے قراء اسی طرح پڑھتے، پڑھاتے اور بتلاتے چلے آرہے ہیں کسرہ متصلہ عارضہ کی مثال بقاعدہ ورش اِمْرَأَة امْرِءٌ وغیرہ ابتداء کی صورت میں اور دوسرے قاریوں کے قاعدہ کے موافق ارکعوا، ارجعوا وغیرہ ہے اور کسرہ منفصلہ کی مثال ورش کے لیے باذن ربهم وقالت إمراء ة وغيره۔ دوسروں کے لیے ان ارتبتم. رب ارجعون وغیرہ وصلاً ہے)

وَمَا بَعْدَهُ كَسْرٌ أَوِ الْيَا فَمَا لَهُمْ
بِتَرْقِيقِهِ نَصٌّ وَثِيقٌ فَيَمْثُلَا

ش: قوله: بعده كسره یا تو فعلیہ ہے یا اسمیہ اور **قوله:** فمالهم میں فاء عموم کے ہے ہے اور ما نافیہ ہے **قوله:** وثيق ای قوی معتمداً اور **قوله:** فيمثلا بضم الثاء من المثول بضمتين جواب نفی ہونے کی بناء پر منصوب بان مقدرہ بعد الفاء ہے اور الف اطلاقیہ ہے ای فيظهر اور جعبری نے جو

اس کی تفسیر فیذکر سے کی ہے وہ بطور حاصل معنی کے ہے اور ملا علی قاریؒ کے قول پر اس سے اصل فعل کے مجہول ہونے کا وہم ہوتا ہے۔

ترجمہ: اور (وہ راء) جس کے بعد کسرہ یا یاء ہو تو ان قراء کے لیے اس (قسم کی راء) کے باریک پڑھنے میں (کوئی) قوی (مضبوط اور قابل اعتماد) نص (صریح) نہیں ہے پس وہ ظاہر (اور مشہور) ہو۔

مطلب: یعنی جو راء مذکورہ بالا قواعد کے موافق پُر ہوتی ہے اس کے بعد کسرہ یا یاء ہو تو بعض حضرات نے یہ سمجھتے ہوئے کہ کسرہ اور یاء سبب ترقیق ہے خواہ راء سے پہلے ہو یا بعد میں اس قسم کی راء میں سے صرف تین کلمات کی راء کو ہر جگہ باریک پڑھا ہے اور وہ تین کلمات یہ ہیں بَیْنَ الْمَرْءِ دو جگہ و مریم اور قریۃ ناظمؒ فرماتے ہیں کہ بعد والے کسرہ یا یاء سے راء کا باریک پڑھنا کسی معتبر دلیل سے ثابت نہیں ہے اور نہ یہ اکثر ائمہ سے منقول ہے بخلاف اس راء کے کہ جس سے پہلے کسرہ یا یاء ہو اس کا باریک پڑھنا متواتر نقل سے ثابت ہے لہٰذا اس پر اس قسم کی راء کو جب کہ دونوں میں فرق ظاہر ہے قیاس کر لینا کیسے صحیح ہو سکتا ہے چنانچہ صاحب نشر فرماتے ہیں کہ قیاس کی رو سے ان تینوں کلمات کا پُر پڑھنا صحیح ہے اور متقدمین میں سے کسی نے بھی اس کے خلاف تصریح نہیں کی ہے اور علامہ دانیؒ کے نزدیک بھی اس کے خلاف کہنے والے غلطی پر ہیں۔ اب اس کے بعد ناظمؒ اگلے بیت میں وما یقاس الخ سے ایک کلیہ بیان فرماتے ہیں وہ یہ ہے:

وَمَا لِقِیَاسٍ فِی الْقِرَاٰۃِ مَدْخَلٌ
فَدُونَکَ مَا فِیْہِ الرِّضَا مُتَکَفِّلَا

ش: **قوله**: لقیاس مدخل ای دخول جملہ اسمیہ منفیہ ہے اور **قوله**: فی القراء ۃ ای فی القرآن متعلق (مصدر) دخول کے ہے **قوله**: فدونک اسم فعل بمعنی الزم اور فاء تعقیبیہ ہے اور **قوله**: ما فیہ الرضاء صلہ و موصول مفعول بہ ہے **قوله**: متکفلا بکسر الفاء ای متحملا ترکیب میں فاعل سے حال ہے اور اگر یہ بفتح الفاء ہے تو مفعول سے حال ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور نہیں ہے قیاس کے لیے قراءت (قرآن) میں (کوئی) دخل (یعنی کسی کو یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ کسی مستقل اور منقول قاعدہ پر قیاس کر کے کوئی ایسا ہی دوسرا قاعدہ کلیہ اپنی طرف سے بنا لے اور بغیر نقل متواتر اس پر عمل کرنے لگے پس جب یہ ہے تو (تم اس وجہ) کو لازم پکڑ لو جس میں ائمہ کی) رضا (اور بسبب شہرت و نقل کے ان کی پسندیدہ) ہے درانحالیکہ تم (اس کے) متکفل (اور پورے ذمہ دار) ہو یعنی تم ان ہی وجوہ کو اختیار کرو کہ جو متواتر نقل سے ثابت ہیں) اور جن کو اس فن کے معتبر ائمہ نے مشہور ہونے کی

وجہ سے پسند فرمایا ہے نیز دوسروں تک بھی اسی طرح ذمہ داری کے ساتھ بلا زیادتی وکمی کے پہنچاؤ اپنی طرف سے کچھ مت کہو اور نہ اپنے قیاس کو جس کی ممانعت کی گئی ہے (دخل دو)

وَتَرْقِيقُهَا مَكْسُورَةً عِنْدَ وَصْلِهِمْ
وَتَفْخِيمُهَا فِي الْوَقْفِ أَجْمَعُ أَشْمَلَا

ش: قوله: وترقيقها مبتدا مصدر مضاف الی مفعولہ ہے اور ضمیر ہاء کا مرجع راء ہے اور **قوله:** مکسورة ترکیب میں راء سے حال ہے۔ **قوله:** عندو صلهم خبر ہے اور ضمیر ہم کا مرجع قراء سبعہ ہے **قوله:** وتفخيمها اس کی ترکیب مثل ترقيقها کے ہے اور **قوله:** في الوقف اس کا ظرف اور **قوله:** اجمع اس کی خبر ہے اور **قوله:** اشملا اس کی تمیز ہے۔

ترجمہ: اور اس (راء) کو مکسور ہونے کی حالت میں باریک پڑھنا ان (قراء) کے وصل کرنے کے وقت (ثالث) ہے اور اسی (راء مکسورہ) کو وقف میں پُر پڑھنا باعتبار شمول جماعت زیادہ جامع ہے۔

مطلب: یعنی جو راء مکسورہ ہو عام اس سے کہ اس پر کسرہ اصلی لازمی ہو جیسے رزقاً و الرّقاب وغیرہ یا عارضہ ہو جو ساکن کے جمع ہونے یا نقل کی وجہ سے آیا ہو جیسے انذر الناس وانحر انّ ورش کی قراءت پر کاملہ ہو یا ناقصہ جو اختلاس اور امالہ کی حالت میں ہوتا ہے جیسا کہ ارنا مناسکنا میں ہے نیز راء کلمہ کے شروع میں ہو یا وسط میں یا آخر میں ہو اور اس راء سے پہلے حرف ساکن ہو یا متحرک اور اس راء کے بعد خواہ مستعلیہ میں سے کوئی حرف ہو یا مستفلہ میں سے فعل میں ہو یا اسم میں ہر حالت میں یہ راء تمام قراء سبعہ کے لیے وصلاً باریک پڑھی جاتی ہے پھر اس کے بعد فرماتے ہیں کہ اگر اسی راء مکسورہ جب کہ یہ آخر میں ہو وقف بالسکون کریں اور اس سے پہلے حرف پر فتحہ ہو جیسے ونهر یا ضمہ ہو جیسے دُسرِ یا اس سے پہلا حرف ساکن غیر یاء ہو اور اس سے پہلے حرف پر فتحہ ہو یا ضمہ ہو جیسے القدر وخسر تو یہ راء ان سب حالتوں میں قراء سبعہ کے لیے پُر پڑھی جائے گی اور اکثر حضرات اہل ادا اس پر ہیں یہی صحیح بھی ہے اور اجمع اشملا سے اسی (اکثریت) کی طرف اشارہ ہے اگر چہ مکی وبصری وغیرہ نے سکون وقفی کو عارضی سمجھتے ہوئے اس راء مکسورہ کا ہر حال میں مثل وصل کے باریک پڑھنا وقفاً بھی جائز بتایا ہے مگر یہ قابل عمل نہیں ہے اب اس کے بعد راء متحرکہ بحرکاتِ ثلثہ اور راء ساکنہ جن حالتوں میں بالاتفاق باریک پڑھی جاتی ہے اس کو بیان فرماتے ہیں۔

وَلٰكِنَّهَا فِي وَقْفِهِمْ مَعْ غَيْرِهَا
تُرَقَّقُ بَعْدَ الْكَسْرِ أَوْ مَا تَمَيَّلَا

أَوِ الْيَاءِ تَأْتِيْ وَبِالسُّكُوْنِ وَرَوْمُهُـمُ
كَمَا وَصْلِهِمْ فَابْلُوا الذَّكَاءَ مُصَقَّـلَا

ش: **قوله**: ترقق ترکیب میں لکن کی خبر ہے اور اس کا اسم ضمیر ہے جس کا مرجع راء مکسورۃ متطرفہ ہے **قوله**: مع غیرھا ای من المحرکات المتطرفات ترکیب میں ترقیق کے فاعل سے حال ہے **قوله**: فی وقفھم ای فی وقف السبعة اور بعد الکسر دونوں ترقیق کے متعلق ہیں اور **قوله**: ما نکرہ موصوف مجرور بالعطف ہے والتقدیر لکن المکسورۃ ترقق کائنة الاخریین فی الوقف الاصلی بعد کسر او حرف ممال. **قوله**: او الیاء یہ بھی مجرور بالعطف ہے اور **قوله**: تاتی اس کے اور **قوله**: بالسکون ضمیر فاعل سے حال اور **قوله**: کما وصلھم میں ما زائدہ ہے **قوله**: فابلوا بضم اللام بلا یبلو سے ہے ومنہ قولہ تعالیٰ ونبلوکم بالشر والخیر فتنةً اور **قوله**: الزکاء بفتح الدال المعجمة بمعنی سرعت الفھم کے ہیں **قوله**: مصقلا بفتح القاف مصقولا کا مبالغہ ہے اور ترکیب میں مفعول سے حال ہے۔

ترجمہ: اور لیکن (راء مکسورہ متطرفہ) اپنے غیر (حرکات متطرفہ فتحہ وضمہ وسکون) کے ساتھ ہوئے ان (قراء) کے وقف بالسکون کرنے کی صورت) میں باریک پڑھی جاتی ہے بعد کسرہ کے یا اس (الف) کے کہ جس میں امالہ واقع ہو رہا ہے یا یاء کے (بعد واقع ہو) درانحالیکہ وہ (یاء) سکون کی حالت میں آ رہی ہو (یعنی یہ راء یاء ساکنہ کے بعد واقع ہونے کی صورت میں باریک پڑھی جاتی ہے) اور ان (قراء) کا (راء) پر روم کرنا مثل ان کے وصل کرنے کے ہے (یعنی راء مکسورہ ومضمومہ کے پر و باریک پڑھنے کا حکم جیسا کہ وصل کی صورت میں تھا ویسا ہی وقف بالروم کی حالت میں بھی ہے پس اگر وہ وصل میں پر تھی تو وقف بالروم میں بھی پُر ہوگی۔ اور اگر وصل میں باریک تھی تو وقف بالروم میں بھی باریک ہوگی) پس تم (اپنی) سمجھ کی تیزی کو (اس کے سمجھنے اور نکالنے میں) آزماؤ درانحالیکہ وہ خوب صیقل کی ہوئی (صاف اور عمدہ ہے) یعنی راء کی ان تمام صورتوں کو سمجھنے اور نکالنے میں ہوشیاری سے کام لینا ایسا نہ کہ کوئی گڑبڑ ہو جائے اور ایک حکم کا دوسری میں جاری کر دیا جائے یا کوئی صورت باقی رہ جائے)

مطلب: یعنی یہی راء مکسورہ مع اپنی دوسری حرکات فتحہ وضمہ اور سکون کی طرف میں واقع ہو اور اس پر وقف بالسکون کیا جائے تو ذیل کی چار صورتوں میں یہ راء باریک پڑھی جاتی ہے (۱) راء کسرہ کے بعد بلا فاصلہ یا حرف مستعلیہ کے علاوہ دوسرے حرف کے ساکن کے فاصلہ سے واقع ہو جیسے کفر مُنْهَمِرٍ فانتصر اور

حجر و ذکر وغیرہ لیکن اگر راء اور کسرہ کے درمیان ساکن حرف مستعلیہ سے ہو جو صرف عین القطر اور مصر میں ہے تو اس صورت میں راء کو پُر و باریک دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں لیکن صاحب نشر کے قول پر وصل واصل کا لحاظ کرتے ہوئے وقفاً القطر میں ترقیق اور مصر میں تفخیم اولی ہے (۲) راء ترقیق والی یاء ساکنہ کے بعد ہو عام اس سے کہ یاء سے پہلے حرف پر زیر ہو جیسے خیر و خبیر وغیرہ (۳) راء الف ممال کے بعد واقع ہو جیسے النار و الابرار امالہ تقلیل والوں کی قراءت پر۔ (۴) راء ترقیق والی راء کے بعد ہو جو صرف ورش کی قراءت پر بشرر سورہ مرسلات میں ہے۔ پس نمبر ۱، و نمبر ۲، کی راء سب کے لیے اور نمبر ۳، کی راء صرف امالہ و تقلیل والوں کے لیے اور نمبر ۴، کی راء صرف ورش کے لیے باریک پڑھی جائے گی اور یہ بھی یاد رکھو کہ کسرہ کے بعد تو راء مکسورہ و مفتوحہ و مضمومہ و ساکنہ چاروں قسم کی آتی ہے اور یاء ساکنہ کے بعد تینوں قسم کی حرکتوں والی آتی ہے ساکنہ نہیں آتی اور امالہ و ترقیق والی راء.................... کے بعد صرف راء مکسورہ ہی آتی ہے اور اگر اس کلمہ کے آخر والی راء پر وقف بالروم کیا جائے تو اس کا حکم پر و باریک پڑھنے میں وصل کی طرح ہے جیسا کہ ہم نے اوپر بیان کیا ہے لیکن یہاں اس قدر اور سمجھو کہ اگر راء پر کسرہ ہے تو یہ روم کی حالت میں سب کے لیے باریک ہوگی جیسے من النار، من خیر وغیرہ اور جو اس راء پر ضمہ ہے تو یہ راء بحالت روم سب کے لیے پر ہوگی جب کہ اس سے پہلے یاء ساکنہ اور کسرہ نہ ہو جیسے کُفُرٌ و صَفُرٌ وَ القمر وغیرہ اور اگر اس سے پہلے یاء ساکنہ ہے جیسے خیرٌ و کبیرٌ یا کسرہ بلا فاصلہ یا یاء کے علاوہ کسی اور ساکن کے فاصلہ سے ہے جیسے عَسِرٌ و السِّحْرُ وغیرہ تو اس صورت میں یہ راء ورش کے لیے تو باریک اور باقی کے لیے پر ہوگی۔ فافہم۔

وَفِيمَا عَدَا هٰذَا الَّذِی قَدْ وَصَفْتُهُ
عَلَى الْاَصْلِ بِالتَّفْخِيمِ كُنْ مُتَعَمِّلَا

ش: **قولہ**: فیماعدا فی ظرف معنی کن متعملا او عدا اگر فعل ہے تو جاوز کے معنی میں ہے اور اگر حرف ہے تو معنی میں غیر کے ہے۔ **قولہ**: ھذا یا تو عدا کا منصوب ہے یا مجرور اور **قولہ**: الذی قد وصفتہ ای بینتہ ترکیب میں ہذا کی صفت ہے **قولہ**: علی الاصل جعبری کے قول پر تو علی معنی میں باء کے ہے اور متلبسا کے متعلق ہو کر متعملا کے فاعل سے حال ہے اور ملا علی قاریؒ کے نزدیک بناء مقدر کے متعلق ہو کر مفعول لہ ہے کن متعملا کے متعلق نہیں ہے قولہ بالتفخیم متعلق متعملا کے ہے اور باء معنی میں لام کے ہے (قال الجعبریؒ) اور ملا علی قاریؒ کے قول پر باء سببیہ ہے جو لام علت کے معنی میں

دیا کرتی ہے اور یہاں للتفخیم کہنا بھی ممکن تھا اور **قولہ**: **متعملا تعمل** معنی میں **عمل عملا** متراخیاً کے ہے مثل **تعلَّم** کے یہ تھوڑا تھوڑا سیکھنے کے معنی میں آتا ہے اور **تعمل لکذا** کے معنی یہ ہیں کہ محنت اور کوشش سے کام کیا۔

ترجمہ: اور تم ان (تمام راءات) میں جو اس کے علاوہ ہیں جس کو میں نے (اس باب میں) بیان کیا ہے بناءً اعلی الاصل تفخیم کے لیے عمل کرنے والے رہو یعنی راء میں چونکہ اکثر کے نزدیک اصل تفخیم ہی ہے اور ترقیق اس باب کے اوپر موقوف ہے اس لیے فرماتے ہیں کہ راء کی جو صورتیں میں نے بیان کر دی ہیں ان کے علاوہ سب میں راء کو پُر پڑھنا چاہیئے پس ظاہر ہے کہ یہ شعر پہلے مضمون کی تاکید کے طور پر ہے ورنہ ترقیق کی ضد سے تفخیم تو خود ہی سمجھ میں آسکتی تھی یا اس بیت کو اس لیے لائے ہیں تاکہ یہ معلوم ہوجائے کہ اکثر کے نزدیک راء میں اصل تفخیم ہے۔ واللہ اعلم۔

بَابُ اللَّامَاتِ ﴿٦﴾

یہ باب لام کے پُر وباریک پڑھنے کے بیان میں ہے

اس میں برعکس راء اصل ترقیق ہے کیونکہ اس کا پُر حروف کے بعد آنا بوجہ تناسب اور یکسانیت کے یہی چاہتا ہے کہ یہ بھی پُر ہی پڑھا جائے اور تفخیم وتغلیظ دونوں کے معنی ایک ہی ہیں۔

وَغَلَّظَ وَرْشٌ فَتْحَ لَامٍ لِصَادِهَا
أَوِ الطَّاءِ أَوْلِلظَّاءِ قَبْلُ تَنَزُّلَا

ش: **قولہ**: فتح لام ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس کے بجائے لام فتح فرماتے تو یہ اولی تھا کیونکہ تغلیظ حرف میں ہوتی ہے حرکت میں نہیں ہوتی۔ **قولہ**: لصادھا اس میں صاد کی اضافت لام کی طرف بسبب اتصال اور تاثیر کے ہے اس معنی کر کہ صاد لام سے متصل بھی ہوتا ہے اور اس میں اثر بھی کرتا ہے او تنویع کے لیے ہے اور **قولہ**: للظاء میں لام کا اعادہ رعایت وزن کی بناء پر ہے۔ **قولہ**: قبل مقطوع الاضافت مبنی علی الضم ہے اور یہ نازلات مقدر کا ظرف ہے جو تینوں حروف سے حال ہے **قولہ**: تنزلا مصدر ای نازلات مقدر کا مفعول مطلق ہے یا زاء کے فتحہ سے ماضی کا صیغہ ہے پس اس صورت میں یہ تینوں حروف سے حال ہوگا اور قبل بھی اسی کا ظرف بنے گا۔ نازلات کا مقدر نہیں ہوگا۔

ترجمہ: اور ورش نے پُر پڑھا ہے لام کے فتحہ کو (یا فتحہ والے لام کو) اس (لام) کے صاد یا طاء یا ظاء کی وجہ

سے درانحالیکہ یہ تینوں حروف اس لام سے) پہلے نازل (واقع) ہوئے ہوں (یا ان تینوں حروف میں سے حرف اس لام سے پہلے نازل ہوا ہو خلاصہ یہ ہے کہ ہر اس لام مفتوحہ مشددہ وغیرہ مشددہ متوسطہ ومتطرفہ کو پُر پڑھا ہے کہ جس سے پہلے اسی کلمہ میں صاد یا طاء یا ظاء ہو اور تینوں حروف پر فتحہ مع التشدید یا بلا تشدید ہو یا یہ ساکن ہوں جیسا کہ ناظمؒ نے اگلے بیت میں بیان فرمایا ہے)

إِذَا فُتِحَتْ أَوْ سُكِّنَتْ كَصَلٰوتِهِمْ
وَمَطْلَعِ أَيْضًا ثُمَّ ضَلَّ وَيُوصَلَا

ش: قوله: اذا شرطیہ ظرفیہ ہے اور اس کا فاعل عامل غلظ ہے جو اس سے اوپر کے شعر میں مذکور ہو چکا ہے **قوله**: كصلوتهم ترکیب میں المغلظ مقدر کی خبر ہے **قوله**: ایضا مصدر حال کی جگہ ہے ای راجعاً كل واحد من الامثلة الثلاثة منضما ای صلوتهم اور ثم بمعنی واؤ اور یوصلا میں اطلاقیہ ہے۔

ترجمه: اور ورش لام مفتوحہ کو ان تینوں حرفوں کے بعد اس وقت پُر پڑھا ہے) جب کہ یہ (تینوں حرف) مفتوح یا ساکن ہوں (یہ پُر لام مفتوحہ بعد حروف ثلثہ) صلوتهم اور نیز مطلع اور ظلّ ویوصلا کی طرح ہے۔

وَفِي طَالَ خُلْفٌ مَعْ فِصَالًا وَعِنْدَ مَا
يُسَكَّنُ وَقْفًا وَالْمُفَخَّمُ فُضِّلَا

ش: قوله: وفی طال خلف جملہ اسمیہ اور **قوله**: مع فصالا حال کی جگہ ہے **قوله**: عند ما یسکن صلہ وموصول خلف کی دوسری خبر ہے **قوله**: وقفا ترکیب میں یسکن کی ضمیر سے حال ہے ای ذا وقف اور **قوله**: المفخم فضلا بصيغة المجهول وبالف الاطلاق جملہ کبریٰ اور اس کی تقدیر والمفخم فی المسئلتین فضل ہے۔

ترجمه: اور (لفظ) طال میں خلاف ہے مع فصالا اور (کلمے کے آخر والے) اس (لام) میں (بھی خلاف ہے) جو بحالت وقف ساکن کر دیا جائے اور پُر پڑھنا لام کا ان دونوں صورتوں میں) افضل مانا گیا ہے (یعنی جب لام اور ان حروف مذکورہ کے درمیان الف فاصل ہو یا جو لام ان حروف کے بعد کلمہ کے آخر میں ہو اور اس پر وقف بالسکون کیا جائے تو ان دونوں میں ورش کے لیے دو وجہ ہیں تفخیم وترقیق۔ لیکن تفخیم افضل واولیٰ ہے کیونکہ حروف مستعلیہ قوی اور سکون عارضی ہے اسی طرح طال وغیرہ میں الف فاصل ہے اور فتحہ بھی اس کی جنس سے ہے پس گویا کہ فتحہ لام سے متصل ہی ہے واللہ اعلم۔

ف: اگر کوئی یوں کہے کہ لام پر وقف کرنے کی صورت میں صرف ترقیق ہونی چاہئے تھی کیونکہ تفخیم کے

لیے جولام کا فتحہ شرط ہے وہ سکون وقفی کی وجہ سے باقی نہیں رہا جیسا کہ اب باب الراءات میں اوپر معلوم ہو چکا ہے کہ اگر راء مکسورہ سے پہلے ترقیق کا کوئی سبب نہ ہو تو اس پر سکون سے وقف کرنے کی صورت میں راء میں صرف تفخیم ہوگی اور سبب ترقیق (کسرہ) کے نہ رہنے کی وجہ سے علی مذہب الجمہور ترقیق ہرگز نہ ہوگی پس جب کہ راء ولام دونوں اس بارے میں مشترک ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ راء میں تو صرف تفخیم ہے اور لام میں دو وجہ ہیں اور تفخیم اولیٰ ہے حالانکہ سبب اور شرط کا نہ رہنا دونوں میں عارضی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں سبب تفخیم حرف استعلا ہے جو قوی اور باقی ہے اور لام کا فتحہ شرط ہے پس اسی لیے تو اس میں سبب کے قوی ہونے کی وجہ سے تفخیم اور شرط کے نہ رہنے کی بناء پر ترقیق ہوتی ہے بخلاف راء مکسورہ کے کہ اس میں سکون وقفی کی وجہ سے سبب ترقیق (کسرہ) ہی زائل اور حذف ہو گیا ہے۔

ف: واضح ہو کہ ظلّ اور یُصَلَّبوا وغیرہ میں پہلا لام فاصل نہیں ہے کیونکہ مشدد حرف حکم میں ایک ہی حرف کے ہوتا ہے لہٰذا یہ کہنا کہ ان میں بھی طال وغیرہ کی طرح دو وجہ ہونی چاہئیں۔ مناسب نہیں ہے بلکہ ان میں تو سبب تغلیظ ظاء وصاد وغیرہ لام سے متصل ہی ہے جدا نہیں ہے۔

وَحُكْـــمُ ذَواتِ الْيَاءِ مِنْهَـــا كَهـــذِهِ
وَعِنْـــدَ رُؤُسِ الآیِ تَرْقِيْقُهَـــا اعْتَـــلَا

ش: **قوله**: وحكم ذوات الياء اى حكم المتعلقات بالياء من اللامات تيبين كهذه جملہ اسمیہ ہے اور وهذه سے اشارہ صور مختلف فیھا کی طرف ہے جو طال وفصالا اوران يُصَالِحَا اور ساکن فی الوقوف بطل وغیرہ ہے **قوله**: ترقيقها اى ترقيق اللام اعتلا بصيغة الماضى جملہ کبریٰ ہے اور **قوله**: عند روس الآی ظرف خبر ہے (قاری)

ترجمه: اور ذوات الیاء کا حکم ان (لامات) کے (جن میں پُر پڑھنے کا قاعدہ پایا جاتا ہو) مثل ان ہی (صور مختلفہ طال وغیرہ اور ساکن فی الوقف) کے ہے اور روس آیات میں اس (لام) کا باریک پڑھنا بلند (مشہور) ہے۔

مطلب: یعنی وہ کلمات جن میں الف مقصورہ منقلب بیاء ہے اور اس سے پہلے لام مفتوحہ اور اس سے پہلے سبب تفخیم صاد وغیرہ ہے جیسے تصلی ویصلٰھا تو اس کا حکم بھی جواز تفخیم وترقیق ورجحان تفخیم میں ورش کے لیے مثل حکم طالِ وفصالا وغیرہ اور ساکن فی الوقف بطل وغیرہ کے ہے اور ان کی طرح اس میں بھی دو وجہ ہیں اور تفخیم اولیٰ ہے لیکن اس صورت میں بعد والے الف میں صرف فتحہ ہوگا امالہ ہرگز نہ ہوگا۔ اور ترقیق کی صورت میں بعد والے الف میں صرف فتحہ ہوگا امالہ ہرگز نہ ہوگا اور ترقیق کی صورت میں الف میں امالہ ہوگا

فتح قطعاً نہیں ہوگا اور اگر اس قسم کا لام ان گیارہ سورتوں کے آخر آیات میں جن کو رؤس آیات کہتے ہیں جو باب الامالہ میں مذکور ہو چکی ہے واقع ہو تو اس میں ورش کے لیے ترقیق اور اس کے بعد والے الف میں امالہ کرنا بہ نسبت پُر اور فتح پڑھنے کے اعلیٰ وافضل ہے پس اس سے معلوم ہو گیا کہ لام کو پُر پڑھنے کی صورت میں فتح بھی صحیح ہے اگر چہ غیر اولیٰ اور اس غیر مشہور مذہب کی بناء پر ہے کہ جس کے اعتبار سے رؤس آیات میں بھی فتح اور تقلیل دونوں درست ہیں مگر چونکہ ان میں مشہور مذہب کی بنا پر صرف تقلیل ہے اس لیے لام کو باریک پڑھتے وقت الف میں امالہ بین بین کیا جائے اور ان میں یہی ایک وجہ متعین ہے اور اس قسم کے لامات قرآن مجید میں صرف تین جگہ آئے ہیں ایک سورۃ قیامہ میں ولا صلیٰ دوسرے سورہ اعلیٰ میں فصلّٰی تیسرا سورہ علق میں اذا صَلّٰی۔

وَكُلٌّ لَدَى اسْمِ اللهِ مِنْ بَعْدِ كَسْرَةٍ
يُـرَقِّقُهَـا حَتَّىٰ يَـرُوقَ مُرَتَّـلَا

ش: قوله: وكلٌّ مبتدا اور تنوین عوض میں مضاف الیہ کے ہے ای كل السبعة اور **قوله:** يرققها اس کی خبر ہے اور ضمیر ہا کا مرجع لام ہے اور **قوله:** لدیٰ اس کا ظرف ہے اور **قوله:** من بعد كسرة ضمیر ہا سے حال ہے ای يرققها كائنة من بعد كسرة **قوله:** يروق معنی میں يعجب کے ہے اور **قوله:** مرتلا حال اور یہ تغیر رتلٌ سے ہے یعنی وہ دانت جو ہموار اور یکساں ہوں۔ واللہ اعلم۔

ترجمه: اور کل (قراء سبعہ) اسم اللہ میں اس (لام) کو کسرہ کے بعد (ہونے کی حالت میں) باریک پڑھتے ہیں تا کہ وہ (اسم اللہ سننے میں) عجیب (عمدہ اور خوشنما) معلوم ہو درانحالیکہ وہ (اسم اللہ لام کے پڑھے جانے کے سبب) ہموار کیا گیا ہے (کیونکہ کسرہ بھی باریک ہی ادا ہوتا ہے پھر اس کے بعد لام بھی باریک پڑھا گیا۔ دونوں میں ہمواری اور یکسانیت پیدا ہونے کی وجہ سے اسم اللہ خوشنما ہو گیا اگر لام کو کسرہ کے بعد پُر پڑھتے ہیں تو اس میں یہ خوبی وعمدگی پیدا نہ ہوتی۔ دوسرے زبان کی پستی سے بلندی کی طرف لے جانا بھی خالی از دقت نہیں ہے۔

كَمَـا فَخَّمُـوهُ بَعْـدَ فَتْحٍ وَضَمَّةٍ
فَتَمَّ نِظَـامُ الشَّمْلِ وَصْـلًا وَفَيْصَلَا

ش: قوله: فخموه اس کی ضمیر منصوب کا مرجع لام ہے یہاں ضمیر مذکر کی اور يرققها میں ضمیر مؤنث کی جو لائے ہیں وہ تفنن کی بنا پر ہے نیز اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ حروف کے لیے دونوں قسم کی ضمیریں لانا

جائز ہے ابوشامہ کے قول پر فقہاء کی مناسبت سے یہاں بھی ضمیر مؤنث لانا اولیٰ تھا۔ **قولہ: فتم** میں فا فصیحہ ہے اور **قولہ:** نظام الشمل ای اجتماع شمل اللام او الکسر اور **قولہ:** وصلا وفیصلا دونوں مصدر ہیں اور نظام یا شمل سے حال کی جگہ واقع ہیں ابوشامہ کے نزدیک فخموہ کی ضمیر منصوب سے حال ہے ای ذوات وصل وفصل ای سواءٌ کانت الحرکات المذکورة علی حروف متصلة بالاسم العظیم اوعلی حروف منفصلة فی کلمة اخریٰ فلا یتغیر الحکم بشیٔ من ذٰلک فی الترقیق والتفخیم.

ترجمہ: (ان قراء سبعہ نے اسم اللہ کو کسرہ کے بعد اسی طرح باریک پڑھا ہے) جیسا کہ انہوں نے فتحہ اور ضمہ کے بعد اس (لام) کو پُر پڑھا ہے پس (لام یا کسرہ کا) شمول (اجتماع) پورا ہو گیا وصل کی حالت میں بھی اور وقف کی حالت میں بھی یعنی لام کے جملہ احکام وصلی اور وقفی ہر دو قسم کے بیان ہو چکے ہیں یا یہ معنیٰ کہ یہ ترقیق وتفخیم کا حکم لفظ اللہ کے ان سہ حرکات سے متصل ہونے کی حالت میں بھی ہے اور منفصل ہونے کی حالت میں بھی یعنی عام اس سے کہ یہ تینوں لفظ اللہ سے متصل ہوں جیسے تاللہ، باللہ یا منفصل ہو جیسے بسم اللہ وقال اللہ. رسل اللہ پس ان دونوں صورتوں کا ایک ہی حکم ہے اور وہ یہ کہ لفظ اللہ کا لام تمام قراء سبعہ کے لیے کسرہ کے بعد باریک اور فتحہ وضمہ کے بعد پُر پڑھا جائے گا۔

بَابُ الوقف علیٰ أواخر الکلم ﴿۱۱﴾

یہ باب کلمات کے آخر حرف پر سکون یا روم یا اشمام کے ساتھ وقف کرنے کے بیان میں ہے

وَالِاسْكَانُ أَصْلُ الْوَقْفِ وَهُوَ اشْتِقَاقُهُ
مِنَ الْوَقْفِ عَنْ تَحْرِيكِ حَرْفٍ تَعَزَّلَا

ش: قولہ: والاسکان بالنقل اصل الوقف جملہ اسمیہ ہے اور **قولہ:** اشتقاقه باسکان هاء دوسرا جملہ ہے اور ہر دو ضمیر کا مرجع وقف ہے **قولہ:** من الوقف متعلق اشتقاقه کے ہے اور **قولہ:** عن تحریک حرف متعلق الوقف کے ہے **قولہ:** تعزلا بالف الاطلاق ای تجرد عن الحرکة ترکیب میں حرف کی صفت ہے ای الوقف الصناعی منقول عن الوقف اللغوی بجامع الترک یقال وقفت عنی کذا ای ترکته وهنا وقف عن تحریک حرفٍ ای ترک تحریکه (قاری)

ترجمہ: اور اسکان اصل وقف ہے اور یہ جو (وقف اصطلاحی) ہے اس کا اشتقاق (یعنی نکلنا اور منقول

ہونا) الوقف عن تحریک حرف تعزلا سے ہے (جس کے معنی یہ ہیں کہ اس حرف کے حرکت دینے سے رک جانا جو بوجہ وقف تحریک سے) جدا (اور خالی) ہو گیا ہے۔

مطلب: فرماتے ہیں وقف میں اصل سکون ہی ہے کیونکہ وقف جو کیا جاتا ہے وہ راحت حاصل کرنے کی غرض سے کیا جاتا ہے اور راحت پورے سکون کے ادا کرنے ہی سے حاصل ہو سکتی ہے اس میں حرکت کی طرف ذرا بھی اشارہ نہیں ہوتا۔ دوسرا یہ کہ وقف بالاسکان تینوں حرکتوں میں ہوتا ہے نقلاً بھی تمام قراء سے ثابت ہے نیز وقف ابتدا کی ضد ہے اور ابتداء میں حرکت ہوتی ہے تو اس کی ضد (وقف) میں لامحالہ سکون ہونا چاہیئے بخلاف روم واشمام کے ان میں ایسا نہیں ہے اسی وجہ سے ان کو اصل بھی قرار نہیں دیا گیا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ جو وقف اصطلاحی ہے اس کو الوقف عن تحریک حرف تعزلا سے بنایا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ وقف اصطلاحی وقف لغوی سے لیا گیا ہے جس کے اصل معنی کسی شی سے مطلقاً رک جانے کے ہیں پس اس میں ہر چیز کا ترک ہے اور وقف اصطلاحی میں حرکت کا ترک مقصود ہے لہٰذا ان دونوں میں جو مناسبت ہے وہ اسی ترک کا پایا جانا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جملہ وھو اشتقاقہ الخ لغوی واصطلاحی وقف میں مناسبت بتلانے کی غرض سے لایا گیا ہے۔ اصطلاحی وقف کی پوری تعریف بیان کرنے کے لیے نہیں۔ فافہم۔

وَعِنْدَ أَبِىْ عَمْرٍو وَكُوْفِيِّهِمْ بِهِ
مِنَ الرَّوْمِ وَالْإِشْمَامِ سَمْتٌ تَجَمَّلَا

ش: قوله: عند ابی عمرو ترکیب میں ثابت مقدر کا ظرف ہے جو **قوله**: سمت ای ھیئۃ او طَرِیقۃٌ کی خبر ہے اور **قوله**: بہ اس خبر کے متعلق ہے **قوله**: عن الروم والاشمام ترکیب میں **قوله**: تجملا کے فاعل سے حال ہے ای کائنا منھما اور والاشمام کا واؤ معنی میں او تَنْوِیْعِیّۃ کے ہے جو معطوفین کے جمع ہونے میں مانع نہیں ہے۔

ترجمه: اور ابوعمرو اور ان (قراء) میں کے کوفیین کے نزدیک (وقف) میں (سکون سے وقف کرنے کے علاوہ) روم واشمام سے (وقف کرنے کا بھی) ایک خوبصورت (اور عمدہ) طریقہ ہے (ابوعمرو اور تینوں کوفیوں کے لیے وقف بالاسکان کی طرح روم واشمام سے وقف کرنا بھی نقلاً ثابت ہے۔

وَأَكْثَرُ أَعْلَامِ الْقُرَانِ يَرَاهُمَا
لِسَائِرِهِمْ أَوْلَى الْعَلَائِقِ مِطْوَلَا

ش: **قوله**: یراھمااى یختار الروم والاشمام ترکیب میں **قوله**: اکثر اعلام القرآن کی خبر ہے اوراس کومفردلفظ اکثر کی مناسبت سے ذکرکیا ہے اس لیے کہ یہ معنیٰ جمع اورلفظاً مفرد ہے اعلام قرآن سے مرادقراء کے نام ہیں اوران کی اضافت جوقرآن کی طرف ہے وہ اس لیے کہ یہ اس کے اہل اورخادم ہیں **قوله**:لسائرھم ای لجمیعھم او لباقیھم متعلق یریٰ کے ہے اورضمیر ہم کا مرجع قراء سبعہ ہے **قوله**: اولیٰ بمعنیٰ احق اپنے مضاف الیہ سے مل کر یریٰ کا دوسرا مفعول ہے۔ **قوله**:العلائق جمع علاقۃ کی ہے اس میں عین کا فتحہ وکسرہ دونوں صحیح ودرست ہیں اور یہ معنیٰ میں ما یتعلق بہ کے ہے **قوله**: مطولا بکسر المیم کے لغوی معنیٰ رسی کے ہیں اور یہاں بطور مجاز سبب کے معنیٰ میں ہے اورترکیب میں تمیز ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔

ترجمه: اورقرآن (یعنی قراءت) کے اکثر مشہور قراء ان دونوں (روم واشمام) کوان (قراء) میں کے تمام (یاباقی تین) کے لیے باعتبار سبب کے (وقف کے) اسباب میں بہتر (سبب) سمجھتے ہیں۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ اکثر مشہور علماء قراءۃ نے ان دونوں روم واشمام کوبھی وقف کے اسباب میں سے ایک بہتر سبب خیال کرتے ہوئے عملاً تمام قراء سبعہ کے لیے پسند فرمایا ہے کیونکہ ان سے بھی حرف موقوف علیہ کی حرکت کا پتہ چل جاتا ہے کہ اس پر کیا حرکت ہے خلاصہ یہ ہے کہ تمام قراء سبعہ کے لیے سکون وروم واشمام تینوں سے وقف کرنا جائز ہے لیکن ابوعمرواورتینوں کوفیوں کے لیے توروم واشمام سے وقف کرنا اختیاراً اورروایۃً دونوں طرح ہے جیسا کہ اوپر بھی معلوم ہوچکا ہے اورباقی قراء کے لیے اختیاراً ہے روایۃً نہیں ہے اورسکون سے وقف کرنا تمام قراء سے ثابت ہے اب اس کے بعد ناظمؒ روم واشمام اورسکون کی تعریف بیان فرماتے ہیں۔

وَرَوْمُکَ إِسْمَـاعُ الْمُحَرِّکِ وَاقِفَـا

بِصَـوْتٍ خَفِيٍّ كُلَّ دَانٍ تَنَـوَّلَا

ش: **قوله**:وروم‌ک روم مصدرالی الفاعل ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے ای الحرکۃ اور **قوله**:اسماع المحرک ای اسماع الحرف المتحرکۃ خبر ہے اوراسماع اپنے دونوں مفعولوں میں سے کسی ایک کی طرف مضاف ہے اوراس کا فاعل محذوف ہے اور **قوله**:واقفاً ترکیب میں رومک کے فاعل سے حال ہے اور **قوله**: کلّ دانٍ اسم فاعل من الدنو ای قریب ترکیب میں اسماع کا دوسرا مفعول ہے ذکر الجعبریؒ تبعاً لابی شامہ لیکن ظاہراً اس کا عکس ہے جیسا کہ ابوشامہ اسمعت کازیدًا کلامًا کی مثال دینا اس پردال ہے **قوله**:بصوتٍ متعلق اسماع کے ہے **قوله**:تنولا بالف الاطلاق

ای تناوله واخذه وسمعه ترکیب میں دانٍ کی صفت ہے۔

ترجمہ: اور تمہارا (ضمہ وکسرہ میں روم کرنا (حرف) متحرک کی حرکت کا وقف کرنے کی حالت میں سنا دینا ہے خفی (ہلکی) آواز سے ہر اس قریب (اور نزدیک) والے شخص کو جو) اس کو (توجہ سے سنے (اور اخذ کرے)

مطلب: یعنی روم کرنا اس کو کہتے ہیں کہ حرف موقوف علیہ کی حرکت ضمہ یا کسرہ کو ایسی کمزور اور ہلکی آواز سے ادا کرنا کہ جس کو صرف قریب اور نزدیک کا وہ شخص سن سکے جو اس کی طرف متوجہ ہو اور اس کو سننا بھی چاہے اس کا ادراک نابینا تو کر سکتا ہے بہرہ نہیں کر سکتا بخلاف اشمام کے کہ اس میں اس کا عکس ہے اور یاد رکھو کہ ضمہ وکسرہ کا ہلکی اور کمزور آواز سے ادا کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان کا اکثر حصہ فوت ہو کر کم حصہ باقی رہے یعنی ان کے تین حصوں میں سے صرف ایک حصہ ادا کرنا۔

وَالاِشْمَامُ اِطْبَـاقُ الشِّفَاهِ بُعَيْـدَمَا
يُسَكَّنُ لَا صَـوْتٌ هُنَاكَ فَيَصْحَلا

ش: **قولہ**: الشفاه جمع شفة کی ہے بمعنی ہونٹ اور یہ اگرچہ دو ہی ہیں لیکن جمع کا لانا تو تلاوت والوں کے اعتبار سے ہے کہ وہ بہت سے حضرات ہیں یا از قبیل عریض الحواجب اور عظیم البطون مبالغہ کی بناء پر ہے یا اس وجہ سے جمع لائے ہیں کہ بعض کے نزدیک جمع کا اطلاق ما فوق الواحد پر بھی ہوتا ہے۔ **قولہ**: بعید تصغیر بعد فاصلہ اور دوری کی کمی بتانے کے لیے لائے ہیں۔ **قولہ**: ما مصدریہ ہے۔ **قولہ**: یسکن کی ضمیر کا مرجع المحرک ہے **قولہ**: لا صوت میں لا مشابہ بلیس ہے اور صوت اس کا اسم ہے ای لیس صوت حرکته اور **قولہ**: هناک اس کی خبر ہے اور اس سے اشارہ وقف کی طرف ہے **قولہ**: فیصحلا بفتح الیاء والحاء ای فیسمع ضعفه جواب نفی ہونے کی بناء پر منصوب بان مقدرہ بعد الفاء ہے اور الف اطلاقیہ ہے۔

ترجمہ: اور (تمہارا صرف ضمہ میں) اشمام کرنا اس (حرف متحرک) کے ساکن کئے جانے کے تھوڑی ہی دیر بعد (یعنی فوراً ہی) ہونٹوں کا ملا دینا (اور مثل غنچہ گول بنا لینا) ہے یہاں (وقف بالاشمام میں) آواز (بالکل نہیں ہے تا کہ وہ (ضعیف اور ہلکی ہی) سنائی دے (یعنی وقف بالاشمام میں تو قطعاً ایسی بھی آواز نہیں ہوتی جیسی کہ وقف بالروم میں ہلکی اور کمزور ہوتی ہے پس اس میں تو بلا آواز کے حرف موقوف علیہ کو ساکن کرنے کے بعد فوراً ہی ہونٹوں سے ضمہ کی طرف اشارہ کرنا ہوتا ہے اس طرح پر کہ دونوں ہونٹ نہ ملیں بلکہ ان کو ایسا ملایا اور بلند کیا جائے جیسا کہ وہ ضمہ کے بعد ادا کرتے وقت ملائے اور بند کئے جاتے ہیں۔

وَفِعْلُهُمَا فِي الضَّمِّ وَالرَّفْعِ وَارِدٌ
وَرَوْمُكَ عِنْدَ الْكَسْرِ وَالْجَرِّ وُصِّلَا

ش: **قوله**: فی الضّمّ مبتدا اور خبر دونوں ہی کے متعلق ہوسکتا ہے۔اسی طرح **قوله**: عند بھی دونوں جزؤں میں سے کسی ایک کا ظرف بن سکتا ہے **قوله**: وُصِّلَا میں الف اطلاقیہ ہے ای نقل فیھا.

ترجمہ: اوران دنوں (روم واشمام) کا ادا کرنا ضمہ ورفع میں آیا ہے اور تمہارا روم کرنا (صرف) کسرہ اور جر میں ہی ہم تک) پہنچایا (اور نقل کیا) گیا ہے یعنی ضمہ ورفع میں تو روم واشمام دونوں درست اور صحیح ہیں لیکن کسرہ میں صرف روم ہی صحیح ہے اشمام جائز نہیں ہے اور فتحہ ونصب میں قراء کے نزدیک نہ روم جائز ہے اور نہ اشمام۔البتہ نحاۃ تمام حرکات میں روم کو جائز بتاتے ہیں جیسا کہ ناظمؒ اگلے بیت میں محض فائدہ کے کامل کرنے کی غرض سے بیان فرماتے ہیں۔قراۃ سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

وَلَمْ يَرَهُ فِي الْفَتْحِ وَ النَّصْبِ قَارِئٌ
وَعِنْدَ إِمَامِ النَّحْوِ فِي الْكُلِّ أُعْمِلَا

ش: **قوله**: لم یرہ اس کی ضمیر (ہ) کا مرجع روم ہے کیونکہ یہ مذکورہ زیادہ قریب ہے دوسرے یہ کہ اشمام میں کسی کا خلاف نہیں ہے اس لیے کہ فتح انفتاح فم اور صوت سے اور اشمام ہونٹوں کے گول بنانے سے ادا ہوتا ہے پس یہ دونوں ضدین ہیں جو ایک جگہ جمع نہیں ہوسکتی ہیں۔**قوله**: عند امام النحو اور **قوله**: فی الکل دونوں **قوله**: اعملا بصیغۃ المجہول وبالف الاطلاق کے متعلق ہیں۔

ترجمہ: اور (قراء میں سے تو) کسی قاری نے بھی اس (روم) کو فتحہ اور نصب میں نہیں دیکھا ہے اور نہ اس کو جائز بتایا ہے البتہ) امام نحو (سیبویہ یا نحو کے بڑے بڑے اماموں) کے نزدیک یہ (روم) کل (حرکات) میں عمل کیا گیا ہے (یعنی نحاۃ فتحہ میں بھی روم کو جائز بتاتے ہیں لیکن قراء میں سے کسی نے بھی اس میں ردم نہیں کیا ان کے لیے اس میں صرف وقف بالاسکان ہی ہے۔خلاصہ یہ ہے کہ ان قرآء کے لیے ضمہ ورفع میں تو توقف بالاسکان وقف بالروم۔ وقف بالاشمام تینوں ہیں اور کسرہ وجر میں وقف بالاسکان اور وقف بالروم صرف دو ہیں اور فتحہ ونصب میں صرف وقف بالاسکان ہی ہے اور نحاۃ کے نزدیک اس میں روم بھی ہے اور یہ زیادات میں سے ہے۔

وَمَا نُوِّعَ التَّحْرِيكُ إِلَّا لِلَازِمٍ
بِنَاءً وَإِعْرَابٍ غَدَا مُتَنَقِّلَا

ش: **قولہ**: ما نوع الخ نفی واثبات وحرکات ان ہی دو قسموں میں منحصر کرنے کے لیے ہے اور **قولہ**: للازم متعلق فعل کے ہے اور **قولہ**: بناء تمیز ہے **قولہ**: واعرب مجرور بالعطف ہے اس لیے کہ اس کا عطف للازم پر ہے اور **قولہ**: غدا بمعنی صار اور **قولہ**: متنقلا معنی میں متحولا کے ہے۔

ترجمہ: اور نہیں تقسیم کی گئی ہے حرکات مگر بہ سبب لازم بنائی اور اس اعراب کے کہ جو (عوامل کے آنے سے) بدلنے والا ہوتا ہے۔

مطلب: یعنی اوپر جو چھ قسم کی حرکات بیان کی گئی ہیں ان سے کوئی یہ نہ سمجھ لے کہ حرکات تو تین ہی ہیں۔ ان میں سے جو ایک ایک کے دو دو نام لیے گئے ہیں وہ اس لیے کہ حرکت دو قسم کی ہوتی ہے ایک لازمی بنائی جو مبنی اور باختلاف عوامل کلمہ سے جدا نہیں ہوتی ہے ایک ہی حالت پر قائم رہتی ہے دوسری اعرابی جو عوامل کے آنے سے بدلتی رہتی ہے چنانچہ نحاۃ کی اصطلاح میں فتحہ وکسرہ اور ضمہ کو حرکات بنائی اور نصب وجر اور رفع کو حرکات اعرابی کہتے ہیں۔ پس ناظمؒ نے بھی اسی وجہ سے دونوں قسم کی حرکات بیان فرمادی اور یہ بتلا دیا کہ حکم مذکور حرکت اعرابی وبنائی دونوں کو شامل ہے ورنہ اگر ایک کو ذکر کرتے اور دوسری کو نہ بیان فرماتے تو یہ وہم ہوتا کہ یہ حکم روم واشمام کا اسی حرکت کے لیے ہے جس کو بیان فرمایا ہے دوسری کے لیے نہیں ہے اس کا کچھ اور حکم ہوگا حالانکہ دونوں قسم کی حرکات کا ایک ہی حکم ہے۔

وَفِىْ هَاءِ تَأْنِيْثٍ وَمِيْمِ الْجَمِيْعِ قُلْ
وَعَارِضِ شَكْلٍ لَمْ يَكُوْنَا لِيَدْخُلَا

ش: **قولہ**: وفی ھاء تانیث متعلق **قولہ**: لم یکونا یا لیدخلا کے معنی کے ہے ای لم یقعافی المذکورات اولم یدخلا علیھا قولہ قل نیۃ مقدم ہے اور باقی سب مقولہ قول ہے اور **قولہ**: میم الجمیع معنی میں میم الجمع کے ہے۔ **قولہ**: عارض شکل ای حرکۃ میں اضافت صفت کی موصوف کی طرف ہے ای وشکل عارض اور **قولہ**: لم یکونا میں ضمیر الف جس کا مرجع روم واشمام ہے اور یہ اس کا اسم اور **قولہ**: لیدخلا اس کی خبر ہے اور اس کے الف کا مرجع بھی روم واشمام ہیں اس میں لام جحود کا ہے جو نفی کی تاکید کے لیے آیا کرتا ہے چنانچہ حق تعالیٰ کا فرمان وما کان اللہ لیعذبھم میں بھی اسی قسم کا لام ہے۔

ترجمہ: اور تم کہہ دو کہ ہاء تانیث اور میم جمع اور حرکت عارضی میں یہ دونوں (روم واشمام) ایسے نہیں ہیں کہ وہ (ان پر) داخل ہو جائیں (یعنی ان مذکورات میں قراء سبعہ کے لیے روم واشمام دونوں ناجائز ہیں اسی طرح فتحہ وسکون میں بھی ان دونوں کا ہونا ظاہر ہے پس ان پانچ صورتوں میں سب کے لیے صرف وقف

بالسکون ہی ہوگا اور تانیث کی ہاء سے مراد یہ ہے کہ جو وصل میں تاء اور وقف میں ہاء ہو جاتی ہے جیسے لعبرۃ. ھمزۃ. الجنۃ وغیرہ اور جن کلمات میں تانیث کی ہاء دراز تاء کی صورت میں لکھی ہوئی ہے جیسے نعمت ورحمت وغیرہ تو جو قراء ان پر ہاء کے ساتھ وقف کرتے ہیں ان کے لیے تو صرف سکون ہے اور جو تاء پر وقف کرتے ہیں ان کے لیے سکون اور روم واشمام تینوں سے وقف کرنا درست اور جائز ہے۔

وَفِي الْهَاءِ لِلِاضْمَارِ قَوْمٌ اَبَوْهُمَا
وَمِنْ قَبْلِهٖ ضَمٌّ اَوِ الْكَسْرُ مُثِّلَا

ش: **قولہ**: قوم ای قوم من القراء مبتدا اور **قولہ**: ابو ھما ای منعوا الرّوم والاشمام اس کی خبر ہے اور اس کو جو جمع لائے ہیں وہ باعتبار معنی قوم کے ہیں **قولہ**: للاضمار ترکیب میں الہاء سے حال یا اس کی صفت ہے **قولہ**: مثلا میں یا تو الف اطلاقیہ ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع صرف ضم ویا کل واحد من الضم او الکسر ہے یا اس کا الف تثنیہ ہے جو ضمہ وکسرہ دونوں کی طرف راجع ہے علی حدقولہ تعالیٰ ان یکون غنیا او فقیرا فا للہ اولیٰ بھما پس اس میں ہما کی ضمیر غنی اور فقیر دونوں کی جنس کی طرف ہے فرد کی طرف نہیں ورنہ پھر ضمیر مفرد ذکر کی جاتی پس یہاں بھی یہی صورت ہے کیونکہ ایک ساتھ دونوں حرکتوں کا حکم بتانا مقصود ہے اور بجائے واؤ کے او کا لانا اس کو بتلا رہا کہ ہاء سے پہلے دونوں حرکتیں ایک دم جمع نہیں ہوں گی بلکہ صرف ان میں سے ایک ہی حرکت آئے گی اور یہ قریب قریب من قولھم حابس الحسن اور ابن سیرین کے ہو گیا کیوں کہ معنی اس جملہ کے بھی یہی ہیں کہ ان دونوں حضرات کی صحبت اختیار کرو اور ان کی خدمت میں رہا کرو لہٰذا اس میں بھی بجائے واؤ کے اولاً یہی بتلانا مقصود ہے کہ جب تم ایک دم دونوں حضرات کی صحبت اختیار کر سکتے ہو تو ان میں سے کسی ایک کی صحبت اور ہم نشینی اختیار کرنا بھی صحیح اور درست ہے بخلاف زیدٌ او عمرٌو قائم کے اس میں قائمان کہنا درست اور جائز نہیں ہے اس لیے کہ یہاں ان دونوں میں صرف ایک کے قیام کی خبر دینا مقصود ہے دونوں کو نہیں واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور ہاء میں درانحالیکہ وہ اضمار کے لیے ہو (قراء کی) ایک جماعت نے ان دونوں (روم واشمام) کا انکار کیا ہے ایسی حالت میں کہ اس (ہاء) سے پہلے ضمہ یا کسرہ (یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک) متشخص اور معین) ہو (یعنی جب واحد مذکر غائب کی ضمیر ہا ضمہ کے بعد یا کسرہ کے بعد آ رہی ہو تو ایسی صورت میں مکی وابن شریح وغیرہ کی ایک جماعت نے اس میں روم واشمام کرنے کو منع کیا ہے پس ان کے لیے ان میں صرف وقف بالاسکان ہی ہے)

أَوْ اُمَّا هُمَا وَاوٌ وَيَاءٌ وَ بَعْضُهُمْ
يَرىٰ لَهُمَا فِيْ كُلِّ حَالٍ مُحَلِّلَا

ش: قولہ: اَوْ اُمَّا هُمَا بالنقل کا عطف ضمہ او الکسر پر ہے ای او قبلها امّا هما اور **قولہ**: واو وياء بطور لف ونشر مرتب اماهما سے بدل ہے **قولہ**: بعضهم مبتدا اور اس کی ضمیر ہم کا مرجع ناقلین ہیں **قولہ**: یریٰ بصیغۃ المجہول اس کی خبر ہے اور اس کا پہلا مفعول ضمیر جس کا مرجع بعض اور دوسرا **قولہ**: محللا ہے مُحلل ضد حرم سے اس کا اسم فاعل کا صیغہ ہے ای مجوزاً اور دونوں جار لام وفی اسی کے متعلق ہیں اور شعلہ کے قول پر بھی جائز ہے کہ یری بصیغہ معروف ہو پس اس صورت میں محللا پہلا اور فی کل حال دوسرا مفعول ہوگا اور بعض کے نزدیک یہ تخصیص عموم ہاء کے لیے ہے حرف موقوف علیہ کے لیے نہیں ہے جیسا کہ اس کا وہم ہوتا ہے اور زائد علی التیسیر ہے۔ واللہ اعلم (قاری)

ترجمہ: یا اس ہاء ضمیر سے پہلے ام ضمہ وکسرہ واو ویاء ہوں اور (ناقلین) میں کے بعض دیکھے (اور پائے) جاتے ہیں ان دونوں (روم واشمام) کے لیے (ہاء کی) کل حالت میں جائز بتانے والے (یعنی بعض نے ہر حالت میں خواہ ہاء ضمیر سے پہلے کچھ ہی حرکت) ہو اور کوئی بھی حرف ہو روم واشمام کو جائز بتایا ہے پس اس سے یہ نکل آیا کہ بعض دیگر کے لیے ہر حال میں روم واشمام منع ہے اور بعض نے صرف چار صورتوں میں منع بتایا ہے جیسا کہ ابھی اوپر معلوم ہوا ہے خلاصہ یہ ہے کہ ہاء ضمیر پر روم واشمام کرنے اور نہ کرنے کے بارے میں تین مذہب ہیں ایک یہ کہ پہلی چار صورتوں میں ہاء ضمیر ضمہ کے بعد ہو جیسے اَمْرُهٗ و ربُّهٗ وغیرہ یا کسرہ کے بعد ہو جیسا کہ بامرہ بہ وغیرہ یا واؤ ساکنہ مدہ یا لین کے بعد ہو جیسے راودوہ وراَوہ یا یاء ساکنہ ومدہ یا لین کے بعد ہو جیسے فیہ والیہ وغیرہ میں منع اور باقی میں دونوں جائز ہیں۔ صاحب نشر کے نزدیک یہی زیادہ صحیح ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ سب صورتوں میں روم واشمام دونوں جائز ہیں اور یہ اکثر کا مذہب ہے۔ تیسرا یہ کہ تمام صورتوں میں دونوں ناجائز اور منع ہیں جیسا کہ وبعضهم سے اس کی طرف اشارہ ہے کہ جب بعض نے ہر حال میں ان دونوں کو جائز قرار دیا ہے تو اس سے ثابت ہوگیا کہ بعض ایسے بھی ہیں کہ جن کے نزدیک ہر صورت میں یہ دونوں منع اور ناجائز ہیں۔ (واللہ اعلم)

بابُ الوقف علی مرسوم الخط ﴿۱۱﴾

یہ باب رسم خط عثمانی کے موافق وقف کرنے کے بیان میں ہے

رسم خط عثمانی سے مراد وہ خط ہے جس کے موافق حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانہ میں باجماع

صحابہ مصاحف لکھے گئے تھے۔ رسم خط کا جاننا بھی قاری کے لیے ضروری ہے کیونکہ کہیں رسم خط کے موافق اور کہیں اس کے خلاف بھی ہوتا ہے جیسے ثمودا وران تبوءا وغیرہ میں وقف بلا الف ہوگا اگر چہ رسم خط میں الف بھی ہے اسی طرح کہیں وقف تلفظ اور رسم دونوں کے موافق اور کہیں اس کے خلاف بھی ہوتا ہے جیسے انا اور لکنا وغیرہ کہ ان پر وقف رسم کے موافق الف پر ہوگا اگر چہ تلفظ میں یہ دونوں بلا الف ہیں اسی وجہ سے ناظمؒ نے بھی خصوصیت سے اس کو بیان فرمایا ہے دوسرے حضرات نے بھی اس رسم خط کے متعلق بہت سی بڑی کتابیں تصنیف وتالیف فرمائی ہیں چنانچہ ان میں سے علامہ دانی کی کتاب مقنع اور خود ناظمؒ کی قصیدہ رائیہ اور ابو العلاء کی لطائف بھی ہے۔ ابو شامہ فرماتے ہیں کہ وقف کی معرفت اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتی جب تک کہ رسم خط کی کتابوں میں سے کسی کتاب سے واقف نہ ہو۔

وَكُــوفِيُّهُمْ وَالْمَازِنِيُّ وَنَافِــعٌ
عُنُوْا بِاتِّبَاعِ الْخَطِّ فِي الْوَقْفِ ابْتِلَا

ش: قوله: عنوا اصل میں عنیوا تھا۔ یاء کے ضمہ کو نقل کر کے نون کو دیدیا اور اس کے کسرہ کو حذف کر دیا پھر یاء کو واؤ سے بدل لیا بعدہ اجتماع ساکنین کی وجہ سے ایک واؤ کو حذف کر دیا اس کے بعد عین کلمہ (نون) کے ضمہ کی مناسبت کی وجہ سے فاء کلمے (عین) کو بھی ضمہ دیدیا عنوا ہو گیا ای التزموا باتباع الخط اور

قوله: الابتلاء کے معنی الاختبار کے ہیں۔

ترجمه: اوران (قراء) میں کے (تینوں) کوفی اور (ابوعمر) مازنی اور نافع نے وقف اختیاری میں رسم خط کی اتباع کا التزام (اور اہتمام) کیا ہے (یعنی ان حضرات نے اس وقف میں جو قاری اور مقری کے درمیان بغرض امتحان صحیح درست ہونے کے لیے کیا جاتا ہے اور جس کو وقف اختباری کہتے ہیں رسم خط کی اتباع کرنے کو ضروری سمجھا ہے اور اس کا اہتمام والتزام کیا ہے پس اس سے معلوم ہو گیا کہ وقف کی دوسری قسموں میں بھی جو اضطراری، انتظاری اور اختیاری ہیں رسم کی اتباع کا اور بھی زیادہ اہتمام ہوگا اور ان میں بھی ان کی پابندی ضرور ہوگی کیونکہ قاری کو وقف کرنے کا جو طریقہ بتلایا اور سکھلایا جائے گا وہ اسی طرح وقف کریگا اور اس میں بھی رسم کی پابندی ضروری ہوگی باقی وقف کی جو چار قسمیں کی گئیں ہیں ان کی پوری تفصیل جزری کی شرح فوائد مرضیہ میں جو اسی احقر کی تالیفات میں سے ہے بیان کی گئی ہے اس میں دیکھو۔

وَلِابْنِ كَثِيـرٍ يُرْتَضىٰ وَابْنِ عَامِـرٍ
وَمَا اخْتَلَفُـوْا فِيـهِ حَـرٍ اَنْ يُّفَصَّلَا

ش: قولہ: لابن کثیر متعلق **قولہ**: یرتضی کے ہے ای یختار ویستحسن الاتباع اور **قولہ**: وما اختلفوا فیہ بالاشباع صلہ وموصول مبتدا اور جمع کی ضمیر واؤ کا مرجع قراء سبعہ ہے اور ضمیر (ہ) کا مرجع ما ہے قولہ حر منقوص مقصور بمعنی حقیق ای لائق وزن کے لحاظ سے راء کا کسرہ اور فتحہ دونوں درست ہیں لیکن روایۃً کسرہ ہی ہے اور یہ صفت مشبہ ہے اور اس میں تقلیل مثل قاض کے ہوئی ہے۔ **قولہ**: ان یفصلا ای یذکر مفصلا اس کا فاعل ہے ای تفصیلہٗ.

ترجمہ: اور ابن کثیر اور ابن عامر کے لیے (بھی وقف میں) یہی (رسم خط کی اتباع کرنا) پسند کیا جاتا ہے (یعنی ان دونوں میں سے اس کے متعلق اگر چہ کوئی نص اور تصریح نہیں ہے لیکن شیوخ نے ان کے لیے بھی رسم خط کے موافق وقف کرنے کو اچھا سمجھا ہے اور اس پر عمل بھی کیا ہے اور چونکہ رسم خط کی اتباع اتفاقی بھی ہے اور اختلافی بھی اور مقصود اختلافی مسائل ہی کا بیان کرنا ہے اس لیے فرماتے ہیں) اور وہ (مواضع) جن میں ان قراء سبعہ نے (رسم خط کے موافق وقف کرنے اور نہ کرنے میں) اختلاف کیا ہے اس لائق ہیں کہ تفصیل سے بیان کئے جائیں (یعنی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ وہ تمام کلمات جن میں بعض نے رسم خط کے خلاف وقف کیا ہے بیان کر دیئے جائیں تا کہ ان کے لیے اسی پر عمل کیا جائے ورنہ پھر خلاف نقل لازم آئے گا اور یہ جائز نہیں ہے۔

إِذَا كُتِبَتْ بِالتَّاءِ هَاءُ مُؤَنَّثٍ
فَبِالْهَاءِ قِفْ حُقًّا (حق) رِّضًى وَمُعَوَّلَا

ش: قولہ: اذا شرطیہ اور اس کا جواب قولہ قف ہے اور اس کے بعد تینوں منصوبات قف کے فاعل سے حال ہیں ای ذا حق وذا رضیً وذا تعویل.

ترجمہ: جب تانیث کی ہاء (دراز) تاء سے لکھی ہوئی ہو تو تم (اس پر مدلول حق وراء رضی ابن کثیر ابو عمرو اور کسائی کے لیے) ہاء سے (وقف کرو) درانحالیکہ تم اس بارے میں) ٹھیک پسندیدہ اور قابل اعتماد ہو (پس اس سے معلوم ہوا کہ باقی قراء کے لیے باتباع رسم خط تاء پر وقف ہوگا اور نیز اذا کتبت بالتاء سے یہ بھی سمجھا گیا کہ یہ اختلاف اس صورت میں ہے جب کہ یہ تانیث کی تاء ہاء کی شکل میں نہ لکھی ہوئی ہو بلکہ دراز تاء کے ساتھ ہو جیسے رحمت ونعمت وغیرہ کیونکہ جو تاء مدورہ گول بشکل ہاء لکھی ہوئی ہوتی ہے اس میں کسی کا بھی اختلاف نہیں ہے سب اس پر ہاء سے ہی وقف کرتے ہیں اور وقف کی قید سے نکل آیا کہ وصل میں یہ سب حضرات بالاتفاق تاء ہی پڑھتے ہیں اور یہ بھی یاد رکھو کہ اس قسم کے جن کلمات میں قراء کا مفرد اور جمع پڑھنے میں

اختلاف ہے یعنی بعض نے واحد اور بعض نے جمع کے صیغہ سے پڑھا ہے جیسے جملتٌ اور غیبتٌ وغیرہ تو جو حضرات واحد کا صیغہ پڑھتے ہیں اور وہ ابن کثیر وابوعمرو اور کسائی ہیں تو ان کے لیے ہاء سے اور باقی کے لیے تاء سے وقف ہوگا اور جو جمع کے صیغے پڑھتے ہیں وہ سب تاء سے وقف کرتے ہیں اور جو کلمات سب کی قراءۃ پر جمع کے صیغہ سے ہیں جیسے حسرات وغیرہ تو ان سب حضرات کے لیے تاء ہی پر وقف ہے۔ فافہم۔

وَفِی اللَّاتِ مَعْ مَرْضَاتِ مَعْ ذَاتَ بَهْجَةٍ
وَلَاتَ رِّضىً هَيْهَاتَ هَادِيهِ رُفِّلا

ش: **قولہ**: وفی اللّٰت متعلق مقدر کے ہے ای **وقف بالهاء فی اللّات** اور **قولہ**: **مع مرضات** اول سے ای **مع ذات بهجة** ثانی سے حال ہے اور مرضات کی تاء پر مناسبت کی بناء پر اور باقی چار الفاظ کی تاء بطور اعراب حکائی کے فتحہ ہے اور روایۃً ان پانچوں الفاظ کی تاء میں بناء بر اعراب کسرہ بھی اور **قولہ**: رضیً مبتدا کی خبر ہے ای **ذلک ذو رضیً** اور **قولہ**: **هیهات** مبتدا اور اس کی خبر **کذلک** محذوف ہے **قولہ**: هاویہ اسم فاعل من **هدیٰ** مبتدا اور اس کی ضمیر کا مرجع **هیهات** ہے اس پر سے الی کو ساقط کر کے ہاویہ کو بلا واسطہ متعدی کر دیا یہ اس کا دوسرا مفعول ہے اور اول مفعول (الطالب) محذوف ہے **قولہ**: رُفِّلا **بصیغة المجهول وبالف الاطلاق ای عُظِّمَ** خبر ہے۔

ترجمہ: اور (تم) **اللّات مع مرضات مع ذات بهجة** کے اور لات میں (صاحب راء رضیً کسائی کے لیے ہاء سے وقف کرو یہ) پسندیدہ ہے (اور) ہیہات جو ہے (وہ بھی صاحب ہاء ہاویہ اور راء رفلا بزی اور کسائی کے لیے ایسا ہی ہے پس اس پر بھی ان دونوں کے لیے ہاء سے وقف کرو کہ) اس کا ہادی معظم ہے (یعنی جس نے اس پر ہاء سے وقف کرنے کی طرف ہدایت کی ہے وہ بڑی عزت وعظمت والا ہے اور اس کا قول بڑا معتبر اور قابل اعتماد ہے خلاصہ یہ ہے کہ **اللّٰت مرضات ذات بهجة** اور **لات** ان چار الفاظ پر صرف کسائی نے اور لفظ **هیهات** پر جو سورۂ مؤمنون میں دو جگہ ہے بزی اور کسائی دونوں نے ہاء سے وقف کیا ہے باقی قراء کے لیے ان سب الفاظ میں تاء پر وقف ہوگا۔

وَقِفْ يَا أَبَهْ كُفْوًا دَنَا وَكَأَيِّنِ الْ
وُقُوفُ بِنُونٍ وَهْوَ بِالْيَاءِ حُصِّلَا

ش **قولہ**: وَقِف **الخ** امر کا صیغہ ہے اور اس کا متعلق محذوف ہے ای **قف علی تاء یابت بالهاء** اور ابوشامہ کے نزدیک اس کی تقدیر **وقف بالها قائلا یابه** ہے پس اس تقدیر پر **قولہ**: **یابه** ترکیب میں **قائلا**

مقدر کا جو قف کے فاعل سے حال ہے مفعول بہ ہوگا **قولہ**: کفواً مصدر فاعل قف سے حال کی جگہ واقع ہے ای کافیا اور **قولہ**: دنا اس کی صفت ہے **قولہ**: و کاین مبتدا اول ہے اور واوٴ عاطفہ ہے تلاوت کی نہیں ہے تاکہ فکاین بھی اس میں شامل ہو جائے **قولہ**: الوقوف مبتدا ثانی ہے قول نون اس کی خبر ہے پھر جملہ مبتدا کی خبر ہے اور عائد محذوف ہے ای علیہ **قولہ**: وھو باسکان الھاء مبتدا اور اس کا مرجع الوقوف ہے اور **قولہ**: بالیاء اس کی خبر ہے **قولہ**: حصلا بصیغة المجھول و بالف الاطلاق فاعل خبر یعنی ثابت مقدر کے فاعل سے بتقدیر قد یا بلا تقدیر حال ہے۔

ترجمہ: اور تم (صاحب کاف کفواً اور دال دنا ابن عامر و ابن کثیر کے لیے یا بت کی تاء پر ہاء سے) وقف کرو (اور اس طرح پڑھو) یابَہٗ درانحالیکہ تم (قراء کے) کافی قریب ہو اور کاین جو ہے (اس میں) وقف (چھ قاریوں کے لیے تو) نون پر ہے اور یہی (وقف صاحب حا حصلا اور ابوعمرو کے لیے) یاء پر ہے اس حال میں کہ یہ (وقف اسی طرح اہل ادا سے حاصل کیا گیا ہے (یعنی لفظ کاین میں قراء سبعہ میں سے چھ قاریوں نے تو رسم کے موافق نون پر اور ابوعمرو نے اصل کے موافق یاء پر وقف کیا ہے کیونکہ یہ کلمہ اصل میں ایٌّ ہے جس پر کاف تشبیہ کا داخل کیا گیا ہے اور اس میں تنوین کو عام قاعدہ کے خلاف نون کی شکل میں لکھا ہے چونکہ زیر والی تنوین وقف میں عام قاعدہ کے موافق حذف ہو جاتی ہے اس لیے انہوں نے بھی اس کو حذف کر دیا پس ان کے لیے وقف میں کایّ ہے۔

وَمَالِ لَدَى الفُرْقَانِ وَالْكَهْفِ وَالنِّسَا
وَسَالَ عَلىٰ مَا حَجَّ وَالْخُلْفُ رُتِّــلَا

ش: **قولہ**: ومال مبتدا اول اور الوقوف مقدر مبتدا ثانی ہے اور علی اس مقدر کے متعلق ہے اور **قولہ**: حج اس کی خبر پھر جملہ مبتدا اول کی خبر ہے اور عائد محذوف ہے ای فیہ اور **قولہ**: لدی فاعل خبر سے حال ہے **قولہ**: الفرقان معطوفاتہ مجرور بالاضافت ہے اور **قولہ**: النسا مقصور ہے **قولہ**: سال کقال اور والخلف رتلا بصیغة المجھول و بالالف الاطلاق جملہ اسمیہ ہے ای نقل علیٰ تأنٍ اَوْحُسنَ.

ترجمہ: اور (لفظ) مال درانحالیکہ یہ (سورۃ) فرقان اور کہف اور نساء اور سال (سورۃ) معارج میں ہے (ان چاروں جگہ کے لفظ مال میں صاحب حاء حج ابوعمرو کے لیے) ما پر (وقف کرنا حجت میں) غالب (اور قوی) ہے اور (صاحب راء رتلا کسائی کے لیے ما پر وقف کرنے میں) خلاف (باطمینان ٹھہر ٹھہر کر اور خوبصورتی سے نقل کیا گیا ہے (یعنی کسائی نے ما پر بھی وقف کیا ہے اور لام پر بھی باقی قراء کے لیے صرف لام پر وقف ہے۔

وَيَا أَيُّهَا فَوْقَ الدُّخَانِ وَأَيُّهَا
لَدَى النُّورِ وَالرَّحْمٰنِ رَافَقْنَ حُمَّلَا

ش قولہ: یا ایہا مبتدا اور قولہ: ایُّھا اس کا معطوف ہے اور اس کو دوبارہ اس لیے لائے ہیں کہ یہ یاء کے نہ ہونے کی وجہ سے اول کے خلاف ہے اور تیسرا اس لیے ذکر نہیں کیا کہ وہ اس دوسرے کے بالکل موافق ہے پس اسی کو اس کے قائم مقام سمجھ لیا گیا قولہ: فوق اور قولہ لدی دونوں قولہ: رافقن ای صَحِبْنَ کے متعلق ہیں جو مبتدا کی خبر ہے اور اس کو جمع جو لائے ہیں وہ اس لیے کہ ایہا وقوع کے اعتبار سے تین جگہ ہے اگر چہ لفظاً دو ہی ہیں۔ قولہ: حُمَّلا جمع حامل بمعنی ناقل کی ہے کرُکَّع جمع راکع (قاری)

ترجمہ: اوریا ایہا (سورۃ) دخان کے اوپر (سورہ) زخرف میں اور ایہا (سورہ) نور اور (سورہ) رحمان میں جو ہے انھوں نے (صاحب راء رافقن وحاء حملا کسائی اور ابوعمرو کے لیے ہاء کے بعد الف پر (وقف کرنے میں) ناقلین کی صحبت اختیار کی ہے (پس ان تینوں جگہ میں مذکورین کے لیے تو باتباع نقل الف پر وقف ہوگا اور باقی کے لیے باتباع رسم ہاء پر وقف ہے کیونکہ یہاں تینوں جگہ ایہ بغیر الف کے مرسوم ہے۔

وَفِي الْهَا عَلَى الْإِتْبَاعِ ضَمَّ ابْنُ عَامِرٍ
لَدَى الوَصْلِ وَالْمَرْسُومُ فِيهِنَّ أَخْيَلَا

ش قولہ: ضم ابن عامر بفتح المیم ورفع النون فعل وفاعل اور قولہ: فی الھا بالقصر متعلق ضمّ کے ہے اور قولہ: علی الاتباع بسکون التاء مصدر مقدر کی صفت ہے ای ضمّا کائناً علی الاتباع اور ایک روایت میں ضم ابن عامر برفع المیم وجرّ النون مصدر مضاف الی الفاعل بھی ہے تو اس لحاظ سے قولہ: فی الھاء اس کی خبر ہوگی قولہ: لدی ان میں سے کسی ایک کا ظرف ہے قولہ المرسوم مبتدا اور قولہ: اخیلا فعل ماضی اس کی خبر ہے اور الف اطلاقیہ ہے ای بین واظھر اس کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع المرسوم ہے اور الضم مقدر اس کا مفعول ہے قولہ: فیھنّ متعلق المرسوم ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع کلمات ثلثہ مذکورہ ہیں۔

ترجمہ: اور (ان تینوں کلمات مذکورہ (کی) ہاء میں (بھی) ابن عامر نے (یاء کے ضمہ کی) اتباع کی بناء پر حالت وصل میں ضمہ پڑھا ہے (یعنی انہوں نے یاء کی مناسبت سے ہاء کو بھی حالت وصل میں ضمہ دیا ہے) مرسوم نے ان (تینوں کلمات) میں (ضمہ کی لغت کو) ظاہر کر دیا ہے (یعنی ان تینوں جگہ میں ایُّھا چونکہ بغیر الف کے مرسوم ہے اس لیے اس سے یہ ظاہر ہوگیا کہ ہاء پر ضمہ ہے اور یہ تینوں بنی اسد کی لغت کے موافق

لکھے گئے ہیں پس اس سے یہ بھی نکل آیا کہ باقی کے لیے وصلاً ہاء کا فتحہ ہے جو ضمہ کی ضد سے نکلا ہے اور وقفا الف کا حذف اور ہاء میں صرف سکون ہے اور ان تین جگہ کے علاوہ باقی جگہ میں ایہا الف سے لکھا ہوا ہے پس اس میں سے سب کے لیے وصلا ہاء کا فتحہ اور الف کا حذف ہے اور وقف میں سب کے لیے باثبات الف یَا ایُّھَا، ایُّھَا ہے۔

وَقِفْ وَيْكَانَّــهُ وَيْكَانَّ بِرَسْمِــهِ
وَبالْيَاءِ قِفْ رِفْقًا وَبالْكَافِ حُلِّـلا

ش: قوله: وقف ويكانه اس کی تقدیر قف علي ويكانّه ہے اور ہاء کا سکون وصل علي نيت الوقف یا قائلاً مقدر کا مفعول ہے جو قف کے فاعل سے حال ہے **قوله**: رفقا مصدر حال کی جگہ واقع ہے ای رافقا في توجيهه تلك القراءة اور **قوله**: بالكاف متعلق قول حللا کے ہے اور الف اطلاقیہ ہے۔

ترجمه: اور تم (قراء سبعہ کے لیے) وقف کرو يكانه ويكانّ (پر) اس کی (یعنی ان دونوں میں سے ہر ایک کی) رسم کے موافق (یعنی اول میں ہاء پر اور ثانی میں نون پر وقف کرو۔ درمیان میں ہرگز نہ کرو) اور تم (ان دونوں میں صاحب راء رفقا کسائی کے لیے) یاء پر (بھی وقف کرو درانحالیکہ تم (اس قراءت کی توجیہ بیان کرنے اور سمجھانے میں) نرمی کرنے والے ہو اور (ان دونوں میں صاحب حاء حُلِّلا ابوعمرو کے لیے) کاف پر (بھی وقف کرو کہ) یہ وقف (بھی) جائز (اور مباح کیا گیا ہے (پس اس سے انکار کرنا سخت غلطی ہے)۔

مطلب: فرماتے ہیں کہ ويكَانَّهُ اور ويكَانَّ الله جو سورہ قصص میں ہے ان دونوں میں تمام قراء ان کی رسم کے موافق پورے کلمہ پر وقف کرتے ہیں اور اول کو ويكانه اور ثانی کو ويكَانَ پڑھتے ہیں اور کسائی کے لیے ان دونوں میں یاء پر اور ابوعمرو کے لیے کاف پر وقف کرنا بھی درست اور جائز ہے۔ کیونکہ کسائی کے نزدیک یہ معنی کے لحاظ سے دو کلمے ہیں جن میں سے ایک وَیْ ہے اور دوسرا كَانَهُ اور كَانّ ہے اسی طرح ابوعمرو بھی ان کو دو کلمے مانتے ہیں جن میں سے ایک ويک اور دوسرا ان ہے اسی وجہ سے ان کے نزدیک قاف پر وقف کرنا جائز ہے۔ مکیؒ فرماتے ہیں کہ کسائی اور ابوعمرو بھی جماعت کے موافق ہیں اور یہی مشہور ہے۔ جعبریؒ فرماتے ہیں کہ وی ایک ایسا کلمہ ہے جو تعجب اور ندامت کے موقع پر استعمال ہوتا ہے اور کان میں کاف تشبیہ کے معنی سے خالی ہے اس کو انّ کے ساتھ لاکر ایک کلمہ بنا دیا اس وجہ سے ہمزہ پر فتحہ آ گیا اور ابو شامہ فرماتے ہیں کہ وی کے بعد کاف آیا ہے لیکن توجیہ یہ ہے کہ اس میں یقین ہونے کی وجہ سے آئندہ پیش آنے والی حالت کو وقوع والی حالت سے تشبیہ دی گئی ہے کیونکہ یقینی چیز دیکھی جیسی ہوا کرتی ہے اور ابو

عمرو نے جو یک کو ایک کلمہ قرار دیا ہے وہ اس لیے کہ اس کی اصل ویلک ہے اس میں لام کو کثرت دور کی وجہ سے تخفیفاً حذف کر دیا گیا ہے کاف خطاب کا ہے اور یہ بھی ایک لغت ہے اور انّ کے ہمزہ کا فتحہ اعلم یا لام جارہ مقدر کی بناء پر ہے۔ واللہ اعلم۔

وَأَيًّا بِأَيًّا مَا شَفَـــا وَسِوَاهُمَــا
بِمَا وَبِوَاوِ النَّمْـــلِ بِالْيَا سَنَا تَـــلَا

ش: **قوله**: وَ ایًّا ای الوقف علی ایًا مبتدا اور **قوله**: شفا اس کی خبر ہے **قوله**: سواھما بما دوسرا جملہ اسمیہ ہے اور ضمیر ھما کا مرجع مدلول شین شفا حمزۃ وکسائی ہے **قوله**: بواو ای الوقف علی واو النمل مبتدا اور **قوله**: بالیا مقصور ترکیب میں بواوٴ سے حال ہے اور **قوله**: سنا خبر ہے اور **قوله**: تلا اس کی صفت ہے۔

ترجمه: اور ایا پر وقف کرنا (ایًامًا میں صاحب شین شفا حمزہ وکسائی کے لیے) شافی ہے (یعنی اس کی دلیل واضح ہے کیونکہ ایا رسم میں ما سے جدا ہے) اور (ان دونوں مرموزین شین شاف) کے علاوہ باقی قراء کا اس میں وقف کرنا) ما پر ہے (ایا پر نہیں ہے) اور واو وادالنمل پر یاء سے) وقف کرنا صاحب سین سنا تاء تلا ابو الحارث اور دوری پورے کسائی کے لیے) ایسا روشن ہے (جو نقل کے) تابع ہے یعنی کسائی نے واد النمل میں دال کے بعد یاء زائدہ کر کے یاء پر وقف کیا ہے اور وادی پڑھا ہے اور باقی قراء کے لیے باتباع رسم خط بغیر یاء کے دال پر وقف ہوگا اور بواو پڑھا جائے گا)

وَفِيمَهْ وَمِمَّهْ قِفْ وَعَمَّهْ لِمَهْ بِمَهْ
بِخُلْفٍ عَنِ الْبَزِّيِّ وَادْفَعْ مُجَهِّلَا

ش: **قوله**: فیمه ای قف علی لفظ فیمه ومعطوفاته جملہ فعلیہ اور **قوله**: بخلف فاعل قف سے حال اور **قوله**: عن البزی متعلق قف کے ہے **قوله**: مجھلا بالکسر ترکیب میں ادفع کا مفعول ہے ای من جھل القاری۔

ترجمه: اور تم فیمه وعمه ولمه بمه میں بزی کے لیے بحالت اختلاف (ہاء پر) وقف کرو (یعنی ان تمام کلمات پر بزی نے ہاء سکتہ زیادہ کر کے اس پر بھی وقف کیا ہے اور باقی قراء کی طرح بلا ہاء کے بھی اور (اس قراءۃ بالہاء کو) جہالت کی طرف منسوب کرنے والے کو دفع کرو (یعنی اس کے اعتراض اور اشکال کو دلائل سے رد کرو۔ اور اس کو بتا دو کہ یہ ہاء سکتہ ہے جس کا الحاق کلام عرب میں جائز ہے اور یہاں جو یہ

ما استفہامیہ داخل کی گئی ہے اس کی دو وجہ ہیں ایک تو یہ کہ وہ اس الف کا عوض ہو جائے جو حرف جر کے داخل ہونے کی وجہ سے ماء استفہامیہ کے آخر سے حذف ہو گیا ہے۔ دوسرے یہ کہ میم کا فتحہ جو الف کے حذف ہو نے پر دلالت کرتا ہے باقی رہے اور وقف کے سبب اس فتحہ کے نہ رہنے سے ماء میں جو دو حرفی کلمہ ہے الف کا حذف اور میم کا سکون یہ دو تغیر نہ جمع ہو جائیں۔ واللہ اعلم۔

بَابُ مَذَاهِبِهِم فِيْ يَاءَاتِ الْاِضَافَةِ ﴿۳۳﴾

یعنی یہ باب قراء کے ان مذاہب (قواعد) کے بیان میں ہے جو یاءات اضافت پر فتحہ وسکون پڑھنے کے متعلق ہیں یاء اضافت سے مراد وہ متکلم کی یاء ہے کہ جس کی طرف اضافت کی جاتی ہے اور وہ مضاف الیہ ہوتی ہے پس اسی وجہ سے اس کو اضافت کی یاء کہتے ہیں اور یہ بعض نسخوں میں تو اسی طرح جمع کے صیغے کے ساتھ ہے جو تیسیر کے موافق ہے لیکن بعض نسخوں میں بصیغہ مفرد یعنی یاء الاضافۃ ہے جس سے مراد جنس ہے۔ یاء اضافت اسم فعل حرف۔ تینوں کے ساتھ متصل ہوتی ہے جیسے حزنی لیحزنی، ولی وغیرہ اسم کے ساتھ متصل ہونے کی صورت میں مجازاً اس کو یاء اضافت کہتے ہیں پھر یہ یاء اضافت رسم میں ثابت بھی رہتی ہے جیسا کہ اس باب میں ہے اور حذف بھی ہوتی ہے جیسا کہ آئندہ باب یاءات الزوائد میں معلوم ہوگا۔ اول الذکر میں اختلاف بین الفتح والاسکان اور ثانی میں بین الحذف والاثبات ہے اور چونکہ یاءات کئی قسم کی ہوتی ہیں جن میں یاء اضافت کا پہچاننا کسی قدر دشوار اور مشکل تھا اس لیے ناظمؒ اولاً اس کی علامت بیان فرماتے ہیں تاکہ اس کی شناخت میں کوئی دشواری اور دقت پیش نہ آئے اور اس کو آسانی سے معلوم کر سکیں چنانچہ فرماتے ہیں۔

وَلَيْسَتْ بِــلَامِ الْفِعْلِ يَاءُ إِضَافَةٍ
وَمَا هِيَ مِنْ نَفْسِ الْاُصُوْلِ فَتُشْكِلَا

ش: **قوله**: یاء اضافۃ ترکیب میں **قوله**: لیست کا اسم اور **قوله**: بلام الفعل. ای بلام موزون الفعل خبر ہے اور باء زائدہ ہے جو نفی کی خبر میں بہت کثرت سے آتی ہے حتیٰ کی بعض جگہ مذکور نہ ہونے کی صورت میں بھی اس کو مقدر مانتے ہوئے اس کے محل پر عطف کر دیتے ہیں اور معطوف کو مجرور لے آتے ہیں

قوله: ما ھی من نفس الاصول جملہ اسمیہ منفیہ ہے اور ضمیر ھی کا مرجع یاء ہے اور نفس الاصول اصل میں الاصول نفسھا ہے پھر اس میں تغیر کر دیا گیا کقولھم عین الشئ کہ یہ بھی الشئ عینہ تھا اور اس

کا الف اطلاقیہ ہے واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور یاء اضافت فعل کے لام (کلمہ میں) سے نہیں ہے اور نہ وہ (یاء کلمات) کے نفس اصول (یعنی اصلی حروف میں) سے ہے تا کہ وہ (تمہیں) مشکل معلوم دے اور اس کا پہچاننا تمہارے لیے دشوار ہو جائے کیونکہ جب معلوم ہو گیا کہ یاء اصلی حروف میں سے نہیں ہے بلکہ زائدہ ہوتی ہے تو اس کی شناخت میں دشواری و دقت نہ ہو گی۔ بلکہ بخوبی آسانی سے سمجھ میں آ جائے گی۔ اب اس کے بعد ناظمؒ ایک اور ضابطہ بیان فرماتے ہیں اس لیے کہ اس میں وہ یاءات بھی داخل ہو گئیں جو باوجود زائد ہونے کے اضافت کی یاء نہیں ہے جیسے تانیث کی یاء مثل واسجدی وارکعی اور جمع مذکر سالم کی یاء جیسے عابری وبرادی رزقھم وغیرہ کے اس لیے اگر ناظمؒ یوں فرما دیتے کہ اضافت کی یاء متکلم کی یاء ہوتی ہے تو ضابطہ کے بیان کرنے کی ضرورت نہ ہوتی۔

وَلٰكِنَّهَا كَالْهَـاءِ وَالْكَافِ كُلُّ مَا
تَلِيْهِ يُرىٰ لِلْهَاءِ وَالْكَافِ مَـدْخَلَا

ش: قولہ: کالھاء والکاف ای کھاء الضمیر و کافہ پس الکاف میں الف لام عوض میں مضاف الیہ کے ہے اور **قولہ**: کل ما مبتدا ہونے کی بناء پر مرفوع ہے اور ایک روایت میں لام کا فتحہ بھی ہے اس وجہ سے کہ یہ غیر متمکن کی طرف مضاف ہے علی حد قولہ تعالیٰ مثل مَا اَنَّكُمْ تَنْطِقُوْنَ اور **قولہ**: ما یا تو موصولہ ہے یا موصوفہ اور چونکہ یہ مضاف الیہ واقع ہو رہا ہے اس لیے اس کو یہاں لفظ کل سے علیحدہ بھی لکھنا چاہئے۔ ابو شامہ فرماتے ہیں مگر اس قصیدہ کے نسخوں میں تم اس کو متصل ہی دیکھو گے واللہ اعلم **قولہ**: تلیہ ای تقربہ وتَصِلُهٗ ای تدخل علیہ اور **قولہ**: یریٰ بصیغہ مجہول مبتدا کی خبر ہے اور اس کی ضمیر مرفوع کا مرجع لفظ کل ہے اور یہ اس کا مفعول اول ہے اور قولہ مدخلا بمعنی موضع الدخول دوسرا مفعول ہے۔

ترجمہ: اور لیکن یہ (یاء اضافت) مثل (ضمیر کی) یاء اور کاف (خطاب) کے ہے (اس طرح پر کہ ہر وہ لفظ جس سے یاء متصل ہوتی ہے وہ یاء کاف کے لیے محل دخول سمجھا جاتا ہو (یعنی اگر تم ہر اس لفظ میں جس پر تاء داخل ہو رہی ہے بجائے اس یاء کے ہاء وکاف داخل کرنا چاہو تو کر سکو اور ان کا دخول صحیح اور درست ہو سکے جیسے نفسی وانی وغیرہ کے کہ ان میں بجائے یاء کے ہاء وکاف بھی داخل کر سکتے ہیں اور نفسہ ونفسک اور انہ وانک بھی کہہ سکتے ہیں بخلاف ادری کی یاء کے کہ اس میں ایسا نہیں کر سکتے کیونکہ یہ یاء لام فعل کی ہے زائدہ نہیں ہے۔ اسی طرح واسجدی وارکعی میں بھی بجائے یاء کے ہاء وکاف نہیں لا سکتے ہیں اس لیے کہ یہ یاء تانیث کی ہے اگرچہ زائدہ ہے اضافت کی نہیں ہے ایسے ہی جمع مذکر سالم کی یاء

بھی اس سے نکل گئی جو عابری وغیرہ میں ہے۔

ف: یہاں یہ اشکال ہوتا ہے کہ ناظمؒ کے قول کل ما کے عموم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن کلمات میں یاء آتی ہے ان سب میں یاء کے بجائے ہاء وکاف دونوں آسکتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے بلکہ بعض جگہ تو صرف ہاء آسکتی ہے نہ کہ کاف جیسے فاذ کرونی اور حشرتنی وغیرہ کہ ان میں اگر بجائے ہا کے کاف داخل کیا گیا تو معنی فاسد ہو جائیں گے اس لیے اگر ناظمؒ للهاء والکاف کے بجائے للهاء او الکاف فرمادیتے تو یہ اشکال بھی دفع ہو جاتا اور یہ بھی یاد رکھو کہ ناظمؒ کے قول کل ماتلیه کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہاء وکاف ہر اس لفظ کے بعد داخل کئے جائیں گے جس کے بعد یہ یاء آرہی ہے بلکہ یہ مطلب ہے کہ ہر اس لفظ میں جس میں یہ یاء آرہی ہے بجائے یاء کے ہا یا کاف کو داخل کر سکیں اور ان کا دخول اس لفظ میں صحیح ہو سکے خواہ وہ یاء کی جگہ داخل ہو سکیں یا اور کسی حرف کے بعد بجائے یاء کے آسکیں جیسے لیبلونی وغیرہ کہ اس میں ہاء کاف کا یاء کی جگہ داخل کرنا عمدہ وبہترین نہیں ہے اس وجہ کہ اس صورت میں لیبلونہ اور لیبلونک ہو جائیں گے اس لیے یہ دونوں (ہاء وکاف) واؤ کے بعد داخل ہوں گے نون کے بعد نہیں جیسے لیبلوہ و لیبلوک واللہ اعلم.

وَفِیْ مِأَتَیْ یَاءٍ وَ عَشْرٍ مُنِیْفَةٍ
وَثِنْتَیْنِ خُلْفُ الْقَوْمِ أُحْکِیْهِ مُجْمَلَا

ش: قوله: خلف القوم ای القراء مبتدا اور **قوله**: فی مأتی یاء بالجر اس کی خبر ہے اور **قوله**: عشرٍ کا عطف مأتی یاء پر ہے اور **قوله**: منیفة بضم المیم عشر کی صفت ہے ای زائدۃ اور **قوله**: ثنتین کا عطف عشر پر ہے اور **قوله**: احکیه ای اذکره جملہ فعلیہ متانفہ ہے اور ضمیر (ہ) کا مرجع خلف ہے اور **قوله**: مجملاً بفتح المیم الثانی مفعول سے حال ہے اور اگر بکسر المیم الثانی ہے تو فاعل سے حال ہے اور اجملت العدد اذا لم یفصله سے ہے اور شعلہ کے قول پر مصدر میمی بمعنی اجمال ای احکیه بطریق الجمال ہے واللہ اعلم.

ترجمه: اور دوسو یاءات (اضافت ہیں اور دس میں (جوان دوسو پر) زائد ہیں (یعنی دوسو بارہ ہیں قراء کا خلاف ہے بیان کرونگا میں (اس (خلاف) کو درانحالیکہ وہ مجمل (اور مختصر) ہوگا (یعنی بہت ہی مختصر طور پر بیان کیا جائے گا تا کہ اس کے سمجھنے اور یاد کرنے میں آسانی ہو۔

فَتِسْعُوْنَ مَعْ هَمْزٍ بِفَتْحٍ وَتِسْعُهَا
سَمَا فَتْحُهَا اِلَّا مَوَاضِعَ هُمَّلَا

ش: **قوله**: فتسعون مبتدا ای یاءً اور مع ہمزہ اس کی صفت اور **قوله**: بفتح ہمزہ کی صفت ہے **قوله**: وتسعها کا عطف مبتدا پر ہے اور ضمیر ہا کا مرجع یاء ہے **قوله**: سما فتحها جملہ فعلیہ مبتدا کی خبر ہے **قوله**: مواضع جملہ سے استثناء کی بناء پر منصوب ہے اور **قوله**: هملا اس کی صفت ہے اور یہ هامل بمعنی متروک کی جمع ہے ومنه الاهمال يقال بعير هامل ای متروک بلا راع.

ترجمه: پس (ان دوسو بارہ یاءات میں سے) نوے اور ان (یاءات) میں کی نو (یعنی ننانوے یاء اضافت) ایسی ہیں جو ہمزہ (قطعی مفتوحہ (یعنی فتحہ والے ہمزہ قطعی سے پہلے ہیں) ان تمام (یاءات) کا فتحہ مدلول سما نافع وابن کثیر وابوعمرو کے لیے) بلند و مشہور ہے) مگر (ان یاءات کے چند) مواضع ایسے ہیں (جو اس قاعدے سے متروک (اور علیحدہ) ہو گئے ہیں یعنی ان میں سے چند مواقع ایسے بھی ہیں جو اس کلیہ سے خارج ہیں اور ان قراء مذکورین میں سے بعض نے فتحہ اور بعض نے اپنے قاعدہ کے خلاف سکون پڑھا ہے اور کہیں ان کے ساتھ اور حضرات بھی فتحہ پڑھنے میں شریک ہو گئے ہیں جیسا کہ آئندہ ان شاء اللہ تعالیٰ معلوم ہوگا)

فَأَرْنِيْ وَتَفْتِنِّي اتَّبِعْنِيْ سُكُوْنُهَا
لِكُلٍّ وَتَرْحَمْنِيْ أَكُنْ وَلَقَدْ جَلَا

ش: **قوله**: فارنی باسکان الرّاء مبتدا وما بعده اس کے معطوفات ہیں اور **قوله**: اتبعنی سے پہلے واؤ عاطفہ مقدر ہے۔ **قوله**: سکونها ای لکل القراء جملہ اسمیہ مبتدا کی خبر ہے اور ضمیر ہاء کا مرجع یاء ہے **قوله**: ترحمنی اکن کو اگر نیۂ مقدم مانا جائے تو اس کا عطف مفرد پر ہوگا ورنہ پھر بتقدیر کذلک جملہ ہو کر جملہ کا عطف جملہ پر ہوگا **قوله**: لقد جلا ای کشف مواضع الخلاف وبيّنها جملہ فعلیہ مستانفہ ہے اور اس کی ضمیر کا مرجع مذکور یا ناظم یا سکون ہے۔

ترجمه: پس ارنی (انظر) اور تفتنی (الا اور) فاتّبعنی (اهدک) ان یاءات کا سکون کل (قراء) کے لیے ہے اور ترحمنی اکن کی یاء بھی ایسے ہی) ہے یعنی اس کی یاء میں بھی تمام قراء کے لیے سکون ہے) اور اس مذکور یا ناظم یا سکون) نے (مواضع اختلاف کو) ظاہر کر دیا (یعنی اس سے یہ بات واضح ہو گئی کہ یہ چاروں کلمات کی یاء ان ننانوے یاءات میں سے نہیں ہیں جن میں فتحہ و سکون پڑھنے میں قراء کا اختلاف ہے کیوں کہ ان میں کی یاءات کو سب نے بالاتفاق سکون سے پڑھا ہے اور جس طرح کہ یہ چاروں ننانوے یاءات میں سے نہیں ہیں۔ اسی طرح یہ کل مجموعہ دوسو بارہ یاءات میں بھی شامل نہیں ہے کیونکہ یہ چاروں اتفاقی اور وہ سب اختلافی ہیں دوسرے یہ کہ ان چاروں کلمات کے بیان کرنے سے یہ فائدہ ہوا کہ اس سے معلوم

ہو گیا کہ یاءات اضافت میں فتحہ کے مقابل سکون ہے اب اس کے بعد ناظمؒ ان مواضع کو بیان فرماتے ہیں کہ جو کلیہ مذکورہ سے مستثنیٰ اور خارج ہیں اور جن میں مدلول سما میں سے بعض نے فتحہ اور بعض نے مثل باقی قراء کے سکون پڑھا ہے یا ان کے ساتھ فتحہ پڑھنے میں دوسرے حضرات بھی شریک ہو گئے ہیں۔

ذَرُونِيَ وَادْعُونِي اذْكُرُونِيَ فَتْحُهَا
دُوَاءٌ وَ أَوْزِعْنِيَ مَعًا جَادَ هُطَّلَا

ش: **قوله**: ذرونی ای ذرونی مبتدا اور **قوله**: وادعونی الخ اس کے معطوفات ہیں اور وزن شعر کی درستی کے لیے اول اور ثالث کی یاء کا فتحہ اور ثانی کی یاء کا حذف اور آخری یاء کا اسکان ہے **قوله**: فتحها ای فتح الثلاثة دواءٌ جملہ اسمیہ مبتدا کی خبر ہے اور **قوله**: اوزعنی ای فتح یاء اوزعنی مبتدا اور **قوله**: معاً صفت ہے ای وقع مکانین اور **قوله**: جاد ای حسن الفتح اس کی خبر ہے اور **قوله**: هطلا جمع هاطل بمعنی متتابع ترکیب میں جاد کے فاعل سے حال ہے۔

ترجمه: ذرونی (اقتل) اور ادعونی (استجب اور) فاذکرونی اذکرکم (سب کی یاء) کا فتحہ (صاحب دال دواء ابن کثیر کے لیے دواء (شافی) ہے (یعنی ان تینوں کلمات کی یاء میں صرف ابن کثیر کے لیے فتحہ ہے باقی کے لیے سکون) اور اوزعنی (ان اشکر) جو دو جگہ ہے (اس کی یاء کا فتحہ بھی اچھا (اور عمدہ) ہے درانحالیکہ وہ پے درپے (اور لگاتار) برسنے والی بارشوں کے مشابہ (یعنی اوزعنی ان اشکر جو سورہ نمل واحقاف میں ہے اب اس میں صرف صاحب جیم جادوها هملا ورش اور بزی ہی کے لیے فتحہ ہے اور کسی کے لیے نہیں ہے۔

لِيَبْلُوَنِيَ مَعَهُ سَبِيلِيَ لِنَافِعٍ
وَعَنْهُ وَالْبَصْرِيْ ثَمَانٍ تُنُخِّلَا

ش: **قوله**: لیبلونی ای فتح یاء لیبلونی مبتدا اور **قوله**: معه سبیلی جملہ اسمیہ یاء سے حال ہے اور **قوله**: لنافع مبتدا کی خبر ہے **قوله**: ثمان ای فتح ثمان یاء ات مبتدا اور اس میں نون کا کسرہ علی ارادة الیاء علی حد جوارٍ اور **قوله**: تنخلا بصیغة المجهول والف الاطلاق ای اختیر ترکیب میں فتح مقدر کی صفت ہے اور اسی تاویل پر اس کی ضمیر کل واحد کی طرف راجع کی جائے تو ثمان کی صفت بھی ہو سکتا ہے جعبری اور ابوشامہ فرماتے ہیں کہ اگر اس کو بجائے مجہول لانے کے معروف لے آتے تو اس کا الف تثنیہ کے لیے ہو جاتا اور یہ زیادہ ظاہر اور اچھا تھا کیونکہ اس صورت میں بلا کسی تاویل کے

ثمان کی صفت ہو جاتا اور یہ معنی ہو جاتے کہ ایسی یاءات آٹھ ہیں جن کو ان دونوں نے فتحہ دینے کے لیے اختیار کیا ہے۔ **قوله**: وعنه وللبصری خبر مقدم ہے اور للبصری کا عطف باعادۃ الجار مذہب بصریین کی بناء پر ہے اور عن کے بجائے جو لام لائے ہیں وہ وزن کے لیے ہے ذکرہ الجعبری ملا علی قاری فرماتے ہیں جیسا کہ مغنی میں ہے کہ لام معنی میں عن کے بھی آتا ہے البتہ وعنه وعن بصری فرما دیتے تو یہاں اس کی گنجائش تھی واللہ اعلم۔

ترجمه: لِيَبْلُوَنِيْ (ءَ اَشْكُرُ کی یاء کا فتحہ) درانحالیکہ اس کے ساتھ سبیلی (ادعوا کی یاء کا فتحہ) بھی ہے نافع کے لیے اور (نافع) سے اور (ابوعمرو) بصری سے آٹھ (یاءات کا فتحہ) ہے جو اختیار کیا گیا ہے (یعنی ان آٹھ یاءات میں جو اگلے بیت سے بیان کی جارہی ہیں ان دونوں یعنی نافع اور بصری نے فتحہ پڑھا ہے۔

بِيُوْسُفَ اِنِّيْ الْاَوَّلَانِ وَلِيْ بِهَا
وَضَيْفِيْ وَيَسِّرْلِيْ وَدُوْنِيْ تَمَثَّلَا

ش: **قوله**: انی منوی التکریر ہے ذکرہ الجعبری اور اس کی تقدیر یا کلمتی انی الاولان یا یاء انی الاولان ہے لیکن ان میں سے ایک کو بہ سبب دلالت کلام حذف کر دیا گیا۔ وکذا **قوله**: واوزعنی ای اوزعنی او زعنی معاً انتھٰی ای منھا یاء انی. انی جملہ اسمیہ اور **قوله**: الاولان صفت ہے اور **قوله**: بیوسف متعلق خبر (ثابت) کے ہے۔ **قوله**: ولی بھا الخ ای منھا یاء ولی بیوسف اور **قوله**: وضیفی ای ومنھا یاء ضیفی **قوله**: ویسّرلی ای ومنھا یاء یسّرلی اور **قوله**: دونی ای ومنھا یاء دونی سب جملہ اسمیہ ہیں اور **قوله**: تمثلا صوّر بالف الاطلاق مستانفہ ہے ای صار مثالاً او تشخص وظھر (قاری)

ترجمه: (اور ان آٹھ یاء مدات میں سے پہلی دوسری یاء) سورۂ یوسف میں انّی (انی کی) ہے جو اوّل کی ہے اور (ان ہی میں سے تیسری یاء) لی (ابی کی) اسی (سورہ یوسف میں ہے اور ان ہی میں سے چوتھی یاء) ضیفی (الیس) کی ہے (اور ان ہی میں سے پانچویں یاء یسرلی (امری کی) ہے اور (ان ہی میں سے چھٹی یاء عن) دونی (اولیاء کی ہے (پس یہ بذریعہ مثال) ظاہر (اور متشخص) ہو گیا (کہ چھ یاءات بیان ہوئی ہیں) باقی دو یاء اگلے بیت میں مذکور ہیں)

وَيَاءَ اِنِ فِيْ اجْعَلْ لِيْ وَارْبَعُ اِذْ حَمَتْ
هُدَاهَا وَلٰكِنِّيْ بِهَا اثْنَانِ وُكِّلَا

ش: قوله:یاء أن ای منها یاء ان فی اجعل لی جملہ اسمیہ ہے اور **قوله**:اربع ای اربع یاء ات ترکیب میں فتحت مقدر کا فاعل ہے اور **قوله**:اذحمت ای اذ حفظت هی اور **قوله**: هدا هاای ذوی الهدا والمهتدین ای فتحها مفعول ہے **قوله**:ولکنی جملہ اسمیہ اور واؤ تلاوت کی ہے **قوله**: بها اثنان دوسرا جملہ اسمیہ ہے اور ضمیر ہاء کا مرجع کلمہ لکنی ہے اور **قوله**:وکلا بصیغة المجهول بمعنی عینا ترکیب میں اثنان کی صفت ہے۔

ترجمه: اور (ان آٹھ یاءات میں سے باقی ساتویں وآٹھویں دیاء اجعل لی آیہ (سورۂ آل عمران ومریم) میں ہیں پس ان سب آٹھوں یاءات میں صرف نافع وابوعمرو بصری نے فتحہ پڑھا ہے باقی نے سکون) اور چار (یاءات ہمزہ اذ وحاء حمت وهاء هدا ها میں نافع وابوعمرو اور بزی کے لیے مفتوح پڑھی گئی ہیں) اس لیے کہ ان (چاروں یاءات) نے اپنے (فتحہ کی طرف) ہدایت کرنے والوں (یا ہدایت پانے والوں) کی حفاظت کی ہے یعنی ان یاءات نے فتحہ کے صحیح اور درست ہونے کی وجہ سے کسی کو بھی ناقلین پر اعتراض کرنے کا موقعہ نہیں دیا ہے پس ان چار میں سے) ولکنی (اراکم) ہے جس کے ساتھ ایسی دو یاء ہیں جو متعین اور مقرر کی گئی ہے (یعنی یہ لفظ ولکنی دو جگہ سورہ ہود واحقاف کے علاوہ اور کسی سورۃ میں نہیں آیا ہے بلکہ ان ہی دو سورتوں ہود واحقاف ہی کے ساتھ مخصوص ہے۔

وَتَحْتِيْ وَقُلْ فِيْ هُوْدَ إِنِّيْ أَرَاكُمُو
وَقُلْ فَطَرَنْ فِيْ هُوْدَ هَادِيْهِ أُوْصَلَا

ش: قوله:وتحتی ای ومنهایاء تحتی جملہ اسمیہ اور **قوله**:هود ای ومنها فی هود یاء انی اراکم بالصلة پہلے قل کا اور **قوله**:ظرف الخ ومنها فی هود یاء فطرن دوسرے قل کا مقولہ ہے اور فطرن میں یاء کا حذف اور نون کا سکون ضرورۃً ہے۔

ترجمه: اور ان (چار یاءات میں تیسری یاء) تحتی (افلا کی ہے) اور کہو تم کہ (ان میں سے چوتھی یا سورۃ) ہود میں انی اراکم (کی) ہے اور تم کہہ دو کہ (ان ہی مواضع مستثنیات میں سے سورہ) هود فطرنی (افلا کی یاء بھی) ہے جس کے (فتحہ کی طرف) ہدایت کرنے والے نے (اس کو ہم تک پہنچایا ہے) یعنی سورہ ہود میں فطرنی افلا ہے اس کی یاء میں صرف صاحب هاء هادیه وهمزه او صلا بزی اور نافع نے فتحہ پڑھا ہے باقی قراء نے سکون۔

وَيَحْزُنُنِي حَرْمِيُّهُمْ تَعِدَانِنِي
حَشَرْتَنِيَ اعْمىٰ تَأْمُرُوْنِيَ وَصَّلَا

ش: **قوله**: يحزنني ای فتح یاء يحزنني مبتدا اور **قوله**: حرميهم ای حرمی القراء وَصَّلا جملہ ہو کر مبتدا کی خبر ہے اور عائد محذوف ہے ای وصّلاها اور چونکہ حرمی لفظاً مفرد اور معنیً تثنیہ ہے اس لیے وصلا کا الف پہلی صورت میں اطلاقیہ اور دوسری صورت میں تثنیہ کا ہے اور اگر يحزنني کے بجائے ليحزنني لے آتے تو اولی تھا تا کہ بلا ضرورت رسم کی مخالفت لازم نہ آتی **قوله**: حشرتني اعمى بالنقل لغةً ہے۔ شعلہ کے قول کے موافق ضرورۃ نہیں ہے اور اصفہانی نے جو حشرتنی میں یاء کے حذف کو جائز بتایا ہے وہ بوجہ مخالفت رسم روایت و درایت دونوں کے خلاف ہے۔

ترجمہ: ليحزنني ان اور) اتعدانني (ان اور) حشرتني اعمى (اور) تامروني (اَعْبُدُ ان چار کی یاء کا فتحہ) ان (قراء) میں کے (مدلول) حرمی (نافع وابن کثیر) نے (ہم تک) پہنچایا ہے (لیکن ان چاروں کلمات کی یاء میں صرف ان ہی دو نافع وابن کثیر ہی کے لیے فتحہ ہے اور کسی کے لیے نہیں ہے۔

أَرَهْطِيَ سَمَا مَوْلًى وَمَالِيَ سَمَا لِوًى
لِعَلِّيْ سَمَا كُفُوءًا مَعِيَ نَفَرُ الْعُلَا
عِمَادٌ وَتَحْتَ النَّمْلِ عِنْدِيَ حُسْنُهُ
إِلىٰ دُرِّهِ بِالْخُلْفِ وَافَقَ مُوْهَلَا

ش: اوپر والے بیت میں چار جملہ اسمیہ ہیں اور ہر ایک کے ساتھ فتحہ یاء مقدر ہے اور **قوله**: مولیً ولوىً وكفوءًا تینوں حال یا تمیز کی بناء پر منصوب ہیں اور لوی میں بوجہ وزن اور العلا میں وقفاً قصر ہے اور نفر العلا بضم العين ای نفر الادلة العلا ترکیب میں **قوله**: معی کی خبر ہے یا یہ مبتدا ثانی ہے اور اس کی خبر **قوله**: عمادٌ ہے جو اس کے بعد دوسرے شعر میں ہے اور پھر جملہ معی مبتدا کی خبر ہے **قوله**: عمادٌ ترکیب میں هم مقدر کی خبر ہے **قوله**: تحت النمل ای فی القصص ففتحُ ماء عندی جملہ اسمیہ ہے **قوله**: حسنه مبتدا اور ضمیرہ کا مرجع فتحہ ہے اور اس کی خبر مضمومٌ مقدر ہے **قوله**: لی دره بضم الدال ای تلاء لُوء ہٖ ای خبر مقدر کے متعلق ہے قوله بالخلف فاعل خبر یعنی ای مضموم مقدر کی ضمیر سے حال ہے وكذا قوله وافق بتقدير قد وبدونه اور قوله موهلا ای معجولاً اهلا من قولهم اهلک الله لكذا ای جعلک الله له اهلا ترکیب میں یا تو وافق کی ضمیر سے حال ہے یا اس کا مفعول

بہ ہے ای رجلا صالحًا جعل اھلا للموافقه (قاری)

ترجمہ: ارھطی (اَعَزُّ کی یاء کا فتحہ مدلول سَمَا ومیم مولیٰ نافع وابن کثیر وابوعمرو بصری وابن ذکوان کے لیے) باعتبار (اپنی سرداری کے بلند (اور مشہور) ہے اور مالی (ادعو کم کی یاء کا فتحہ بھی ان ہی مدلول سما اور صاحب لام لوی ہشام کے لیے) باعتبار عَلَمٌ کے (خوب مشہور اور) بلند ہے اور لعلّی) کی یاء کا فتحہ بھی دوسری یاءات کے فتحہ کے) ہم مثل ہونے کے اعتبار سے (ان ہی مدلول سما اور صاحب کاف کفوئا ابن عامر کے لیے) بلند (اور مشہور) ہے (اور) مَعِیْ (کی یاء کا فتحہ) بلند دلائل والی جماعت کا ہے (یہ سب حضرات اس بارے میں) قابل اعتماد (اور معتبر) ہیں اس لفظ معی میں مدلول نفر وصاحب ہمزۃ العلا وعین عمادا ابن کثیر وابوعمرو وابن عامر ونافع اور حفص کے لیے فتحہ ہے اور باقی کے لیے سکون) اور (سورہ) نمل کے نیچے (سورہ قصص میں) عندی (اَوَلَمْ کی یاء کا فتحہ) جو ہے اس کی خوبی (اور اچھائی) اس کی چمک کی طرف (ملادی گئی) ہے یعنی اس کا فتحہ باوجود فصیح ہونے کے مشہور بھی ہے) درانحالیکہ (یہ (فتحہ) خلاف کے ساتھ ہے (اور) اہل ولائق بنائے ہوئے (نیک مرد عالم) کے موافق ہے (پس عندی میں صاحب حاء حسنہ وھمزۃ الی ابو عمرو ونافع کے لیے بلا خلاف فتحہ اور صاحب دال دُرّہ ابن کثیر کے لیے خلاف کے ساتھ فتحہ وسکون دونوں ہیں اور باقی قراء کے لیے صرف سکون ہے)

ف: جاننا چاہئے کہ ارھطی اعزکی یاء میں تحقیق یہ ہے کہ ہشام کے لیے اس میں بھی فتحہ اور سکون دونوں ہیں اور فتحہ مشہورتر اور طریق کے موافق ہے۔ ناظمؒ نے جو اس کو بیان نہیں کیا ہے وہ تبعا للتیسیر ہے باقی صحیح دونوں ہی وجہ ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔ اب اس کے بعد ناظمؒ ان باون یاءات کو بیان فرماتے ہیں جو ہمزہ قطعی مکسورہ سے پہلے واقع ہیں۔

وَثِنْتَانِ مَعْ خَمْسِيْنَ مَعْ كَسْرِ هَمْزَةٍ
بِفَتْحِ أُولِىْ حُكْمٍ سِوَى مَا تَعَزَّلَا

ش: **قولہ**: وثنتان مبتدا اور **قولہ**: مع خمسین اس کی صفت ہے اور **قولہ**: مع کسر ھمزۃ ترکیب میں خمسین کی صفت ہے اور **قولہ**: بفتح اُولِیْ حکم خبر ہے اور **قولہ**: سوی کا استثناء اس قسم کی جملہ یاءات سے ہے **قولہ**: ما تعزلا ای تمیز وانفرد صلہ وموصول مجرور بالاضافت ہے۔

ترجمہ: اور دو مع پچاس (یعنی باون یاءات) جو ہمزہ (قطعی) کے کسرہ کے ساتھ ہیں وہ اصحاب حکم کے فتح کے ساتھ ہیں (یعنی ان میں صاحب ہمزہ اولی وحاء حکم نافع وابوعمرو کے لیے فتحہ ہے اور کسی کے لیے نہیں

ہے) سوائے (ان باون یاءات میں سے) اس (جگہ) کے جو (اس قاعدے سے علیحدہ ہوگیا ہے (یعنی ان باون یاءات میں سے وہ مواضع اس کلیہ سے خارج اور مستثنیٰ ہیں کہ جن میں ان دونوں میں سے کسی ایک نے اپنے قاعدہ کے خلاف پڑھا ہے یا ان کے ساتھ دوسرے حضرات شریک ہوگئے ہیں اور وہ یہ ہیں۔

بَنَاتِيْ وَأَنْصَارِيْ عِبَادِيْ وَلَعْنَتِي
وَمَا بَعْدَهُ إِنْ شَاءَ بِالْفَتْحِ أُهْمِلَا

ش: **قوله**: بناتی مبتدا اور اس کے مابعد کے تمام کلمات قرآنی اس کے معطوفات ہیں اور عبادی سے پہلے واؤ عاطفہ مقدر ہے اور **قوله**: وما بعده صلہ وموصول معنی میں ستجدنی کے ہے اور **قوله**: اهملا بصيغة المجهول والف الاطلاق ای تُرِکَ عَنْ اصله الْمُقِرُ ر فِيْمَاتقدّم خبر ہے اور قوله بالفتح حال ہے (قاری)

ترجمه: بناتی (ان کنتم) اور انصاری (الی اللہ اور بعبادی (انکم سورہ شعراء میں) اور لعنتی (الی) اور وہ (ستجدنی) جس کے بعد ان شاء (اللہ) ہے (ان میں سے) ہر ایک اپنے قاعدہ مقررہ سابقہ سے) متروک (اور علیحدہ ہوگیا) ہے دراں حالیکہ یہ (یعنی ان میں سے ہر ایک لفظ کی یاء) فتحہ کے ساتھ (صرف مرموز ہمزہ اهملا نافع ہی کے لیے) ہے (پس ابوعمرو کے لیے بھی ان سب میں مثل باقی قراء کے بجائے فتحہ کے سکون ہی ہے۔

وَفِيْ إِخْوَتِيْ وَرْشٌ يَدِي عَنْ أُولِي حِمىً
وَفِيْ رُسُلِيْ أُصْلٌ كَسَا وَافِيَ الْمُلَا

ش: **قوله**: فی اخوتی ای وفتح ورش فی یاء اخوتی جملہ اسمیہ ہے اور **قوله**: یدی ای وفتح یاء یدی عن اولی حمیً بکسر الحاء وفتح المیم مقصور منون بمعنی حفاظت واحاطہ دوسرا جملہ اسمیہ ومنه حدیث اِنَّ لِکُلِّ مِلِک حمی وَاِنَّ حمی اللّٰہ محارمه اور **قوله**: وفی رسلی ای فتح یاء رسلی اصلٌ ای حصول اصل تیسرا جملہ ہے اور **قوله**: کسا بالالف صفت ہے۔ **قوله**: وافی الملاء ترکیب میں کسا کے فاعل سے حال ہے اور وافی معنی میں کامل ونافع ہے۔ **قوله**: الملا جمع ملاوۃ کی ہے جو معنی میں سفید چادر کے ہے۔

ترجمه: اور وفی اخوتی (ان کی یاء) میں ورش (ہی کا فتحہ) ہے (اور) الیک کی یاء کا فتحہ صاحب عین عن وھمزہ اولیٰ وحاء حمیً حفص ونافع وابوعمرو بصری کے لیے اس قراءۃ کا) تحفظ کرنے والے

اصحاب سے (ثابت) ہے اور رسلی (ان اللہ کی یاء کے فتحہ) میں (صاحب ہمزہ اصل وکاف کسا نافع اور ابن عامر کے لیے) ایسی اصل (نقل یا سند کا حصول) ہے جس نے (اس فتحہ کو) لباس پہنایا ہے درانحالیکہ یہ (اصل) کامل سفید چادروں والی ہے (یعنی رسلی کی یاء کا فتحہ ایسی نقل صحیح سے ثابت ہے جو خوب روشن اور واضح ہے اور ہر طرح کے اعتراض سے محفوظ و مامون ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس کی یاء میں صرف نافع اور ابن عامر کے لیے فتحہ اور باقی قراء کے لیے سکون ہے پس اس میں ابوعمرو نے اپنے قاعدہ کے خلاف سکون اور ابن عامر نے خلاف قاعدہ فتحہ پڑھا ہے کیونکہ ابوعمرو کے لیے قاعدہ موافق فتحہ اور ابن عامر کے لیے سکون ہے۔

وَأُمِّيْ وَأَجْرِيْ سُكِّنَا دِيْنُ صُحْبَةٍ
دُعَائِي وَآبَائِيْ لِكُوْفٍ تَجَمَّلَا

ش: **قوله**: دین صحبة اس کا نصب یا تو اس بناء پر ہے کہ یہ دان کا مصدر مؤکد ہے مثل صبغة الله وكتاب الله عليكم کے اور دان کے معنی عادت کے ہیں ای هي عادةُ صُحْبَةٌ اسكان ياء ات الاضافة ای مذهبهم وطريقتهم وما يتدينون به في قرأة القرآن یا یہ **قوله**: سکنا کے معنی سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے ای اوقع الاسكان فيهما حال كونه دين صحبة اور **قوله**: دعائی ای واسكان ياء دعائی وابائی تجملا بالجيم والف الاطلاق او الشنيه بمعنی تَحَسَّنَ وَتَزَيَّنَ جملہ اسمیہ ہے اور **قوله**: لكوف متعلق خبر یعنی فعل کے ہے۔

ترجمه: اور امی الهين) اور (اجری (الا) دونوں (صاحب دال دین اور مدلول صحبة ابن کثیر وحمزہ وکسائی اور ابوبکر شعبہ کے لیے یاء کے) سکون سے پڑھے گئے ہیں ایک جماعت کی عادت کے طور پر (یعنی ان حضرات کے مذہب اور طریق کی بناء پر پس ضد سے نکل آیا کہ باقی قراء کے لیے ان دونوں کلمات میں یاء کا فتحہ ہے اور) دعائی (الا) اور آبائی ابراھیم کی یاء کا سکون) کوفیوں (ہی) کے لیے خوبصورت اور (حسین) ہے (یا یہ معنی کہ یہ دونوں کلمات کوفیوں ہی کے لیے اسکان یاء کے ساتھ خوبصورت اور حسین ہیں پس باقی قراء کے لیے دونوں کی یاء میں فتحہ ہے۔

وَحُزْنِيْ وتَوْفِيقِيْ وَظِلَالٌ وَكُلُّهُـــم
يُصَـــدِّقُنِيَ انْظِـــرْنِيْ وَأَخَّرْتَنِي إِلَى
وذُرِّيَتِي يَـــدْعُـــوْنَنِيْ وَخِطَابُــــهُ
وَعَشْرٌ يَلِيهَا الْهَمْزُ بِالضَّمِّ مُشْكِلَا

ش: **قولہ**: وحزنی ای اسکان یاء حزنی وتوفیقی ظلال ای ذو ظلال اور **قولہ**: وکلھم فعل مقدر کا فاعل ہے ای اسکن کل السبعۃ اور **قولہ**: یصدقنی اور اس کے معطوفات یدعوننی تک اسی فعل مقدر کے مفعول ہیں اور **قولہ**: وخطابہ بالرفع مبتدا اور اس کی ضمیر کا مرجع یدعوننی ہے اور خبر محذوف ہے ای کعینہ اور **قولہ**: عشرٌ مبتدا محذوف الخبر ہے ای من المختلف عشر یاء ات اور **قولہ**: یلیھا جملہ فعلیہ عشرٌ کی صفت ہے اور **قولہ**: مشکلا بصیغۃ المفعول ای محرکاً ترکیب میں فاعل سے حال ہے اور یہ شکلت الکتاب واشکلتہ ای اعربتہ اور قولہ بالضم اس کے متعلق ہے۔

ترجمہ: اور حزنی (الی اللہ کی یاء کا سکون اور (وما) توفیقی الا باللہ کی یاء کا سکون مدلول ظاء ابن کثیر اور (تینوں کوفی کے لیے) سایہ دار ہے (یعنی صحیح ودرست ہے پس باقی قراء کے لیے دونوں میں یاء کا فتحہ ہے) اور تمام (قراء سبعہ نے) یصدقنی (انی اور) انظرنی (الی) اور اخرتنی الی اور ذریتی (انی اور) یدعوننی (الیہ کا یاء) کو ساکن پڑھا ہے) اور اس (یدعوننی) کا خطاب (والا صیغہ تدعوننی الی النار اور تدعوننی الیہ بھی مثل اس غائب کے صیغہ کے سب کے لیے سکون یاء سے حال ہے) اور (ان ہی مختلف یاءات اضافت میں سے وہ) دس (یاء بھی) ہیں جن کے متصل ہوتا ہے ہمزہ درانحالیکہ وہ (ہمزہ) ضمہ کے ساتھ اعراب دیا گیا ہے (یعنی دس یاءات مختلفہ ایسی ہیں جو ہمزہ قطعی مضمومہ سے پہلے واقع ہیں)

فَعَنْ نَافِعٍ فَافْتَحْ وَأَسْكِنْ لِكُلِّهِمْ
بِعَهْدِيْ وَآتُوْنِيْ لِتَفْتَحَ مُقْفَلَا

ش: **قولہ**: فافتح فاء تعقیبیہ ہے اور اس کا مفعول محذوف ہے ای افتح یاء العشر اور **قولہ**: فعن نافع اس کے متعلق ہے اور فاء زائدہ ہے **قولہ**: بعھدی باء تلاوت کی ہے اور ملا علی قاری کے نزدیک فی کے معنی میں ہے اور **قولہ**: مقفلا بصیغۃ المفعول ای مغلقاً مفعول ہے۔

ترجمہ: پس تم نافع (ہی کی جانب) سے (ان دس یاءات کو) فتحہ دو جیسے انی اُعِیْذُھَا وغیرہ پس باقی چھ قراء کے لیے ان میں سکون ہے) اور (کل قراء سبعہ) کے لیے بِعَھْدِی (اوف) اور اٰتونی (افرغ کی یاء) کو ساکن پڑھو تا کہ تم بند (دروازہ) کو کھول لو (یعنی ان دونوں کلمات کی یاء کو چونکہ تیسیر میں ذکر نہیں کیا ہے اس لیے یہ مثل شیٔ مقفل کی تھیں جو میرے بیان سے واضح اور ظاہر ہو گئیں اور تم کو یہ معلوم ہو گیا کہ ان میں سب کے لیے سکون ہی ہے۔

وَفِي اللَّامِ لِلتَّعْرِيْفِ أَرْبَعَ عَشْرَةَ
فَإِسْكَانُهَا فَاشٍ وَّعَهْدِي فِي عُلَا

ش: قوله: اربع عشرة مبتدا اور دونوں جزو مبنی علی الفتح ہیں اور عشرة میں تنوین ضرورت کی بناء پر لائی گئی ہے۔ قراء کے نزدیک پہلے جزء کی اضافت بصورت رفع اور دوسرے میں جر کی تنوین بھی جائز ہے۔ پس اسی وجہ سے ابوشامہ نے کہا ہے کہ یہاں بھی اربع عشرة میں پہلے جزء کا رفع اور دوسرے میں جر کی تنوین درست ہے **قوله**: فی اللام ای فی الیاء اللتی مع همزة الوصل المجاورة اللام مبتدا کی خبر ہے اور **قوله**: للتعریف ای التی للتعریف ترکیب میں لام کی صفت ہے۔ **قوله**: فاسکانها فاش ای شائع جملہ اسمیہ ہے اور ضمیر ھاء کا مرجع اربع عشرة ہے یا وہ یاء مقدرہ ہے جو اس کی تمیز ہے **قوله**: عهدی بالفتح ای اسکان یاء عهدی فی علا بضم العین جمع علیا دوسرا جملہ ہے۔

ترجمہ: اور اس لام میں جو تعریف کے لیے ہے (یعنی وہ لام جو ہمزہ وصل کے ساتھ ہے اور جس کو الف لام تعریف کہتے ہیں اس سے پہلے یاءات مختلفہ میں سے چودہ یاءات ہیں پس ان کا اسکان (صاحب فاء فاش ہمزہ کے لیے) شائع اور مشہور ہے اور عهدی الظلمین کی یاء کا اسکان صاحب فاء فی وعین علا حمزة وحفص کے لیے) بلندیوں میں (سے) ہے یعنی یہ بڑی قوی اور عظیم الشان دلائل سے ثابت ہے پس باقی کے لیے فتحہ ظاہر ہے)

وَقُلْ لِعِبَادِيْ كَانَ شَرْعًا وَ فِي النِّدَا
حِمًى شَاعَ اٰيَاتِي كَمَا فَاحَ مَنْزِلَا

ش: قوله: لعبادی ای اسکان یاء وقل لعبادی کان شرعاً جملہ اسمیہ اور کان کا اسم ضمیر ہے جس کا مرجع اسکان ہے **قوله**: فی الندا بالقصر للوزن متعلق اسکان مقدر کے ہے **قوله**: اٰیاتی ای اسکان یاء اٰیاتی مبتدا اور **قوله**: کما فاح اس کی خبر ہے اور کما میں ما مصدریہ ہے ای ثابت ثبوتاً کفوحه اور قوله منزلا بفتح المیم تمیز ہے۔

ترجمہ: اور قل لعبادی (الذین کی یاء کا اسکان صاحب کاف کان اور شین شرعاً ابن عامر وحمزہ وکسائی کے لیے) براہ راست ہے اور ندا (کے بعد والی یاء یعنی یا عبادی الذین) میں یہی اسکان صاحب حاء حمیً وشین شاع ابوعمرو وحمزہ وکسائی کے لیے) باعتبار تحفظ شائع (اور مشہور) ہے (اور) اٰیاتی (الذین کی یاء کا اسکان صاحب کاف کما وفاء فاح ابن عامر وحمزہ کے لیے اسی طرح صحیح اور ثابت

ہے) جیسا کہ باعتبار منزل کے مہکا ہوا ہے (یعنی جس طرح بذات خود اچھا اور عمدہ ہے اسی طرح نقلا بھی صحیح اور ثابت ہے اب اس کے بعد ناظمؒ ان چودہ یاءات مختلفہ کو اگلے شعروں میں بطور شمار کے بیان فرماتے ہیں تاکہ یہ ان یاءات سے جدا ہو جائیں جن میں کل قراء سبعہ کے لیے فتحہ ہے کیونکہ جو یاءات الف لام تعریف کے قبل واقع ہیں وہ بتیس ہیں اور اختلاف صرف چودہ یاءات میں ہے۔

فَخَمسُ عِبَادِی عُدُدْ وَعَهْدِی أَرَادَنِیُ
وَرَبِّی الَّذِیُ آتَانِ آیَاتِیَ الْحُلَا
وَأَهْلَكَنِیُ مِنهَا وَفِیُ صَادَ مَسَّنِیُ
مَعَ الْاَنْبِیَا رَبِّیُ فِی الْاَعْرَافِ كَمَّلَا

ش: قوله: فَخَمس ای فخمس یاء ات عبادی ترکیب میں **قوله**: اعدد کا مفعول مقدم ہے اور **قوله**: آتان میں یاء کا حذف وزن کی بناء پر ہے اور بطور نقل اتان یاتی الحلا بھی درست تھا ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اگر اس میں روایۃً حذف نہ ہوتا تو یہ اولیٰ تھا اور **قوله**: الحلاء جمع حلیة ترکیب میں ان سب چھ کلمات کی صفت ہے ای الکلمات ذوات الحلی. **قوله**: اھلکنی منھا ای یاء اھلکنی من الاربع عشرۃ جملہ اسمیہ ہے **قوله**: مسّنی ای یاء مسنی فی صاد دوسرا جملہ ہے اس میں منھا مقدر ہے جو خبر ہے اور **قوله**: مع الأنبیاء بالقصر ضمیر سے حال ہے **قوله**: ربّی ای یاء ربّی کمّلا بالف الاطلاق ای کملا العدّۃ المذکورۃ وھی الاربعة عشرۃ تیسرا جملہ ہے اور **قوله**: فی الاعراف ترکیب میں کمل کے فاعل سے حال ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمه: پس تم عبادی کے پانچ (کلمات کی یاء) کو (جو قل لعبادی الذین سورہ ابراہیم میں اور عبادی الصالحون سورہ انبیاء میں اور عبادی الشکور سبا میں اور دو یاء عبادی الذین سورہ عنکبوت وزمر میں ہیں) اور عھدی الظالمین سورہ بقرہ اور ارادنی (اللہ سورہ زمر) اور ربی الّذی سورہ بقرہ اور اتانی (الکتاب سورہ مریم اور ایاتی (الذین سورہ اعراف ان سب کلمات کی یاءات) کو شمار کرو جو مزین ہیں اور ان ہی (چودہ یاءات میں سے اھلکنی اللہ کی یاء بھی) ہے اور (ان ہی میں سے سورہ) صاد میں مسّنی (الشیطان کی یاء بھی) ہے مع سورہ انبیاء کے (مسنی الضر کی یاء کے (اور) ربّی الفواحش کی یاء) درانحالیکہ وہ سورہ اعراف میں ہے اس نے (ان چودہ یاءات کے شمار کو) کامل کر دیا (یعنی یہاں یہ چودہ یاءات جو مختلفہ ہیں تمام ہو گئیں اب اس کے بعد ناظمؒ دو یاءات مختلفہ بیان فرماتے ہیں جو صرف ہمزہ وصلی بلا لام سے پہلے آئی ہے۔

وَسَبْعٌ بِهَمْزِ الْوَصْلِ فَرْدًا فَتْحُهُمْ
أَخِيْ مَعْ إِنِّيْ حَقَّهُ لَيْتَنِيْ حُلَا

ش: قوله: وسبع ای سبع یاء ات مبتدا اور **قوله**: بھمز الوصل ای مع ھمز الوصل اس کی صفت ہے اور منھا مقدر خبر ہے اور **قوله**: فرداً ای منفرداً عن اللام ترکیب میں ہمزہ سے حال ہے اور **قوله**: فتحھم مصدر مبتدا ہے اور **قوله**: اخی اس کا مفعول ہے اور **قوله**: مع انی ترکیب میں اخی سے حال ہے اور **قوله**: حقہ فعل مقدر اشتھر کا فاعل ہے پھر جملہ مبتدا کی خبر ہے اور حقہ کی ضمیر کا مرجع فتح ہے **قوله**: لیتنی ای یاء لیتنی حلا بالحاء المھملة جملہ اسمیہ ہے۔

ترجمہ: اور (ان ہی یاءات مختلفہ میں سے) سات ایسی (یاءات) ہیں جو ہمزہ وصلی کے ساتھ ہیں (یعنی ان کے بعد ہمزہ وصلی ہے) درانحالیکہ یہ (ہمزہ وصل) منفرد (بلا لام کے) ہے اور ان (قراء) کا فتحہ دینا (اس قسم کی یاءات میں) اخی (اشدد کی یاء) کو مع انّی (اصطفیتک کی یاء) کے جو (مدلول حق ابن کثیر اور ابوعمرو کے لیے) ہے اس (فتحہ) کا حق ہونا مشہور) ہے (اور) لیتنی اتخذتُ کی یاء کا فتحہ بھی صاحب حاء حلاء ابوعمرو کے لیے شیریں ہے پس باقی قراء کے لیے ان میں سکون پڑھنا ظاہر ہے۔

وَنَفْسِيْ سَمَا ذِكْرِيْ سَمَا قَوْمِيْ الرِّضَا
حَمِيْدُ هُدًى بَعْدِيْ سَمَا صَفْوُهُ وِلَاَ

ش: قوله: نفسی ای فتح یاء نفسی سما جملہ اسمیہ ہے اسی طرح **قوله**: ذکری ای فتح یاء ذکری سَمَا دوسرا اور **قوله**: قومی ای فتح یاء قومی الرضا ای ذو الرضا تیسرا جملہ اسمیہ ہے اور **قوله**: حمید ھدیً ای محمود ھدی ترکیب میں قومی کی دوسری خبر ہے اور **قوله**: بعدی ای فتح یاء بعدی مبتدا اور **قوله**: سما صفوہ جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے اور **قوله**: ولا بالقصر والمد قصر وقفاً تمیز ہے ای سمت متابعة صفوہ.

ترجمہ: اور لنفسی (اذھب کی یاء کا فتحہ مدلول سما نافع وابن کثیر اور ابوعمرو کے) بلند (اور مشہور) ہے (اور) ذکری (اذھبا کی یاء کا فتحہ بھی ان ہی کے مدلول سما ہی کے لیے مرتفع ہے اور قومی اتخذوا کی یاء کا فتحہ بھی صاحب ہمزہ الرضی وحاء حمید وھاء ھدی نافع وابوعمرو اور بزی کے لیے) پسندیدہ (اور) محمود ہدایت ہے (اور) بعدی اسمہ احمد کی یاء کا فتحہ مدلول سما وصاحب صاد صفوہ ابوبکر شعبہ کے لیے) جو ہے اس کی صفائی (صحت باعتبار متابعت کے بلند (اور مشہور) ہے (یعنی اس کا فتحہ

چونکہ صحیح نقل سے ثابت ہے اس لیے اس کی متابعت وموافقت بلند اور مشہور ہوگئی ہے اب اس کے بعد ناظمؒ ان یاءات مختلفہ کو بیان فرماتے ہیں کہ جو ہمزہ کے علاوہ دوسرے حروف سے پہلے واقع ہیں۔

وَمَــعْ غَيْرِ هَمْزٍ فِي ثَلٰثِيْنَ خُلْفُهُمْ
وَمَحْيَاىَ جِئْ بِالْخُلْفِ وَ الْفَتْحُ خُوِّلَا

ش: قوله: خلفهم ای خلف القراء مبتدا اور **قوله**: مع غیر همز اس کی خبر ہے اور **قوله**: فی ثلثین ای یاء متعلق خبر کے ہے **قوله**: ومحیای ای یاء محیای مبتدا اور **قوله**: جئ امر کا صیغہ ہے اور **قوله**: بالخلف اس کے متعلق ہے پھر جملہ بتقدیر فیہا مبتدا کی خبر ہے **وهو متناول بمقول فيه كما هو مقرر في امثاله** اور شعلہ کے قول پر جئ ماضی مجہول کا صیغہ ہے ہمزہ کو ضرورۃ حذف کر دیا گیا ہے۔**قوله**: والفتح خوّلا بالف الاطلاق ای اعطی وملک جملہ اسمیہ ہے۔

ترجمہ: اور غیر ہمزہ (دوسرے حروف) کے ساتھ تیس (یاءات کے فتحہ وسکون) میں ان قراء) کا خلاف ہے اور محیای (کی یاء) جو ہے تم (اس میں صاحب جیم جی ورش ہی کے لیے) خلاف کے ساتھ (یعنی فتحہ وسکون دونوں) لے آؤ (کیونکہ یہ دونوں صحیح نقول سے ثابت) اور (مرموز خاء خولا نافع کے علاوہ باقی چھ قاریوں کے لیے اس کی یاء کو) فتحہ دیا گیا ہے (اور اس کا مالک بنا دیا گیا ہے پس اس سے نکل آیا کہ باقی کے لیے (جو صرف قالون ہیں اس میں صرف سکون ہے۔

وَعَمَّ عُلًا وَجْهِيْ وَبَيْتِيْ بِنُوْحٍ عَنْ
لِوًى وَسِوَاهُ عُدَّ اَصْلًا لِيُحْفَلَا

ش: قوله: وجهی ای فتح وجهی عَمَّ جملہ اسمیہ مقدم الخبر ہے اور **قوله**: عم کا فاعل ضمیر ہے جس کا مرجع فتحہ ہے۔ **قوله**: علاً بضم العين مقصوراً منوناً تمیز ہے ای عم علاؤہ اور **قوله**: بیتی ای فتح یاء بیتی عن لوی ای عن ذی لوی دوسرا جملہ ہے اور لوی مقصور للوزن ہے اور اس کے معنی علم اور شہرت کے ہیں فقد ورد لکل غادرٍ لواءٌ یوم القیمة اور **قوله**: متعلق مبتدا کے ہے اور اس کی تنوین کا حذف وزن کی بناء پر ہے منع صرف کی بناء پر نہیں کیوں کہ حاء پر کسرہ آرہا ہے اس کو جعبریؒ نے ذکر کیا ہے اور ملا علی قاریؒ کے نزدیک اس کو غیر منصرف قرار دیتے ہوئے حاء پر فتحہ جائز ہے اس لیے کہ یہ سورۃ کا نام ہے یعنی علم ہے اور یہی اولیٰ ہے بہ نسبت شعلہ کے اس قول کے کہ یہ ثلاثی ساکن الاوسط ہونے کی باوجود ضرورۃً یا لغت ضعیفہ کی بناء پر غیر منصرف ہے کیونکہ یہاں اس سے مراد نبی علیہ السلام کا نام ہے علم نہیں ہے واللہ اعلم۔

قولہ:سواہ‌ای فتح یاء سوی موضع نوح عدّ کبریٰ ہے اور **قولہ**: عدّیا تو امر محذوف المفعول ہے ای عدّہ یا ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور **قولہ**:لیحفلاای لیھتمّم بہ او یجتمع علیہ منصوب بان مقدرہ بعد لام عاقبت ہے اور اس کا الف اطلاقیہ ہے۔

ترجمہ: اور وجھی (کی یاء کا فتح مدلول عمّ وعین علا نافع (ابن عامر اور حفص کے لیے) بلندی کے اعتبار سے (اور مشہور ہے) اور بیتی (مؤمنا کی یاء کا فتحہ بھی سورہ) نوح میں (صاحب عین عن ولام لویٰ حفص ہشام ہی کیلئے) شہرت والے (قاری) سے (ثابت) ہے اور اس (نوح والے بیتی) کے علاوہ (باقی بیتی میں جو (یاء کا فتحہ صاحب عین عُدّ وھمزہ اصلا ولام لیحفلا حفص ونافع اور ہشام کے لیے) ہے (اس فتحہ کو) اصل شمار کرو (یا یہ فتحہ اصل شمار کیا گیا ہے تاکہ یہ (فتح بھی) اہتمام سے پڑھا جائے (اور اس کا بھی اہتمام کیا جائے اس لیے کہ اضافت کی یاء میں فتح بھی اصل ہے پس جن حضرات نے اس کی یاء میں فتح پڑھا ہے وہ بھی حق پر ہیں باقی ان کے علاوہ پانچ قراء کے لیے اس کی یاء میں ہر جگہ سکون ہے۔

وَمَعْ شُرَكَائِي مِنْ وَرَائِي دَوَّنُوا
وَلِيْ دِيْنِ عَنْ هَادٍ بِخُلْفٍ لَهُ الْحُلا

ش: **قولہ**:مِنْ وَّرائیِ ای افتح یاء من ورائی دوّنواای اثبت القراء جملہ اسمیہ یا فعلیہ ہے اور **قولہ**:مع شرکائی مفعول سے حال ہے **قولہ**: ولی دین‌ای فتح یاء ولی دین عَنْ ھادٍ ای عن قاری ھادٍ جملہ اسمیہ ہے اور ولی دین کا یا تو تلاوت کا ہے یا عاطفہ ہے اور **قولہ**: بخلف حال ہے اور **قولہ**: الحُلا جملہ اسمیہ بخلف کی صفت ہے (قاری)

ترجمہ: اور من ورائی (کی یاء کے فتحہ) کو مع شرکائی (کی یاء کے فتحہ) کے قراء نے ثابت (اور جمع) کیا ہے (پس ان دونوں کی یاء میں صاحب دال دوّنوا (ابن کثیر کے فتحہ ہے اور ولی دین (کی یاء کا فتحہ) ایسے (قاری) ھادی سے بحالت خلاف (ثابت) ہے جس کے لیے زینتیں (عمدہ اور بہترین دلائل ہیں (یعنی ولی دین جو سورہ کافرون میں ہے اس کی یاء میں صاحب عین ولام لہ وھمزۃ الحلا حفص وھشام اور نافع کے لیے بلا خلاف فتحہ اور صاحب ھا ھادٍ بزّی کے لیے خلاف کے ساتھ فتحہ اور سکون دونوں ہیں اور باقی قراء کے لیے صرف سکون ہے

مَمَاتِيَ أَتَى أَرْضِيَ صِرَاطِي ابْنُ عَامِرٍ
وَفِي النَّمْلِ مَالِيَ دُمْ لِمَنْ رَاقَ نَوْفَلا

ش: **قوله**:مما تی ای فتح یاء مماتی اتی جملہ اسمیہ ہے وکذا فتح ارضی وصراطی ابن عامر ای قرأته اور **قوله**: فی النمل ما لی لمن راق ای صفا أو اعجب بھی جملہ اسمیہ ہے اور **قوله**:دم جملہ دعائیہ معترضہ ہے ای عشت عشیة مرضیة اور **قوله**:نوفلا دونوں فعلوں میں سے کسی ایک کے فاعل سے حال ہے اور نوفل بروزن فَوْعَلُ کے معنی کثیر العطا کے ہیں۔

ترجمه: (اور) مماتی کی یاء کا فتحہ صاحب ہمزہ اتی نافع ہی کے لیے) آیا ہے (اور ارضی (واسعةً اور صراطی مستقیما کی یاء کا فتحہ) ابن عامر (کی قراءۃ) ہے اور (سورہ) نمل میں مالی (لا کی یاء کا فتحہ) خدا کرے تو ہمیشہ عیش کرے پسندیدہ عیش ان حضرات کے لیے ہے جو کثیر العطاء ہوتے ہوئے (ظاہری وباطنی اعتبار سے) صاف ہیں (اور اپنی خوب سخاوت کے باعث دوسروں کو تعجب میں ڈال دے خلاصہ یہ ہے کہ اس سورہ نمل کے مالی لا کی یاء میں صاحب دال دم ولام لمن وراء راق ونون نوفلا ابن کثیر وہشام وکسائی وعاصم کے لیے فتحہ وباقی قراء کے لیے سکون ہے)

وَلِیْ نَعْجَةٌ مَا كَانَ لِي اثْنَيْنِ مَعْ مَعِيْ
ثَمَانِ عُلًى وَ الظُّلَّةُ الثَّانِ عَنْ جَلا

ش: **قوله**:ولی نعجة ای وفتح ولی نعجة مبتدا اور اس کی واؤ میں تلاوت یا عاطفہ دونوں کا احتمال ہے اور **قوله**:اثنین حال ہے ای مکررًا او بالغًا اثنین **قوله**:مع معی یہ بھی پہلے دونوں کلمات سے حال ہے ای کائنان مع معی اور **قوله**: ثمان ترکیب میں معی سے حال ہے اور شعلہ کے نزدیک هو مقدر کی خبر ہے جس کا مرجع معی ہے اور اس میں یاء کا حذف لغت لعلی اری باق کی بناء پر ہے **قوله**: عُلًى ای ذو علی مبتدا کی خبر ہے اور اثنین کی تذکیر لی سے لفظ مراد لیے ہوئے ہے اور ثمان کی تانیث معی کو کلمہ مانتے ہوئے ہے **قوله**: والظلة بضم اوله ای حرفها عن جلا بکسر الجیم وقصر الموقف دوسرا جملہ ہے الثان ترکیب عن الظلة سے بدل البعض ہے اور اس میں یاء کا حذف کسرہ کی دلالت کے سبب سے ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمه: (اور) ولی نَعْجَة (کی یاء کا فتحہ اور) ماکان لی (کی یاء کا فتحہ) درانحالیکہ یہ دو (جگہ مکرر ہے) مع معی (کی یاء کا فتحہ) کے کہ یہ آٹھ (جگہ) ہے صاحب عین علی حفص ہی کے لیے) بلندیوں والا ہے اور) ظلّہ (شعراء کا) دوسرا لفظ معی جو ہے اس کی یاء کا فتحہ صاحب عین عن وجیم جلا حفص وورش ہی کے لیے) ظاہر (اور مشہور قاری) سے ہے۔

وَمَعْ تُؤْمِنُوْا لِيْ يُؤْمِنُوْابِيْ جَاوَيَا
عِبَادِيَ صِفْ وَالْحَذْفُ عَنْ شَاكِرٍ دَلَا

ش: **قولہ**:یؤمنوا لی ای فتح یاء یؤمنوا بی جاء بالقصر کبریٰ اور **قولہ**:مع تؤمِنُوا لی فاعل سے حال ہے **قولہ**:یا عبادی صف ای اذکر جملہ اسمیہ ہے اور عائد محذوف ہے اصفہ للتناسب یا جملہ فعلیہ ہے اور اس کا مفعول مقدر ہے جو یاعبادی ہے **قولہ**: والحذف ای حذف الیاء عن شاکر ای عن قاری شاکر جملہ اسمیہ ہے اور **قولہ**:ولا ترکیب میں شاکر کی صفت ہے اور یہ مثل ادنیٰ کی اخرج دَلْوَہٗ ملیء کے معنی میں مستعمل ہے۔

ترجمہ: اور ولیؤمنو ابی(کی یاء کا فتحہ)مع تؤمنوالی (کی یا کے فتحہ) کے صاحب جیم جآء ورش ہی کے لیے) آیا ہے (اور کسی کے لیے نہیں)اور تم (سورہ زخرف میں)یا عبادی (کی یاء کے فتحہ) کو صاحب صاد صف ابوبکر شعبہ ہی کے لیے بیان کرو اور اس میں یاء کا) حذف ایسے ہی (قاری) شاکر سے ہے جس نے (اپنا ڈول بھرا ہوا نکالا ہے (یعنی وہ اس فن قراءۃ میں سب سے بڑا ماہر اور پوری طرح کامیاب ہے نیز اس سے اس طرف بھی اشارہ ہے کہ یہ حذف والی قرأۃ قوی بھی ہے کیونکہ باب نداء میں اثبات یاء سے حذف یاء افصح ہے چنانچہ اسی وجہ سے بعض مصاحف میں یاء رسماً محذوف ہے خلاصہ یہ ہے کہ یا عبادی کی یاء کو صاحب عین عن وشین شاکر ودال دلا حفص وحمزہ وکسائی اور ابن کثیر نے دونوں حال وصل ووقف میں حذف کر کے پڑھا ہے پس حذف اور فتح کی ضد سے نکل آیا کہ باقی قراء کے لیے دونوں حال میں یاء کا اثبات اور سکون یعنی یا عبادی ہے۔

وَفَتْحُ وَلِيْ فِيْهَا لِوَرْشٍ وَحَفْصِهِمْ
وَمَا لِيْ فِيْ يٰسٓ سَكِّنْ فَتَكْمُلَا

ش: **قولہ**:سکّن امر کا صیغہ ہے اور **قولہ**:ومالی ای ویاء ومالی اس کا مفعول ہے اور **قولہ**:فی یٰس ظرف ہے اور **قولہ**: فتکملا من الکمال والاکمال بنا بر جواب امر منصوب بان مقدرہ بعد الفاء ہے اور اس کا الف اطلاقیہ ہے ای فتصیر کاملاً ای فتکمل معرفۃً مواضع الخلاف فی یاء الاضافۃ وفیہ ایماءٌ الی حسن المقطع فی تمام الباب (قاری)

ترجمہ: اور ولی فیھا (کی یاء) کا فتحہ ورش اور ان (قراء) میں کے حفص کے لیے ہے اور (وہ)مالی (لا کی یاء) کو سورہ)یٰسٓ میں (صاحب فاء فتکملا) حمزہ کے لیے) ساکن پڑھو تا کہ تم یاء اضافت کے مواضع

خلاف کی معرفت میں) کامل ہو جاؤ (پس باقی قراء کے لیے اس میں فتحہ پڑھنا ظاہر ہے جو سکون کی ضد سمجھا گیا ہے۔اسی طرح اس باب میں جن کے لیے فتحہ بیان کیا گیا ہے ان کے غیر کے لیے سکون اور جن کے لیے سکون ذکر کیا ہے ان کے غیر کے لیے فتحہ سمجھنا چاہیے کیونکہ فتحہ کی ضد سکون اور سکون کی ضد فتحہ ہے سمجھ تو۔

بَابُ مذَاهِبِهِمْ فِي الْيَاءَ اتِ الزَّوَائد ﴿۲۵﴾

یعنی یہ باب قراء کے ان مذاہب اور قواعد کے بیان میں ہے کہ جو یاءات زوائد میں اثبات وحذف کے قبیل سے ہے یہاں یاءات زوائد سے مراد وہ یاءات ہیں کہ جو قرآن میں لکھی ہوئی نہیں ہیں پس ان میں جو اختلاف ہے وہ اثبات اور حذف میں ہے یعنی بعض نے اس یاء کو پڑھا ہے اور بعض نے رسم خط کے موافقت کرتے ہوئے نہیں پڑھا ہے اور یاد رکھو کہ یہ یاءات کلمہ کے آخر میں ہوتی ہیں اسماء میں بھی اور افعال میں بھی جیسے الواد والمناد والتناد ویات ونبغ ونرقع وغیرہ لام کلمہ کی جگہ بھی ہوتی ہیں۔جیسا کہ مذکورہ مثالوں میں ہیں اور کبھی موضع جر نصب میں اضافت کے لیے بھی ہوتی ہے۔جیسے دعائی واخرتنیٔ پھر یہ یاءات دو قسم کی ہیں ایک تو وہ ہیں جو رؤس ای ہیں جیسے المتعالی دوسرے وہ جو رؤس ای نہیں ہیں جیسے وخافون ان کنتم پس ان میں سے جو یاءات رسماً ثابت ہیں ان میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے سب کے لیے صرف اثبات ہی ہے اور جو رسم میں ثابت نہیں ہیں بلکہ محذوف ہیں تو ان میں اکثر کے لیے حذف ہے اور ان میں سے جن یاءات میں اختلاف ہے اکثر تو اسی باب میں ذکر کی گئی ہیں اور بعض کو سورتوں میں بیان کیا ہے اور یاد رکھو کہ جو یاءات اس باب میں بیان کی جائیں گی ان میں اختلاف اثبات وحذف کا صرف وصل میں یاء وصل ووقف دونوں حالتوں میں ہوگا اور جن کا ذکر سورتوں میں آئے گا ان میں وصلاً تو سب کے لیے حذف ہی ہے اور وقفاً بعض کے لیے اثبات اور بعض کے لیے حذف ہے واللہ اعلم۔

دُونَــكَ يَاءَاتٍ تُسَمّٰى زَوَائِــدًا
لِأَنْ كُنَّ عَنْ خَطِّ الْمَصَاحِفِ مَعْــزِلَا

ش: قوله: دونک اغراء ہے یعنی کسی کو کسی کام کے لیے آمادہ کرنا اسی وجہ سے یہ الزام کے معنی میں ہوتا ہے اور **قوله**:تسمیٰ میں روایۃً تاء کا ضمہ ہے اگرچہ فتحہ بھی جائز ہے پس اس صورت میں ایک تاء محذوف ہوگی اور ضمہ کی حالت میں یہ متعدی بدو مفعول ہے جن میں سے پہلا مفعول ضمیر ہے جس کا مرجع یاءات ہے

جو اس کا نائب فاعل ہے اور دوسرا **قولہ**: زوائدا ہے اور فتحہ کی تقدیر پر صرف اس کا ایک مفعول ہوگا اور **قولہ**: زوائدا اسی طرح لوامعا جو آئندہ شعر میں آئے گا علی مذہب المخیر کہ جس کے جواز کی طرف ابن حاجب نے بھی اشارہ فرمایا ہے منصرف ہے اور **قولہ**: لان کن متعلق تسمی کے ہے اور کن کا اسم ضمیر ہے جس کا مرجع یاء ات ہے اور **قولہ**: معزلا بکسر الزاء مصدر میمی ای ذات عزل یعنی خارجۃً اس کی خبر ہے اور عن اسی کے متعلق ہے۔

ترجمہ: اور تم ان یاءات کو لے لو جو نام رکھی جاتی ہیں زوائد اس سبب سے کہ وہ خط مصاحف سے خارج ہیں (یعنی ان کو زوائد اس لیے کہتے ہیں کہ یہ مصاحف عثمانیہ میں لکھی ہوئی نہیں ہیں بلکہ رسم خط پر تلفظاً وتلاوۃً زائد ہوا کرتی ہے اب اس کے بعد ناظم اس کا حکم بیان فرماتے ہیں کہ کون قراء ان کو وصل وقف دونوں حال میں ثابت رکھتے ہیں اور کس کے لیے دونوں حال میں خلف ہے اور کسی نے صرف حالت وصل میں اثبات یاء کیا ہے۔

وَتَثْبُتُ فِي الْحَالَيْنِ دُرًّا لَـــوَامِعًـــا
بِخُلْفٍ وَأُولَى النَّمْلِ حَمْـــزَةُ كَمَّلَا

ش: **قولہ**: تثبت اکثر نسخوں میں معروف ہی ہے لیکن جعبریؒ کے قول پر مجہول بھی ہے اور **قولہ**: فی الحالین ای فی حال الوصل والوقف اس کا ظرف ہے اور **قولہ**: دُرّا بضمّ اولہ ای لؤ لؤا کبیراً ترکیب میں تثبت کی ضمیر فاعل سے حال اول ہے ای مشبھۃ اور **قولہ**: لوامعًا دوسرا حال ہے اور اگر اس کو درًّا کی صفت قرار دیا جائے تو یہ بھی کچھ بعید نہیں ہے اس لیے کہ درًّا اسم جنس ہے جو جمع کے معنی میں ہے۔ **قولہ**: بخلف ترکیب میں لوامعاً سے حال ہے اور یہ زیادہ واضح ہے اس سے کہ جعبریؒ نے کہا ہے کہ یہ تیسرا حال ہے۔ **قولہ**: اولی النمل مبتدا اول۔ **قولہ**: حمزۃ مبتدا ثانی ہے اور **قولہ**: کملا اس کی اور جملہ اسمیہ مبتدا اول کی خبر ہے ای کملہ بالاثبات.

ترجمہ: اور یہ (یاءات زوائد وصل ووقف) دونوں حال میں (صاحب دال درًّا ابن کثیر کے لیے بلا خلاف اور صاحب لام لوامعًا ہشام کے لیے) بحالت خلاف ثابت رہتی ہیں۔ درانحالیکہ یہ (یاءات صفائی میں بڑے) موتی کے مشابہ روشن (اور چمکدار ہیں اور (سورہ) نمل کا پہلا (لفظ) جو (اتمدوننی) ہے (اس کو حمزہ نے (دونوں حال میں یاء کے اثبات کے ساتھ) کامل کیا ہے (یعنی انھوں نے وصل ووقف دونوں حالتوں میں اس کی یاء کو ثابت رکھا ہے اب رہا سورہ نمل کا دوسرا لفظ جو فما اتان اللہ ہے اس میں ان

کے لیے یاء کا حذف ہی ہے۔

وَفِیْ الْوَصْلِ حَمَّادٌ شَکُوْرٌ اِمَامُہُ
وَجُمْلَتُھَا سِتُّوْنَ وَاثْنَانِ فَاعْقِلَا

ش: قولہ: فی الوصل متعلق مقدر کے ہے ای وتثبیتھا ای الیاء ات اور **قولہ**: حمادٌ اسی فعل مقدر کا فاعل ہے اور **قولہ**: شکورٌ صفت اور **قولہ**: اِمَامُہٗ فاعل صفت ہے یا یہ مبتدا مقدم الخبر ہے اور ضمیر (ہ) کا مرجع حمادٌ ہے **قولہ**: جملتھا ای جملۃ الیاء ات الزوائد المختلفۃ اثنان وستون جملہ اسمیہ ہے اور اثنان کو جو مذکر لائے ہیں وہ اس لیے کہ حروف میں تذکیر وتانیث دونوں جائز ہیں۔
قولہ: فاعقلا ای فافھم میں الف بدلے میں نون خفیفہ کے ہے اور یہ جملہ مستانفہ ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور (صرف حالت) وصل میں (صاحب حاء حماد وشین شکور وھمزہ امامہ ابوعمرو وحمزہ وکسائی اور نافع کے لیے ثابت رکھتا ہے ان یاءات کو (وہ) کثیر الحمد (قاری) جس کا امام یعنی شیخ) بہت بڑا شکر گذار ہے اور ان (یاءات زوائد مختلفہ) کا مجموعہ ساٹھ اور دو باسٹھ) ہے پس تم (ان کو) خوب سمجھ لو (اور یاد کر لو)

ف: یاد رکھو کہ ناظمؒ نے ان دو بیتوں میں ان یاءات زوائد مختلفہ کے متعلق جو باسٹھ ہیں ایک ضابطہ یا اپنی ایک اصطلاح بیان فرمائی ہے وہ یہ ہے کہ ان یاءات میں سے جس یاء میں کسی قاری کے لیے وصل ووقف کی قید کے بغیر اثبات بیان کیا جائے گا اگر وہ ہشام اور ابن کثیر یا ان کے دو راویوں میں سے کوئی راوی ہے تو ان کے لیے وصل ووقف ہر دو حال میں اثبات ہوگا اور اگر وہ حمزہ ہیں تو ان کے لیے سورہ نمل کے پہلے لفظ اتمدوننی کی یاء میں ہر دو حال میں اور باقی میں جہاں ان کے لیے اثبات یاء ہوگا وہ بحالت وصل ہی سمجھا جائے گا اور اگر نافع وابوعمرو اور کسائی میں سے کوئی ہوں یا ان کے راویوں میں سے کوئی ہو تو ان کے لیے بھی ہر دو جگہ وصلاً ہی اثبات یاء ہوگا۔ وقف میں نہیں ہوگا اور چونکہ ہر جگہ یہ بیان کرنا کہ ان کے لیے حالین میں اثبات ہے اور ان کے لیے صرف وصل میں ہے یہ مشکل تھا اور نہ بیت میں اس کی گنجائش تھی اس لیے انہوں نے اس کو دو بیتوں میں بیان فرما دیا اب اس کے بعد ان باسٹھ یاءات کی تفصیل اور حکم بیان فرماتے ہیں۔

فَیَسْرِی اِلَی الدَّاعِ الْجَوَارِ الْمُنَادِیھْ
دِیَنْ یُؤْتِیَنْ مَعْ اَنْ تُعَلِّمَنِیْ وِلَا
وَاَخَّرْتَنِیْ الْاِسْرَا وَتَتَّبِعَنْ سَمَا
وَفِی الْکَھْفِ نَبْغِیْ یَاْتِ فِیْ ھُوْدَ رُفِّلَا

سَمَا وَدُعَائِی فِیْ جَنَا حُلْوِ هَدْیِه
وَفِیْ اتَّبِعُوْنِیْ اَهْدِكُمْ حَقُّهُ بَلَا
وَاِنْ تَرَنِیْ عَنْهُمْ تُمِدُّنَنِیْ سَمَا
فَرِیْقًا وَیَدْعُ الدَّاعِ هَاكَ جَنًا حَلَا

ش: **قوله**: فیسری ای اثبات یاء فیسری مبتدا ہے اور **قوله**: الی الداع سے **قوله**: یؤتین تک سب معطوف بمقدار ہیں اور **قوله**: مع ان تعلمنی ان پانچوں کلمات سے پہلے حال اور **قوله**: ولا ای متابعة دوسرا ہے اور اس بیت کا پہلا اور آخری کلمہ روایۃ باثبات الیاء ہے۔ اور ملاعلی قاریؒ کے نزدیک فیسری میں وزن شعر کی بناء پر یاء کا حذف بھی جائز ہے **قوله**: اخرتنی اس کا عطف ان تعلمنی پر ہے اور چونکہ اس سے مراد لفظ ہے نہ کہ فعل اس لیے اس کی اضافت اسرا کی طرف جائز ہوگی **قوله**: سما مبتدا کی خبر ہے **قوله**: نبغی ای یاء نبغی باثباتها فی الرّوایة مبتدا ہے اور **قوله**: فی الکهف ظرف ہے اور **قوله**: رفلا کا الف اطلاقیہ ہے یا تثنیہ کا ہے لیکن اس صورت میں آئندہ بیت کے سما سے مناسبت نہیں رہتی اس لیے اول ہی اولیٰ ہے **قوله**: سما اس کا عطف یا تو بتقدیر عاطف رُفِلا پر ہے یا جملہ مستانفہ ہے۔ **قوله**: دعائی ای اثبات یاء دعائی فی جنا جملہ اسمیہ ہے اور **قوله**: حلو هدیه دونوں مضاف ہیں اور ضمیر (ہ) کا مرجع اثبات ہے **قوله**: فی اتبعونی اهدکم مبتدا اور **قوله**: حقه ای اثباته بلا ای اختبر جملہ اسمیہ اس کی خبر ہے **قوله**: وان ترنی ای اثبات یاء وان ترنی عنهم جملہ اسمیہ اور ضمیر ہم کا مرجع مدلول حقه بلا ہے۔ **قوله**: هاک ای خذه اور **قوله**: جنا ای خذه کی ضمیر مفعول سے حال ہے اور **قوله**: حلا صفت ہے ای نظماً طَرِیًّا لذیذًا.

ترجمہ: پس (اذا) یَسْرِی (سورہ فجر میں اور مهطعین) الی الداعی (سورہ قمر آیاته) الجواری (سورہ شوریٰ اور) المنادی (من مکان سورہ ق اور عسٰی ان) یهدینی اور ان یُّوتینی درانحالیکہ یہ (سب کلمات) ان تعلمنی کے ساتھ متابعت والے ہیں اور (سورہ) اسرا کا (لئن) اخرتنی (الی) اور (الّا) تَتَّبِعَنِیْ (ان سب تو کلمات کی یاء کا اثبات مدلول سما نافع وابن کثیر وابوعمرو کے لیے) بلند (و مشہور) ہے اور سورہ کہف میں) ما کُنّا نبغی (کی یاء کا اثبات اور یوم) یاتی (کی یاء کا اثبات سورہ) ہود میں (صاحب راء رُفلا کسائی اور مدلول سما کے لیے) (معظم (بلند اور مشہور) ہے اور (تقبل) دعآئی (کی یاء کا اثبات صاحب فاء فی وجیم جنا وحاء حلو وهاء هدیه حمزہ ورش وابو عمرو اور

بزی کیلئے) اپنی شیریں خصلت کا پھل چننے میں لگا ہوا ہے (یعنی یہ خود بھی عمدہ اور لذیذ ہے اور دوسروں کے لیے بھی پسندیدہ اور بہترین ہے) اور اتبعونی اھد کم میں جو یاء کا اثبات مدلول حق و صاحب یاء ابن کثیر وابو عمرو اور قالون کے لیے) ہے اس حق نے (یعنی اس اثبات کے حق اور صحیح ہونے نے اس کو خود) آزمایا ہے (پس اس میں اثبات ہی کو جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے صحیح اور درست پایا ہے نہ کہ حذف کو اور ان ترنی (کی یاء کا اثبات بھی) ان ہی مدلول حق و باء بلا) سے (ثابت) ہے (اور) اتمدوننی (سورہ نمل کی یاء کا اثبات مدلول سما صاحب فاء فریقاً حمزہ کے لیے) ایک فریق (اور جماعت) کے اعتبار سے بلند ہے (یعنی اس کے ناقلین بڑے اونچے درجہ کے اور بہت مشہور ہیں اور یدع مدلول الداعی (قمر کی یاء کا اثبات) جو (صاحب ھاء ھاک وجیم جنا وحاء حلا بزی ورش اور ابو عمرو کے لیے) ہے تم (اس کو) لے لو درانحالیکہ یہ شیریں چنا ہوا پھل ہے (یعنی یہ جو نظم کیا گیا ہے نہایت ہی عمدہ اور لذیذ ہے)۔

تنبیہ: یاد رکھو کہ اشعار مندرجہ بالا میں فیسری سے تتبعن تک ان نو کلمات میں مدلول سما کے لیے یاء کا اثبات بیان کیا گیا ہے اور ابن کثیر کے لیے وصلا ووقفا دونوں حالتوں میں اور نافع وابو عمرو کے لیے صرف وصلاً ہے اور وما کنا نبغی جو سورہ کہف میں ہے اور یوم یأتی جو سورہ ہود میں ہے ان دونوں کی یاء کا اثبات کسائی اور نافع اور ابو عمرو کے لیے صرف وصل میں اور ابن کثیر کے لیے دونوں حال میں ہوگا اور تقبل دعائی کی یا کا اثبات (جو سورہ ابراہیم میں ہے حمزہ اور ورش اور ابو عمرو کے لیے وصلاً اور بزی کے لیے دونوں حال میں ہے اور یقوم اتبعونی اھد کم جو سورہ غافر میں ہے یاء کا اثبات مدلول حق میں سے ابن کثیر کے لیے ہر دو حال میں اور ابو عمرو اور قالون کے لیے صرف وصل میں ہوگا اور ان ترنی میں جو ان ہی مدلول حق اور قالون کے لیے اثبات یاء ہے ان میں سے ابن کثیر کے لیے دونوں حال میں اور ابو عمرو اور قالون کے لیے صرف وصلاً ہے اور اتمدوننی جو سورہ نمل میں ہے اس کی یاء کا اثبات جو مدلول سما میں سے ابن کثیر اور حمزہ کے لیے وصلا ووقفا دونوں حال میں اور نافع اور ابو عمرو کے لیے صرف وصلاً ہے اور یدع الداعی جو سورہ قمر میں ہے اس کی یاء میں بزی کے لیے دونوں حال میں اور ورش وابو عمرو کے لیے صرف وصل میں اثبات یاء ہے باقی کے لیے ان سب میں وصلاً ووقفاً حذف ہے۔ واللہ اعلم۔

وَفِي الْفَجْرِ بِالْوَادِيْ دَنَا جَرَيَانُهُ
وَفِي الْوَقْفِ بِالْوَجْهَيْنِ وَافَقَ قُنْبُلَا

ش: قولہ: بالوادی ای اثبات یاء بالوادی مبتدا اور **قولہ**: فی الفجر ظرف ہے اور **قولہ**: دنا

جریانه جملہ فعلیہ اس کی خبر ہے اور ضمیر (ہ) کا مرجع بالوادی ہے **قوله**: بالوجهین ترکیب میں **قوله**: وافق کے فاعل سے حال ہے ای کائنا بالوجهین **قوله**: وافق قنبلا یہ اصل میں وافق قنبل اثبات بالواؤ تھا پھر قلب کرلیا گیا۔

ترجمه: اور (سورہ) فجر میں بالوادی (کی یاء کا اثبات صاحب دال وفا وجیم جریانه ابن کثیر و ورش کے لیے) جو ہے اس کا جاری ہونا (ہمارے قریب ہے اور وقف میں دو وجہ کے ساتھ ہوتے ہوئے اس (بالوادی) نے قنبل کی موافقت کی ہے یعنی قنبل کے لیے اس میں بحالت وقف اثبات وحذف دونوں ہیں خلاصہ یہ ہے کہ بالواد میں ورش کے لیے وصلا اور بزی کے لیے دونوں حال میں یاء کا اثبات ہے اور قنبل کے لیے وصل میں صرف اثبات اور وقف میں اثبات وحذف دونوں ہیں ان کے علاوہ باقی قراء کے لیے ہر دو حال میں حذف ہے۔

وَأَكْرَمَنِي مَعْـــهُ أَهَانَـــنِ إِذْ هَدٰى
وَحذْفُهُمَـــا لِلْمَـــازِنِيْ عُدَّ أَعْــدَلَا

ش: **قوله**: اکرمنی ای اثبات یا اکرمنی مبتدا ہے اور **قوله**: معه اهانن بسکون العین بالصلة روایۃ حال ہے اور نقل مقدر خبر ہے **قوله**: اذ هدیٰ میں اذ تعلیلیہ اور هدیٰ بمعنی دل ہے ای دل الاثبات **قوله**: حذفهما مبتدا اور ضمیر هما کا مرجع یائین ہے اور **قوله**: للمازنی اس کے متعلق ہے اور اس کی یاء کی تخفیف لغۃ ہے اور **قوله**: عُدّ بصیغۃ المجہول مبتدا کی خبر ہے۔

ترجمه: اور اکرمنی درانحالیکہ اس کے ساتھ اهانن (بھی) ہے (ان دونوں کی یاء کا اثبات صاحب ہمزہ اذ وهاء هدیٰ نافع وبزی کے لیے نقل کیا گیا ہے اس لیے کہ اس (اثبات) نے (اپنے قاری کی) رہبری کی ہے اور ان دونوں (یاء) کا حذف (ابوعمرو) مازنی کے لیے (اثبات سے) زیادہ بہتر شمار کیا گیا ہے (یعنی ان کے لیے وصلا اثبات وحذف دونوں صحیح ہیں لیکن حذف اولی اور زیادہ مشہور ہے اور وقفا ان کے لیے صرف حذف ہی ہے باقی قراء کے لیے ہر دو حال میں حذف ہے)۔

وَفِي النَّمْلِ اٰتٰنِ وَ يُفْتَحُ عَنْ أُولِي
حِمًى وَخِلَافُ الوَقْفِ بَيْنَ حُلًا عَلَا

ش: **قوله**: اٰتٰنی ای اثبات یا اٰتٰنی فی النمل جملہ اسمیہ اور **قوله**: یفتح بصیغة المجهول ای ویفتح الیاء جملہ فعلیہ ہے اور **قوله**: عن الخ اس کے متعلق ہے اور **قوله**: وخلاف الوقف علا

جملہ کبریٰ ہے اور **قوله**: بین حلا بالضم والقصر منوناً ترکیب میں یا تو کائنا کا ظرف ہے جو علا کے فاعل سے حال ہے یا خود علا کا ظرف ہے واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور (سورہ) نمل میں اتانی (اللہ کی یاء کا اثبات صاحب عین عن وهمزہ اولی وحاء حمی حفص ونافع اور ابوعمرو کے لیے) ہے (پھر) یہ (یاء بعد اثبات ان ہی مذکورین کے لیے مفتوح پڑھی جاتی ہے اور (اس یاء میں) خلاف وقف زینتوں کے درمیان (ہوتے ہوئے) بلند ہے (یعنی بہت ہی خوبصورت اور عالیشان ہے پس اس میں بحالت وقف صاحب باء ہیں وحاء حلا وعین علا قالون وابوعمرو اور حفص کے لیے اثبات وحذف دونوں وجہ ہیں خلاصہ یہ ہے کہ سورہ نمل کے فما اتنی اللہ میں ورش کے لیے وصلاً یاء کا اثبات اور اس کا فتحہ ہے اور وقفاً حذف ہے اور قالون وابوعمرو اور حفص کے لیے وصلاً یاء کا اثبات اور اس کا فتحہ ہے اور وقفاً اثبات اور حذف دونوں ہیں جیسا کہ خلاف الوقف سے سمجھا گیا ہے۔ باقی قراء کے لیے ہر دو حال میں رسم خط کے موافق یاء کا حذف ہے)۔

وَمَعْ كَالْجَوَابِ الْبَادِ حَقٌّ جَنَاهُمَا
وَفِي الْمُهْتَدِ الْإِسْرَا وَ تَحْتَ أُخُو حُلَا

ش: **قوله**: الباد ای اثبات یاء الباد مبتدا اور **قوله**: مع کالجواب یا تو اس کی خبر ہے ای یاء الباد ثبت مع کالجواب یا حال ہے اور **قوله**: جناهما ای مجنیهما خبر ہے اور ضمیر هما کا مرجع موضعین ہے یا جناهما مبتدا اور اس کی خبر حق مقدم ہے۔ **قوله**: فی المهتدا الأسراء الخ کی تقدیر وفی یاء المهتد الاسراء اثبات اخو حلا ہے اور **قوله**: تحت متعلق معطوف کے ہے ای فی سورة التی تحتها پس تحت مقطوع الاضافت ہونے کے سبب مبنی علی الضم ہے اور چونکہ المهتد سے مراد لفظ ہے اس میں الف لام اضافت کے لیے مضر نہیں جیسا کہ اس سے پہلے واخرتن میں فعل کی اضافت لفظ مراد لیتے ہوئے ہوئی ہے اور فی المهتد الأسراء کی تقدیر اس طرح پر بھی ہو سکتی ہے ای واشترک فی المهتدی الأسراء والكهف وهو اخو حلا اور **قوله**: وتحت کی تقدیر والذی تحت ہے ای والاثبات فی حرى الأسراء والكهف الذى هو المهتدى اخو حلا. واللہ اعلم (ابراز)۔

ترجمہ: اور (فیہ و) الباد درانحالیکہ یہ سورہ سبا کے) کالجواب کے ساتھ ہے ان دونوں (کی یاء کا اثبات) کا پھل چنا ہوا ٹھیک (اور درست) ہے پس ان دونوں میں مدلول حق وجیم جنا هما ابن کثیر کے لیے دونوں حال میں اور ابوعمرو ورش کے لیے صرف حالت وصل میں یاء کا اثبات ہے) اور (سورہ) اسراء

کا المھتدی اور (اس کے (نیچے (سورہ کہف) میں فھو المھتدی کی یاء کا اثبات زیتون والا ہے (پس ان دونوں میں صاحب ہمزہ اخو اور حاء حلا نافع اور ابوعمرو کے لیے صرف وصلا یاء کا اثبات ہے باقی قراء کے لیے ہر دو حال میں حذف ہے)۔

وَفِی اتَّبَعْنِ فِی الِ عِمْرَانَ عَنْهُمَا
وَکِیْدُوْنِ فِی الْاَعْرَافِ حَجَّ لِیُحْمَلَا
بِخُلْفٍ وَتُؤْتُوْنِیْ بِیُوْسُفَ حَقُّهُ
وَفِیْ هُوْدَ تَسْئَلْنِیْ حَوَارِیْهِ جَمَّلَا

ش: **قوله**: وفی اتبعن ای واثبات الیاء فی اتبعن (باسکان النون) حال کونه بال عمران عن مدلول اخو حلا جملہ اسمیہ ہے **قوله**: وکیدون ای واثبات یاء وکیدون کائنا بالاعراف حجّ ای عمر غلب اثباته فی الحجّة دوسرا جملہ ہے۔ **قوله**: لیحملا بصیغة المجهول ای لینقل اثباته بان مقدره بعد لام التعلیل ہے اور اس کا الف اطلاقیہ ہے اور **قوله**: بخلف اس کے متعلق ہے اس لیے کہ معنی لفظ کی فرع ہیں پس جب کہ اس کا تعلق لیحملا کے لام سے ہے تو لفظاً بھی اسی کے متعلق ہونا چاہئے اور جعبری کے قول پر یہ حج کے متعلق ہے جو اس کے اوپر کے شعر میں ہے **قوله**: تؤتونی ای واثبات یاء تؤتونی حقه جملہ اسمیہ ہے **قوله**: بیوسف ظرف مصدر ہے قول تسئلن ای واثبات یاء تسئلن مبتدا اور **قوله**: فی هود ظرف اور **قوله**: حواریه بتخفیف الیاء لغةً لا ضرورةً ای ناصره علیٰ حد حواریا وقد قرئ به الحواریون دوسرا مبتدا ہے اور **قوله**: جمّلا بفتح الجیم والف الاطلاق اس کی خبر ہے پھر جملہ مبتدا اول کی خبر ہے۔

ترجمه: اور (اثبات یاء ومن) اتبعنی میں درانحالیکہ یہ (سورۃ) آل عمران میں ہے ان ہی دونوں (مدلول اخو حلا نافع وابوعمرو) سے ہے (یعنی اس میں بھی ان ہی دونوں نے وصلاً یاء کا اثبات کیا ہے) اور (ثم) کیدون جو (سورہ) اعراف میں ہے وہ (یعنی اس کی یاء کا اثبات دلائل اور حجت میں) غالب (اور قوی) ہے تاکہ وہ (اثبات صاحب لام لیحملا ہشام کے لیے) خلاف کے ساتھ نقل کر دیا جائے (یعنی ثم کیدون جو سورہ اعراف میں ہے اس میں صاحب حاء حج ابوعمرو کے لیے وصلاً یاء کا اثبات ہے اور ہشام) کے لیے ہر دو حال میں اثبات وحذف دونوں وجہیں ہیں جو خلف سے سمجھی گئی ہیں اور (حتی) تؤتونی جو (سورہ) یوسف میں ہے اس (کی یاء) کا اثبات حق ہے یعنی اس میں مدلول حق ابن کثیر کے

لیے دونوں حال میں اور ابوعمرو کے لیے صرف حالت وصل میں اثبات ہے) اور (سورہ) ہود میں (فلا تسئلنی (کی یاء کا اثبات) جو (صاحب حاء حوار یہ وجیم جملا ابوعمرو ورش کے لیے وصلا) ہے اس کے مددگار نے (اس کو یاء کے اثبات یا دلائل کے سبب سے) خوبصورت (اور حسین) بنایا ہے۔

وَتُخْزُوْنِ فِيهَا حُجَّ اَشْرَكْتُمُوْنِ قَدْ
هَدَا نِ اتَّقُوْنِيْ يَاُوْلِي اخْشَوْنِ مَعْ وَلَا

ش: قوله: وتخزون ای واثبات یاء تخزون فیها ای فی هو د حج ای اغلب المثبت بالاصالة جملہ اسمیہ ہے **قوله**: اشر کتمون ای اثبات یاء اشر کتمون مبتدا ہے اور اس کے مابعد سب معطوفات ہیں اور عنہ مقدر اس کی خبر ہے **قوله**: مع ولا بفتح الواو ولا همزة لان الکلمة من التلاوة ترکیب میں اخشون سے حال ہے ای حال کونه مع ولا پس ولا قید ہے اخشون کی یعنی اخشون سے وہ مراد ہے جس کے بعد ولا تشتروا ہے۔

ترجمه: اور (ولا تخزون (کی یا کا اثبات) اسی (سورہ ہود) میں صاحب حاء حجّ ابوعمرو ہی کے لیے بسبب اصالت) غالب ہے اور (بما) اشر کتمون (اور قد) هدانی (اور واتقونی) یاولی الالباب اور) واخشونی درانحالیکہ یہ ولا (تشتروا) کے ساتھ ہے (ان سب کی یاءات کا اثبات بھی ان ہی ابوعمرو کے لیے بحالت وصل ہے)۔

وَعَنْهُ وَخَافُوْنِي وَمَنْ يَتَّقِيْ زَكَا
بِيُوسُفَ وَافَىٰ كَالصَّحِيْحِ مُعَلَّلَا

ش: قوله: وعنه وخافون جملہ اسمیہ ہے اور خافونی میں واؤ تلاوت کی ہے اور عنہ کی ضمیر کا مرجع ابو عمرو ہے **قوله**: ومن یتقی ای واثبات یاء ومن یتقی زکا بالالف ای نما او ظهر جملہ کبریٰ ہے اور **قوله**: بیوسف ظرف مصدر ہے **قوله**: وافی جاء یتقی المعتل جملہ مستانفہ ہے اور **قوله** معللا فاعل سے حال ای معتلا اور **قوله**: کالصحیح اس کے متعلق ہے۔

ترجمه: اور وخافونی (کی یاء کا اثبات بھی وصلاً) ان ہی (ابوعمرو) سے ہے اور من یتقی (کی یاء کا اثبات سورہ) یوسف میں صاحب زاء زکا قنبل کے لیے وصلا ووقفا قوت میں بڑھا ہوا ہے (یا معترض کے اعتراض سے پاک وصاف) ہے (اور) یہ (من یتقی) معتل لام لاتے ہوئے (بھی) مثل صحیح کے آیا ہے (یعنی اس کا ساکن آخر باوجود حرف علت ہونے کے جو کہ یاء ہے بغیر حذف فعل صحیح کی طرح آیا کیونکہ

اس میں بعض لغات کے موافق جزم یاء پر بھی جاری کیا گیا ہے باقی قراء کی قراءت کے موافق اس کا جزم یاء کے حذف سے نہیں آیا ہے اور یہ بھی لغت فصیح ہے اور وافی کالصحیح معللا کے دوسرے معنی یہ بھی ہو سکتے ہیں جیسا کہ ناظمؒ نے خود حاشیہ میں بیان کئے ہیں کہ یہ لفظ مثل صحیح کے آیا ہے درانحالیکہ یہ قنبل کے لیے شیریں اور عمدہ وصحیح دلیل سے سیراب کیا ہوا ہے پس اس صورت میں معللا علل سے ہوگا جس کے معنی سیراب کرنے کے ہیں نہ کہ بمعنی تعلیل وصاحب البیت ادری بما فیه واللہ اعلم۔

وَفِی الْمُتَعَالِیْ دُرُّهُ والتَّلاقِ وَالْتـ
تَـنَادِ دُرَابَاغِیْهِ بِالْخُلْفِ جُهَّـــلا

ش: قوله: وفی المتعالی ای واثبات یاء فی المتعالی **قوله**: درّه بالضم جملہ اسمیہ ہے اور **قوله**: درا اصل میں درأ تھا بمعنی دفع اس کی ہمزہ کو وصل بہ نیت وقف ساکن کر کے الف سے بدل لیا اور **قوله**: باغیه ای طالبه وهو قارئه اس کا فاعل ہے اور **قوله**: بالخلف اس سے حال ہے اور **قوله**: جُهَّلا جمع جاہل مفعول ہے۔

ترجمه: اور (اثبات یاء الکبیر المتعالی میں صاحب دال درہ ابن کثیر کے لیے ہر دو حال میں) اس کا موتی (یعنی روشن چمکدار اور واضح الدلیل) ہے اور التلاقی اور التنادی (سورہ غافر میں ہے ان کی یاءات کا اثبات) جو ہے اس کے طالب (قاری) نے خلف کے ساتھ پڑھتے ہوئے جاہلوں (کے اعتراض) کو دفع کر دیا ہے (یعنی جس قاری نے ان دونوں کی یاءات میں اثبات وحذف کو اختیار کیا ہے اس نے کسی کو بھی اعتراض کا موقع نہیں دیا ہے کیونکہ یہ دونوں صحیح لغت سے ہیں دونوں ہی کو اختیار کر لیا اور کسی کو یہ کہنے کا موقع نہیں دیا کہ التناد والتلاق دونوں (کس آیۃ میں ہیں اس میں اثبات یاء ضعیف ہے اس لیے کہ اس سے یہ دونوں آیتیں اپنے برابر والی آیتوں کے ہم شکل نہیں رہتی ہیں تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ اگر اثبات کی صورت میں نہیں رہتیں تو حذف کی صورت میں تو رہتی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ التلاق والتناد میں صاحب دال درا ابن کثیر کے لیے ہر دو حال میں اور صاحب جیم جھلا ورش کے لیے صرف وصل میں بلا خلاف یاء کا اثبات ہے اور صاحب باء باغیه قالون کے ملیے وقفاً صرف حذف اور وصلاً اثبات وحذف دونوں ہیں اس کے علاوہ باقی قراء کے لیے ہر دو حال میں حذف ہے)۔

وَمَعْ دَعْوَةَ الدَّاعِیْ دَعَانِیْ حَلا جَنًا
وَلَیْسَا لِقَـــالُـوْنٍ عَنِ الْغُرِّ سُبَّلا

ش: **قولہ**: مع دعوة الداعی ترکیب میں کائنا کا ظرف ہے جو دعانی سے حال ہے اور دعوة کا نصب حکائی ہے **قولہ**: لقالون لغت کی بناء پر منصرف ہے **قولہ**: الغرّ جمع اغر کی ہے بمعنی مشہور **قولہ**: سبّلا جمع سابلة کی ہے ترکیب میں الغر حال ہے ای المختلفین فی الطرق المتردّ دین فی السّبل (قاری)

ترجمہ: اور (اذا) دعانی (کی یاء کا اثبات) مع دعوة الداعی (کی یاء کے اثبات کے صاحب حاء حلا وجیم جنا ابوعمر و اور ورش کے لیے وصلاً) چنے ہوئے پھل کے اعتبار سے شیریں ہے اور یہ دونوں (اثبات یاء) قالون کے لیے مشہور (قراء) سے نہیں ہیں درانحالیکہ وہ (قراء) طرق میں مختلف متردد اور غور کرنے والے) ہوں (یعنی قالون کے لیے ان دونوں میں یاء کا اثبات صحیح تو ہے لیکن ان قراء سے نہیں ہے جو طرق میں مشہور ہیں بلکہ غیر مشہور ناقلین سے ہے اس لیے نا قابل عمل ہے)۔

نَذِيرِیْ لِوَرْشٍ ثُمَّ تُرْدِيْنِ تَرْجُمُوْ
نِ فَاعْتَزِلُوْنِیْ سِتَّةٌ نُذُرِیْ جَلَا

ش: **قولہ**: نذیری ای اثبات یاء نذیری مبتدا اور **قولہ**: لورش موخر ہے اس کی خبر ہے اور **قولہ**: ثم تردین اور **قولہ**: ترجمون اور **قولہ**: فاعتزلونی سب نذیری کے معطوفات ہیں اور **قولہ**: نذیری ترکیب میں **قولہ**: ستة سے بدل الکل ہے اور **قولہ**: جلا ای ظھر امر مُستانفہ ہے یا تردین مبتدا اور اس کی خبر ہے ای جلاھا یعنی کشفھا ورش (قاری)۔

ترجمہ: (کیف) نذیری (سورہ ملک کی) یاء کا اثبات ورش کے لیے پھر لتردین (صفت اور (انْ) ترجمونی (اور) فاعتزلونی (دخان اور) چھ (الفاظ) نذیری (قمر کی یاء کے اثبات کو بھی) ان (ورش ہی) نے ظاہر کیا ہے (پس ان سب کلمات کی یاء میں ورش ہی کے لیے وصلاً یاء کا اثبات ہے اور باقی کے لیے ہر دو حال میں حذف ہے)۔

وَعِيْــــدِیْ ثَلٰثٌ يُنْقِذُوْنِ يُكَـــذِّبُوْ
نِ قَالَ نَكِيْرِیْ أَرْبَـعٌ عَنْــهُ وُصِّلَا

ش: **قولہ**: وعیدی ای اثبات یاء وعیدی مبتدا وما بعدہ معطوفات اور **قولہ**: وصّلا بالف الاطلاق اس کی خبر اور **قولہ**: عنہ متعلق وصّلا کے ہے اور ضمیر (ہ) کا مرجع ورش ہے اور **قولہ**: ثلاث واربع دونوں تقدیرا الفاظ ثلث والفاظ اربع مبتدا مقدر ھو کی خبر ہیں اور یہ جملہ اسمیہ معترضہ ہے۔

ترجمہ: وعیدی (کہ یہ) تین ہیں (اور لا) ینقذونی (یٰس اور ان) یکذبونی قال (سَنَشُدُّ قصص اور کان (نکیری (کہ یہ) چار ہیں (ان سب الفاظ مذکورہ کی یاءات کا اثبات بھی بحالت وصل) ان ہی (ورش) سے (ہم تک) پہنچایا گیا ہے)۔

فَبَشِّرْ عِبَادِي افْتَحْ وَقِفْ سَاكِنًا يَدًا
وَوَاتَّبِعُونِي حُجَّ فِي الزُّخْرُفِ الْعَلَا

ش: **قوله**: فبشر عبادی ای یاء فبشر عبادی ترکیب میں **قوله**: افتح کا مفعول ہے اور **قوله**: ساکنا فاعل قف سے حال ہے اور **قوله**: یدا دوسرا حال ہے قویا یا یہ تمیز ہے ای قوۃ اور **قوله**: واتبعونی ای واثبات یاء واتبعونی حجّ جملہ اسمیہ ہے اور **قوله**: فی الزخرف مصدر مقدر کا ظرف ہے اور **قوله**: العلا بالفتح والقصر ای ذی العلا ترکیب میں الزخرف کی صفت ہے۔

ترجمہ: تم فبشر عبادی (کی یاء کو صاحب یاء یدا صرف سوسی ہی کے لیے اثبات یاء کرتے ہوئے وصل کی حالت میں فتحہ دو (اور وقف کرو (اس یا پر ان ہی کے لیے) درانحالیکہ تم (اس یاء کو) ساکن کرنے والے (اور اس عمل میں) قوی (اور مضبوط) ہو یعنی اگر چہ اس میں سوسی کے لیے اور بھی اقوال ہیں مگر میں نے جو بیان کیا ہے وہ قوی ہے اس لیے کہ یہ تیسیر اور ابو العلا کی تصریح کے موافق ہے پس تم اس پر مضبوطی سے عمل کرو (اور ہاتھ اٹھا اٹھا کر یہ اعتراض مت کرو کہ اتا نی اللّٰہ میں اور اس میں اختلاف تو ایک ہی طرح کا ہے کہ وصلا یا کا فتحہ اور وقفاً سکون ہے تو پھر یہ فرق کیوں ہے کہ اول الذکر میں تو پورے ابوعمرو کے لیے اثبات یاء فتحہ ہے اور یہاں صرف سوسی ہی کے لیے ہے پس یہ اعتراض کرنا تمہارا صحیح نہیں ہے اس لیے کہ صحیح نقل سے اسی طرح ثابت ہے اور چونکہ معترض کی یہ عادت ہوتی ہے کہ وہ اعتراض کرتے وقت ہاتھ ہلایا کرتا ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ ناظمؒ کی ساکناً یداً (ہاتھ ٹھہرنے) سے مجازاً اعتراض نہ کرنا مراد ہو (واللہ اعلم (اور اتبعونی (ھذا کی یاء کا اثبات) بلندی والی (سورہ) زخرف میں (صاحب حاء حجّ ابوعمرو کے لیے وصلاً) غالب (اور قوی) ہے۔

وَفِي الْكَهْفِ تَسْئَلْنِي عَنِ الْكُلِّ يَاؤُهُ
عَلَىٰ رَسْمِهِ وَالْحَذْفُ بِالْخُلْفِ مُثِّلَا

ش: **قوله**: تسئلنی مبتدا اور **قوله**: فی الکھف اس کا ظرف اور **قوله**: عن الکل ای عن کل القراء اثبات یاء ہ خبر ہے اور **قوله**: علی رسمہ فاعل خبر سے حال ہے اور ضمیر (ہ) کا مرجع تَسْئَلْنِی ہے

قوله: والحذف مثلا بالف الاطلاق ای حوّر جملہ اسمیہ ہے اور **قوله**: بالخلف ترکیب میں مُثِّل کے فاعل سے حال ہے۔

ترجمہ: اور (سورہ) کہف میں جو تسئلنی ہے اس کی یاء (کا اثبات) کل (قراء) سے (ثابت) ہے درانحالیکہ یہ (یاء ثابت رہنے میں) اپنی رسم پر ہے (یعنی یہ رسم خط میں موجود ہے پس اس لیے جمیع قراء سبعہ نے اس کو ہر حال میں ثابت رکھا ہے) اور (اس یاء میں حذف بھی) خلاف کی حالت میں (صاحب میم مُثِّلا ابن ذکوان کے لیے) صورت دیا گیا ہے (یعنی ان کے لیے اس میں اثبات وحذف دونوں وجہ ہر دو حال میں ثابت ہیں)۔

وَفِیْ نَرْتَعِیْ خُلْفٌ زَّکَا وَ جَمِیْعُهُمْ
بِالْاِثْبَاتِ تَحْتَ النَّمْلِ یَهْدِیَنِیْ تَلَا

ش: **قوله**: فی نرتعی ای واثبات یاء نرتع. خلف جملہ اسمیہ اور **قوله**: زکا ترکیب میں خلف کی صفت ہے **قوله**: جمیعهم ای جمیع السبعة تلا بمعنی قراء دوسرا جملہ ہے اور تلا کی ضمیر کا مرجع باعتبار لفظ جمیع ہے۔ **قوله**: یهدینی ای یاء یهدینی مفعول ہے۔ **قوله**: بالاثبات بالنقل متعلق تلا کے ہے ملا علیٰ قاریؒ کے نزدیک یہ فاعل سے حال ہے **قوله**: تحت النمل ای فی سورة کائنة تحت النمل ظرف ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور نرتعی (سورہ یوسف کی یاء کا اثبات) میں صاحب زاء زکا قنبل کے لیے ہر دو حال میں) ایسا خلاف ہے جو (کدورت واشکالات سے) پاک صاف ہے اور ان تمام (قراء سبعہ نے (سورہ) نمل کے نیچے (سورہ قصص میں ان) یهدینی (کی یاء) کی یاء کو (ہر دو حال میں) اثبات سے پڑھا ہے۔

فَهٰذِیْ اُصُــوْلُ الْقَوْمِ حَالَ اطِّرَادِهَا
اَجَابَتْ بِعَوْنِ اللهِ فَانْتَظَمَتْ حُلَا

ش: **قوله**: فهذی فا تعقیبیه ہے اور هذه اسم اشارہ ہے جو واحد مؤنث کے لیے ہے ترکیب میں مبتدا اور **قوله**: اصول القوم اس کی خبر ہے ونظیرہ قوله تعالیٰ اَیَّامًا مَّعْدُودَۃ اور **قوله**: اطرادها یا تو حال ہے یا ظرف اور عامل اسم اشارہ کے معنی میں ہیں مثل هذا بعلی شیخا. اور مطرد وہ قاعدہ ہے جو ہمیشہ ایک ہی طرح پر اپنی تمام جزئیات میں جاری ہوتا ہے۔ **قوله**: حلا یا تو فانتظمت کی ضمیر سے حال ہے ای مشبهة حلا اور ذوات حلا یا تمیز ہے ای فانتظمت حلا ها.

ترجمہ: پس (تمام مسائل مذکورہ متقدمہ ان) قراء کے اصول (اور قواعد ہیں) اپنے ایک ہی طرح جاری ہونے کی حالت میں (یعنی یہ بطور قاعدہ کلیہ ہر جگہ ایک ہی طرح جاری ہوتے ہیں) ان (قواعد) نے حق تعالیٰ کی مدد کی سبب (میری نظم کی اطاعت کو) تو قبول کر لیا (یعنی میں نے ان کو جس طرح نظم اور بیان کرنا چاہا) پس وہ (اسی طرح) نظم (اور جمع) ہو گئے۔ درانحالیکہ وہ زینتوں والے (اور عمدہ) ہیں۔

وَإِنِّيْ لَأَرْجُوْهُ لِنَظْمِ حُرُوْفِهِمْ
نَفَائِسَ أَعْلَاقٍ تُنَفِّسُ عُطَّلَا

ش: قولہ: وانی اس کا ہمزہ اس لیے مکسور ہے کہ یہ ابتداء میں واقع ہے اور رجا ایسی چیز کی امید کرنے کو کہتے ہیں کہ جس کا حاصل کرنا ممکن ہو بخلاف تمنا کے کہ یہ عام ہے خواہ حاصل ہو سکے یا نہیں۔ **قولہ: نظم حروفهم** اس میں مصدر کی اضافت مفعول کی طرف ہے اور حروف سے مراد یا تو الفاظ مختلفہ ہیں یا رموز ہیں لیکن اول اولیٰ ہے اس لیے کہ ثانی اس کے تابع ہے پس اگر فروعهم فرما دیتے تو مراد بخوبی واضح ہو جاتی۔ **قولہ:** نفائس جمع نفیس کی ہے جو معنی میں عظیم اور جید کے ہے اور یہ **حروفهم** سے حال ہے **ای قلائد نفائس** اور **قولہ: اعلاق** بفتح الهمزہ جمع علق بکسر اولہ کی ہے اس کے معنی بھی نفیس ہی کے ہیں اس میں اضافت **اجود الجید و خیار الخیار** کے اعتبار سے مبالغہ ہے **قولہ:** تنفس **بکسر الفاء ای تعظم او تحلی** ترکیب میں نفائس کی صفت ہے **قولہ: عطلا جمع عاطل ای خال من الحلیة** کی ہے **یقال جیدٌ عاطلٌ للعنق الذی لا حلی فیه** اور یہ ترکیب میں حال یا تنفس کا مفعول ہے۔ واللہ اعلم۔

ترجمہ: اور بے شک میں اس (اللہ تعالیٰ یا اس کی مدد) ہی سے امید کرتا ہوں ان (قراء) کے الفاظ مختلفہ منفردہ غیر مطردہ یعنی فرشی اختلافات جو بطور قاعدہ کلیہ کے نہیں ہیں یا ان قراء کے رموز) کے نظم کرا دینے کی (بھی) درانحالیکہ یہ (حروف بھی) ایسے عمدہ نفیس (قلادے) ہیں جو زینتوں سے خالی گردنوں کو مزین (اور خوبصورت) بنا دیتے ہیں۔ یعنی ان کا حاصل کرنا بھی ضروری ہے اس لیے کہ جو ان کو حاصل کر لیتا ہے وہ بہت ہی با کمال اور سب کی نظروں میں با عزت اور با کمال شمار ہونے لگتا ہے۔

سَأَمْضِيْ عَلٰى شَرْطِيْ وَبِاللّٰهِ أَكْتَفِيْ
وَمَا خَابَ ذُوْ جِدٍّ إِذَا هُوَ حَسْبَلَا

ش: قولہ: اذ شرطیہ ہے اور **مستغنی عن الجواب** ہے اس لیے کہ اس کا ماقبل اس کو جواب سے بے نیاز کر رہا ہے۔ **قولہ:** ھو فعل مقدر کا فاعل ہے اور اس کو عامل کے محذوف ہونے کی وجہ سے منفصل لائے ہیں

قولہ: حسبلا اس فعل مقدر کا مفسر ہے اور جعبریؒ کے قول پر یہ دوکلموں سے منحوت ہے مرکب نہیں ہے جیسے بسمل اور فرق ان دونوں میں یہ ہے کہ منحوت وہ ہوتا ہے جو دوکلموں میں سے کوئی حرف لے کر بنالیا گیا ہو۔اور مرکب وہ ہے کہ جو پورے پورے دوکلموں سے بنایا گیا ہواور تیسرے کلمہ کا بھی کوئی حرف شامل ہو۔واللہ اعلم

ترجمہ: میں (فرش) اختلافات کے بیان کرنے میں بھی) اپنی (اس) شرط (یعنی اصطلاح پر چلوں گا (اور عمل کروں) گا (جس کو میں نے پہلے مقدمہ میں بیان کیا ہے چنانچہ رموز وغیرہ اپنی تمام اصطلاحات کو جیسا کہ میں نے یہاں بیان کی ہیں فروش میں بھی یہی اصطلاحات اور رموز لاؤں گا اور جو وجہ ضد والی ہوگی اس کی ضد بھی ذکر نہیں کروں گا وغیرہ وغیرہ) اور میں اللہ (ہی کی مدد اور اس کی توفیق) پر کفایت کرتا ہوں اور کوئی (بھی) صاحب حق (یعنی مفید مقصد والا) نامراد نہیں ہوا جب کہ اس نے (اپنے مقصد کے شروع میں) حسبی اللہ کہا ہو (یعنی جس نے بھی اپنے مقصد کو حسبی اللہ کہہ کر شروع کیا ہے وہ کبھی محروم اور نامراد نہیں ہوا ہے بلکہ حق تعالیٰ کی توفیق اور اس کی مدد سے اس میں کامیاب ہی ہوا ہے لہٰذا میں بھی اسی طرح ان شاء اللہ اپنی مراد میں کامیاب ہو جاؤں گا کیونکہ میں نے بھی حق تعالیٰ کی ذات پر اکتفا کرتے ہوئے اپنے مقصد یعنی فرشی اختلافات کے شروع کرنے سے پہلے اس کلمہ حسبی اللہ کو کہہ لیا ہے)

تمت الاصول بعون اللہ تعالیٰ فی شھر ربیع الاول سنة تسع وسبعین وثلثمائة بعد الالف من ھجرة النبی ﷺ والمسئول ممن اطلع علیھا اذارأی فیھا عیبا ان یصلحه برفق ولین من غیر انکار فان من الف فقد استھدف والانسان محل الخطا والنسیان خصوصًا فی ھذا الزمان الذی کثرت فیه الشواغل والھموم وعظمت فیه الشدائد والغموم فالله یسر کل مامون ونیل کل مسئول ونحن نرجومن اللہ اتمام مرادنا وحسبنا اللہ فی معاشنا ومعادنا وتوفیق التقوٰی خیر زادنا واٰخرد عوانا ان الحمد للہ ربّ العٰلمین والصّلوٰة والسلام علی سید المرسلین وعلیٰ اٰله واصحابه اجمعین برحمتک یا ارحم الراحمین.

بندہ محمد سلیمان غفرلہ دیوبندی

مدرس مظاہر علوم سہارنپور

۵/ربیع الاول ۱۳۶۹ھ

۲/مئی ۱۹۴۸ء یوم جمعہ

الجواہر الضیائیہ
شرح
الشاطبیہ

حضرت مولانا قاری محمد سلیمان دیوبندی صاحبؒ

شیخ القراء والتجوید مظاہر علوم سہارنپور

قرأت اکیڈمی
لاهور

قرأت اکیڈمی

۲۸۔الفضل مارکیٹ، ۱۷۔اردو بازار لاہور

Ph: 042-7122423 Cell: 0300-4785910